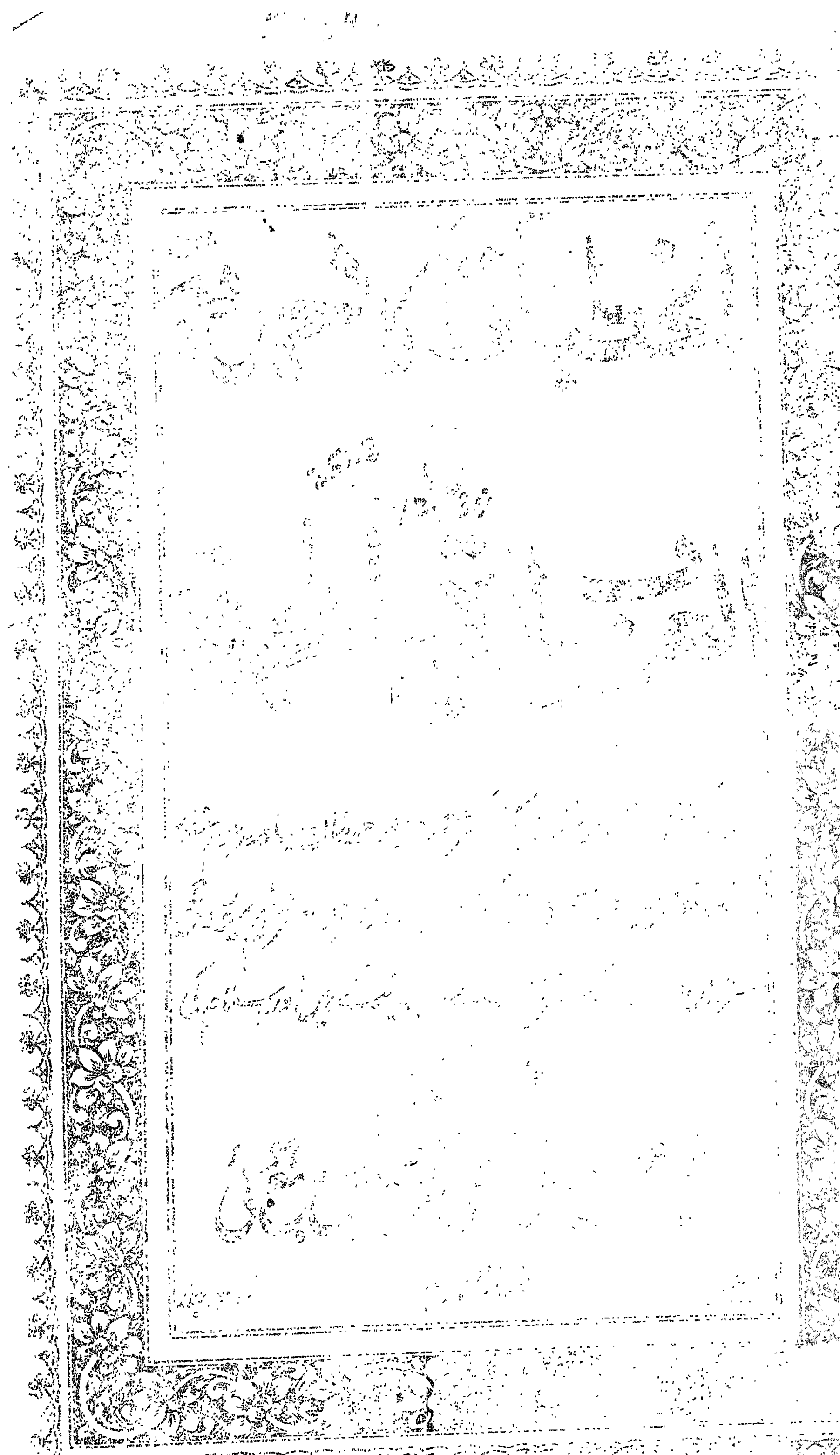


فہرست مضامین خطبات احمدیہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

عجائبات دنیا میں سب سے زیادہ عجیب وہ خیال ہے جسکو لوگ مذہب کہتے ہیں مذہب اُس امتیاز کا نام ہے جو انسانوں کے افعال سے علاقہ رکھتا ہے اور جس کے سبب انسانوں کے افعال اچھے یا بُرے یا نہ اچھے نہ بُرے خیال کئے جاتے ہیں کیونکہ اگر انسان کے افعال میں یہ تمیز نہ ٹہرائی جاوے تو کسی مذہب کا وجود باقی نہیں رہتا

تمام خیالات جو انسان میں پیدا ہوتے ہیں اور تمام یقین جو انسان کسی چیز پر رکھتا ہے اُسکا منشا اُن خیالات اور یقین کے سوا کچھہ اور چیزیں ہوتی ہیں جو اُن خیالات اور یقین کے اسباب سمجھی جاتی ہیں مگر تعجب یہ ہے کہ وہ خیال جسکو مذہب کہتے ہیں بغیر کسی خارجی اسباب کے اور بغیر تجربہ اور امتحان کے اور بدون کسی معقول ثبوت کے یکایک دل سے اُٹھتا ہے اور اسلئے وہی اُسکا مخرج سمجھا جاتا ہے اور پھر اُس پر ایسا یقین ہوتا ہے کہ کسی آنکھ دیکھی چیز پر بھی نہیں۔

اس تعجب پر اور تعجب یہ ہے کہ اُس بن دیکھی چیز اور اَن سمجھی بات اور بےدلیل

خیال کا لوگوں کی طبیعت پر ایسا سخت اثر ہوتا ہے کہ وہ اثر انسان کے تمام افعال پر
اور قدرتی جذبات پر جو انسان میں خدا نے پیدا کئے ہیں غالب ہوجاتا ہے اور جو جوش
اور ولولہ اس از خود پیدا ہوئے خیال سے انسانوں کی طبیعتوں پر ہوتا ہے اور کسی
دوسری چیز سے نہیں ہوتا گو کہ اُس دوسری چیز کے صحیح اور یقینی ہونے کے لئے
کیسی ہی عمدہ عمدہ دلیلیں اور کیسے ہی قطعی ثبوت موجود ہوں۔

اگر وہ خیال تمام انسانوں میں مختلف نہوتا تو شاید یہ کہا جا سکتا کہ تمام عالم کا اُس پر
یقین رکھنا ہی اُس کی سچائی کا ثبوت ہے مگر تعجب تو یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر قوم اور ہر
ملک اور ہر فرقہ بلکہ ہر فرد بشر میں وہ خیال ایسا مختلف رہا ہے کہ کسی ایک پر بھی یقین
کرنیکی کوئی وجہ نہیں اور اسپر تعجب یہ ہے کہ ہر شخص کو یہی یقین ہے کہ میرا ہی خیال
اور سب کے خیالوں سے بالکل صحیح اور بالکل سچا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح یونانی اپنے
خدا اور دیوتا پر اور مسلمان و یہودی اپنے ایک خدا پر اعتقاد اور یقین کامل رکھتے ہیں
اسی طرح ہندو اور مصری اپنے تینتیس کروڑ دیوتاؤں پر اعتقاد اور یقین کامل رکھتے ہیں

کیا یہ مسئلہ کہ تمام چیزیں ایک ہی کل کے جزو یا اوسکی عین یا وہ بمنزلہ جان اور یہ بمنزلہ
جسم کے ہیں صحیح ہے کیا یہ سب مختلف چیزیں جو ہمکو دکہاتی ہیں سب ایک ہیں کیا نور و ظلمت
اور کالا اور سفید دونوں یکساں ہیں جیسا کہ ایک عارف باللہ کہتا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی	تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یا یہ مسئلہ صحیح ہے کہ تمام چیزوں کا اُسی سے ظہور ہے وہی ظلمت کا باعث اور وہی نور
کے ظہور کا سبب ہے وہی آسمانوں پر کڑکتا ہے اور وہی زمینوں پر برساتا ہے وہی
ستاروں کو چمکاتا ہے اور وہی پہولوں کی کلیوں کو کہلاتا ہے اُسیکا جلوہ بہشتوں کی کہاوت

اور اُسی کا پردہ دوزخوں کی آفت ہے غمگین دل کا غم اور شاداں دل کی شادی اُسی سے ہے وہ کسی جگہ نہیں اور سب جگہ ہے وہ کسی میں نہیں اور سب میں ہے عابد کے نورانی سینہ اور فاسق کے بریاں دل اور معشوق کی عاشق کش ابرو اور عاشق کی گریاں چشم سب میں اُسکی یکساں جگہ ہے جس طرح کہ وہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اُسی طرح وہ باریک سے باریک بال میں بہی ہے وہ سب کو دیکھتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے مگر اُسکا جاننا یا علم ہم سے دو درجہ کم ہے کیونکہ وہاں ماضی اور استقبال نہیں ہے بہرحال اُس بن دیکہی جناب اور ان سمجھی ذات کو جو کہو سو کہو مگر ان تمام مشکلوں پر ہمکو یہ مسلمانی مسئلہ کہ "انا عند ظن عبدی بی" اور بہی مشکل میں ڈالتا ہے۔

ربی انت عند ظنی رحیم فارحم علی

پہر ہمکو اور زیادہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ یہ تمام مختلف خیالات جو لوگوں کے دلوں میں ہیں اور جو مذہب کہلاتے ہیں وہ ایک ہی مخرج سے یعنی دل سے نکلے ہیں اور دل کے اُس فعل کا جس سے یہ خیالات پیدا ہوتے ہیں اعتقاد نام رکہا جاتا ہے پس اگر مدار مذہب کا اعتقاد ہو تو ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط ٹہرانے کی کوئی وجہہ نہیں ہو سکتی۔

کیا وجہہ تمیز کی ہے اُس سچی دلی پرستش میں جو ابراہیم کے باپ نے ایک بت کی کی اور اُس سچے دل کے خیال میں جس سے ابراہیم نے اپنے باپ کے اُس بت کو توڑا ایک ہی واقعہ حضرت مسیح کے قتل کا ہے جو کالوری کی پہاڑی میں بیت المقدس کے پاس گذرا اُن بیرحم قاتلوں نے اپنی دانست میں جو کچہہ کیا مذہبی نہایت سچے اور مستحکم اعتقاد اور دل کے کپ کپا دینے والے ایمانی جوش سے کیا پس اُن دو گروہوں

ہیں سے جو نہایت سچے دل سے اُسکو نہایت ہی نیک کام سمجھتے ہیں اور جو نہایت پاک دلی سے اُسکو نہایت ہی بد کام جانتے ہیں کونسی چیز تفرقہ کرنیوالی ہے۔

کیا وجہ تمیز کی ہے سینٹ پال کی اُس حالت میں جبکہ وہ دلی اعتقاد اور ایمان کے جوش سے اُن لوگوں کا ساتھی تھا جنھوں نے سینٹ اسٹیفن شہید کو سنگسار کیا اور اُس حالت میں جبکہ اُسنے اپنے سچے دلی اعتقاد سے حضرت مسیح کو مانا۔

کیا چیز ہے جس سے ہم عمر کی اُس حالت میں تمیز کریں جب کہ اُسنے لات و منات پر سچا دلی اعتقاد رکھکر امین عرب کے قتل پر کمر باندہی اور اُس حالت میں جبکہ اُسنے نہایت سچی دلی تصدیق سے کہا کہ اشھد ان محمدا رسول اللہ۔

یہ وہی عجیب خیال ہے جو دونوں طرف برابر نسبت رکھتا ہے اور جسکو لوگ مذہب کہتے ہیں پس ایسی ذو جہتین چیز کی جو ضدین میں برابر نسبت رکھتی ہو کسی جہت پر یقین کرنے کی کوئی وجہہ نہیں البتہ ان تمام خیالوں میں سچا خیال یا تمام مذہبوں میں سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے جو ضدین میں برابر نسبت رکھنے کے نقص سے پاک ہو۔

مذہب کیا چیز ہے؟ وہ ایک ایسا سچا اصول ہے کہ جب تک انسان اپنے قوائے جسمانی اور عقلی پر قادر ہے اُسکے تمام افعال ارادی، جوارح، نفسانی، و روحانی کا اُسی اصول کے مطابق ہونا چاہیئے پھر اگر وہ اصول ایسے ہیں کہ صرف کسی قسم کے اعتقاد پر مبنی ہیں تو اگر متعدد لوگوں کا متضاد اصولوں پر کسی وجہہ سے اعتقاد ہے تو ایک کو سچا یا صحیح اور دوسرے کو جھوٹا یا غلط کہنے کی بجز تحکم کے اور کوئی وجہہ نہیں سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے جسکی سچائی نہ کسی اعتقاد پر بلکہ حقیقی سچائی پر مبنی ہو کیونکہ مذہب اعتقاد کی فرع نہیں ہے بلکہ سچائی مذہب کی اصل یعنی عین مذہب ہے اور اعتقاد اُسکی فرع ہے پس جبکہ ہم مختلف مذہبوں

میں سے سچے مذہب کو پرکھنا چاہیں تو دیکھیں کہ وہ سچے اصول کے مطابق ہے یا نہیں۔

سچا اصول کیا ہے؟ جہانتک کہ انسان اپنے قوائے عقلی سے جان سکتا ہے وہ بجز قدرت یا قانون قدرت کے اور کچھ نہیں جس کی نسبت اسلام کے بانی نے یہ فرمایا کہ "ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت فارجع البصر هل ترى من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسأ وهو حسیر۔

قدرت یا قانون قدرت کیا ہے وہ وہی ہے جس کے بموجب اُن تمام چیزوں مادی یا غیر مادی کا جو ہمارے ارد گرد ہیں ایک عجیب سلسلہ انتظام سے وجود ہے اور ہمیشہ انہیں کی ذات میں پایا جاتا ہے اور کبھی اُن سے جدا نہیں ہوتا قدرت نے جس طرح جسکا ہونا بنا دیا ہے بغیر خطا کے اسی طرح ہوتا ہے اور اسی طرح ہوگا پس وہی سچ ہے اور جو اصول اُسکے مطابق ہیں وہی سچے اصول ہیں نہ وہ جن کی بنا ایک فانی قابل سہو و خطا وجود یعنی انسان کے اعتقاد پر منحصر ہو۔

قدرت ہمکو صرف اپنے وجود اور اپنے سلسلہ انتظام اور اپنے تعلقات ہی کے جو بے انتہا مخلوق میں پایا جاتا ہے سچائی نہیں دکھلاتی بلکہ اُس سے ایسے ہی اصول پائے جاتے ہیں جس سے ہم اپنے افعال ارادی جسمانی اور روحانی کی بھلائی اور برائی بھی جان سکتے ہیں اور جو کہ قدرت سچی اور کامل ہے تو ضرور ہے کہ وہ اصول بھی سچا اور کامل ہو اور یہی سچا اور کامل اصول یا یوں کہو کہ وہ مذہب جس کے اصول اُسکے مطابق ہیں وہی سچا مذہب ہونے کے مستحق ہے۔

یہ مت سمجھو کہ ہم قدرت یا قانون قدرت ہی کو سبب یا اخیر سبب اس تمام کارخانہ کا سمجھتے ہیں جسکا کوئی خالق نہو جیسے کہ دہریوں کا مذہب ہے نعوذ باللہ منہا

بلکہ قدرت کو تو ہم ایک قانون کہتے ہیں جسکا کوئی بنانے والا ہے اور اسی لئیے ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ تمام سلسلہ ایک ہی مسبب اور ایک ہی اخیر سبب پر ختم ہوتا ہے جسپر تمام چیزوں کی ہستی منحصر ہے اور جسکی اُن پہچان ذات کو ہزاروں لاکھوں کروڑوں ناموں سے لوگ پکارتے ہیں' او میرے پیارے خدا تم پردہ میں تو ہو پر سب پر ظاہر ہو ایسے جھوٹ موٹ کے پردہ سے کیا فائدہ -

رشک آیدم وگرنہ نقابت کشودمے	دستِ ترا گرفتہ بعالم نمودمے

معاذ اللہ توبہ توبہ میں نے کیا کہا کہیں کافر تو نہیں ہوگیا "الٰھی انت عبدی وانا ربک استغفر اللہ استغفر اللہ انت ربی وانا عبدک" پس آدمی کو چاہیے کہ اس کارخانہ قدرت سے اُسکے بنانے والے کو اور اُسکی راہ کو یا اس کی راہ بتانے والے کو تلاش کرے کہ یہی سیدھی سڑک سیدھا راستہ چلنے کا ہے -

مذہب کی تمثیل میں علماء اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے کیسی کیسی غلطیاں کی ہیں اور کیا کیا ٹھوکریں کھائی ہیں بعضوں نے مالک اور غلام کی تمثیل دی ہے اور فرمایا ہے کہ مذہب اور شریعت کو مصالح قدرت اور اعمال کو اُسکے بدلے یعنی جزا اور سزا سے کچھ مناسبت نہیں اور اُسکے اوامر ونواہی میں بجز اسکے کہ مالک کا حکم بجالانا ہے اور کچھ فائدہ نہیں شاید اُن لوگوں کا خدا ایسا ہو جو لغو کام کرنیکو کہے میرا تو خدا ایسا نہیں وہ تو نہایت دانا اور سب سے بڑا حکیم مطلق ہے اُس کی تو کوئی بات بھی حکمت اور منفعت سے خالی نہیں -

اس رائے کو تو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی غلط ٹھرایا ہے چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ "قد نظن ان احکام الشریعۃ غیر متضمنۃ لشئ من المصالح وانہ لیس

بین الاعمال وبین ماجعل اللہ جزاءلھا مناسبة وان مثل التکلیف بالشرائع کمثل سید اراد ان یختبر طاعة عبدہ فامرہ برفع حجر اولمس شجر مما لا فائدۃ فیہ غیر الاختبار فلما اطاع او عصی جوزی بعلمہ وھذا ظن فاسد تکذبہ السنة واجماع القرون المشھود لھا بالخیر

بعض عالموں نے مالک اور بیمار غلام سے مذہب کی تمثیل دی ہے جبکہ مالک نے اسکے علاج کے لئے اپنا مصاحب مقرر کیا ہو اور اس مصاحب کے حکم کو ماننا باعث نجات اور نہ ماننا باعث درکات ٹھرایا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب بھی حجۃ اللہ البالغہ میں اسی رائے کو صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ" وظھر مما ذکرنا ان الحق فی التکلیف بالشرائع ان مثلہ کمثل سید مرض عبیدہ فسلط علیھم رجلا من خاصتہ لیسقیھم دواء فان اطاعوا لہ اطاعوا السید ورضی عنھم سیدھم واثابھم خیرا ونجوا من المرض وان عصوہ عصوا السید واحاط بھم غضبہ وجازاھم اسوء الجزاء وھلکوا من المرض"۔

مگر میں اسکو نہیں مانتا اور پوچھتا ہوں کہ دوا کا کرنا باعث نجات کا تھا یا مصاحب کے حکم کا ماننا تھا اگر بے حکم مصاحب کے بھی وہ دوا کرتا تو نجات پاتا یا نہیں ضرور پاتا اسلئے کہ اُس دوا سے نجات پانا قدرت کا قانون تھا جو کسی طرح بدل نہیں سکتا۔

بعضے عالموں نے مذہب کی تمثیل ایسے طبیب سے دی ہے جو نہ تو خود کسی چیز کو امرت بناتا ہو اور نہ کسیکو ہلاہل ٹھراتا ہو بلکہ ہر چیز میں قدرت نے جو اثر رکھا ہے اُسی کو بتاتا ہو تاکہ جو لوگ صحیح ہیں اپنے حفظ صحت کے اصول جانیں اور جو بیمار ہیں وہ حصول صحت کی دوا کو پہچانیں اور مذہب بہ نسبت اُسکے کہ صرف بیمار غلاموں ہی کے لئے ہو

سب کیلئے عام ہوجائے۔

افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں اس راے کو نہیں ملنتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "وانہ لیس الامر علی ما ظن من ان حسن الاعمال وقبحھا بمعنے استحقاق العامل الثواب والعقاب عقلیان من کل وجہ وان الشرع وظیفۃ الاخبار عن خواص الاعمال علی ما ھے علیہ دون انشاء الایجاب والتحریم بمنزلۃ طبیب یصف خواص الادویۃ وانواع المرض فانہ ظن فاسد تبجہ السنۃ بادی الرای"

مگر میں اسی کو مانتا ہوں اور اسیکو سچا اصول سمجھتا ہوں جو قانون قدرت کے بالکل مطابق ہے اور کتاب وسنت دونوں کو اسی کا موئد پاتا ہوں جو علم مذہب اسلام کی بنیاد ہیں پس جہانتک کہ سچے مذہب کی میں تحقیق کرسکا میں نے اسلام ہی کو سچا مذہب پایا اور امید ہے کہ جو لوگ سچائی کو درست رکھتے ہیں وہ ہمیشہ صفائی اور سچائی سے اسلام کی سچائی کی تحقیقات کرینگے۔

مگر ایک مشکل یہ پیش ہے کہ جب اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو لوگ اس مجموعہ احکام کو جو اب احکام مذہبی سمجھے جاتے ہیں مذہب اسلام خیال کرتے ہیں ہاں مجازاً تو اُنپر مذہب اسلام کا اطلاق ہوسکتا ہے مگر حقیقتاً وہ مجموع من حیث المجموع بمعنی حقیقی مذہب اسلام کہلانے کا مستحق نہیں ہے موجودہ مسائل مذہب اسلام میں دو قسم کے اصول واحکام شامل ہیں ایک وہ جنکو خود شارع نے صاف صاف بیان کیا ہے جو احکام منصوصہ کہلاتے ہیں اور ایک وہ جنکو عالموں اور مجتہدوں نے اپنے ذہن کی خوبی اور اپنے علم کی روشنی سے باستدلال دلالت النص یا اشارۃ النص یا قیاس کے قایم کیا ہے جو اجتہادیات کہلاتے ہیں اور جو بجز ایک قابل سہو وخطا وجود کی راے کے

اور کچھہ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے پس ان دونوں قسم کے مسائل میں تمیز نہ کرنے سے آدمی
طرح طرح کی سخت غلطیوں میں پڑجاتے ہیں اور یہ وہی ترک امتیاز ہے کہ جب مسلمان
اُسکو اختیار کرتے ہیں تو اُسکا نام تقلید رکھتے ہیں اور جب غیر مذہب کے لوگ اسکو اختیار
کرتے ہیں تو اُسکو ایک حقیر نام تعصب یا جہل مرکب یا ضلالت سے موسوم کرتے ہیں
فاعتبروا یا اولی الابصار

پہلی قسم کے احکام بہی جنکا نام احکام منصوصہ ہے دو قسم کے احکام ہیں ایک وہ
جو اصلی احکام ہیں اور بلاشبہہ وہ بالکل قانون قدرت کے مطابق بلکہ اُسکی جان ہیں اور دوسرے
وہ جو اُن اصلی احکام کی حفاظت اور اُن کے بقا اور اتمام کے لئے ہیں پس جو کوئی مذہب
اسلام کی سچائی اُن سچے قدرتی اصولوں سے پرکہنی چاہے تو اُسکو ان دونوں قسم کے
احکام کی اور اُن میں سے ہر ایک کے درجہ اور رتبہ کی تمیز کرنی لازم ہے۔

علاوہ مذکورہ بالا دو قسموں کے ایک تیسری قسم بہی احکام مذہب اسلام میں ہے جو ذو
معنیین عبارتوں یا ناکامل سند یا مشتبہہ سندوں سے قائم ہوئے ہیں اُن میں سے
پہلی قسم تو اجتہادیات میں داخل ہے اور دوسری قسم مذہب اسلام میں کچھہ وقعت اور اعتبار
نہیں رکھتی گو اُسپر اس وجہہ سے کہ اُس میں کچھہ نقصان نہیں ہے عمل ہوتا ہو۔

پس یہ سچا مذہب اور وہ شخص جسکی معرفت ہمکو اُسکی تعلیم ہوئی ہمارے بے انتہا
ادب اور نامحدود ثنا و صفت کا مستحق ہے اور بلاشبہہ اسی خطاب کے لایق ہے کہ
"انت احب الی یا رسول اللہ من نفسی التی بین جنبی" چنانچہ ہمکو بہت بڑی خوشی
اور مبارکی اسی بات کی ہے کہ ہمنے اُسکو نہ خدا سمجھا اور نہ خدا کا بیٹا نہ کوئی فرشتہ بلکہ ایک
وحی بہیجا ہوا انسان جانا مگر اپنی جانوں سے زیادہ عزیز جانا بابی انت وامی یا رسول اللہؐ۔

دل و جانم فدایت یا محمد	سر من خاک پایت یا محمد

یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

آنحضرت کی زندگی کے حالات جنکو مسلمان سیر اور انگریز لیف کہتے ہیں صرف دیندار مسلمان عالموں ہی نے نہیں لکھے بلکہ غیر مذہب کے علماء اور مورخین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ دونوں افراط و تفریط میں پڑ گئے پہلوں کی آنکھوں میں تو کمال روشنی کے سبب چکا چوند آگئی اور پچھلوں کی آنکھیں بجلی کی چمک سے بند ہو گئیں پہلے تو شراب محبت کی سرشاری میں باٹ سے بھٹک گئے اور پچھلے اُس رستہ کی ناواقفی سے منزل تک نہ پہونچے پہلے تو یہ بھولے وہ کسکا بیان کرتے ہیں اور پچھلوں نے اُسیکو نہ جانا جسکا وہ ذکر کرتے ہیں۔

کسی مشہور محدث نے بجز ایک کے جسکا ہم ابھی ذکر کرینگے کوئی خاص کتاب آنحضرت کی زندگی کے حالات میں نہیں لکھی لیکن تمام محدثین نے جن کی سعی اور کوشش کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے اپنی اپنی کتابوں میں اُن حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے جو آنحضرت کی زندگی کے حالات سے متعلق ہیں پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں جن سے کم و بیش آنحضرت کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہو سکتے ہیں اور جن کو معقول طرح پر ترتیب دینے سے اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذکرہ آپ کی زندگی کا جمع ہو سکتا ہے۔

ابو عیسیٰ ترمذی نے جو ۲۰۹ھ ہجری مطابق ۸۲۴ء میں پیدا ہوا اور ۲۷۹ھ ہجری مطابق ۸۹۲ء میں انتقال کیا اپنی مشہور کتاب جامع ترمذی کے سوا ایک اور کتاب بھی آنحضرت کے حالات میں لکھی ہے جو شمایل ترمذی کے نام سے مشہور ہے مگر اُس میں

آپ کی زندگی کے تمام حالات مندرج نہیں ہیں بلکہ وہ خاص خاص باتیں اور عادتیں جو بالتخصیص
نفس نفیس آنحضرت سے تعلق نہیں مذکور ہیں باایںہمہ جسقدر حدیثیں آنحضرت کے حالات سے ان
مشہور حدیث کی کتابوں میں مندرج ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ جنکو ہم مثل کتاب اللہ کے
بے غور اور بلا تحقیقات اندہادہوندی سے مان لیں بلکہ ہمپر واجب ہے کہ اُن تمام حدیثوں کو
خواہ وہ بخاری کی ہوں یا شمائل ترمذی کی قبل اُن کے سچا قبول کرنے کے اُنکی سچائی اور
صحت کی تحقیقات اُن اصول و قواعد کے ساتھ کرلیں جو اسکے لئے مقرر ہیں اور جن کو
ہمنے ایک جداگانہ خطبہ میں بیان کیا ہے اور اگر ہم ایسا نہ کرینگے تو سخت غلطیوں میں پڑینگے
کیونکہ بے سند حدیث مسلمانوں کے مذہب میں کوئی وقعت اور اعتبار نہیں رکھتی شاہ
عبدالعزیز صاحب اپنی کتاب تحفہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں "حدیث بے سند گوز شتر
است" مگر افسوس ہے کہ بہت ہی کم مصنف ہیں جنہوں نے اس ضروری اور نہایت
ضروری اصول کی پیروی کی ہو۔

ان حدیث کی کتابوں کے سوا جنکا ابہی ذکر ہوا اور بہت سی کتابیں ہیں جو خاص
آنحضرت کے حالات کے لئے لکھی گئی ہیں اور بعض ایسی ہیں جن میں اُس کے سوا اور
بہی حالات ہیں اور یہ تمام کتابیں عموماً کتب سیر کے نام سے موسوم ہیں اور جن میں
سے کتب مفصلۂ ذیل زیادہ مشہور ہیں ۔

ابن اسحاق ۔ ابن ہشام طبقات کبیر المشہور بواقدی ۔ طبری ۔ سیرت شامی ۔
ابوالفدا ۔ مسعودی ۔ مواہب لدنیہ ۔ انکے سوا عربی فارسی زبان میں اور بہی کتابیں
ہیں جو انہی سے بنائی گئی ہیں ان کتابوں میں سے پہلی چار کتابیں بہت قدیم ہیں اور
باقی بہت پچہلی ۔

یہ سب کتابیں تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح و موضوع حدیثوں کا مختلط مجموعہ
ہے جس میں صحیح اور غلط مشتبہ اور درست اور جھوٹی اور سچی کسیکا کچھ امتیاز نہیں اور جو
کتابیں زیادہ قدیم ہیں اُن میں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ ہے قدیم مصنفوں اور لگلے زمانہ
کے مورخونکو تصنیفات سے زیادہ غرض یہ تھی کہ ہر ایک قسم کی روایتوں اور افواہونکو جو انکے
زمانہ میں پھیل رہی تھیں ایک جگہ جمع کریں اور اس بات کی تحقیقات اور تصحیح کہ کون سی ان میں
کی بالکل صحیح ہے اور کون سی غلط اور کس میں زیادتی یا کمی ہوئی ہے اور کس میں مضمون
کے سمجھنے اور واقعہ کے بیان میں غلط فہمی ہوئی ہے آیندہ وقت یا آیندہ نسلوں پر منحصر
رکھیں مگر افسوس یہ ہے کہ پچھلی نسلوں نے بعوض اسکے کہ تحقیقات مطلوبہ کرنے سے اپنے
بزرگوں کے مقاصد کی تکمیل کرتے اُنہی کتابونکو اپنی تصنیفات جدید کا ماخذ ٹھرایا اور اسلیے
ان پچھلے مصنفوں کی تصنیفوں میں بھی وہی نقص پیدا ہوا جو اُن قدیم مصنفوں کی تصنیفوں
میں تھا غرض کہ اب فن سیر کی تمام کتابیں کیا قدیم کیا جدید مثل ایسے غلہ کے انبار کے ہیں جس
میں سے کنکر پتھر کوڑا کرکٹ کچھ چنا نہیں گیا اور اُن میں تمام صحیح و موضوع جھوٹی اور سچی سند
اور بے سند ضعیف و قوی مشکوک و مشتبہ روایتیں مخلوط اور گڈمڈ ہیں۔

سر ولیم میور صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ "آنحضرت کے حالات زندگی کی تین کتابیں
ہشامی - واقدی - طبری - ایسی ہیں کہ جو شخص دانشمندی سے آنحضرت کے حالات لکھیگا
تو اپنی تحریر کے لیئے اُنہی کتابونکو سند گردانیگا" مگر صاحب ممدوح نے اسبات کو بیان
نہیں فرمایا کہ اُن کتابوں میں کسقدر ایسی روایتیں ہیں جن سے آنحضرت کو کچھ بھی علاقہ
نہیں اور کسقدر ایسی ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے اور کسقدر ایسی ہیں جن
کے راویونکی خصلت نہ کسی مذہبی مسئلہ کے سبب بلکہ اخلاقی نقصانوں کے سبب

مشتبہ اور اُنکی رسہت بیانی مشکوک یا مطعون ہے اور کسقدر ایسی ہیں جن کے بیان کرنے والے بالکل لامعلوم شخص ہیں اور کسقدر ایسی ہیں جنکی تحقیق یا تصدیق نہیں ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے نہایت گرمجوشی سے واقدی کی قدر و منزلت کو اسکی اصلی حقیقت سے بہت بڑا دیا ہے جسکی نسبت سر ولیم میور صاحب یہ ارقام فرماتے ہیں کہ "ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کتاب کی تعریف اُسکی حد سے زیادہ کی ہے" مگر افسوس ہے کہ باوجود اسکے صاحب ممدوح نے بہی واقدی کی کم قدر نہیں کی اور اوروں پر ترجیح دینے میں کچہہ کوتاہی نہیں کی اسلئے کہ انہوں نے بہی آنحضرت کی زندگی کے تمام حالات کو اُسی کتاب سے لکہا ہے اور اُسی کی سند پر مذہب اسلام کے برخلاف تمام رائونکو قایم کیا ہے۔

واقدی کچہہ بڑا معتبر شخص نہیں ہے وہ تو حاطب اللیل یعنی اندہیری رات میں لکڑیاں چننے والا ہے اُسکی غلط روایتوں اور جہوٹے قصہ اور کہانیوں اور بے سند باتوں سے تمام علماء نے اُسکو نامعتبر ٹہرایا ہے محمد بن عبد الباقی الزرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں میزان سے واقدی کی نسبت یہ جملہ نقل کیا ہے" الواقدی محمد بن عمر بن الواقدی الاسلمی المدنی الذی استقر الاجماع علی وھنہ (کما فی المیزان)"

کسیکے کہنے اور سننے پر کیا موقوف ہے خود اُسکی کتابیں موجود ہیں جو کچہہ بہی قدر و قیمت کے لایق نہیں بجز اسکے کہ جو افواہ اُسنے سُنا اور جو آواز چڑیا کی خواہ کوے کی اُسکے کان میں آئی وہ اُسنے لکہدی کوئی طریقہ تحقیق کا اور کوئی رستہ تنقیح کا اُسنے اختیار نہیں کیا پس کیا وہ کتابیں ایسی ہیں جو مذہب اسلام کی بنیاد سمجہی جاسکتی ہیں اور کیا کوئی مخالف مذہب اسلام کا اُن کتابوں کی سند پر مذہب اسلام یا اُسکے واعظ میں عیب نکالکر اور اپنے آپ کو فتحمند سمجہکر خوش ہوسکیگا ان ھذا لشئ عجاب۔

البتہ ابو الفدا کی کتاب کسیقدر اچھی ہے اور جہاں تک ہوسکے اعتبار کے لایق ہی

اُسنے اپنی کتاب احتیاط سے لکھی ہے اگرچہ تحقیق و تنقیح کے رستہ کو اُسنے اختیار نہیں کیا

الا اس بات پر کوشش کی ہے کہ کوئی موضوع یا مشتبہ یا لغو روایت اُس میں نہ داخل ہونے

پاوے مگر بایہمہ یہ کہنا کہ اُسکی کوششیں کامیاب ہوئیں اور اُس میں کوئی روایت موضوع

یا مشتبہ نہیں ہے حد اعتدال سے آگے بڑھ جانا ہے۔

مسلمان مورخوں کے سوا جن کا اوپر ذکر ہوا عیسائی مورخوں نے بہی مذہب

اسلام اور اُسکے واعظ کی نسبت بہت سی کتابیں لکہیں مگر افسوس ہے کہ ابتدا زمانہ کی

تصنیف شدہ کتابیں مثل کتب مفصلہ دینل۔ لوتہر۔ ملانک تہن۔ سیپال ہیم۔ دی

ہربی لات۔ مجھکو دستیاب نہیں ہوئیں مگر جو کچہہ اور کتابوں سے اُنکا حال معلوم ہوا وہ

اسیقدر ہے کہ اُن کتابوں میں بجز سخت کلامی اور بدزبانی کے اور کچہہ نہیں ہے۔

ان مصنفوں کے سوا مراکشی صاحب کا ذکر نہایت حیرت انگیز ہے وہ ایک ایسا

سخت متعصب مصنف ہے کہ اسکا دل اپنے بغض و کینہ کے اظہار اور نفرت انگیز جہوٹے

طعن و تشنیع اور بدزبانی سے کبہی نہیں بہرا مگر مجھکو جو حیرت ہوئی وہ اس بات سے

ہوئی کہ کوارٹرلے رویو کے ایک آرٹیکل کے مصنف نے اُسکی نسبت یہ لکہا ہے

کہ "مراکشی پر جو یہ الزام لگایا گیا تہا کہ وہ باطن میں اسلام کا معتقد ہوگیا تہا وہ الزام کچہہ بے

وجہہ نہ تہا" کیا مراکشی باوصف اسقدر تعصب کے مثل بر ہر خورد صاحب کے آخر کو

مسلمان ہوگیا تہا اگر ایسا ہوا ہو تو میں ذمہ دار ہوں کہ اُس سے پہلے جو کچہہ اُس نے

اسلام اور واعظ اسلام کی نسبت کہا سب نسیاً منسیا ہوگیا ان الاسلام

یہدم ما کان قبلہ من معصیۃ اللہ۔

ڈین پریڈی صاحب بھی اُنہی مورخوں میں سے ہیں جن پر مذہب اسلام نہایت شاق گذرتا تھا جب کوئی مسلمان اتفاقاً اُن صاحب کی کتاب کو پڑھتا ہے تو مذہب اسلام سے اُنکی ناواقفیت پر جو اُنکی کتاب کے ہر ورق سے ٹپکتی ہے بن ہنسے رہ نہیں سکتا۔

ان مورخوں کے سوا ہانٹجر گیگیزری لنڈا وکلی صاحب نے بھی مذہب اسلام اور آنحضرت کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں مگر افسوس ہے کہ میں اُنکی محنتوں سے مستفید نہو سکا۔

گوتھہ صاحب اور اماری صاحب اور نالڈانگ صاحب اور دواری صاحب نے جو کتابیں اس مضمون پر لکھی ہیں اُن کی نسبت مذہب اسلام کے آرٹیکل کا مصنف جو کوارٹرلے ریویو میں چھپا ہے یہ لکھتا ہے کہ "اُن مورخوں نے بہت سی دنیا کو یہ بات سکھلادیا کہ مذہب اسلام ایک شگفتہ اور تروتازہ چیز ہے اور ہزاروں ثمر و جوہروں سے بھرپور ہے اور محمد (ص) نے گو اُنکی خصلت کو کیسا ہی سمجھا جاے انسانیت کی سنہری کتاب میں اپنے لئے جگہہ حاصل ہے۔

نہایت مشہور عیسائی مورخوں میں جنہوں نے آنحضرت کے حالات لکھے ہیں ڈاکٹر اسپرنگر صاحب ہیں اُنکی کتاب انگریزی زبان میں بمقام الہ آباد ۱۸۵۱ء میں چھپی ہے مگر وہ کتاب بسبب غلطیوں کے جو اُسکی مضموں کی صحت میں کچھ اعتبار کے لائق نہیں ہے علاوہ اسکے ایک اور خرابی اُنھوں نے اُس کتاب میں یہ کی ہے کہ اُسنے طرز بیان نہایت مبالغہ آمیز اختیار کیا ہے اُن کی طبیعت پہلے ہی سے ایسے تعصبات اور یکطرفہ راے سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے جو کسی قسم کے

کو اور بالتخصیص ایک مورخ کو کسی طرح زیبا نہیں ہے اپنے اس کلام کی تصدیق کے لیے اُنکی کتاب میں سے ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جس سے اُن کے تعصب کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس فن میں اُنہوں نے کتاب لکھی ہے اُس سے بھی ماشاء اللہ وہ بہت ہی خوب واقف تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اسلام محمد (ص) کا ایجاد نہیں ہے وہ ایسے مکار کا نکالا ہوا مذہب نہیں ہو سکتا مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اُس مکار نے اپنی بداخلاقی اور طبیعت کی برائی سے اُسکو بگاڑا اور جو بہت سے مسائل اُس میں قابل اعتراض ہیں وہ اُسی کی ایجاد ہیں" نعوذ باللہ من ہذہ الاقاویل کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم ان یقولون الا کذبا۔

اسی کتاب کی نسبت سر ولیم میور صاحب یہ لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی کتاب ایسے وقت میں میرے پاس پہونچی جب کہ میں اسی مضمون کی تحصیل اور تلاش کر رہا تھا اور جیسا کہ مینے اپنی کتاب کے بعض مقامات میں ثابت کیا ہے اُس کے مضامین کی بنیاد غلطی پر معلوم ہوتی ہے چنانچہ اُنہوں نے محمد (ص) کے ماقبل زمانہ کے عرب کا اور خاص محمد کا اور اُنکی خصلت کا جو حال لکھا ہے وہ سب غلط رایوں پر مبنی ہے۔"

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے ایک اور کتاب جرمنی زبان میں آنحضرت کے حالات میں لکھی ہے جو چھ جلدوں میں ہے مگر افسوس ہے کہ جرمنی زبان نہ جاننے کے سبب اس کتاب سے جسقدر قدرے قلیل فائدہ حاصل کر سکتا اُس سے بھی محروم رہا صرف اسقدر ہوا کہ میرے ایک جرمن دوست نے مجھکو اطلاع دی کہ اُسکے مصنف نے ابن اسحاق اور واقدی سے زیادہ تر مطالب اخذ کئے ہیں اور جو کہ میں اُن مصنفوں

کی کتابوں سے واقف ہوں جنسے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں مطالب اخذ کئے اسلئے مجھے یقین ہے کہ وہ کتاب بھی شامل اور کتابوں کے جنکو عیسائی مورخوں نے تصنیف کیا ہے اُس تحقیق اور تلاش سے معرا ہوگی جو صفائی دل سے کی جاتی ہے اسلئے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب انہی کتابوں سے لکھی جن میں صحیح اور غلط اور مشتبہ اور لغو روایتیں سب گڈمڈ ہیں۔

گرکوارٹرلے ریویو کے آرٹیکل کا مصنف جو غالباً جرمن ہے اس کتاب کی نسبت یہ راے لکھتا ہے کہ "جن لوگوں نے اسلام کی نسبت لکھا ہے اُن میں سے ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی کتاب جو مصنفوں میں اول درجہ رکھتا ہے ہم نے اسلئے سب سے افضل قرار دیا ہے کہ وہ بہ نسبت اور سب کے نہایت جامع ہے اور بڑی قابلیت سے لکھی گئی ہے اسلئے کہ اس کتاب میں وہ تمام مطالب ناظرین کے سامنے موجود کردئے گئے ہیں جنسے پڑھنے والا اپنی راے آپ قایم کرسکے"

عیسائی مصنفوں کی کتابوں میں سب سے زیادہ عمدہ وہ کتاب ہے جو سر ولیم میور صاحب نے نہایت لیاقت اور قابلیت اور کمال خوبی کے ساتھہ لکھی ہے یہ کتاب چار موٹی موٹی جلدوں میں ہے اور بہت خوبصورت ٹیپ اور خوش وضع تقطیع میں چھپی ہے اس لایق اور فایق مصنف کو مثل مغربی علوم کے مشرقی علموں میں بھی بڑی واقفیت حاصل ہے اور اسلئے اُن کی یہ کتاب تمام تربیت یافتہ یورپ کے ملکوں میں بڑی قدر و منزلت کی ہے جو اسی قدر و منزلت کے لایق ہے اور یورپ کے عالموں اور عالموں کی مجلسوں نے بھی اس کتاب کے سبب اُن کی ایسی قدر کی ہے جسکے درحقیقت وہ مستحق تھے مگر قطع نظر اس نقص کے جو اس کتاب میں

ہے کہ اسکی بنیاد گویا بالکل واقدی پر ہے جو مسلمانوں میں درجہ اعتبار نہیں رکھتا اور اسکی روایتیں زیادہ معتبر اور ایسی محقق نہیں ہیں کہ مسلمان اُنپر یقین لادیں جیساکہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں ایک اور بڑا نقص یہ ہے کہ جس منشار اور مطلب سے سر ولیم میور صاحب نے یہ کتاب لکھی وہ اسلئے پسندیدہ نہیں ہے کہ وہ منشار اُس کتاب میں نقصان رہجانیکا اور واقعات کا اصلی تحقیقات تک نہ پہونچنے کا بہت بڑا سبب ہوا ہے چنانچہ سر ولیم میور صاحب خود اقرار فرماتے ہیں کہ "اس کتاب کا لکھنا اور مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کی تحصیل اول اس غرض سے اختیار کی گئی کہ پادری پی فنڈر صاحب نے جو اس بات میں مشہور ہیں کہ انھوں نے مسلمانوں سے مباحثہ میں عیسائی مذہب کی بہت حمایت کی اس بات پر اصرار کیا کہ اسلام کے پیغمبر کے حالات میں ایک کتاب جو اُسکے پیرووں کے پڑھنے کے لئے مناسب ہو ایسے قدیم ماخذوں سے ہندوستانی زبان میں تالیف کیجاوے جسکو خود مسلمان صحیح اور معتبر مانتے ہوں چنانچہ اسی منشار سے مسلمانی مذہب کی سند کی کتابونکو پڑھا اور اس کتاب کو لکھا"

لیکن میں نہایت افسوس سے یہ بات کہتا ہوں کہ باوجودیکہ سر ولیم میور صاحب نہایت نیک طبیعت ہیں اور بڑی قابل توصیف لیاقتیں رکھتے ہیں اسپر بھی اُن کی طبیعت پر اُس غرض اور منشار کا جس سے وہ کتاب لکھنی شروع کی ایسا اثر پیدا ہوا جیساکہ ایسی حالت میں اوروں کی طبیعت پر پیدا ہونا قیاس کا مقتضا ہے اور اسی سبب سے اسلام کی دلچسپ اور سیدھی سادی عمدہ باتیں بھی اُنکو بری اور بھونڈی اور نفرت انگیز معلوم ہوئیں اور یہ اثر اُنکی طبیعت کا ایسا تھا کہ اُس کے سبب اُن کی کتاب پڑھنے والے اپنے ذہن میں اُن کی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے لیکن جیسا

اکثر ہوتا ہے ویسا ہی اس میں بھی ہوا کہ اُس حد اعتدال سے متجاوز تحریر نے خود اپنے مقصود کو کھو دیا اور وہ مطلب حاصل نہوا جس کے لئے پادری پی فنڈر صاحب نے سر ولیم میور صاحب سے اس کتاب کے لکھنے کی خواہش کی تھی بلکہ برعکس اُسکے یہ نتیجہ ہوا کہ جس شخص کو پادری پی فنڈر صاحب نے تاریکی کا فرشتہ بنانا چاہا تھا وہ روشنی کا فرشتہ نکل آیا۔

جبکہ یہ کتاب چھپی اور ہندوستان میں پہونچی تو لوگوں نے اُسکو نہایت شوق وذوق سے پڑھا مگر جب اُنکو یہ بات دریافت ہوئی کہ اسلام کی اور آنحضرت کے حالات کی نہایت سیدھی سادی اور صاف باتونکو بھی توڑ مروڑ کر اس وضع پر ڈھالا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہلے ہی سے اس کتاب کا اس طرح پر لکھنا مقصود اور مرکوز خاطر تھا تو اُن کا وہ شوق بالکل ٹھنڈا ہو گیا مگر جو نوجوان مسلمان طالب علم انگریزی علم کی تحصیل کرتے تھے اور اپنی دینیات اور الٰہیات سے محض ناواقف تھے اُن میں اُس بات کا چرچا پیدا ہوا کہ اگر سر ولیم میور صاحب نے سیدھی سادی اور صاف باتونکو بھی برے پہلو پر لیجا کر لکھا ہے تو فی الواقع اُنکی اصلیت کیا ہے۔

میرے دلپر جو اس کتاب سے اثر پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ اُسی زمانہ میں میں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت کے متعلق حالات میں ایک کتاب اُس طرح پر لکھی جاوے کہ جو جو باتیں صحیح اور اصلی اور واقعی اور منقح ہیں اور معتبر روایتوں اور صحیح صحیح سندوں سے بخوبی ثابت ہیں اُنکو بخوبی چھان بین کر اور امتحان کر کر ترتیب سے لکھا جاوے اور جو حالات مشتبہ اور مشکوک ہیں اور اُنکا ثبوت معتبر یا کافی نہیں ہے اُنکو جدا گانہ اسی ترتیب سے جمع کیا جاوے اور جو محض جھوٹ اور افترا و بہتان یا خود غرض یا احمق واعظوں اور

حمقا کو دام تزویر میں پھنسانیوالے لوگوں یا احمق خدا پرست اور جھوٹی نیکی پھیلانے والونکی بنائی ہوئی باتیں ہیں انکو علیحدہ بہ ترتیب لکھا جاوے اور انہی کے ساتھ اُنکے غلط اور اُنکے نامعتبر ہونیکا ثبوت اور اُنکے موضوع ہونیکی وجوہات بھی بیان کی جاویں مگر میں اپنے اس ارادہ کو بہت سے موانعات کے سبب سے جن میں سب سے بڑا اپنی فکر معاش میں مبتلا رہنا اور اس سے بھی بڑا کسی کا میرے ارادہ کے ممد و معاون نہونا تھا پورا نہ کرسکا اور علاوہ اسکے اس کام کے لئے بہت سی پرانی کتابیں جنکو قدیم مصنفوں نے تصنیف کیا ہے درکار تھیں جو مجھکو بسبب برباد ہو جانے قدیم کتب خانوں کے دستیاب نہوسکیں اور یہ بھی ایک قوی سبب اس ارادہ کے پورا نہونیکا ہوا مگر اس پر بھی مختلف اوقات میں مختصر طور سے مختلف مضامین اور مسائل مذہب اسلام اور آنحضرت کے حالات پر کچھ کچھ لکھتا رہا چنانچہ انہیں تحریروں میں یہ بارہ مضمون ہیں جو بعنوان بارہ خطبوں کے لکھے گئے ہیں اور جنکو اس ایک جلد میں جمع کردیا ہے اور انشاء اللہ تعالی باقی مضامین اور جلدوں میں جمع کئے جاوینگے۔

اگرچہ مینے اس دیباچہ میں چند عیسائی ایسے مورخونکا ذکر کیا ہے جنہوں نے آنحضرت کے حالات اور اصول مذہب اسلام کا انصاف سے فیصلہ نہیں کیا مگر ان لایق اور قابل اور عالم واجب التعظیم عیسائی مورخوں کا ذکر کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا جنہوں نے نہایت انصاف سے اور بالکل بغیر تعصب کے آنحضرت کے حالات اور مذہب اسلام کی نسبت ٹھیک ٹھیک اپنی راے لکھی ہے بلکہ متعصب اور تنگ حوصلہ مخالفوں کے مقابلہ میں مذہب اسلام کی حمایت کی ہے اگرچہ بعض مقامات میں اُنہوں نے بھی کچھ کچھ سقم اور نقصان بیان کئے ہیں لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن کا بیان

کسی تعصب پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ کی حقیقت وہ نہیں سمجھے یا غلط سمجھے گئے
پس یہ ایک غلطی سمجھہ کی تو ہے الا وہ عیب جو تعصب اور تنگ حوصلہ ہونے کے سبب
سے ہوتا ہے وہ نہیں ہے بہر حال یہ قابل ادب شخص ایڈورڈ گبن قدیم روم کی سلطنت
کا مشہور مورخ اور گاڈفری ہیگنز رحمہا اللہ تعالے اور ٹامس کارلیل اور جان ڈیون
پورٹ سلمہا اللہ تعالیٰ ہیں جن کے علم اور لیاقتوں کی تعظیم و قدر ہمیشہ ہوتی رہیگی اب میں
اُن صاحبوں میں سے تین صاحبوں کی رائے جو انہوں نے آنحضرت اور مذہب
اسلام کی نسبت لکھی ہے اپنے اس دیباچہ میں لکھتا ہوں اور گاڈفری ہیگنز کی راے
خطبات میں متعدد جگہ لکھی گئی ہے ۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں "کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جس شخص
نے اس نہایت ناپسند اور حقیر بت پرستی کے بدلے جس میں اُس کے ہموطن
(یعنی اہل عرب) مدت سے ڈوبے ہوئے تھے خدائے واحد برحق کی پرستش
قایم کرنے سے بڑی بڑی و اہم الاثر اصلاحیں کیں مثلاً اولاد کشی کو موقوف کیا نشے
کی چیزوں کے استعمال کو اور قمار بازی کو جس سے اخلاق کو بہت نقصان پہونچتا ہے
منع کیا بہتایت سے کثرت ازدواج کا اسوقت میں رواج تھا اُسکو بہت کچھہ گھٹا کر
محدود کیا غرضکہ ایسے بڑے اور سرگرم مصلح کو ہم فریبی ٹہرا سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے
ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کاروائی مکر پر مبنی تھی ۔ نہیں ایسا نہیں کہہ سکتے ۔ بیشک محمدؐ
بجز دلی نیک نیتی اور ایمانداری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھہ
اپنی کاروائی پر ابتدا نزول وحی سے جو خدیجہ سے بیان کی اخیر دم تک جبکہ عائشہ کی
گود میں شدت مرض میں وفات پائی مستعد نہیں رہ سکتے تھے ۔ جو لوگ ہر وقت

اُن کے پاس رہتے تھے اور جو اُن سے بہت ربط وضبط رکھتے تھے اُن کو بھی کبھی اُنکی ریاکاری میں شبہہ نہیں ہوا اور کبھی اُنھوں نے اپنے نیک برتاؤ سے تجاوز نہیں کیا۔

بیشک ایک نیک اور صادق طبیعت شخص جسکو اپنے خالق پر بھروسہ ہو اور جو ایمان اور رسم ورواج میں بہت بڑی اصلاح کرے حقیقت میں صاف صاف خدا کا ایک آلہ ہوتا ہے اُسکو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا پیغمبر ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کے اور وفادار خادم گذرے ہیں اگرچہ اُن کی خدمتیں کامل نہ تھیں اُسی طرح محمد کو بھی ہم خدا کا ایسا سچا خادم کیوں نہ سمجھیں جس نے خدا تعالیٰ کی خدمت ایسی ہی وفاداری سے کی جیسی اوروں نے جو مثل اوروں کی خدمت کے پوری اور کامل نہ تھی۔ اس بات پر کیوں یقین نہ کیا جاوے کہ اُسکو زمانہ اور اپنے ملک میں اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت اور تعظیم سکھلانے کے لئے اور اُن کی حالت کے مناسب اُنکو ملکی اور اخلاقی اُمور میں نصیحت کرنے کے لئے خدا نے بھیجا تھا اور وہ راست بازی اور نیک کرداری کا واعظ تھا۔

ایڈورڈ گبن صاحب لکھتے ہیں کہ "محمد کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک صاف ہے قران خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے مکہ کے پیغمبر نے بتوں کی انسانوں کی ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے اور جو حادث ہے وہ فانی ہوتی ہے اور جو قابل زوال ہے وہ معلوم ہو جاتی ہے۔ اُسنے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا نہ وہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں اور نہ کوئی اُسکا ثانی موجود ہے جس سے اُسکو تشبیہہ دے سکیں وہ ہمارے نہایت مخفیہ ارادوں پر بھی آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے۔ اخلاق اور عقل کا کمال جو اُسکو حاصل ہے

وہ اسکو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے۔ اُن بڑے بڑے حقایق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اسکے پیروؤں نے انکو نہایت مستحکم طور سے قبول کیا اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعہ سے بہت درستی کے ساتھ اُنکی تشریح اور تصریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالےٰ کے وجود اور اُسکی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقیدہ کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہماری موجودہ ادراک اور قواے عقلی سے بہت بڑھکر ہے اسلئے کہ جب ہمنے اُس نامعلوم چیز (یعنی خدا) کو زمان اور مکان اور حرکت اور مادہ اور حس اور تفکر کے اوصاف سے مبرا کر دیا تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لئے کیا چیز باقی رہی وہ اصل اول (یعنی ذات باریتعالی) جس کی بنا عقل اور وحی پر ہے محمد کی شہادت سے استحکام کو پہونچی چنانچہ اُسکے معتقد ہندوستان سے لیکر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں اور بتونکو ممنوع سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے۔

مسٹر ٹامس کارلیل صاحب لکھتے ہیں کہ "ہم لوگوں (یعنی عیسائیوں) میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمد ایک پرفن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹ کے اوتار تھے اور اُن کا مذہب دیوانگی اور خام خیالی کا ایک تودہ ہے اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرتی جاتی ہیں جو جو جھوٹ باتیں دور اندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں (یعنی عیسائیوں) نے اُس انسان (یعنی محمد صلعم) کی نسبت قایم کی تھیں اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کے باعث ہیں چنانچہ ایک یہ بات مشہور ہے کہ پاکرک صاحب نے جب گروٹیس صاحب سے پوچھا کہ یہ قصہ جو تمنے لکھا ہے کہ محمد نے ایک کبوتر کو تعلیم کیا تھا کہ وہ اُن کے کان میں سے میل نکالا کرتا تھا اور مشہور کیا تھا کہ وہ فرشتہ ہے

جو اُن کے پاس وحی لایا کرتا ہے تو اس قصہ کی کیا سند ہے تو اُنہوں نے جواب دیا کہ "اس قصہ کی کوئی سند اور کچھ ثبوت نہیں" حقیقت یہ ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ایسے قصوں کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ جو جو باتیں اس انسان (یعنی محمد صلعم) نے اپنی زبان سے نکالیں بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ آدمیوں کے لئے بمنزلہ ہدایت کے قائم ہیں ان اٹھارہ کروڑ آدمیوں کو بھی اُسی طرح خدا نے پیدا کیا ہے جس طرح ہمکو پیدا کیا اسوقت جتنے آدمی محمدؐ کے کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں اُس سے بڑھکر اور کسی کے کلام پر اس زمانہ کے لوگ یقین نہیں رکھتے پھر کیا ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ جس کلام پر خدا سے قادر مطلق کی اسقدر مخلوق زندگی بسر کر گئی اور اُسی پر مر گئے کیا وہ ایسا جھوٹا کھیل ہے جیسا ایک بازی گر کا ہوتا ہے؟* میں اپنے نزدیک ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتا بلکہ میں بہ نسبت اور چیزوں کے اُسپر جلد یقین کرتا ہوں اگر جھوٹی اور فریب کی باتیں دنیا میں اسقدر زور آور ہوں اور رواج پکڑ جاویں اور مسلم ٹہر جاویں تو پھر اس دنیا کی نسبت کوئی کیا سمجھیگا۔ اس قسم کے خیالات جو بہت پھیلے ہوے ہیں بہت ہی افسوس کے قابل ہیں

* میں اسقدر اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں کہ۔ کروڑوں آدمی اسوقت بھی اُسی پر نہایت مستحکم اعتقاد سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور جن ملکوں میں اسلامی سلطنت کبھی نہیں گئی اُن ملکوں کے لوگوں نے بھی اُن کی باتیں سنکر اُنکو قبول کیا۔ اور اب بھی کہ اُسکے بانیکو دنیا سے گئے ہوے بارہ سو برس ہوگئے ہر ایک ملک میں اور اُن ملکوں میں بھی جہاں اسلامی سلطنت نہیں ہے ہزاروں نئے لوگ اسپر بغیر کسی لالچ اور دباؤ کے اور بغیر کسی تدبیر کرنیوالوں کی تدبیر و حکمت کے ایمان لاتے جاتے ہیں اور اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ تو کیا وہ ایسا جھوٹا کھیل ہے جیسا کہ ایک بازیگر کا ہوتا ہے۔ نہیں بلکہ اُسکے سچ ہونیکا ہر ایک کے دل پر یقین ہوتا ہے۔ سید احمد۔

اگر ہمکو خدا کی سچی مخلوقات کا علم کچھ حاصل کرنا منظور ہو تو ہمکو ایسی باتوں پر یقین کرنا ہرگز نہیں چاہیئے وہ باتیں ایسے زمانہ میں پہیلی تہیں جبکہ توہمات کو بہت دخل تہا اور انہیں توہمات کے سبب خیال تہا کہ آدمی کی روحیں غمگین خرابی میں پڑی ہوئی ہیں جو اُنکی ہلاکت کا سبب ہے - میرے نزدیک اس خیال سے کہ ایک جہوٹے آدمی نے ایک مذہب قائم کیا اور کوئی اس سے زیادہ بڑا اور ناخدا پرست خیال دنیا میں نہیں پہیلا - بہلا یہ کب ہوسکتا ہے کہ ایک جہوٹا آدمی جو چونہ اور اینٹ اور اور مصالح کی حقیقت کو سچ نہ جانے اور پختہ مکان بنالے وہ پختہ مکان کا ہیکو ہوگا بلکہ خاک کا ایک ڈہیر ہوگا - بارہ سو برس تک اُسکو کب قیام ہوسکتا ہے اور اٹہارہ کروڑ آدمی اُس میں کب رہ سکتے ہیں بلکہ اب تک وہ مکان کبہی کا سر کے بل گر پڑا ہوتا ضرور ہے کہ ایک آدمی اپنے حرکتونکو قانون قدرت کے مطابق کرے اور قدرت کے سامانوں کی حقیقت کو سمجہے اور اُسپر عمل کرے ورنہ قدرت سے اُسکو یہ جواب ملیگا کہ نہیں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا جو جو قانون اور قاعدے خاص ہیں وہ خاص ہی رہتے ہیں عام نہیں ہوجاتے افسوس ہے کہ کوئی شخص مثل کاگ لسٹرویا اور ایسے ہی بہت سے دنیا کے سربرآوردہ لوگوں کے چند روز کے لئے اپنے فند فطرت سے کامیاب ہوجاتے ہیں مگر اُنکی کامیابی ایک جعلی ہنڈوی کی مانند ہوتی ہے جسکو وہ اپنے نالایق ہاتوں سے جاری کرتے ہیں اور خود الگ تہلگ رہتے ہیں اور اور دنکو اُس کے سبب سے نقصان پہونچاتے ہیں مگر قدرت آگ کے شعلوں اور فرانسیسی ہنگاموں اور اسی قسم کے اور غضبناک ظہور سے ظاہر ہوکر یہ بات بہت غضب اور قہر سے دنیا پر ظاہر کردیتی ہے کہ جعلی ہنڈویاں جعلی ہی ہیں -

راقم سید احمد - بمقام لندن محلہ مکلن برگ اسکوئر مکان نمبر ۲۱ - سنہ ۱۸۷۰ء مطابق سنہ ۱۲۸۷ھ

الخطبۃ الاولیٰ

فی

جغرافیہ جزیرۃ العرب وامم العرب العاربۃ والمستعربۃ

رب اجعل ھذا البلد امنا واجنبنی وبنی ان لا نعبد الاصنام

عرب یا وہ جزیرہ نما جو جزیرۃ العرب کہلاتا ہے بحر احمر کے مشرق کی طرف واقع ہے اور یہاں سے خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے۔ اس بات کا ٹھیک ٹھیک محقق ہونا کہ اس ملک کا نام عرب کیونکر اور کس زمانہ میں رکھا گیا نہایت مشکل ہے لیکن کتاب اول ملوک باب (۱۰) درس (۱۵) میں جہاں ملکہ سبا اور حضرت سلیمان کی ملاقات کا ذکر ہے اس ملک کو [illegible] عرب کے نام سے بیان کیا گیا ہے یہ واقع سنہ [illegible] دنیوی یا سنہ [illegible] قبل حضرت مسیح کے گذرا تھا مگر ہماری رائے میں یہ جزیرہ حضرت سلیمان کے زمانہ کے بہت پہلے سے عرب کے نام سے کہلایا جاتا تھا کیونکہ اسکا ذکر کتاب ملوک میں اس طرح پر کیا گیا ہے کہ گویا ایک بہت معروف اور مشہور ملک کا نام ہے۔ کتاب تواریخ

مثنی باب (۱) ورس (۷) و باب (۲) ورس (۸) میں لفظ ערבה عربہ پایا جاتا ہے مگر جو باتیں کہ اس جزیرہ نما کی وجہ تسمیہ میں بیان کی گئی ہیں اُن میں سے وہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے جو خود اس لفظ سے نکلتی ہے اور جو اس ملک کی طبعی بناوٹ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لفظ עֲרָבָה عربہ کے معنی وادی یا بیابان کے ہیں اور چونکہ ایک بڑا حصہ جزیرہ عرب کا بالکل بیابان ہے اور وادی کے نام سے مشہور ہے اسی وجہ سے کل جزیرہ کا عرب نام ہو گیا لفظ عربہ کا ہر قصبہ کے نام کے پہلے بطور ایک عام صفت کے لگایا جاتا تھا اور اسی طرح עֲרָבוֹת عربات[2] جو اسکی جمع ہے اس جزیرہ کے ایک حصہ پر بولا جاتا تھا جیسا کہ کتاب توریت مثنی باب (۳۴) ورس (۱و۸) میں آیا ہے

[1] بعضے لوگ عرب کے نام کو لفظ عربہ کی طرف جس کے معنی ہموار بیابان کے ہیں اور جو صوبہ تہامہ کا ایک ضلع ہے منسوب کرتے ہیں اور بعض لوگ عبیر کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کے معنی خانہ بدوش کے ہیں کیونکہ زمانہ سابق میں عرب خانہ بدوش تھے - اس صورت میں اس کا اشتقاق لفظ عبرانی سے جسکی یہی وجہ تسمیہ ہے ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ لفظ عبری مصدر رب سے نکلا ہے جس کے معنی نیچے جانے کے ہیں اور اس سے وہ ملک مراد ہے جس میں سمٹک یعنی اولاد سام بن نوح کو جو دریا سے فرات کے کنارہ پر رہتی تھی آفتاب غروب ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ بوکارٹ صاحب کے نزدیک لفظ عرب ایک فنی شین لفظ سے جسکی معنی اناج کی بالوں کے ہیں مشتق ہوا ہے - لفظ عربہ ایک عبری لفظ بھی ہے جس کے معنی بنجر زمین کے ہیں اور توریت میں شام اور عرب کی حد فاصل کے طور پر بار بار بولا گیا ہے - (چمبرز این سائکلوپیڈیا صفحہ ۳۲۴)

[2] عربات بالتحریک جمع عربۃ وہی بلاد العرب (مواصد الاطلاع جلد ۲ صفحہ ۲۴۵) -

بعض مورخ ازراہ جرأت یہ راے دیتے ہیں کہ ایک گانوں[1] موسوم عربہ کی وجہ سے جو تہامہ کے نزدیک واقع ہے اس تمام جزیرہ کا یہ نام پڑگیا مگر یہ راے ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ممکن ہے کہ لفظ عربہ کسی گانوں کے نام کے پہلے محض بہ حیثیت ایک جزو میز کے استعمال کیا جاتا ہو اور رفتہ رفتہ اُسکے اصلی نام کے قائم مقام ہوگیا ہو۔

عرب کے حدود اربع یہ ہیں۔ مغرب میں بحر احمر۔ مشرق میں خلیج فارس و خلیج عمان۔ جنوب میں بحر ہند۔ شمال کی جانب اسکی سرحد بابل اور شام سے ملی ہوئی ہے اور اُسکو آبناے سوئز مصر سے علیحدہ کرتی ہے۔ یہ جزیرہ نما شمال اور مغرب کی جانب کنعان سے ملا ہوا ہے جو بنی اسرائیل کا وطن ہے اور جسکو متقدمین یونانی فنشیا اور متوسط زمانہ کے لوگ فلسطین یا ارض مقدس کہتے تھے اور بالفعل سریا یعنی شام کے نام سے مشہور ہے۔ اسی زمین کی نسبت خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور اُنکی اولاد سے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن چونکہ ان دونوں ملکوں کی اس سمت میں بیابان حائل ہیں اسلئے قبل اسکے کہ عرب کی شمالی اور مغربی حد معین کرنیکی کوشش کی جاوے "ارض موعود" کی جنوبی اور مشرقی حد کو محقق کرنا چاہیے۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہاری اولاد کو ایک ملک عطا کرونگا اُسوقت حضرت ابراہیم اُس مقام پر رہتے تھے جو درمیان (بیت ایل۔ اور۔ عی) کے واقع ہے جیسا کہ سفر تکوین باب (۱۳) ورس (۳) میں مذکور ہے اگرچہ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت ابراہیم کو وہ ملک جسکے دینے کا وعدہ کیا تھا دکھلا دیا تھا لیکن اُسکی ٹھیک ٹھیک حدیں نہیں بتائی تھیں جیسا کہ سفر تکوین

[1] عربۃ قریۃ فی اول وادی نخلتہ من جہۃ مکۃ (مراصد الاطلاع جلد ۲ صفحہ ۲۴۶)

باب (۱۳) ورس (۱۴ و ۱۵) سے ظاہر ہوتا ہے ۔ مگر جب خداتعالی نے دوبارہ اپنے وعدہ کی تجدید کی اسوقت حضرت ابراہیم کو صرف اُسکی دو حدیں تبلائیں جیسا کہ سفر تکوین باب (۱۵) ورس (۱۸) میں لکھا ہے کہ خدا نے ابراہیم سے کہا کہ اس زمین کو نہر مصر سے نہر بزرگ تک جو نہر فرات ہے تیری ذریت کو دونگا۔

مگر تعجب ہے کہ اُسکے بعد کتاب مقدس کے کسی لکھنے والے نے دریائے مصر کو "ارض موعود" کی سرحد نہیں قرار دیا جسکی کوئی وجہہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ برخلاف اسکے بیر شبع[1] کو באר שבע ہر جگہ اُسکی حد جنوبی قرار دیا ہے اور جبکہ خداتعالی نے حضرت موسی کو بیابان مواب میں "ارض موعود" دکھلائی تو انہوں نے دیکھا کہ צער صوعر[2] اُسکی جنوبی سرحد ہے ۔ صوعر اور بیر شبع قریب ایک ہی خط میں واقع ہیں اسواسطے اُن دونوں میں سے کوئی جگہ بلا تفرقہ "ارض موعود" کی جنوبی سرحد قرار پاسکتی ہے۔

مگر یہ بات بالتخصیص جاننی چاہئے کہ بیر شبع[3] دو تھے ایک کا نام صرف

---

[1] کتاب قضاۃ باب ۲۰ ورس ۱ ۔ شموئیل اول باب ۳ ورس ۲۰ ۔ شموئیل دوم باب ۳ ورس ۱۰ و باب ۱۷ ورس ۱۱ و باب ۲۴ ورس ۲ و ۱۵ ۔ ملوک اول باب ۴ ورس ۲۵ ۔ ملوک دوم باب ۲۳ ورس ۸ ۔ تواریخ اول باب ۲۱ ورس ۲ ۔ تواریخ دوم باب ۳۰ ورس ۵ [2] توریہ مثنی باب ۳۴ ورس ۳ ۔

[3] ہمکو صاف اور صریح خبر ملی ہے (شموئیل دوم باب ۲۴ ورس ۷ و ۱۵) سے کہ بیر شبع یہودیہ کے جنوب میں ادومیہ کی جانب واقع تھا اور اسواسطے اُسکو وہ بیر شبع نہ سمجھہ لینا چاہئے جو گلیلی کے اوپر کے حصہ میں واقع ہے اور جسکا ذکر جوسیفس نے اور حال میں ڈاکٹر رچرڈسن نے کیا ہے (بائبل سائکلو پیڈیا مولفہ جے بی لاسن ایم ۔ اے جلد اصفحہ ۲۰۷)

برشبع[1] בְּאֵר שֶׁבַע اور دوسرے کا نام قریہ برشبع עִיר בְּאֵר שֶׁבַע
یا شبعہ[2] שִׁבְעָה کہا جاتا تھا یعنی وہ جگہ جہاں بیابان جوار میں حضرت اسحاق کے
نوکروں نے اُسوقت جبکہ حضرت اسحاق اور ابی ملک کے باہم عہد وپیان اور حلف ہوا
تھا ایک کنواں کھودا تھا چنانچہ سفر تکوین باب (۲۶) ورس (۲۲) و (۳۳) میں لکھا ہے
"اور ایسا ہوا کہ اُسی دن اسحاق کے نوکر آئے اور اُس کنوئیں کا حال جو اُنھوں نے کھودا
تھا بیان کیا اور اُن سے کہا کہ ہمکو پانی ملگیا اور اُنھوں نے اسکا نام شبع رکھا اسیواسطے اُس
شہر کا نام آجتک بیر شبع ہے" اور یہ وہی جگہ[3] ہے جہاں سے کہ حضرت یعقوب حاران
کو روانہ ہوئے تھے اور اسی جگہ[4] حضرت یعقوب کے بیٹے جبکہ وہ مصر کو غلہ لینے جاتے تھے
ٹھیرے تھے اور ایک زمانہ میں یہ شہر گرد و نواح کے ملک کا پایہ تخت تھا اور شموئیل کے
لڑکے وہاں[5] حاکم تھے عاموص[6] نبی نے بھی اس مقام کا ذکر کیا ہے کہ یہاں بت پرستی
بہت شائع تھی ۔ اور ضبیاہ[7] مادر یہوواش اسی جگہ پیدا ہوئی تھی اور ایلیاہ

---

[1] سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۳۱ و ۳۲ ۔

[2] یوشع باب ۱۹ ورس ۲ ۔

[3] سفر تکوین باب ۲۸ ورس ۱۰ ۔

[4] سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۱ و ۵ ۔

[5] شموئیل اول باب ۸ ورس ۲ ۔

[6] کتاب عاموص باب ۵ ورس ۵ و باب ۸ ۔ ورس ۱۴ و باب ۷ ورس ۹ ۔

[7] ملوک دوم باب ۱۲ ورس ۱ ۔

تواریخ دوم باب ۲۴ ورس ۱ ۔

(1089) पुस्तकालय

مُلکہ[1] اُور کلدانیوں کو خوف سے یہاں تک آئی تھی - یہ شہر بابل[2] والوں کی گرفتاری تک ویران نہیں ہوا تھا - بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ وہ اب ایک نہایت چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے اور ایک وسیع ریگستان کے قرب وجوار میں واقع ہے جہانکہ بجز اطراف سمندر کے آبادی کا نام ونشان نہیں ہے - بیر شبع حبران سے بیس پچیس میل کے فاصلہ پر تھا اور یوسی بیس کے زمانہ میں جو چوتھی صدی عیسوی میں گذرا ہے اُس میں ایک رومی فوج رہتی تھی -

یہ بیر شبع اکتیس درجہ سترہ دقیقہ عرض شمالی پر واقع تھا اور طول شرقی اُسکا چونتیس درجہ اور چون دقیقہ کا تھا - پہلا بیر شبع قادیش קדש اور شور שור کے بیابانوں کے بیچ میں تھا اور حضرت ابراہیم نے اُسکو بنایا تھا - حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کلدانیوں کے شہر کو جسکا نام "اور کلدانیاں[3]" تھا چھوڑ کر حاران کو چلے گئے اور وہاں چند روز ٹھیر کر مصر کی طرف چلے گئے اور جب مصر سے واپس ہوئے تو اُسی[4] جگہ پر ٹھیرے جہانکہ پہلے ٹھیرے تھے اور وہاں سے حضرت لوط اُن کے ساتھ سے جدا ہوکر وادی[5] اردن کو روانہ ہو گئے اور حضرت ابراہیم نے قادیش اور شور[6] کے بیابانوں میں سکونت اختیار کی اور وہاں ایک کنواں[7] کھودا - حضرت ابراہیم مدت[8] تک یہاں رہے اور ایک باغ[9] لگایا - اور جب حضرت ہاجرہ[10] حضرت ابراہیم کی پہلی بی بی حضرت سارہ سے ناراض ہوکر نکل گئی تھیں تو اسی جگہ

---

[1] توّل اول باب ۱۹ ورس ۳ -

[2] سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۳۱ -

[3] سفر تکوین باب ۱۲ ورس ۱۰ و ۱۱

[4] سفر تکوین باب ۱۲ ورس ۱۴ و ۱۵ و ۲۰ -

[5] سفر تکوین باب ۱۲ ورس ۳۳ -

[6] نحمیاہ باب ۱۱ ورس ۲۷ و ۳۰ -

[7] سفر تکوین باب ۱۳ ورس ۳ -

[8] سفر تکوین باب ۲۰ ورس ۱ -

[9] سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۱۹ -

[10] سفر تکوین باب ۱۶ ورس ۸ لغایت ۱۴ -

پر آئی تھیں اور اسی کنوئیں کے پاس اُنکو خدا کا فرشتہ دکھائی دیا تھا اور اسلئے اُنھوں نے اس کنوئیں کا نام بیرلحی روئی בְּאֵר לַחַי רֹאִי یعنی "بیر اللحی المرئی" رکھا تھا۔ اسکے بعد ایک قحط سالی کے ایام میں حضرت اسحاق نے اس مقام کی سکونت چھوڑ دی اور جرار[۱] גְּרָר کو چلے گئے۔ اس میں کچھہ شک نہیں کہ قادیش ایک اور جگہہ ہے اور جرار اُس سے بہت دور ہے وہاں کے باشندے حضرت اسحاق سے واقف نہ تھے اور غالباً بدطینت اور بدخصلت آدمی تھے اسلئے حضرت اسحاق نے جیسا کہ توریت میں لکھا ہے اُن لوگوں سے اپنی بی بی کی نسبت کہا کہ یہ میری بہن[۲] ہے۔ مگر جب ابی ملک نے حضرت اسحاق کو جرار سے نکالدیا تب انہوں نے بیابان جرار میں بود و باش اختیار کی اور وہاں ایک کنواں کھودا جسکا نام شبع رکھا اور جس مقام پر سکونت اختیار کی تھی اُسکا نام قریہ[۳] بیر شبع رکھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جگہہ وہ جگہہ ہرگز نہیں ہو سکتی جہاں حضرت ابراہیم نے کنواں کھودوا تھا۔

ان باتوں کی اسقدر تفصیل کرنے سے ہمارا منشا دو چیزوں کے ثابت کرنیکا ہے اول یہ کہ عرب کی شمالی حد ملک شام یا "ارض موعود" سے ملحق ہوتی ہے اور "ارض موعود" کی جنوبی حد حضرت اسحاق والا بیر شبع یا صوعر جسکو بلع[۴] بھی کہتے ہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم والا بیر شبع قادیش میں ہے جو ملک عرب میں واقع ہے۔

جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم والا بیر شبع اور حضرت اسحاق والا بیر شبع دونوں ایک ہی ہیں اُن واقعات پر مبنی ہے جنکو کہ میں ابھی ثابت کرونگا کہ اُن پر کسی طرح اعتبار نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلا واقعہ جو اُن کی رائے کا موئد ہے یہ ہے کہ

---

[۱] سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۶۔ [۲] سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۷

[۳] سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۳۳۔ [۴] سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۲۔

جب حضرت اسحاق قادیش سے چلے گئے تو فلسطین والوں نے حضرت ابراہیم کے
کھودے ہوئے کنوئیں کو مٹی سے بھر کر بند کر دیا اور جبکہ ابی ملک نے حضرت اسحق
کو جرار سے نکالدیا تو حضرت اسحاق نے انہیں کنوؤں کو از سرِ نو کھودا جو ان کے
والد حضرت ابراہیم کے زمانہ میں کھودے گئے تھے اور جن کو فلسطین والوں نے
رد کردیا تھا اور انہوں نے ان کنوؤں کے وہی نام رکھے جو ان کے والد نے رکھے
تھے۔ مفسرین توریت کا یہ استدلال ابتدائی یا سرسری نظر میں ٹھیک معلوم ہوتا ہے
اور خیال میں آتا ہے کہ بیر شبع ایک ہی ہوگا مگر ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ خیال ہرگز
صحیح نہیں ہوسکتا۔ سفر تکوین کے چھبیسویں باب کی اٹھارہویں آیت تک توریت میں
حضرت ابراہیم کے صرف انہیں کنوؤں کا بیان ہے جن کو حضرت اسحاق نے
پھر کھدوایا تھا مگر اسی باب کی انیسویں آیت سے لیکر آخر باب تک ان قدیم کنوؤں کا
مطلق ذکر نہیں ہے بلکہ نئے کنوؤں کا ذکر ہے۔ ان نئے کنوؤں کے نام بھی حضرت
اسحاق نے نئے رکھے تھے۔ اول کا نام بیر عسق באר עשק دوسرے کا نام
سطنہ שטנה تیسرے کا نام رحوبث רחבות اور چوتھے کا نام سبعہ
שבעה رکھا تھا۔ اس سے صریح واضح ہے کہ یہ کنوئیں حضرت ابراہیم کے
کنوؤں میں سے نہیں تھے۔ پھر اسی باب کی سترہویں آیت کا صاف صاف یہ مضمون
ہے کہ حضرت اسحاق نے جرار کی وادی میں اپنا خیمہ نصب کیا اور وہاں آباد ہوئے
اور انیسویں اور بیسویں ورس میں بیان ہے کہ حضرت اسحق کے آدمیوں نے وادی میں
کنواں کھودا اور وہاں ایک کنواں جاری پانی کا برآمد ہوا اور جرار کے چرواہوں نے
حضرت اسحاق کے چرواہوں سے تکرار کی اور پانی پر اپنا دعوی کیا۔ بس جبکہ ان سب

آیتوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کنویں وادی جرار
میں کھودے گئے تھے نہ وادی قادیش میں ایک اور امر جو مذکورہ بالا لوگوں کی رائے کی
تائید کرتا ہے تیئیسویں آیت کا یہ مضمون ہے کہ حضرت اسحاق ابی ملک کو چھوڑ کر بیرشبع
کو چلے گئے جس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس بیرشبع سے مراد حضرت ابراہیم والا
بیرشبع ہے کیونکہ اُسوقت تک حضرت اسحاق والے بیرشبع کا وجود بھی نہ تھا لیکن یہ
بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ جس بیرشبع کا اس آیت میں ذکر ہے وہ حضرت ابراہیم
والا بیرشبع نہیں ہے بلکہ حضرت اسحاق والا بیرشبع ہے ۔ کتب مقدسہ لکھنے والونکا
یہ قاعدہ ہے کہ پچھلے زمانہ کے حالات لکھنے میں جب کسی مقام کا ذکر آتا ہے تو وہ
اُس مقام کا وہی نام لکھتے ہیں جو زمانہ تحریر میں اُسکا نام ہوتا ہے گو کہ اُس زمانہ میں
جبکا وہ حال لکھتے ہیں اُس مقام کا وہ نام نہ تھا بلکہ وجود بھی نہ تھا ۔ چنانچہ اکثر مقامات
میں انہوں نے بہت سے شہروں اور قصبوں کا جو اُس زمانہ کے عرصہ دراز کے
بعد وجود میں آئے تھے نام لیکر ذکر کیا ہے ۔ اکیسویں باب کی چودہویں آیت میں
حضرت ابراہیم والے بیرشبع کا نام مذکور ہے اگرچہ اُسوقت تک اُس کنویں نے
وہ لقب حاصل نہیں کیا تھا ۔

عرب علی العموم ایک وسیع مسطح اور ویران ملک ہے گو جا بجا چند بے انتہا
سرسبز و شاداب اقطاع بھی واقع ہیں اور بعض عظیم الشان پہاڑ بھی ہیں جنکی گھاٹیاں
تازگی و خوشنمائی کے لئے مشہور ہیں ۔ اس میں جو سب سے بڑے نقصانات ہیں
وہ کثرت سے وادیوں کا ہونا اور پانی کا نہ ہونا ہے ۔ میوے مختلف اقسام کے
ہوتے ہیں جن میں کھجور نہایت عمدہ اور خوش ذائقہ ہوتی ہے جو عرب کے ملک

سے مخصوص ہے اور درحقیقت عرب کی لوگوں کی زندگی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔
عرب کے گھوڑے تمام دنیا کے گھوڑوں سے عمدہ اور خوبصورت ہوتے ہیں لیکن
عرب کے لئے سب سے زیادہ مفید جانور اونٹ ہے جس کو ریگستان کا جہاز
کہنا بیجا نہیں ہے۔

عرب ٹھیک طور سے دو حصوں میں منقسم ہوسکتا ہے ایک عرب الحجر یعنی کوہستانی
عرب جو خاکنائے سویز سے لیکر بحر احمر اور بحر عرب تک پھیل رہا ہے۔ دوسرا عرب الوادی
یعنی عرب کا مشرقی حصہ۔ مگر بطلیموس[1] پرانے جغرافیہ داں نے عرب کو تین حصوں
میں تقسیم کیا ہے۔ عرب الحجر یعنی پتھریلا عرب۔ عرب المعمور یعنی عرب آباد اور
عرب الوادی یعنی ریگستانی عرب۔ آجکل کے نقشوں میں عرب الحجر میں صرف وہ حصہ
ملک کا شامل رکھا گیا ہے جو خلیج سوئیز اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے مگر اس
تقسیم کے لئے کوئی معتبر سند نہیں۔ بطلیموس کے جغرافیہ کے مطابق عرب الحجر کو
خلیج سوئیز سے لیکر یمن یا عرب المعمور کی حد تک شمار کرنا چاہیے۔ وہ لوگ جن کے
نزدیک بطلیموس نے عرب المعمور لفظ یمن کا ترجمہ کیا ہے بلاشک غلطی پر ہیں کیونکہ

[1] جزیرہ عرب کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا موجد بطلیموس خیال کیا جاتا ہے اور وہ تین حصہ یہ ہیں
عرب الحجر۔ عرب المعمور۔ عرب الوادی۔ عرب الحجر میں تمام شمالی غربی حصہ شامل تھا۔ عرب المعمور
میں غربی اور جنوبی کنارہ۔ عرب الوادی میں تمام اندرونی حصہ جو اچھی طرح معلوم نہ تھا۔ مگر اس تقسیم کو
عرب کے لوگ تسلیم نہیں کرتے اور حال کی تحقیقات کی رو سے بھی صحیح نہیں معلوم ہوتے۔
چیمبرز این سائکلوپیڈیا صفحہ ۲۴۳۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بطلیموس نے ملک کو اسکی طبعی حالت
کے لحاظ سے تقسیم کیا تھا نہ کہ حد بندی کے لحاظ سے۔

اُس پرانے جغرافیہ داں کے زمانہ میں عرب الحجر کا جنوبی حصہ گنجان آباد تہا اور تجارت کے لئے مشہور تہا جسکی وجہہ سے اُسنے تمام جزیرہ کے اُس حصہ کا عرب المعمور نام رکہدیا عربی جغرافیہ والوں نے جزیرہ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے - تہامہ - حجاز - نجد - عروض - یمن - غیر ملکوں کے مورخ اور جغرافیہ داں جو یہ سمجہے ہوے ہیں کہ اس ملک کو حجاز اس سبب سے کہتے ہیں کہ حاجی اور زائروں کا عام مرجع ہے وہ بڑی غلطی پر ہیں کیونکہ لفظی معنی حجاز کے اُس چیز کے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان میں واقع ہو - تمام ملک کا یہ نام اُس پہاڑ کی وجہہ سے پڑگیا ہے جو شام اور یمن کے درمیان بطور حجاب کے واقع ہے - عرب بلحاظ اُن مختلف قوموں کے جو اُس میں آباد ہیں اور اُن آبادیوں کے ناموں کے اور اُن آبادیوں کے ملکی حالات کے اور اُن کے باشندوں کے اعتبار سے بیشمار حصوں میں منقسم ہوگیا ہے - مگر صحیح بات کا کہنا کہ یہ حصے ٹہیک کس طرح پر ہیں بغیر اسباب کے اول جان لینے کے کہ وہ قومیں جو اُن میں آباد ہیں کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں اور کہاں کہاں آباد ہوئیں اگر محال نہیں تو غیر ممکن تو ضرور ہے اسلئے ہم حتے الامکان ان امور کی تنقیح کی کوشش کرینگے - ان امور کی نسبت کتب مقدسہ یا عرب کے قرب وجوار کی قوموں کی کتابوں میں بہت کم تذکرہ پایا جاتا ہے - اسکی وجہہ یہ ہے کہ کتب مقدسہ کے لکہنے والے صرف "ارض موعود" کے حالات لکہنے اور تلاش کرنے میں مصروف رہے اور اُن کی تمام ہمت صرف بنی اسرائیل کے حالات کے لکہنے پر منحصر تہی اور غیر قوموں نے اس ویران اور بے ثمر ملک کیطرف کچہ توجہہ نہیں کی -

اس کتاب کے لکہنے میں جہانتک کہ ہوسکیگا ہم اُن دونوں ذریعوں سے گو کہ

اُن سے بہت ہی کم حالات معلوم ہوتے ہیں فائدہ حاصل کرینگے اور اُسکی تائید میں عرب
کی ملکی روایتوں سے جو قابل اعتبار معلوم ہوتی ہیں غفلت نہ کرینگے۔

جو ملکی روایتیں عرب کی مختلف قوموں کی تقسیم کے باب میں ہیں وہ نہایت معتبر
ہیں کیونکہ عرب کے لوگ اپنی آبائی رسوم اور اوضاع اور اطوار کے بدرجہ غایت پابند
تھے اور اُنکو کبھی کم کرنا یا تبدیل کرنا نہیں چاہتے تھے اور اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے
نسب ناموںکو یاد رکھنا قریباً قریباً اپنا فرض سمجھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ہر ایک قوم
نہیں بلکہ ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا جدا جدا نام رکھتا تھا اور اس ذریعہ سے ہر ایک شخص
اپنی قوم اور قبیلہ کو بخوبی جانتا تھا اور اپنے حسب نسب پر بے انتہا فخر کرتا تھا اور
جس طرح کہ پرانی قوموں "سکنڈنیوین" اور سلٹک کے ہاں کڑکیت ہوتی تھی اسی طرح
عرب کی قوموں میں بھی ہوتی تھی جنکا لڑائیوں میں مردانہ اشعار پڑہنا اور لڑنے والوں کو
اُنکے حسب و نسب کا جتلانا جنگی باجے کا کام دیتا تھا۔*

جو کچھ کہ مینے عرب کی ملکی روایتوں کی نسبت بیان کیا ہے اُسکی تائید ریورنڈ مسٹر
فارسٹر کے بیان سے ہوتی ہے اُنہوں نے عرب کا ایک جغرافیہ لکھا ہے اُسمیں

* ہمارے ملک میں جو ہندو قومیں آباد ہیں اُن کے حالات پر غور کرنے سے اور اسبات کے
دیکھنے سے کہ باوجود اسکے کہ ہزارہا برس اور مختلف حکومتیں اُنپر گذر گئی ہیں مگر اُنکی جدا جدا قومیں آجتک
کس طرح پر محفوظ ہیں اور ہر ایک شخص اپنی قوم اور اپنے گوت یعنی قبیلہ سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے
اور آجتک اُنکے معزز لوگوں کے ہاں بہاٹ اور کڑکیت موجود ہیں - عرب کی قدیم قوموں کے
حالات کا نقشہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے اور ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ اسی طرح اُنہوں نے اپنی قوم
اور قبیلہ کو علیحدہ علیحدہ محفوظ رکھا تھا۔

وہ لکھتے ہیں کہ عربوں کی قدیمی اوضاع اور رسوم اور یادگاروں کی پابندی کو جو ہمیشہ سے
زبان زد خاص وعام ہے تمام دلائل میں سب سے اول رکھنا مناسب ہے کیونکہ اس
بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کو قومی خاصوں میں سے یہ خاصہ سب سے مقدم ہے
ایک اور عجیب انگیز مثال عربوں کی اس پابندی کی قدامت اور وثاقت کی کرنل چسنی نے
اس طرح بیان کی ہے کہ عجیل عربوں کا ایک گروہ بغداد کے قریب خیمہ زن ہوا میں انکے
خیمہ گاہ کی سیر کے واسطے گیا ان خیموں کے بیچ میں شاہی نشان اسپین کا لہراتا ہوا دیکھ
کر مجھکو کمال حیرت ہوئی اور ایک عربی خیمہ میں تین دھاریوں کی علامتوں کو دیکھ کر میں نے
انکا حال دریافت کرنے کی کوشش کی۔ ایک نہایت بڈھے آدمی نے مجھسے کہا کہ جبکہ
انکے آبا و اجداد بربر کے ملک میں گئے تھے اور وہاں سے اسپین کی فتح کے واسطے
روانہ ہوئے اسوقت خلیفہ نے ان کی خدمات کے بدلے میں قبیلہ عجیل کو شاہی نشان
اسپین کا بطور جھنڈے کے عطا فرمایا تھا ڈین ریڈوے عرب کی رسم ورواج کی نسبت
اسطرح پر لکھتا ہے کہ قوم عرب دنیا میں سب سے زیادہ قدیم قوم ہے جو اپنے مورثان اعلیٰ
کے زمانے سے اجتک نسلاً بعد نسل اپنے ملک میں رہتی چلی آئی ہے اور جسقدر کہ عرب
اپنی رسم ورواج میں تغیر وتبدل کو ناپسند کرتے ہیں اسیقدر ملک کے ناموں کے بدلنے
کو بھی ناپسند کرتے ہیں اسیوجہہ سے اکثر مقاموں کے وہی نام بدستور چلے آتے ہیں
جو ابتدا میں رکھے گئے تھے۔ اسیوجہہ سے ملک مصر کی قدیمی دارالسلطنت کے
رہنے والے جو مصری کہلاتے تھے اور بعد کو زمانہ دراز تک بنام ممفس مشہور رہے عربوں
کے تسلط کے زمانے سے پھر مصری کہلانے لگے اور جب سے برابر یہ نام چلا آتا ہے۔
یہ مثالیں منجملہ ان بیشمار مثالوں کے ہیں جو علامہ ڈین نے بیان کی ہیں۔ پروفیسر الفنسن

نا بیان ہے کہ فلسطین میں ایک اور قسم کی قدیمی روایت ہے جس سے کہ کنیسوں کو کچھ علاقہ نہیں ہے یعنی عوام الناس میں مقاموں کے قدیمی ناموں کا بجنسہٖ چلا آنا۔ فی الحقیقت یہ قومی اور دیسی روایت ہے جو کسی طرح پر اجنبی کنیسوں اور اجنبی حکام کے اثر سے پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ انہوں نے اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ اسکو پیا ہے اور سمٹک بانوں کی طبیعت میں استحکام کے ساتھ گھر پکڑ گئے ہیں۔ مقامات کے عبری نام انجیل کے زمانہ کے بہت عرصہ بعد تک اپنی آرمینین شکل میں مروج رہے اور باوجود اسکے کہ یونانی اور رومیوں نے اپنی اپنی زبانوں کے ناموں کی ترویج کے لئے کوششیں کیں مگر عوام الناس کی زبان پر وہی پرانے نام جاری رہے"۔

غرضکہ ملک عرب کی ملکی روایتیں نہایت عمدہ اور صحیح ذریعہ ملک عرب کے حالات دریافت کرنیکا ہے۔ ان کی رسوم کا علم مندرجہ ذیل امور سے معلوم ہو سکتا ہے۔

میدان جنگ میں کوئی جنگ آور بدون اسکے کہ حریف سے اپنا حسب و نسب آباو اجداد بیان کیے تنہا لڑائی میں مشغول نہیں ہوتا تھا۔

کسی عام مہم میں ہر شخص اپنی ہی قوم کے سردار یا رئیس کے جھنڈے کے نیچے قیام کرتا تھا۔ بعض اوقات جبکہ کسی قوم کے کسی آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو اس کی پاداش میں اس ساری قوم کے لوگوں کو جرمانہ دینا پڑتا تھا جو اب شرع میں بلفظ الدیت علی العاقلہ مستعمل ہے۔

اس قسم کی رسوم کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے لوگوں کو اپنی قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم میں جا ملنا غیر ممکن ہو گیا تھا اور اسی بنا پر جزیرہ عرب کے مختلف اقطاع پر تقسیم ہونے کی روایتوں پر کماحقہ اعتبار قایم ہوا اور برقرار رہا۔ اب ہم عربوں کی اس مشہور و

معروف پابندی کو جو اپنے قومی اطوار اور عادات اور اپنے بزرگوں کی رسوم کے ساتھ رکھتے ہیں بیان کرکے سوال کرتے ہیں کہ اس بات کا یقین کرنا کس طرح سے ممکن ہے کہ ایسی قوم پر جو تغیر و تبدیل کے اسقدر برخلاف ہو اور مزید براں قبیلوں کے سخت اختلافات کی نسبت اسقدر محتاط ہوں مندرجہ ذیل شبہات کرنے کے لئے کافی وجوہ ہیں یعنی ایسے شبہات کے لئے جن کی تائید کے واسطے کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ایک طرفدار مصنف کے خیالی شوشے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ بنی عملیق اور بنی نبات میں ہمکو ایسو اور آسمعیل کی اولاد صاف نظر آتی ہے اور سبات کا فرض کرلینا کچھ ضرور نہیں ہے کہ اُنکے انساب کا علم یا روایت خود اُن قوموں میں بجنسہ چلی آتی ہے بلکہ فتح کے انقلابات اور دوسری قوموں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے یہ بات بالکل بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ ایسی وحشی قوم کے پاس جنکے پاس کوئی تحریری یادداشت نہیں ہے اُنکو اپنے نسب کی واقفیت اتنی صدیوں تک محفوظ اور برقرار رہی ہو۔ مگر اس معترض کو ہمارے اوپر کے بیان سے ثابت ہوگیا ہوگا کہ یہ امر ناممکن نہ تھا بلکہ درحقیقت اسی طرح پر واقع ہوا جیسا کہ بیان ہوا ہے۔

اب یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ حضرت اسمعیل اور حضرت ہاجرہ کی سکونت کے باب میں ملکی اور قومی دونوں طرح کی روایتیں نہایت معتبر ذریعہ سے ہمارے زمانہ تک پہونچی ہیں اور وہ ایسی روایتیں ہیں کہ جنکو تمام قوم نے بلا تامل صحیح مان لیا ہے پھر ہم کس طرح کسی عیسائی طرفدار مصنف (سر ولیم میور) کے محض بے دلیل بیانات کو صحیح اور معتبر تصور کرسکتے ہیں جسکا یہ بیان ہے کہ "یہ روایت ایک کہانی ہے یا

توریت سے اخذ کرکے تحریر کردی گئی ہے" مگر جسوقت کہ اس عالی رتبہ مصنف نے
یہ بیان کیا انکو معلوم نہو گا کہ خود توریت ہی سے حضرت ابراہیم کے نسب کی بابت
اُس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ اسکے بعد مصنف موصوف نے کمسن اسمعیل اور انکی
بیکس ماں کی سکونت کی اصلیت کی نسبت اسطرح قیاس دوڑایا ہے کہ "بنی اسمعیل
اور عمالیق کی قومیں جزیرہ عرب کے شمال اور وسط میں پھیلی ہوئی تھیں۔ غالباً یہی
لوگ مکہ کے اصلی متوطن ہونگے یا زمانہ سابق میں یمن کے لوگوں کے شمول میں ملے
آبسے ہونگے۔ اسکے بعد ایک فرقہ بنی اسمعیل خواہ نباتی خواہ کسی ہم نسل خاندان کا
وہاں کے کنوئں اور کاروانی تجارت کے دلپسند موقع کے لالچ میں وہاں چلا گیا ہوگا
یہ فرقہ اپنی ابراہیمی نسب کی پرانی روایتوں کو اپنے ساتھ لیگیا ہوگا اور مقامی اوہام
اور اعتقادات پر خواہ وہ اُسی ملک کے ہوں یا یمن سے لائے گئے ہوں اُن کو
منقش کردیا ہوگا"۔

ان قیاسی باتوں کی غلطی اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت اسمعیل کی عمر جبکہ
اُنکے باپ نے انکو گھر سے نکالا تھا توریت کے مطابق سولہ[1] برس کی تھی اور یہ عمر

[1] جب حضرت اسمعیل پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی برس کی تھی (سفر تکوین باب ۱۶ ورس ۱۶) اور جب
حضرت اسحاق پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر سو برس کی تھی (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۵) اور حضرت
ابراہیم نے حضرت اسمعیل کو حضرت اسحاق کے دودھ چھٹنے کے زمانہ میں گھر سے نکالدیا تھا اس حساب سے
حضرت اسمعیل جبکہ جلاوطن ہوئے تھے سولہ برس کے تھے۔ حضرت ابراہیم کا ایکسو پچھتر دیں برس کی عمر میں انتقال
ہوا تھا اور حضرت اسمعیل اور حضرت اسحاق دونوں نے ملکر کمپیلاہ کے غار میں دفن کیا تھا (سفر تکوین
باب ۲۵ ورس ۹) اسلئے حضرت اسمعیل کی عمر اُسوقت نواسی برس کی تھی۔

ایسی تھی کہ جو روایتیں انہوں نے اپنے والد سے سنی تھیں انکے سمجھنے اور تمیز کرنے اور یاد رکھنے کے قابل تھی ۔ اسکے سوا وہ ہمیشہ اور متواتر اپنے والد سے ملاقات کرتے رہے اور حضرت ابراہیم بھی اکثر انکے پاس آتے جاتے تھے ۔ انجام کار سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ حضرت اسمعیل جنکی عمر اسوقت نواسی برس کی تھی بروقت وفات حضرت ابراہیم اپنے والد کے انکے پاس موجود تھے ۔ یہ سب باتیں ہر ذی فہم اور غیر متعصب شخص کے ذہن نشین کرنیکو کافی ہونگی کہ یہ تمام روایتیں جو مختلف اقوام عرب میں اسقدر شائع ہیں لوگونکو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل سے پہونچی ہیں اور یہ امور ایسے بدیہی اور ذہن نشین ہونے کے لایق ہیں کہ اگر پھر کوئی شخص براہ جرأت یہ کہے کہ یہ روایتیں یہودیوں کی وساطت سے پہونچی ہیں تو اسکو سنکر کچھہ کم تعجب نہ ہوگا ۔ مگر تعجب اسپر آتا ہے کہ مصنف موصوف نے اپنے قیاسی خیال کے ثابت کرنے کا ادعا کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ "مگر ان بنی اسرائیل کو جو توریت پڑھتے ہیں صرف نام اور مقام ہی سے اس نسب کا احتمال عائد ہوتا ہے اور یہودی مصنفوں میں خواہ الہامی ہوں خواہ غیر الہامی ہم کافی اظہار اس امر کا پاتے ہیں کہ ایسا خیال درحقیقت کیا گیا تھا ۔ یہ قدرتی استنباط خود ان قوموں میں جنسے وہ علاقہ رکھتا تھا قرب وجوار کے یہودیوں کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً شائع ہوگیا ہوگا اور ان بیجوڑ روایتوں کے غیر مکمل آثار کو جو ہنوز انکے تخیلات اور ان کی عادات اور ان کی زبان میں موجود تھے تقویت دیدی ہوگی" ۔

اگرچہ اس رائے کی غلطی اوپر کے بیان سے بخوبی ظاہر ہوگئی ہے مگر عرب کی قوموں کی عادت پر خیال کرنے سے اس رائے کی اور زیادہ غلطی ظاہر ہوتی ہے عرب کے قدیم رہنے والوں نے اپنی جبلی عادت کے موافق اپنی اصلی روایتوں

میں کوئی نئی روایت اضافہ نہیں کی تھی اور تمام غیر قوموں سے بالکل علیحدہ رہتے رہے یہانتک کہ جب حضرت اسمعیل اور اُنکے ہمراہی وہاں اگر آباد ہوئے تو قدیمی عرب اُن کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل لقب "مُستعربہ" سے اُنکو ملقب کیا تھا آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل اور خصوصاً اہل عرب بنی اسمعیل کو ہمیشہ دو مختلف قومیں سمجھتے رہے اور قدیم عرب نے اپنی قدیمی روایتوں کا اُن سے مبادلہ نہیں کیا اور بنی اسرائیل کے پاس عرب کی قوموں اور عرب کے انبیار کی نسب زبانی خواہ تحریری کوئی روایت نہ تھی۔

آنحضرت صلعم نے جب یہ بات فرمائی کہ جمیع انبیار بنی اسرائیل برحق نبی تھے اور اُنپر ایمان لانا چاہیے اُسوقت بنی اسرائیل کی اور اُنکے نبیوں کی روایتیں اور قصے عرب کی روایتوں اور قصوں میں مخلوط ہوگئے۔ لیکن چونکہ بنی اسرائیل کے ہاں عرب کی کچھ روایتیں نہتیں اسوجہ سے عرب کی روایتیں بجاے خود بجنسہ برقرار ہیں۔

تمام نئے آباد ہونے والے جو وقتاً فوقتاً عرب میں آباد ہوئے اور قدیم متوطنان عرب نے تین نام حاصل کئے تھے۔ اول عرب البائدہ یعنی صحرائی عرب۔ دوم عرب العاربہ یعنی قدیمی عرب۔ سوم عرب المستعربہ یعنی عرب میں نئے آباد ہونیوالے جو بسبب زمانہ دراز کی سکونت کے عرب بنگئے تھے۔ یہ تین بڑی تقسیمیں قریب قریب تمام باشندگان عرب پر حاوی ہیں خانہ بدوش بدوؤں سے لیکر اُن قدرے شائستہ قوموں تک جو کنارہ کے برابر برابر آباد ہیں اور معتمد اقدیم باشندگان عرب کے درمیان تمیز بھی قایم رکھتے ہیں۔ اسلیئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عرب کے باشندوں کا اُن مذکورہ بالا تین عام قسموں کے مطابق علیحدہ علیحدہ بیان کریں۔

اول

عرب البائدہ یا خانہ بدوش صحرائی عرب کی قومیں

عرب البائدہ میں سات شخصوں کی اولاد کے سات مختلف گروہیں شامل ہیں۔

(۱) کوش پسر حام پسر نوح کی اولاد (۲) عیلام پسر سام پسر نوح کی اولاد (۳) لود پسر سام پسر نوح کی اولاد (۴) پسرارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۵) حول پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۶) جدیس پسر گثر پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد۔ (۷) ثمود پسر گثر پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد۔

کوش کی اولاد خلیج فارس کے کنارہ پر اور اوس کے قرب و جوار کے میدانوں میں آباد ہوئی۔

جرہم پسر عیلام بھی اُسی طرف جاکر رود فرات کے جنوبی کنارہ پر سکونت پذیر ہوا لود کے جوان میں سے تیسرا مورث اعلیٰ ہے تین بیٹے مسیان طسم۔ عملیق۔ امیم تھے جنھوں نے اپنے آپ کو تمام شرقی حصہ عرب میں یمامہ سے لیکر بحرین اور اُسکے گرد و نواح تک پھیلا دیا۔

عوص پدر عاد اور حول دونوں نے ایک ہی سمت اختیار کی اور جنوب میں بہت دور جاکر حضر موت اور اُسکے قرب و جوار کے میدانوں میں اقامت اختیار کی

جدیس پسر گثر پسر ارم پسر سام عرب الوادی میں آباد ہوا۔

ثمود پسر گثر پسر ارم پسر سام نے عرب الحجر میں اور اس میدان میں جو وادی

القریٰ کے نام سے مشہور ہے اور ملک شام کی جنوبی اور ملک عرب کی شمالی حد ہی
رہنا اور قبضہ کرنا پسند کیا۔

عربی جغرافیہ دانوں نے جو کچھ اپنی تصنیفات میں نسبت عرب البائدہ اور انکے
مقامات سکونت کے لکھا ہے اُسکا انتخاب ذیل میں لکھتے ہیں جسنے اُن امور کی
جو ہمنے اوپر بیان کئے ہیں تصدیق ہوتی ہے۔

قال القاضی صاعد بن احمد الاندلسی صاحب قضاء مدینة طلیطله
ان العرب البائدة کانت امما ضخمة کعاد وثمود وطسم وجدیس ولتقادم
انقراضهم ذهبت عنا حقایق اخبارهم وانقطعت عنا اسباب العلم بآثارهم۔
اما جرهم فهم صنفان جرهم الاولی وکانوا علی عهد عاد فباد وا ودرست
اخبارهم وهم من عرب البایدہ۔ ابو الفدا۔

سکنت بنو طسم الیمامة الی البحرین۔ ابو الفدا

سکنت بنو عاد الرمل الی حضرموت۔ ابو الفدا

وبلاد عاد یقال لها الاحقاف وهی بلاد متصلة بالیمن وبلاد عمان۔ ابو الفدا۔
والی عاد اخاهم هودا وهو عاد بن عوص بن ارام بن سام وهم عاد الاولی
کانت منازل قوم عاد بالاحقاف وهی رمال بین عمان وحضرموت۔ معالم التنزیل

سکنت ثمود الحجر بین الحجاز والشام۔ ابو الفدا

کانت مساکنهم بالحجر بین الحجاز والشام الی وادی القری۔ معالم التنزیل۔
الحجر بالکسر ثم السکون والراء اسم دیار ثمود بوادی القری بین المدینة
والشام کانت مساکن ثمود وهی بیوت منحوتة فی الجبال مثل المغایر یسمی تلک الجبال

الاثالیب کل جبل منقطع عن الاخر یطاف حوله وقد نقر فیه بیوت ونقر علی قدر الجبال التی تنقر فیها وهی بیوت فی غایة الحسن فیها نقوش وطیقان محکمة الصنعة وفی وسطها البیر التی کانت ترد ها الناقة ۔ مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنة والبقاع ۔

الحجر بکسر الحاء وسکون الجیم والراء دیار ثمود بوادی القری بین المدینة والشام ۔ مشترک یاقوت الحموی ۔

قال ابن حوقل والحجر بین جبال علی یوم من وادی القری اقول لم یحصل ذلک فان بینهما اکثر من خمسة ایام قال وکانت دیار ثمود الذین قال الله عنهم وثمود الذین جابوا الصخر بالواد قال رایت تلک الجبال ونحت منها کما اخبر الله تعالی وتنحتون من الجبال الاثالیب اقول وهی التی بین بها حجاج الشام وهی عن العلی علی نحو نصف مرحلة من جهة الشام ۔ تقویم البلدان ۔

ووادی القری فهو بادیة الجزیرة وما کان من بالس الی ایله مواجها للحجاز معارضا الارض تبوک فهو بادیة الشام ۔ تقویم البلدان ۔

اب کہ ہمنے اس مقام پر ایک کامل فہرست سات مختلف اقوام عرب البائدہ کے مورثان اعلی کی لکھدی ہے اور اُن مقامات کو بھی بیان کردیا ہے جہاں جہاں یہ مختلف قومیں آباد ہوئیں تو اب ہم حتی المقدور اُن شعبوں اور شاخوں کی تفصیل بیان کرینگے جو اُن قوموں سے پیدا ہوئی ہیں ۔

اولاً ۔ بنی کوش ۔ کسی عرب کے مورخ نے بنی کوش کا کچھہ حال نہیں بیان کیا سب کے سب خاموش ہیں اور اس سبب سے اُن کے حالات کچھہ دریافت نہیں

ہوئے - اسی بنا پر جارج سیل اور اُنہیں کی مانند اور مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ کوش کی اولاد عرب میں آباد نہیں ہوئی تھی"- نویری نے اپنے جغرافیہ میں ایک یہ فقرہ لکھا ہے "وملک شرحبیل علی قیس وتمیم" اس فقرہ میں نویری نے بنی کوش کا ذکر بشمول بنی تمیم کے کیا ہے جس سے وہ حصہ سلطنت کا مراد ہے جو الحارث نے اپنے دوسرے بیٹے شرحبیل کو بخشا تھا- نویری کے اس فقرہ پر ورنڈ مسٹر فاسٹر یہ استدلال کرتے ہیں کہ مشرقی مورخ بنی کوش کو عرب کے رہنے والوں میں شمار کرنے سے خاموش نہیں ہیں - مگر ورنڈ مسٹر فاسٹر کو اس میں کسیقدر دھوکا ہوا ہے کیونکہ نویری کے فقرہ سے کسیطرح یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ بنی قیس اور بنی کوش ایک ہی خاندان میں یعنی حام کی اولاد میں ہیں - مشرقی مورخوں نے جو بنی کوش کا کچھہ ذکر نہیں کیا اسکی وجہ ظاہرا یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود مشرقی مورخ دھوکے میں پڑ گئے ہیں کیونکہ کوش کی اولاد جو مشرق میں آباد ہوئی تہی اور یقطان کی اولاد جو جنوب کی طرف یمن اور اُسکے گرد ونواح میں آباد ہوئی تہی اُن دونوں کے ناموں میں ایکطرح کی مشابہت پائی جاتی ہے اور اس سبب سے مشرقی مورخوں نے دہوکے کہا کر تمام واقعات اور حوادث کو جو بنی کوش سے متعلق تہے بنی یقطان سے متعلق سمجھہ لیا اور اُن تمام واقعات اور حوادث کو بنی یقطان کی طرف منسوب کردیا-

مگر ورنڈ مسٹر فاسٹر نے بڑی کوشش اور تلاش سے اور بڑی صحت اور قابلیت سے نہایت معتبر اور مستند حوالوں سے اس امر کو بیان کیا ہے کہ بنی کوش درحقیقت عرب میں خلیج فارس کے کنارہ کے برابر برابر آباد ہوئے تھے اور مشرقی کنارہ کو

مختلف شہروں کے ناموں کا اُن ناموں سے مقابلہ کر کے جو بطلیموس نے لکھے ہیں اپنے دعوے میں قطعی کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن مصنف موصوف نے جبکہ بنی کوش کو تمام جزیرہ عرب میں اور خصوصاً یمن اور خلیج عرب کے کناروں پر پھیلا دینے کی کوشش کی ہے تو اسکی دلیلوں میں ضعف آجاتا ہے اور اُسی وہم کے میں پڑجاتا ہے جس میں مشرقی مورخ پڑ گئے تھے اور اسی سبب سے یمن تک پہونچے

ل متعلق صفحہ ۴۷ - یہ ایک عام اور مسلم رائے ہے کہ سبا پسر کلاں کوش نے پہلے وہ حصہ وادی القریٰ کا آباد کیا جو دریائے فرات کے ملحق ہے اور یہ رائے بظاہر وجوہات ذیل پر مبنی ہے۔ ضلع مذکور کا "خوزستان" یعنی کوش کے اصلی وطن کے قریب واقع ہونا۔ زمانہ مابعد میں شہر "سبی" اور قوم سبا کا سرحد "خالدیہ" پر موجود ہونا۔ کوشی ناموں اور خاندانوں۔ حویلاہ۔ سبتاہ۔ راماہ۔ ددان کا خلیج فارس کے کنارہ پر مسلسل سلسلہ میں واقع ہونا اور سب سے اخیر یہ کہ اشعیاہ نبی کی کتاب کے دو مقاموں میں کوش اور "سبا" کا ساتھ ساتھ بیان ہونا جس سے پایا جاتا ہے کہ "سبا" "خوزستان" سے ملحق ہے "راس مسندم" کے قریب جسکو بطلیموس نے "راس اسابی" کر کے لکھا ہے ہم مسٹر سیل کے نقشہ میں شہر "کشکان" جو توریت کے "کشام" کے مرادف ہی پاتے ہیں۔ بحر عمان کے اسی کنارہ پر "عمنان" یا "عمان" اور "تامر" یا "سیب" اور "سرباز" شہروں کے درمیان میں ہم ایک ساحل پاتے ہیں جسکو "پلینی" نے سواحل حام جو بالفعل "باحام" کہلاتا ہے۔ اس خاکنائے مقابل کے اطراف پر جو راس "مسندم" میں منتہی ہوتی ہے "خلیج فارس" کے دہانہ کے اندر شہر اور ضلع "رغماہ" جسکو یونانی ترجمہ توریت میں "رغمہ" اور بطلیموس نے "رغامہ" لکھا ہی پایا جاتا ہے۔ خلیج کے باہر شہر اور ضلع "ددان" یا "داونہ" کا پتہ ملتا ہے اور توریت میں جو "ددان" چھوٹے بیٹے "رغماہ" کا ذکر ہے اسکی طرف منسوب کیا جاتا ہے (فارسٹر صاحب کا جغرافیہ عرب صفحہ ۳۸)۔

پر اسکی بحث بدرجہ غایت مہمل اور بے معنی ہوگئی ہے اور صرف ایک ناکارہ سلسلہ
خیالی اور وہمی استنباطوں کا خیال کی جا سکتی ہے۔ اسلئے ہم کہتے ہیں کہ "مزود" کے سوا
جسکا ذکر تنہا کتاب مقدس میں کیا گیا ہے اور اس سبب سے ہمکو یہ مستنبط کرنا پڑتا ہے
کہ وہ اپنے بہائیوں کے ساتھ آباد نہ ہوا تھا باقی اولاد کوش کی جن کے نام ۔ سبا ۔
حویلاہ ۔ سبتاہ ۔ رعماہ ۔ سبتکا ۔ تھے اور رعماہ کے بیٹے یعنی شبا اور ددان
سب خلیج فارس کے کنارہ کنارہ آباد ہوے تھے ۔ ہم اس امر سے انکار کرنا نہیں
چاہتے کہ کوش کی اولاد میں سے کوئی جزیرہ عرب کے اور اقطاع کی جانب بہی چلے
گئے ہوں اور وہاں سکونت اختیار کی ہو ۔

گو ہمنے رونڈ مسٹر فارسٹر کی جن دلیلونکو لغو اور مہمل اور وہمی اور خیالی بیان کیا ہے
اسکا سبب یہی ہے کہ مصنف موصوف کو بنی کوش کے مقامات سکونت کی تحقیق میں کوئی
ایسا مقام ملجاتا ہے جس میں ذرا سی ہی مشابہت کوشی ناموں سے ہو جن میں یا صرف
ایک حرف ہی کی مطابقت پائی جاتی ہے تو وہ اس مقام کو کوش کی اولاد کے
متعلق کر دینے میں ذرا بہی دریغ نہیں کرتا حالانکہ بنی کوش کے اکثر نام ایسے ہیں
جو بنی یقطان کے ناموں سے جو یمن میں رہتے تھے مشابہت تامہ رکھتے ہیں ۔

کتب مقدسہ کے لکہنے والوں نے بنی کوش کی وجہہ سے تمام ملک عرب کو
بنام ارض کوش یا اتھوپیا کے موسوم کیا ہے اور اس امر کے ثابت کرنیکو رونڈ مسٹر
فارسٹر نے نہایت مضبوط اور قابلانہ دلیلیں پیش کی ہیں ۔ وہ لکہتے ہیں کہ "توریت اور
انجیل کے تاریخی جغرافیہ کے انگریزی ترجمہ میں الفاظ "اتھوپیا" اور باشندگان اتھوپیا"
اکثر مستعمل ہوئے ہیں اور انکی جگہہ عبرانی توریت میں اسم معرفہ کوش واقع ہوا ہے

اور یہ لفظ کوش جبکہ کتاب مقدس میں اس طرح مستعمل ہوا ہے تو اُس سے ہمیشہ ایشیائی اتھوپیا یعنی عرب مراد لیا گیا ہے نہ کہ افریقی اتھوپیا۔ چند مصرح ورسوں کے مقابلہ کرنے سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ چنانچہ کتاب اعداد باب ۱۲۔ ورس ۱ میں لکھا ہے کہ مریام اور ہارون نے حضرت موسیٰ سے اس اتھوپین (عبرانی میں ہو کوشی) عورت کی وجہ سے جسکے ساتھ انہوں نے شادی کی تھی گفتگو کی اسلئے کہ انہوں نے ایک اتھوپین (عبرانی میں ہے کوشی) عورت سے شادی کی تھی۔ اور کتاب خروج باب ۲ ورس ۱۵۔ اور ۲۱ سے یہ امر متحقق ہے (اور ہم حضرت موسیٰ کے دوسرے نکاح کے فرض کرنے کے واسطے کوئی دلیل نہیں پاتے) کہ ایک مدیانی عورت تھی یعنی حضرت ابراہیم کی اولاد میں بنی قطورہ کے سلسلہ میں تھی۔ اور یہ امر بھی متحقق ہے کہ "مدیان" یا "مادیان" عرب میں بحر احمر کے کنارہ پر ایک شہر یا ملک تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی بی بی ایک عرب کی عورت تھی اور اسی وجہ سے عبرانی لفظ کوشی کا ترجمہ لفظ اتھوپین کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوا ہے تاوقتیکہ اس سے ایشیائی اتھوپیا یا عرب مراد نہ لیا جاوے۔ کیونکہ افریقی اتھوپیا اُس سے کسی طرح مراد نہیں لیا جاسکتا،، (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب صفحہ ۱۲)۔

ان دلیلوں سے کسی طرح شک اور شبہہ نہیں رہتا کہ کتاب مقدس کے انگریزی ترجمہ میں جو لفظ کوش کا اتھوپیا ترجمہ کیا گیا ہے وہ دو مختلف مقاموں پر مستعمل ہوا ہے افریقی اتھوپیا پر اور ایشیائی اتھوپیا یعنی عرب کے ایک حصہ پر یا خود ملک عرب پر اور یہ ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ اس سے کتب مقدسہ کے بہت سے مشکل مقامات کے حل ہونے میں مدد ملیگی۔

ثانیاً۔ عیلام یا جرہم الاولی۔ جوکہ یہ قوم بنی کوش کے مقابلہ میں کچھ نام آور نہیں ہوئی اسلئے اسکی نسبت بجز اسکے کہ بنی کوش سے قرابت رکھتی تھی اور انہیں کے ساتھ رہتی تھی اور کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔

ثالثاً۔ رود اسکے تین بیٹے تھے طسم۔ عملیق۔ امیم۔ یہ لوگ بھی عیلام کی اولاد کی مانند کچھ اولوالعزم اور نام آور نہ تھے اسلئے انکا حال بھی بہت کم معلوم ہے مگر انکے آثار ساحل خلیج فارس کے بعض مقاموں کے ناموں میں پائے جاتی ہیں مثلاً دریائے عمنان (جسکو پلینی نے عمان لکھا ہے) اور "ہمایم" جو امیم کے نام سے جو لود کا تیسرا بیٹا تھا ماخوذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ الف ہائے ہوز سے بدل جاتا ہے جیسے اود سے ہود اور اجر سے ہاجرہ ہوگیا جو حضرت اسمٰعیل کی ماں کا نام تھا۔ روزنڈ مسٹر فارسٹر نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش میں کہ عمنان یا ہمنان زمانہ حال کے عمان سے علاقہ رکھتا ہے غلطی کی ہے کیونکہ سفر تکوین باب ۱۹ ورس ۳۸ سے پایا جاتا ہے کہ حضرت لود کی چھوٹی بیٹی نے (ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جنپر بیٹوں کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے وہ حضرت لود کی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ لونڈیاں تھیں) بیٹا جنا اور اسکا نام "بن عمی" رکھا گیا جس سے بنی عمون کی قوم مشہور ہوئی۔ حال کا عمان ہمارے نزدیک اسی نام سے علاقہ رکھتا ہے۔

رابعاً۔ عوص اور خامساً۔ حول ارم کے بیٹے تھے۔ ہم ان دونوں کا بیان بالاشتراک کرینگے ان کے آثار بھی آجتک ان مقامات کے ناموں میں پائے جاتے ہیں جو خلیج فارس کے کنارہ پر یا قرب وجوار کے میدانوں میں واقع ہیں مثلاً عول اور حول ایک ہی نام ہیں۔ روزنڈ مسٹر فارسٹر نے عول کے

اشتقاق میں بہی مغالطہ کیا ہے کیونکہ انکا بیان ہے کہ یہ لفظ حویلاہ نام کی ایک مختلف شکل ہے۔

عاد اولی۔ پسر "عوص" نے بہت شہرت حاصل کی اور اُسکی اولاد ایک نامی قوم ہوگئی اور تمام شرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی۔ انہوں نے عالیشان مکان بہی بنائے اور ادر تو موثر تحکم بہی حاصل کیا۔ اس قوم کے آدمی اپنی جسامت اور قوت اور شان میں اور قوموں پر فوق لے گئے تہے جسکا ذکر قران مجید میں بہی آیا ہے۔

عرب کے جنوب اور مشرق کے باشندے بہ نسبت اور لوگوں کے تنومند اور قد آور ہوتے تہے اُن کی نسبت مسٹر رونڈ فارسٹر نے ولسٹڈ صاحب کے سفرنامہ ملک عرب سے یہ بیان نقل کیا ہے۔ وہ لکہتے ہیں کہ "مینے حجاز کے عربوں اور اُن عربوں کی وضع جسمانی میں جو خلیج فارس کے کنارہ جانب عرب پر آباد ہیں ایک بڑا فرق مشاہدہ کیا۔ اعراب سکنائے ساحل خلیج فارس کا حلیہ یہ ہے کہ اُن کے چہرے قریب قریب بیضوی کے ہیں سر کے بال عموماً سیاہ بالکل منڈے ہوئے ہوتے ہیں بہنویں بہی سیاہ ہیں اور کہال چمکتی ہوئی ہے اور ہندوستان کے باشندوں کی نسبت اُنکا رنگ کسیقدر کہلا ہوا ہے سواحل بحر احمر کے قرب کے باشندے لاغر اندام اور پستہ قد ہوتے ہیں مگر قوی ہیں۔ چہرہ کسیقدر لمبا رخسارے بے گوشت کے اور سر کے بالونکو دو لمبی زلفوں کے سوا جو دونوں طرف ہوتی ہیں اور جن کی وہ نہایت درجہ خبرداری کرتے ہیں اسقدر بڑہاتے جاتے ہیں کہ کمر تک آجاتی ہیں اُنکا رنگ کسیقدر کہلا ہوا ہوتا ہے۔

"بیسپی" سے چار پانچ منزل جنوب اور مشرق کی جانب سرما کے موسم

اعراب "دواسر" رہتے ہیں اور گرمیوں کے موسم میں نجد کی سرسبز چراگاہوں میں چلے
جاتے ہیں جس کی سب سے قریب سرحد صرف آٹھ منزل ہے ۔ یہ لوگ گھوڑے
نہیں رکھتے مگر لڑائی میں وہابیوں کی کمک کے لئے تین ہزار شتر سوار بھیجتے ہیں
اعراب "دواسر" طویل القامت اور قریب قریب سیہ فام ہوتے ہیں (سفرنامہ ملک
عرب ضمیمہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۵) مگر یہ عجیب اختلاف درازی اور رنگ میں گرد نواح کی قوموں
سے کچھ اعراب "دواسر" ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، خلیج فارس کے عربوں میں
بھی یہی بات پائی جاتی ہے اور اُن اطراف میں بھی جہاں کہ علماء کے نزدیک شہر سبا
آباد تھا۔ کرنیل چسنی کا بیان ہے کہ خلیج فارس کے عرب خوش ہیئت ہوتے ہیں
اور طویل القامت اور سیہ فام ہونے میں مشہور ہیں اور اُن دونوں باتوں میں اقوام
خلیج عرب سے بدرجہا اختلاف رکھتے ہیں (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب
صفحہ ۱۳) مگر ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے اسبات کے خیال کرنے میں کہ صرف بنی
کوش ہی طویل القامت تھے غلطی کی ہے کیونکہ تمام قومیں جو خلیج فارس کے
کنارہ پر رہتی تھیں اور جنکو ہمنے عرب البایدہ کے ذیل میں بیان کیا ہے نہایت
بلند قامت تھیں ۔ زمانہ حال تک بھی خلیج فارس پر ہم دو قسم کے آدمی پاتے ہیں
جو درازی قد میں برابر ہیں مگر رنگ میں مختلف ہیں ایک تو سیاہ رنگ کے ہیں
اور دوسرے ذرا اُجلے رنگ کے ہیں ۔

ریورنڈ مسٹر فارسٹر کتاب اشعیاہ نبی کی باب ۴۵ درس ۱۴ کی عبارت کا حوالہ دیتے
ہیں جس میں لکھا ہے کہ "خداوند چنیں میفرماید کہ محصول مصر و تجارت حبش و اہل سبا کہ مردان
بلند قد اند بتو عبور نمودہ ازآن تو خواہند بود" اور اسبات کو کہ بنی کوش سب دراز قد تھے

اسی ورس پر مبنی کرتے ہیں۔ مگر صاحب موصوف نے اس میں دو وجہ سے غلطی کی ہے۔ اول اس وجہ سے کہ جملہ "مردان بلند قد" سے خواہ نخواہ یہ مراد لینی کہ وہ لوگ طویل القامت تھے محض غلط ہے بلکہ اُن لفظوں سے یہ مراد ہے کہ وہ لوگ معزز اور اشراف تھے چنانچہ عربی ترجمہ جو اشعیاہ نبی کی کتاب کا ہے اُس میں یہی معنی لئے گئے ہیں اور اُسکی عبارت یہ ہے "هذه يقولها الرب تعب مصر وتجارة الحبش وسبايم رجال اشراف يعبرون اليك"۔ دوم اس وجہ سے کہ باشندگان سبا متذکرہ عبارت مذکور کا کوش کی اولاد میں ہونا ضرور نہیں ہے کیونکہ کتب مقدسہ میں بنی سبا کا اطلاق اور قوموں پر بھی ہوا ہے مثلاً بنی سبا جنکا ذکر کتاب ایوب باب ۱ - ورس ۱۵ میں آیا ہے اور جو دریاے فرات کے بنی سبا سے ہر طرح مشابہت رکھتے ہیں اور بلحاظ اپنے آبائی نام کے ہجون کے قاعدہ کے موافق سبا پسر کلاں کوش کی اولاد نہیں ہیں بلکہ اُن تین سباؤں میں سے کسی نہ کسی کی اولاد بیان کئے گئے ہیں جنکو حضرت موسیٰ نے منجملہ اُن سرخیلوں کے بیان کیا ہے جنھوں نے ملک عرب کو یکے بعد دیگرے آباد کیا تھا"

اس قوم کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک نبی جنکا نام ہود تھا اور جنکا لقب سفر تکوین باب ۱۱ - ورس ۱۴ میں عیبر עבר آیا ہے مبعوث کیا تاکہ خدا برحق کی عبادت کی ترویج اور بتوں کی پرستش کا استیصال کریں۔ لیکن جبکہ اُن لوگوں نے اُنکے احکام اور ہدایت سے سرتابی کی تو خداے تعالیٰ کا قہر جوش میں آیا اور تین برس کا قحط اُنپر پڑا اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اِس بات سے آگاہ ہو گئے کہ خدا کے پیغمبر کے احکام سے سرتابی کی یہ سزا ہے۔ اس پریشانی کی حالت میں حضرت

ہود پہر تشریف لائے اور بت پرستی ترک کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی از سر نو ہدایت کی اور اُسکے ساتھ یہ بہی کہا کہ اگر تم ایسا کروگے تو خدائے رحیم باران رحمت نازل کریگا مگر وہ اپنی گمراہی پر ثابت قدم رہے پہر اللہ تعالےٰ نے اُنپر ایک سخت طوفان آندہی کا جو اُسکے غضب کی نشانی تہی نازل کیا۔ یہ طوفان آندہی کا سات رات اور آٹھ دن تک تمام اُس ملک میں ایسے زور شور سے جاری رہا کہ ہزار ہا آدمی ہلاک ہوگئے اور تمام قوم کا باستثنائے اُن چند اشخاص کے جنہوں نے حضرت ہود کا کہنا مان لیا تہا قریباً قریباً استیصال کلی ہوگیا اور جو لوگ بچے آخر کو حضرت ہود پر ایمان لے آئے۔ یہ واقعہ سنہ دنیوی کی اٹھارویں صدی میں یا بائیسویں صدی قبل حضرت عیسی کی پیدائش کے واقع ہوا تہا۔

جہوٹی روایتیں جو قوم عاد کی نسبت مشہور ہیں

بعض کتابوں میں لکہا ہے کہ قوم عاد کے ہر شخص کا قد بارہ ارش لمبا تہا یعنی اس زمانہ کے جو لوگ ہیں اگر اپنے دونوں ہاتہوں کو سیدہا پہیلاویں تو اُنکی لمبائی سے بارہ گنا زیادہ لمبا قد قوم عاد کا تہا بعض کتابوں میں اُنکے قد کے لمبان کا اُس سے بہی زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور یہ بہی لکہا ہے کہ اُنکی قوت کا یہ حال تہا کہ چلنے میں اُن کے پاؤں زانو تک زمین میں دہس جاتے تہے۔

اُنہوں نے جو اُس ریگستان میں کوئی محل بنایا تہا اُسکی نسبت بہی بہت زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور عاد ثانی کی اولاد کے قصہ کو اس قوم کے ساتھ جو عاد اولیٰ کی قوم ہے خلط ملط کرکے اُس خیالی باغ کو جسکا نام ایشیائی مورخوں نے

"ارم" قرار دیا ہے اسی قوم کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اُس محل اور باغ کی زمین میں لعل اور یاقوت بچھے ہوے تھے اور اُسکی دیواریں سونے اور چاندی کی تھیں اور درخت زمرد اور یاقوت اور نیلم اور ہر قسم کے بیش بہا جواہروں سے بنا ے گئے تھے اور زعفران بجاے گھاس اور عبیر بجاے مٹی کے تھا۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان کے زمانہ خلافت میں ایک شخص اپنا اونٹ ڈھونڈتا ہوا وہاں چلا گیا اور بیشمار جواہرات وہاں سے رول کر اپنی جھولی میں بھر لایا اور جب معاویہ ابن ابی سفیان نے اُس جگہہ دوبارہ جانیکا اور اُس جگہ کے تلاش کرنیکا حکم دیا تو بہت سی تلاش کرنے کے بعد بھی وہ جگہ پھر نملی۔ خلیفہ نے کہا کہ خداتعالیٰ نے اُسکو انسان کی آنکھوں سے پوشیدہ کرلیا ہے

بعض کتابوں میں حضرت علی مرتضیٰ کی نسبت اور اور بعض معتبر اشخاص کی نسبت ایک جھوٹا اتہام کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُنہوں نے یہ بات کہی کہ خداتعالےٰ نے اُس باغ اور محل کو جو قوم عاد نے تعمیر کیا تھا دنیا سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے اور قیامت کے دن وہ بھی منجملہ اور آسمانی بہشتوں کے ایک بہشت ہوگی۔

عاد اولیٰ کی قوم کی بنائی ہوئی عمارات کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اس قوم نے کوئی عمارت قابل شہرت نہیں بنائی تھی۔ اُنکی عمارتیں مثل اور معمولی عمارتوں کے بڑی اور چھوٹی ہر ایک قسم کی تھیں۔

بہت سے مصنفوں اور مورخوں نے جو قوم عاد اولیٰ کی طرف عمارات عالیشان بنا منسوب کرنے میں غلطی کی ہے اسکی وجہ ظاہرا یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُنہوں نے

قرآن مجید کی اس آیت کے جو ذیل میں مندرج ہے معنی سمجھنے میں غلطی کی ہے اور وہ آیت یہ ہے۔

الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلها فی البلاد۔

یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پر کیا تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ جو "ارم" کی اولاد تھے اور ایسے قد آور تھے کہ انکی مانند شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے تھے۔

لفظ "ذات عماد" سے جو انکا قد آور ہونا مراد لیا گیا ہے اُسکا ثبوت دوسری آیت سے ہوتا ہے جو ذیل میں لکھی جاتی ہے اور جس میں اُنکے مردہ پڑے ہوے جسمونکو درختوں کے اکھڑے ہوے تنوں سے مشابہت دی ہے اور وہ آیت یہ ہے۔

واما عاد فاهلکوا بریح صرصر عاتیة سخرها علیهم سبع لیال وثمانیة ایام حسوما فتری القوم فیها صرعی کانهم اعجاز نخل خاویه

تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے دو امر کا بخوبی ثبوت ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ "ارم" سے مراد "بنی ارم" ہے اور "ارم" عاد کا دادا تھا جس طرح کہ بنی ہاشم اپنے دادا ہاشم کے نام سے مشہور ہیں اسی طرح قوم عاد اپنے دادا ارم کے نام سے مشہور تھی اور عاد ارم کہلاتی تھی۔ دوسرے یہ کہ لفظ "ذات العماد" سے اُنکا دراز قد اور قوی ہونا مراد ہے جس طرح کہ بعض ملکوں کے لوگ دراز قد اور قوی ہوتے ہیں۔ کوئی خاص عجیب بات اُن میں نہیں تھی۔ چنانچہ تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی میں اسطرح پر لکھا ہے۔

"المتر" تعلم یا محمدؐ "کیف فعل ربک بعاد ارم" ھی عاد الاولی فارم عطف بیان اوبدل منع الصرف للعلمیۃ والتانیث "ذات العماد" ای الطوال التی لم یخلق مثلھا فی البلاد" فی بطشھم وقوتھم "جلالین"۔

"المتر کیف فعل ربک بعاد" یعنے اولاد عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح قوم ھود سموا باسم ابیھم کما سمے بنوھا شم باسمہ "ارم" عطف بیان لعاد علی تقدیر مضاف ای سبط ارم "ذات العماد" ای ذات البناء الرفیع او القدود الطوال او الرفعۃ والثبات "بیضاوی"۔

زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا یہ دستور ہے کہ اس قسم کے پرانے قصوں کو ایک مذہبی قصہ بنا لیتے ہیں اور اس میں عجیب وغریب باتیں ملا کر اسکو تعجب انگیز اور حیرت خیز کر لیتے ہیں۔ جس طرح کہ ملٹن شاعر نے اپنی کتاب "پیریڈائز لاسٹ" کو ایک عجیب قسم کا مذہبی قصہ بنالیا ہے اسی طرح زمانہ جاہلیت کے عربوں نے بھی قوم عاد کا ایک قصہ گڑھ لیا ہے جس میں بیان کیا ہے کہ قحط کے دنوں میں قوم عاد نے تین شخص مکہ میں اس غرض سے بھیجے تھے کہ خدا ے تعالیٰ سے مینھہ برسنے کی دعا مانگیں۔ ان تینوں میں سے ایک کا نام لقمان تھا وہ تو مسلمان تھا اور باقی دو کافر تھے۔ لقمان کی عمر سات گدوں کی عمروں کے مجموعہ کے برابر عمر تھی اور اسی سبب سے لقمان بڑی عمر ہونے میں ضرب المثل ہوگیا ہے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ گدھ کی عمر ہزار برس کی ہوتی ہے اور اسلئے لقمان کی عمر اسوقت سات ہزار برس کی تھی اسی قسم کے اور بہت سے لغو اور بیہودہ قصے عاد کی قوم کی نسبت جاہلوں نے بنا لیے ہیں جنپر اہل علم کو متوجہ ہونا یا مذہبی اعتراضات کی بنا ان قصوں کو قرار دینا نہایت

لغواور بیہودہ بات ہے۔

سادسا - جدیس - سابعا - ثمود جسکو عاد ثانی کہتے ہیں یہ دونوں گثر ٦ پسر "ارم" ٦ بن سام بن نوح کی اولاد تھے جنکا بیان ہم ایک ساتھ کرتے ہیں۔

جدیس کا حال بجز اسکے اور کچھ نہیں معلوم ہوا کہ بیابان میں آباد ہوا تھا اور اُسکی اولاد بعد انقضاے عرصہ دراز کے دیگر اقوام صحرائی کے معدوم ہوگئی۔

اولاد ثمود نے بہت بڑا نام پیدا کیا اور جلد ایک زبردست قوم ہوگئی اور اُس حصہ قوم پر جو "الحجر" کے نام سے مشہور ہے اور اُس میدان پر جو وادی القری کہلاتا ہے اور جو ملک شام کی جنوبی اور عرب کی شمالی حد بناتا ہے قبضہ کر لیا ہے۔

قرآن مجید میں اس قوم کا بھی چند جگہہ ذکر آیا ہے۔ اُنھوں نے پہاڑیونکو کھود کر اُن کے اندر اپنے گھر بنائے تھے اور نقش و نگار سے مرتب کئے تھے جو اثالیب کے نام سے مشہور ہیں۔ عرب کے لوگ اور چند غیر قوم کے لوگ جنھوں نے عرب میں سفر کیا ہے اُن پہاڑی گھروں کی جو پرانے زمانہ کی باتوں کی تلاش کرنے والوں کو تشفی دیتے ہیں اور اُن قوموں کے حالات جنھوں نے اُنکو بنایا ہے بتلانے کو موجود ہیں شہادت دے سکتے ہیں۔ اسی طرح ان پہاڑی گھروں سے قوم ثمود کی تاریخ کے اُس حصہ کی جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے بخوبی صداقت پائی جاتی ہے۔

کچھ زمانہ کے بعد یہ قوم بھی بت پرستی کی طرف مائل ہوئی اسواسطے اُنکی فہمائش و ہدایت کے واسطے خداے تعالیٰ نے حضرت صالح بن عبید بن جادر بن ثمود کو مبعوث کیا۔ بعض لوگ اُنپر ایمان لائے اور بہتوں نے اُنکا یقین نہیں کیا اُن لوگوں نے حضرت صالح سے کہا اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی بتلا۔ حضرت صالح نے جواب دیا

کہ اے میری قوم یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے اسکو چھوٹا پھرنے دو تاکہ خدا کی زمین پر چرتی پھرے اور اسکو کچھ ایذا مت پہونچاؤ مبادا تمپر اسکے عوض عذاب نازل ہو۔ اس فہمایش کے سبب کچھ عرصہ تک اُن لوگوں نے اونٹنی کو پھرنے دیا اور کچھ ایذا نہیں پہونچائی۔

کچھ عرصہ کے بعد وہاں قحط واقع ہوا اور اُس خشک سالی میں پانی کا بھی قحط ہو گیا پانی نہیں ملتا تھا اور جہاں کہیں تھوڑا سا بھی پانی ہوتا تھا تو اونٹنی اپنی طبعی خاصیت سے جو خدا نے اونٹ میں پیدا کی ہے پانی کو تلاش کر لیتی تھی اور پی لیتی تھی یا خراب کر دیتی تھی اور لوگ اسکو روک نہ سکتے تھے۔ حضرت صالح نے کہا کہ ایک دن اونٹنی کو پانی پی لینے دیا کرو اور کوئی اسکا مزاحم نہو اور دوسرے دن تم لوگ پانی پی لیا کرو اور اونٹنی کو وہاں نہ جانے دیا کرو۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد مختلف نو فرقوں کے سرداروں نے جو اُس زمانہ کے کافروں کے فرقے تھے حضرت صالح کو مار ڈالنے کا منصوبہ کیا مگر جب وہ اپنے اس بد منصوبہ پر کامیاب نہ ہوئے تو اُنھوں نے غصہ میں آکر اُس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اُسوقت حضرت صالح نے اُن سے کہا کہ تین دن تک تم اپنے مکانوں میں چین کر لو بعد اُسکے تم ہلاک ہو گے خدا نے تعالے نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ جب ہمارے حکم کی تعمیل ہونیکو ہوئی تو ہمنے صالح کو اور اُن لوگونکو جو اُنپر ایمان لائے تھے بسبب اپنے رحم کے اُس روز کی ذلت سے بچا لیا۔ آفت جو اُنپر آئی تھی وہ یہ تھی کہ آسمان سے ایک خوفناک آواز آئی جو غالباً رعد اور زلزلہ کی اور اسی قسم کی آفت ارضی وسماوی کی آواز تھی۔ صبح کو وہ لوگ اپنے مکانوں میں مردہ اور سرنگوں پڑے ہوئے ملے گویا

کہ اُن مکانوں میں رہتے ہی نہ تھے یہ واقعہ اُسی زمانہ میں واقع ہوا تھا جبکہ سدوم اور گمارہ اور ادماب اور زبائین شہر آسمانی آگ سے جلا دئے گئے تھے یعنی سنہ ۲۱۰۷ دنیوی یا سنہ ۱۸۹۷ قبل حضرت مسیح کے۔

جھوٹی روایتیں جو قوم ثمود کی نسبت مشہور ہیں

مفسرین اور مورخین کا بیان ہے کہ کفار نے حضرت صالح سے اُنکی رسالت کے ثبوت میں اس معجزہ کی درخواست کی تھی کہ اگر اس پہاڑی میں سے ایک اونٹنی پیدا ہو اور بمجرد پیدا ہونے کے ایک سرخ بالوں کا بچہ جنے اور وہ بچہ اُسی وقت ہمارے سامنے بڑی اونٹنی کی برابر ہو کر چرتا پھرے اور ہم اُس اونٹنی کا دودھ پئیں تب ہم ایمان لائینگے۔

یہ روایت محض ساختہ اور مصنوعی ہے۔ اس روایت کے موضوع کہنے سے اسوقت ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم امکان معجزہ سے انکار کریں اور اُسپر بحث شروع کریں بلکہ ہم اسوقت صرف سادی طرح سے اس روایت کو اسلئے موضوع کہتے ہیں کہ اُسکی صحت پر کوئی سند نہیں ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ایسے عجیب واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ضرور ہوتا یا کسی مستند حدیث سے اُسکا ثبوت پایا جاتا۔ اسی طرح یہ بھی مصنوعی بات ہے کہ اُس اونٹنی سے انسان اور حیوان دونوں ڈرتے تھے اور وہ اونٹنی قوم ثمود کے تمام چشموں اور حوضوں کا پانی ایک گھونٹ میں پیکر سبکو سکھا دیتی تھی کیونکہ وہ ملک ایسا تھا جہاں کثرت سے پانی میسر ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

اسی طرح یہ ایک لغو روایت ہے کہ اگرچہ قوم ثمود کو بتلا دیا گیا تھا کہ اونٹنی کا قتل کرنا انکی ہلاکت کا باعث ہوگا لیکن حضرت صالح نے اُن سے یہ بھی پیشین گوئی کی تھی کہ تمہاری قوم کا ایک لڑکا جسکا حلیہ ایسا ایسا ہوگا اس اونٹنی کو مار ڈالیگا اور اس طرح پر تمہاری ساری قوم پر تباہی اور بربادی آویگی - اس تباہی سے بچنے کے لیے جسکی پیشین گوئی حضرت صالح نے کی تھی لڑکوںکو مار ڈالنا شروع کیا جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اور اُس میں اُس نشانی کا شبہہ ہوتا تھا جو حضرت صالح نے بتلائی تھی تو اُس لڑکے کو مار ڈالتے تھے - مگر وہ لڑکا جسکے ہاتھ سے اُس قوم کا برباد ہونا مقدر میں تھا کسی نہ کسی طور سے بچگیا اور مارا نہیں گیا - جبکہ وہ جوان ہوا تو آخر کار اُس نے اُس اونٹنی کو مار ڈالا -

اسی طرح حضرت صالح کے مخالفوں کے مارے جانے کی نسبت ایک بیہودہ روایت آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت صالح کے مخالفوں نے جب اُن کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ اُن پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں گئے جہاں سے حضرت صالح آیا جایا کرتے تھے اس غرض سے کہ کوئی عمدہ کمینگاہ تلاش کر کے اختیار کریں - خدا تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو زمین پر سے بہت اونچا اٹھا لیا اور جہاں سے وہ پہاڑ اٹھا تھا وہاں ایک غار ہوگیا - حضرت صالح کے مخالفوں نے اُس غار کو اپنی کمینگاہ کے لئے پسند کیا اور جبکہ وہ اُس غار کے اندر جا کر چھپے تو خدا تعالیٰ نے اُس پہاڑ کو چھوڑ دیا اور سب کے سب ایک لمحہ میں کچل کر مر گئے -

اگرچہ ہمنے اس مقام پر عرب البایدہ کا حال کسیقدر تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے مگر انکا ایک شجرہ بھی اسمقام پر لکھتے ہیں جس سے تمام بیانات کے سمجھنے میں آسانی ہوگی -

نوح נֹחַ

- سام שֵׁם
  - عیلام עֵילָם
    - جرہم الاولی
  - لود לוּד
    - طسم
    - عملیق
    - امیم
  - ارم אֲרָם
    - عوص עוּץ
      - عاد
    - حول חוּל
    - گثر גֶּתֶר
      - ثمود
        - جاور
          - عبید
            - ماشج
              - اسف
                - عبید
                  - صالح
      - جدیس
    - مش מַשׁ
- حام חָם
  - کوش כּוּשׁ
    - سبا סְבָא
    - حویلاہ חֲוִילָה
    - سبتاہ סַבְתָּה
    - رعماہ רַעְמָה
      - شبا שְׁבָא
      - ددان דְּדָן
    - سبتکا סַבְתְּכָא

دوم

عرب العاربہ یعنی ٹھیٹ عرب

عرب العاربہ یقطان יָקְטָן بن عبیر עֵבֶר بن شالح שֶׁלַח بن ارفخشد אַרְפַּכְשַׁד بن شام שֵׁם بن نوح נֹחַ کی اولاد میں ہیں۔ بعض مورخوں کا یہ قول ہے کہ عرب البائدہ اور عرب العاربہ دونوں یقطان کی اولاد ہیں اور اسلیئے وہ عربوں کو بجاے تین قوموں کے صرف دو قوموں پر منقسم کرتے ہیں یعنی عرب العاربہ اور عرب المستعربہ۔

قریبًا تمام مورخونکی رائے ہے کہ کُتب خمسہ موسیٰ میں جو یقطان نام آیا ہے وہی ایک نام ہے جسکو عرب قحطان کہتے ہیں اور یونانی انجیلوں میں اُسکو جوقطان کرکے لکھا ہے اور اسی شخص کی اولاد عرب میں آباد ہوئی ہے۔

روزنڈ مسٹر فارسٹر نے نہایت عجیب اور مستحکم دلیلوں سے اسبات کو ثابت کیا ہے کہ ان تینوں مذکورہ بالا ناموں سے ایک ہی شخص مراد ہے اور یہ کہ یہی شخص یقطان عرب میں آباد ہوا تھا چنانچہ وہ اپنی کتاب جغرافیہ عرب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "کتاب بطلیموس میں بھی ہم یقطان کا نام اور علانیہ قوم بنی یقطان کو پاتے ہیں جو عربوں کے قحطان اور انجیل کے جوقطان کے بالکل مشابہ ہے" (صفحہ ۸۰)۔

ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ "اُس قومی روایت کا قدیم اور علم ہونا جو عربوں کے قحطان کو انجیل کے جوقطان سے مشابہ کرتے ہیں ہر ایک پڑھنے والے پر

اس پیچیدہ اور مشکل کام کے حل کرنے کے لئے ہمنے تین ذریعے اختیار کئے ہیں

اول - اصل عبری توریت جسکو اس زمانہ میں قریباً قریباً ہر ایک ذی علم قوم نے تسلیم کرلیا ہے اور علم تواریخ کو اُسی کی مندرجہ تواریخ پر مبنی کیا ہے انہوں نے عبری توریت کو اصل اصول فرض کرکے اور اُسکے مندرجہ زمانوں کو تسلیم کرکے بہت سی کتابیں تاریخ کی تصنیف کی ہیں اور ہر قسم کے مباحثوں میں خواہ مذہب سے متعلق ہو خواہ علم تواریخ سے خواہ علم الارض سے خواہ علم حیوانات سے خواہ کسی اور علم سے اُسی کے مندرجہ زمانوں پر استدلال کرتے ہیں اسواسطے ہمنے بھی اپنی اس کتاب میں انہیں کی تقلید کو قرین مصلحت سمجھا ہے - دوسرے یہ کہ ہمنے متعدد واقعات کو جو عرب میں واقع ہوئے اُن کے ہمعصر واقعوں سے جو بنی اسرائیل پر واقع ہوئے اور جنکا حال توریت میں مندرج ہے مقابلہ کرنیکا طریقہ اختیار کیا ہے اور اس طرح ہم عرب کے واقعات کا صحیح زمانہ متعین کرنے میں کسیقدر کامیاب ہوئے ہیں تیسرے یہ کہ بعض تواریخی واقعات جو عرب میں واقع ہوئے وہ ایسے ہیں کہ اور ملکوں مثلاً فارس اطالیہ اور مصر کے واقعات سے علاقہ رکھتے ہیں اور یہ ایسے ملک ہیں جن کی تواریخ اور اُن واقعات کا زمانہ جو وہاں واقع ہوئے دنیا میں بخوبی مشہور ہے علاوہ اسکے بہت سے واقعات ایسے ہیں جو عرب میں واقع ہوئے ہیں اور اُن کے وقوع کا زمانہ قریب بصحت معلوم ہے اسلئے ہمنے اپنی اس تحققات میں اُن دونوں تاریخوں کو بطور رہنما کے اختیار کیا ہے -

قحطان اول شخص تھا جو عرب میں بادشاہ ہوا اور اپنی دارالسلطنت زرخیز اور شاداب صوبہ یمن میں مقرر کی جو کہ قحطان قانع کا بھائی تھا

اول من نزل اليمن قحطان بن عابر بن سالح قحطان المذكور اول من ملك ارض اليمن ولبس التاج (ابو الفدا)

اسواسطے اسکی تاریخ ولادت فالغ کی تاریخ ولادت سے بہت بعید ہوگی اور اسلئے وہ تاریخ قریب ۱۸۵۵ دنیوی یا ۲۲۰۰ قبل حضرت مسیح کے قرار پاتی ہے۔

زبانوں کے اختلاف کے بعد جو بابل میں مینار کی تعمیر کی وجہ سے عارض ہوگئیں نمرود پسر کوش ملک بابل یا اشور کا بادشاہ ہوا اور حام پسر مصرئیم مصر کا۔ اسی زمانہ میں قحطان بھی یمن کا بادشاہ ہوا یعنی ۱۷۸۱ دنیوی یا ۲۲۲۳ قبل مسیح میں

اسکے مرنے پر یعرب یا جرہم اپنے باپ کا جانشین ہوا اور اس میں بھی کچھ شک نہیں ہے کہ اسکے قبضہ میں یمن اور حجاز کے

ثم مات قحطان وملك بعده ابنه يعرب بن قحطان (ابو الفدا)

صوبے تھے جو اسوقت میں بنی جرہم کے نام سے مشہور تھے ورنہ فارسٹر صاحب اور اور مورخ اس باب میں متفق الراے ہیں اور اس اتفاق کی صحت اکثر مقامات کے ناموں کی مطابقت سے جو ان صوبجات میں پائے جاتے ہیں ہوتی ہے جرہم کے یمن میں آباد ہونے کے باب میں مصنف موصوف نے ایک بہت معقول وجہ ثبوت پیش کی ہے یعنی یہ کہ جرہم ابو یمن کے نام سے ملقب ہوا تھا

جرہم کی وفات کے بعد اسکا بیٹا یشجب تخت پر بیٹھا اور اسکے بعد اسکا بیٹا عبد الشمس ملقب بہ سبا اکبر تخت نشین ہوا۔

ثم ملك بعده ابنه يشجب بن

یہ شہزادہ یمن میں مشہور سلطنت سبا کا بانی ہوا

بعرب ثم ملك بعده ابنه عبد شمس بن يشجب وسمى سبا وهو الذي بنا السد بارض مارب ... وبنى مدينة مارب وعرفت مدينة سبا ... وخلف سبا المذكور عدة اولاد منهم حمير وعمرو وكهلان والاشعر وغيرهم ولما مات سبا ملك اليمن بعده ابنه حمير ابن سبا (ابو الفدا)

اور اسی نے شہر سبا اور شہر مارب بنایا اور اس کے بعد اسکے بیٹے حمیر نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

اب چونکہ حمیر یقطان سے چوتھی پشت میں تھا اور ترح بھی فالغ سے چوتھی پشت میں تھا اسلئے ہم یہ نتیجہ نکالنے کے مجاز ہیں کہ حمیر کی ولادت ترح کی پیدایش سے بہت دور نہیں ہوگی یعنی ۱۸۷۸ سنہ دنیوی یا ۲۱۲۶ سنہ قبل حضرت مسیح میں اسکی ولادت ہوئی ہوگی۔

ترح کے تین بیٹے تھے ابرام - ناحور - حاران اور حمیر کے بڑے تین بیٹے تھے - وائل - عوف - مالک اسلئے ترح اور حمیر کی اولاد کو بھی ہمعصر خیال کرنا چاہیے یعنی یہ کہ وہ ۱۹۴۸ سنہ دنیوی یا ۲۰۵۶ سنہ قبل حضرت مسیح کے تھے۔

وائل کا بیٹا سکسک اور عوف کا بیٹا فاران ہوا اب اول اس مدت پر جو ایک پشت کے واسطے عموما دی گئی ہے لحاظ کرکے اور بعد ازاں تاریخ پیدایش لوط پسر حاران پر غور کرکے سکسک اور فاران کی ولادت کی تاریخ قرار دینی چاہیے جو ۲۰۷۸ سنہ دنیوی یا ۱۹۲۶ سنہ قبل حضرت مسیح میں یعنی تیس برس قبل ولادت حضرت ابراہیم کے قرار پاتی ہے

وائل اپنے باپ کا جانشین ہوا اور عوف کسی جگہ حجاز اور نجد کے مابین آباد ہوا

ثم ملك بعده (اى بعد حمير) یہ امر اس بات سے ثابت ہے کہ پہاڑ جو نجد کی جانب

ابنہ واثل ابن حمیر ثم ملک بعدہ ابنہ السلسک بن واثل ثم ملک بعدہ یعفر بن السکسک ثم وثب علی ملک الیمن ذو ریاش دھو عامر بن باران (فاران) (پاران) (باران) بن عوف بن حمیر (ابوالفدا)۔

عوف بفتح اولہ وسکون ثانیہ وآخرہ فاء جبل بنجد ... وعرق بالفتح عرض فی دیار غطفان بین نجد وخیبر (مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنہ والبقاع)

مغرب واقع ہے آجتک جبل عوف کے نام سے مشہور ہے
فاران بن عوف اپنے باپ کی پرورش میں آباد ہوا یعنی
اُس وادی غیر ذی زرع میں جہاں بالفعل مکہ معظمہ
موجود ہے۔ فاران کا اطلاق صرف اُس وسیع شمالی
بیابان پر نہیں ہوتا جو قادیش تک چلا گیا ہے بلکہ
اُن پہاڑوں پر ہوتا ہے جو اُس میں واقع ہیں اور اُن
پہاڑوں ہی کے نام کی وجہ سے اُس وسیع
میدان کو فاران کا میدان کہہ سکتے ہیں۔ تمام
مشرقی مورخ اور نیز وہ لوگ جو قدیم روایتوں کے
معتقد ہیں اسبات کو تسلیم کرتے ہیں اور توریت
مقدس میں بھی صاف صاف مذکور ہے کہ یہی نواح
بنام فاران موسوم تھا جو کہ ہم اس مضمون کو زیادہ
تر تفصیل سے عرب المستعربہ کے ذکر میں بیان کرینگے
اسلئے کچھ حال فاران بن عوف کا بیان کرتے ہیں۔

ابو الفدا اپنی تاریخ عرب میں بیان کرتا ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تھا۔ یہ تاریخ معہ اپنے لاطینی ترجمہ کے ۱۸۳۱ء میں از سر نو چھاپی گئی تھی اور اسکا لاطینی زبان میں یہ نام ہے (ابوالفدا ہسٹوریا اینٹی اسلام کا ایبس) یعنی تاریخ ابو الفدا در باب عرب ایام جاہلیت اور اسکا ایڈیٹر ہنرکیس آرتھوبیس فلیچر ہے لفظ فاران اصل کتاب کے صفحہ ۱۹۲ میں اس شکل سے چھپا ہے (باران) یعنی حرف اول پر کوئی نقطہ نہیں ہے۔

اب ہم یہ سوچتے ہیں کہ وہ پہلا حرف کیا ہے ف ہے یا ب ہے یا پ ہے اور اسموقع پر یہی تین صورتیں ہونی ممکن ہیں۔ مگر باوجود اس نقطہ کی غلطی کے یہ متحقق ہے کہ یہ لفظ بجز فاران کے اور کچھہ نہیں ہو سکتا۔

عربی مصنفوں کا دستور ہے کہ جب کسی لفظ کا تلفظ فَ سے ہوتا ہے تو اسکو فَ کے حرف سے لکھتے ہیں۔ بعض یہودی حرف کا تلفظ مثل حرف پ کے کرتے ہیں مگر عربی مصنف پ کی جگہہ ب کا تلفظ کرتے ہیں اور ب ہی سے اُس لفظ کو لکھتے ہیں کیونکہ انکی الف ب میں پ کا حرف نہیں ہے۔ اسی وجہہ سے ابو الفدا نے لفظ فاران کو جسکا یہودی تلفظ پاران پ سے تہا باران ب کے ساتھ لکھا ہے جسکا نقطہ چھپنے میں رہگیا ہے اور اُسکا ثبوت لاطینی ترجمہ سے ہوتا ہے کہ اُس میں اسکا ترجمہ "بارانی" ب سے کیا گیا ہے۔ پس اب اسبات میں کہ عوف کا بیٹا فاران تہا کچھہ شک باقی نہیں رہا۔

جس مقام پر کہ عوف نے سکونت اختیار کی تہی وہاں کوئی ایسا ربانی کرشمہ واقع نہیں ہوا جس سے اسکی شہرت کو جو اُسنے عوف کے نام سے حاصل کی تہی گہٹا دیتے یا مٹا دیتے اور اسلیئے وہ مقام اور وہ پہاڑ عوف ہی کے نام سے مشہور رہا مگر جس جگہہ کہ فاران آباد ہوا تہا اُسکا حال ایسا نہیں ہوا کیونکہ وہاں ایک ربانی کرشمہ کے واقع ہونیکا وعدہ کیا گیا تہا اور جب وہ ربانی کرشمہ واقع ہوا تو تمام چیزوں پر جنکی عرب تعظیم اور حرمت کرتے تہے سبقت لیگیا اور اُنکی شہرت کے چاند کو گہن لگا دیا۔ فاران کی شہرت مدہم پڑگئی اور اُسکی جگہہ خدا ے مقدس کے نام کی شہرت قایم ہوئی۔ فاران کا نام نسیاً منسیاً ہوگیا اور بیت اللہ الحرام کے نام سے اُس

مقام نے شہرت پائی جو اُمید ہے کہ قیامت تک اسی طرح مشہور اور معزز رہیگا۔

وائل کے بعد اُسکا بیٹا سکسک اور اُسکے بعد اُسکا بیٹا یعفر جانشین ہوا۔ اُسکا چچازاد بھائی عامر ذو ریاش پسر فاران پسر عوف نے جو حجاز میں آباد ہوا تھا یعفر کی سلطنت پر حملہ کیا اور فتح کر لیا لیکن نعمان بن یعفر نے اُسکو نکالدیا اور وہ حجاز کی طرف چلا گیا اور نعمان نے اپنی سلطنت واپس لیلی۔ اس کارنمایاں کی وجہ سے اُس کا لقب المعافر ہو گیا۔ اسی قاعدہ کے موجب جس کو ہمنے اسقدر اشخاص کی ولادت کی تاریخیں معین کی ہیں ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یعفر بن سکسک اور عامر بن فاران اور حضرت ابراہیم کے تولد کی تاریخ قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہے یعنی ۲۰۰۸ سنہ دنیوی میں یا ۱۹۹۶ سنہ قبل حضرت مسیح میں۔ اب جو قدرتی قاعدہ پشتوں کے توالد اور تناسل کا ہے اُسکے مطابق ہم نعمان کے زمانہ پیدایش کو دریافت کر سکتے ہیں جسکا وقوع ۲۰۳۸ سنہ دنیوی میں یا ۱۹۶۶ سنہ قبل حضرت مسیح میں واقع ہوتا ہے۔

ثم نهض من بنی وائل النعمان بن یعفر بن السکسک بن وائل بن حمیر واجتمع علیه الناس و طرد عامر بن باران عن الملک واستقل النعمان المذکور بملک الیمن ولقب نعمان المذکور بالمعافر۔ ثم ملک بعده ابنه اشمح بن المعافر المذکور ثم ملک بعده شداد بن عاد بن الملطاط بن سبا واجتمع له الملک وغزا البلاد الی ان بلغ اقصی المغرب وبنی المداین والمصانع وابقی الآثار العظیم (ابو الفداء)

اس پچھلے زمانہ کے پینتالیس برس بعد حضرت ابراہیم مقام "اور" سے جو قوم کالدی سے متعلق تھا حاران کو جو عراق عرب میں واقع ہے بولائے گئے تھے

اور یہ ایک ایسا زمانہ ہے جس کے متعلق تمیع واقعات ہمکو اس نتیجہ کی طرف رہنمائی کرتے
ہیں کہ عامر اور نعمان کی جنگ اسی زمانہ میں واقع ہوئی ہوگی اسلئے یہ مستنبط ہو سکتا ہے
کہ یہی وقت تھا جبکہ نعمان نے عامر کو بھگا کر اپنے آبائی تخت کو حاصل کیا تھا یعنی سنہ ۲۰۸۳
دنیوی یا سنہ ۱۹۲۱ قبل حضرت مسیح میں۔ نعمان کے بعد اسکا بیٹا اشمح تخت پر بیٹھا اُسکی
سلطنت پر شداد نے حملہ کیا اور اشمح کو شکست دیکر جلاوطن کردیا۔ شداد نے بھی عظمت
اور شہرت حاصل کی اور اپنی حکومت استحکام کے ساتھہ قایم کرنے میں کامیاب
ہوا اُسنے بہت سی عالیشان عمارتیں بنائیں[1] جنکے نشان اب بھی پائے جاتے ہیں

شداد کا نام ایسا مشہور ہے کہ قریب قریب ہر مشرقی باشندہ اُس سے واقف
ہے اور اُسکی عظمت و شوکت کی نسبت بہت سے عجیب و غریب قصے اور روایتیں
مشہور ہیں۔ یہ شخص الملطاط بن عبد الشمس عرف سبا اکبر کی اولاد میں تھا اُسکے باپ
کا نام عاد ہے۔ مورخین نے اس عاد کو پہلے عاد کے ساتھ خلط ملط کردیا ہے اور
اس طرح وہ مختلف روایتیں جو درحقیقت پہلے عاد سے متعلق نہیں اسکی طرف

[1] مسٹر رونلڈ فارسٹر صاحب بوقت بیان کتبات قوم عاد کے جو مختلف اقطاع عرب میں ظاہر
ہو گئے ہیں نقب الحجر کے قدیمی آثار کا جو حضرموت میں ہیں ذکر کرتے ہیں حصن غراب کے آثار
بھی کچھہ کم مشہور نہیں ہیں۔ عدن میں بعض عمارتوں کے آثار بڑی قدامت کا دعوی کرتے ہیں اور
لوگونکو بہت شوق دلاتے ہیں اور قوم عاد سے منسوب ہیں۔ بعض نشانات حوضوں کے جو عموماً
تالاب کہلاتے ہیں عدن میں اب تک پائے جاتے ہیں اور جن کی قدامت کی وجہ سے ہر سیاح کی
توجہ و اشتیاق کوشش ہوتی ہے انکا بانی شداد کو کہتے ہیں۔ علاوہ ان آثار کے جنکا ذکر ہو چکا ہے
بہت سے اور بھی دریافت ہوئے ہیں جو خود ان عمارات اور نیز ان کے بانی کی قدامت کو ثابت کرتے ہیں

منسوب کی ہیں اور اس عاد کی روایتیں پہلے عاد کی طرف۔

ان دونوں عادوں کے باہم تمیز کرنے کے لئے ہمنے اس پچھلے عاد کو جسکا ابھی ذکر ہوا بنام عادثالث موسوم کیا ہے کیونکہ اس نام کا یہ تمیز اشخص ہے۔

مشرقی تاریخوں میں ہم شداد اور سبا اکبر کے مابین صرف دو نام ایک عاد اور دوسرا لاطاط پاتے ہیں حالانکہ اُنکے مابین کم سے کم پانچ نام ہونے چاہئیں۔ مشرقی تاریخوں میں جو سلسلہ انساب میں اس طرح ناموں کی کمی پائی جاتی ہے اُس کی وجہہ یہ ہے کہ مشرقی مورخوں نے سلسلہ انساب کو پُرانے عربی شعرا کے اشعار اور تحریروں سے اخذ کیا ہے اُن شاعروں کا قاعدہ تھا کہ اپنے اشعار میں اُنہیں لوگوں کا ذکر کیا کرتے تھے جنہوں نے کسی بڑے بڑے کاموں کی وجہہ سے شہرت حاصل کی ہو اور جن لوگوں نے ایسی شہرت نہیں حاصل کی اُن کے نام اُن اشعار میں نہیں پائے جاتے تھے اور یہی سبب ہے کہ مشرقی مورخوں نے جو سلسلہ انساب قایم کیا ہے اُس میں سے وہ نام چھوٹ گئے ہیں۔

عرب العاربہ کا شجرہ انساب ہم اپنے اس مضمون کے اخیر میں شامل کرینگے اس شجرہ میں جہاں کہیں ہمکو اس طرح ناموں کے رہجانیکا شبہہ ہوا ہے یا جہاں کہیں خود مشرقی مورخوں نے ناموں کے رہجانیکا اقرار کیا ہے وہاں ہمنے ایک نشانی ستارہ کی بنادی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ کسقدر نام ہماری دانست میں اُس سلسلہ میں چھوٹ گئے ہیں۔

جس زمانہ میں کہ شداد نے یمن والو پر غلبہ حاصل کیا اور سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اُسکا صحت کے ساتھ متعین کرنا کسیقدر غیر ممکن ہے باینہمہ ہم کہہ سکتے ہیں

کہ نعمان کی تخت نشینی سے چند سال بعد یا اسکی وفات سے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں شام کے پانچ بادشاہوں کی باہم لڑائی شروع ہوئی۔ توریت مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی کا اثر عرب میں بھی پہونچا تھا کیونکہ اُس میں لکھا ہے کہ "پس در سال چہار دہم کدر لاعومر و ملوکے کہ ہمراہش بودند آمدہ رفائیان را در عشترو ث قرنیم و زوزیان را در ہام و ایمیان را در شاوہ قریاتایم شکست دادند و نیز حوریان را در کوہ خود شان سعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحراست و برگشتہ بعین مشپاط کہ قادیش است آمدند و تمامی مرز و بوم عمالیقیاں و ہم اموریانی کہ در حصصون تامار ساکن بودند شکست دادند" (سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۵ و ۶ و ۷)

ظاہر ہے کہ یہ حملہ آور قادیش کے شمال سے آئے ہونگے کیونکہ سعیر کے پہاڑ اُس جگہ سے شمال میں واقع ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قادیش کے جنوب میں دور جاکر فاران میں چلے گئے جس سے آجتک حجاز مراد لیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات نہوتی تو اُس بیان سے کہ حملہ آور پاران سے قادیش کو لوٹ گئے کچھ بھی معنی نہوتے اگر یہ کہیں کہ یہ لوگ مغرب کی جانب گئے ہونگے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اُس طرف بنی عملیق رہتے تھے جن سے کہ ان حملہ آوروں نے اپنی پہلی مہم سے قادیش کو واپس آنے کے بعد جنگ کی تھی۔

اسوقت اشیح کی حکومت اور عملداری صوبہ یمن اور حجاز پر پھیل گئی جو کہ یہ زمانہ اسکی عہد حکومت کی ابتدا کا تھا اسلئے خیال ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا حملہ کی وجہ سے اسکی طاقت میں کسیقدر ضعف آگیا ہو جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطنت یمن کی اُس ضعف اور شکستہ حالت کو دیکھکر شداد نے جو ہمیشہ ایسے موقع کا منتظر

رہتا تہا اشمح پر حملہ کیا ہو اور اُسکو حکومت سے بیدخل کر کے تخت چھین لیا ہو۔

ان وجوہ کی بنا پر ہمکو اسباب کے یقین کرنے کی ترغیب ہوتی ہے کہ اشمح سنہ ۲۰۹۱ دنیوی یا سنہ ۱۹۱۳ قبل حضرت مسیح میں تخت پر بیٹھا تھا اور شداد نے سنہ ۲۰۹۲ دنیوی یا سنہ ۱۹۱۲ قبل حضرت مسیح میں اُسکی سلطنت کو چھین لیا تھا۔ اور یہ زمانہ اُس عام قاعدہ سے جو علم انساب میں پشتوں کے پیدا ہونے کے لئے قرار دیا گیا ہے بالکل مطابق ہوتا ہے۔

شداد کے بعد اُسکے دو بہائی لقمان اور ذو شدد یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور ذو شدد کے بعد اُسکا بیٹا الحارث بادشاہ ہوا۔

ثم ملك بعده اخوه لقمان بن عاد ثم ملك بعده اخوه ذو شدد بن عاد ثم ملك بعده ابنه الحارث بن ذی شدد و یقال له الحارث الرائش (ابو الفدا)

اس زمانہ تک اور اُس کے بہت عرصہ بعد تک وہاں دو خود مختار سلطنتیں رہیں ایک یمن کی اور دوسری حضرموت کی آخر کو ایک دوسرا شخص مسمیٰ الحارث جس کا لقب رائش ہوا تخت پر بیٹھا اُس نے اُن دونوں سلطنتوں کو ملا کر ایک کر دیا۔ اسلئے بعض مورخوں نے غلطی سے پہلے الحارث اور دوسرے الحارث کو ایک ہی شخص سمجھا اور اُسی کی طرف دونوں سلطنتوں کا ملانا منسوب کیا۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن بادشاہوں کے نام جو اُن دونوں الحارثوں کے مابین فرماں رواں ہوتے تھے ہر ایک مورخ نے چھوڑ دیئے اور اُن کے نام معلوم ہو گئے۔ اس غلطی کا ثبوت اس طرح پر ہوتا ہے کہ جو زمانہ اُن بادشاہوں کا گذرا ہے اور جو تعداد بادشاہوں کی لکھی ہے وہ بلحاظ امتداد زمانہ کے نہایت کم ہے۔

حمزہ اصفہانی اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہے کہ الحارث الرائش ذوشدد کا بیٹا اور جانشین نہ تھا بلکہ حضرموت کے خاندان میں سے تھا۔

افسوس کی بات ہے کہ یہ مصنف اُن بادشاہوں کی تعداد بھی نہیں بتلاتا جن کے نام معدوم ہو گئے ہیں لیکن اُس کا یہ بیان کہ حمیر اور الحارث الرائش کے مابین پندرہ پشتیں گذری تھیں ہمکو کسیقدر ٹھیک وقت کے معین کرنے پر قادر کرتا ہے۔ اگر ہم بیان صدر پر اعتماد کریں تو ہمکو یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ الحارث ابن شدد کے اور الحارث الرائش کے مابین سات یا آٹھہ اور بادشاہ ہوئے ہونگے۔	الحارث الرائش هو الحارث بن قيس بن صيفي بن سبا الأصغر الحميري وكان الرائش اول غزا منهم فاصاب الغنائم وادخلها ارض اليمن فارتاشت حمير في ايامه وكان هو الذي راشهم فبذلك سمي الرائش و بين الرائش وبين حمير خمسة عشر ابا (تاريخ سني ملوك الارض والانبياء لحمزة اصفهاني)

الحارث الرائش قیس بن صیفی بن سبا الاصغر کا جو حمیر کی اولاد میں سے بیٹا تھا

اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا وہ یمن اور حضرموت دونوں سلطنتوں کو ملانے میں کامیاب ہوا اور اسی سبب سے رائش یا تبع الاول کا لقب پایا اُسکے بعد صعب ملقب بہ ذو القرنین۔ اور ابرہہ ملقب بہ ذو المنار۔ اور افریقش۔ اور عمرو ملقب بہ ذو الاذعار یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔	ثم ملك بعده ابنه ذو القرنين الصعب بن الرائش ثم ملك بعده ابنه ذو المنار ابرهه بن ذي القرنين ثم ملك بعده ابنه افريقش بن ابرهه ثم ملك بعده اخوه ذو الاذعار عمرو بن ذو المنار ثم ملك بعده

شرحبیل بن عمرو بن غالب بن
المنتاب بن زید بن یعفر بن
السکسک بن واثل بن حمیر..
ثم ملك بعده ابنه الهدهاد
بن شرحبیل ثم ملکت بعده بنته
بلقیس بنت الهدهاد وبقیت
فی ملك الیمن عشرین سنة
وتزوجها سلیمان بن داؤد (ابوالفداء)
وقد نقل ابن سعید المغربی ان ابن
عباس سئل عن ذی القرنین الذی ذکره
الله تعالی فی کتابه العزیز فقال هو من
حمیر وهو الصعب المذکور فیکون
ذو القرنین المذکور فی کتاب العزیز
هو الصعب (بن) الرائش المذکور
لا الاسکندر الرومی (ابوالفداء)
وکان اول من اسس السد سبا
الاکبر واسمه عامر وقیل عبد
شمس بن یشجب بن یعرب
بن قحطان ثم بناه حمیر بن سبا

عمرو ذوالاذعار کی عہد حکومت میں شرحبیل نے اُسپر
حملہ کیا اور بیشمار خونریز لڑائیوں کے بعد عمرو ذوالاذعار
کو شکست دی اور اُسکی سلطنت پر قابض ہوگیا
شرحبیل کے بعد اُسکا بیٹا الہدہاد جانشین ہوا اور
اُسکے بعد ملکہ بلقیس تخت پر بیٹھی جسنے بیس
برس سلطنت کرکے حضرت سلیمان بادشاہ
یہود سے نکاح کرلیا - اس ملکہ کی حکومت کا اختتام
توریت مقدس سے سنہ ۳۰۰۰ دنیوی یا سنہ ۱۰۰۰ قبل
حضرت مسیح میں پایا جاتا ہے - اس لیے
نسلوں کے پیدا ہونے کے معینہ قاعدہ کے
مطابق الحارث الرائش اور صعب ذوالقرنین یا
تو اٹھائیسویں صدی دنیوی کے آخر میں یا انتیسویں
صدی کے شروع میں ہوے ہونگے یعنی سنہ ۱۲۰۰
قبل حضرت مسیح کے -
ابن سعید مغربی کا بیان ہے کہ جب حضرت ابن
عباس سے اُس ذوالقرنین کی نسبت جسکا ذکر
قرآن مجید میں ہے پوچھا گیا تو انھوں نے جواب
دیا کہ وہ صعب حمیری تھا - اس دلیل پر ابوالفدا
نے بیان کیا ہے کہ اسی ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید

بعد موت ابیه ثم اتسع بعد ذلک ذوالقرنین
الحمیری وهو الصعب بن ابی مراید
وکان السد من جبل مارب الی جبل
الابلق وهما جبلان منیفان علی الجبال
الشامخه المتد من بین السدد
شماله (العقود اللولویه فی اخبار
دولة الرسولیه یمنی) ۔
ثم ملک بعدها عمها ناشر
النعم بن شرحبیل ... ثم ملک
بعده شمر یرعش بن ناشر النعم...
ثم ملک بعده ابنه ابومالک بن
شمر ثم ملک بعده عمران بن
عامر الازدی ... ثم ملک بعده
اخوه مزیقیا (ابوالفدا) ۔
ملک الاقرن بن ابی مالک ثم
ملک بعده ذوحبشان بن الاقرن
ثم ملک بعده اخوه تبع بن الاقرن
ثم ملک بعده ابنه کلیکرب بن
تبع ثم ملک بعده ابوکرب اسعد

میں ہے نہ کہ سکندر اعظم کا ۔
ایک مشہور و معروف کام سد کی تعمیر کا اسی ذوالقرنین
کے عہد میں اختتام کو پہونچا ۔ شاہان یمن
کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سد کی
بنا سبا اکبر نے شروع کی تھی ۔ اس کے بیٹے
اور جانشین حمیر نے اسکو جاری رکھا اور ذوالقرنین
نے اسے اختتام کو پہونچایا ۔ وہ سد دو پہاڑوں کے بیچ
درمیان میں تھی ایک پہاڑ کا نام مارب اور دوسرے
کا نام ابلق تھا ۔
بلقیس کے بعد اسکا چچازاد بھائی مالک ملقب
بہ ناشر النعم تخت نشین ہوا ۔ اور اس کے بعد
اس کا بیٹا شمر یرعش اور اسکے بعد اسکا بیٹا ابو
مالک تخت پر بیٹھا ۔ اس بادشاہ کی سلطنت
میں عمران نے جو خاندان ازد سے تھا اس پر حملہ
کیا اور شکست دیکر تخت چھین لیا اور سلطنت
بنی حمیر کے خاندان سے بنی کہلان کے خاندان
میں منتقل ہو گئی ۔ عمران کے بعد اسکا بھائی
عمر مزیقیا تخت نشین ہوا ۔
اسکے زمانہ میں الاقرن بن ابو مالک نے اپنے باپ

وهو تبع اوسط وقتل ثم ملك بعده
ابنه حسان بن تبع ثم قتله اخوه عمرو
بن تبع وملك ... فسمی ذا الاعواد ثم
ملك بعده عبد كلال ابن ذوی الاعواد
ثم ملك بعد تبع بن حسان ابن كليكرب
وهو تبع الاصغر ثم ملك بعده ابن
اخته الحارث بن عمرو وتهود الحارث
المذكور ثم ملك بعده مرثد ابن
كلال ... ثم ملك بعده وكيعه ابن
مرثد (ابو الفداء)
ثم ملك ابرهه بن الصباح ثم
ملك صهبان بن محرث ثم
ملك عمرو بن تبع ثم ملك بعده ذو
نواس وكان من الاخدود القاه
فی الاخدود ومضطرم نارا فقيل له
صاحب الاخدود ثم ملك بعده
ذو اجدن وهو اخر ملوك الحمير
(ابو الفداء)
من كتاب ابن سعيد المغربي

کی سلطنت کا دعوی کیا اور مزیقیا سے لڑکر اسکو
شکست دی اور سلطنت چھین لی اور حمیر کے خاندان
میں دوبارہ سلطنت لوٹ آئی۔
اسکے بعد اسکا بیٹا ذوحبشان مالک تاج وتخت
ہوا۔ اسکے بعد اسکا بھائی تبع اکبر اس کے بعد
اسکا بیٹا کلیکرب اور اسکے بعد اسکا بیٹا ابوکرب
اسعد تبع اوسط اسکے بعد اس کا بیٹا حسان اس
کے بعد اسکا بھائی عمرو ذوالاعواد اسکے بعد
اسکا بیٹا عبد کلال تخت نشین ہوا۔
تبع اصغر پسر حسان نے اس بادشاہ سے سلطنت
چھین لی اور خود بادشاہ ہوگیا اس کے بعد
اسکا بھتیجا حارث بن عمر تخت پر بیٹھا تمام مورخوں
کا اتفاق ہے کہ حارث نے یہودی مذہب اختیار
کرلیا تھا۔ اس کے بعد مرثد ابن کلال اور اس
کے بعد وکیعہ ابن مرثد تخت نشین
ہوئے۔
ان بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ حارث بن
عمر کے یہودی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے
کسیقدر صحت کے ساتھ معلوم ہوسکتا ہے۔

ان الحبشة استولوا على اليمن
بعد ذی جدان الحمیری المذکور
وکان اول من ملك الیمن من
الحبشة ارباط ثم ملك بعده ابرهة
الاشرم صاحب الفیل الذی قصد
مکة ثم ملك بعده یکسوم
ثم ملك بعده مسروق بن ابرهة
وهو اخر من ملك الیمن من الحبشة
ثم عاد ملك الیمن الی حمیر
وملکها سیف بن ذی یزن الحمیری
(ابو الفدا)

جبکہ بخت نصر فلسطین کو فتح کرکے اور بیت المقدس
کو مسمار کرکے حضرت دانیال اور ان کے دوستونکو
قیدی بناکر بابل کو لیگیا اسوقت کچھہ یہودی بھاگکر یمن
کو بھاگ گئے تھے۔

اس زمانہ میں حضرت یرمیاہ اور دانیال پیغمبر
تھے اسلئے یہ بات نہایت قرین قیاس معلوم
ہوتی ہے کہ ان مفرور یہودیوں کی وجہ سے
الحارث نے خداے واحد کا اقرار کیا ہوگا اور
یہودی مذہب کو قبول کیا ہوگا اور یہ امر
واقعی ہے کہ الحارث اور وکیعہ اسی زمانہ
میں حکمراں تھے یعنی سنہ ۳۴۴۴ دنیوی میں یا سنہ ۶۰۰
قبل حضرت مسیح میں اس امر کا واقعی
ہونا زیادہ تر اسلئے قابل اعتبار ہے کہ نسلوں کے پیدا ہونے کے قدرتی قاعدہ
کے مطابق بھی یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک صحیح آتا ہے کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے
کہ مالک ناشر النعم سنہ ۱۳۰۱ دنیوی میں تخت پر بیٹھا تھا مالک اور وکیعہ کے درمیان
گیارہ اور بادشاہ گذرے ہیں جن کا زمانہ زمانہ مجموعاً چار سو برس خیال کرنا قرین عقل ہے
وکیعہ کے بعد چھہ اور بادشاہ خاندان حمیر میں سے تخت نشین ہوے یعنی ابرہہ
بن الصباح ۔ صہبان بن محرث ۔ عمر بن تبع ۔ ذو شناتر ۔ ذو نواس الملقب
بہ ذو اخدود و ذو جدن ۔ جو کہ ان بادشاہونکا خاندانی سلسلہ صاف صاف تحقیق نہیں ہوا

اسلئے ہمنے اُن کے ناموںکو شجرہ انساب عرب العاربہ میں شامل کرنیکی جرأت نہیں کی بلکہ اُن کے ناموںکو شجرہ کے حاشیہ پر لکھدیا ہے۔ ان لوگوں کی سلطنت کا ٹھیک زمانہ بھی تحقیق نہیں ہوا ہے۔

ذو نواس ایک متعصب یہودی تھا اور یہودی مذہب والوں کے سوا ہر مذہب کے معتقدوں اور پیرؤں کو آگ میں زندہ جلوا دیا کرتا تھا۔ اس بات کے خیال کرنے کے واسطے ایک عمدہ وجہہ یہ ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ آرٹازرکسیز اوکس نے چند یہودیوں کو جو مصر میں قید ہوے تھے کیونکہ اُن کا ملک مصر سے ملا ہوا تھا ہرقانیہ (مازندران) کو بھیجدیا اور چونکہ یہ بادشاہ بھی یہودی تھا اُسکی سلطنت کو بھی سخت صدمہ پہونچا اور حبشیوں نے اُسپر غلبہ کرلیا اور اُسکو سلطنت سے خارج کردیا۔ پس یہ زمانہ اس خاندان کا آخری زمانہ معلوم ہوتا ہے اور ۳۶۵۰ دنیوی یا ۳۵۴ قبل حضرت مسیح کے مطابق ہوتا ہے۔

اس زمانہ سے ہمارے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت تک نوسو بیس برس ہوتے ہیں۔ اس درمیان میں افریقہ کے لوگوں کی جو ارباط حبشہ کہلاتے تھے اور نیز بعض عرب المستعربہ اور ابرہوں کی حکومت رہی۔

مشرقی مورخوں نے اس بات کے غلط خیال سے کہ ارباط حبشہ اور ابرہہ دو شخص تھے بیان کیا ہے کہ اُس زمانہ میں صرف دو ہی بادشاہ ہوے حالانکہ ارباط حبشہ اور ابرہہ خاندانی لقب ہیں اور اُن خاندانوں کے بادشاہ اپنے اصلی نام کے ساتھ خاندانی لقب کو شامل کرلیتے تھے۔

اس خاندان ابرہہ میں ایک بادشاہ کا نام اشرم تھا جو ابرہہ اشرم صاحب الفیل

کہلاتا ہے اور جس نے مکہ معظمہ پر ۴۵ دنیوی یا ۵۷۰ عیسوی میں چڑہائی کی تھی - وہ اپنے ساتھ بہت سے ہاتھی اس نیت سے لیگیا تہا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کردے اُسکے بعد اسکا بیٹا ابرہہ مسروق تخت نشین ہوا مگر سیف بن ذی یزن حمیری نے اُسکو سلطنت سے بیدخل کردیا جسکو کسریٰ نوشیراں والی ایران نے بہت مدد دی تہی جیسا کہ آگے معلوم ہوگا - اُسکے بعد سے خاندان ابرہہ کی حکومت منقطع ہوگئی -

سیف بن ذی یزن جو حمیر کے شاہی خاندان سے تہا اپنے آپ کو سلطنت یمن کا وارث اور حقدار سمجھتا تہا اُس نے روم کے بادشاہ وقت سے مدد چاہی اور شہر روم میں اسی غرض سے دس برس تک پڑا رہا - مگر جبکہ اُسکی اُمید منقطع ہوگئی تو وہاں سے کسرے نوشیرواں کے پاس چلا گیا اور اس سے کمک کی استدعا کی -

اس بادشاہ نے اُس کی درخواست کو منظور کیا اور بہت بڑا لشکر اُسکی کمک کو دیا اور اُس نے اس لشکر کی مدد سے اپنے دشمن کو شکست دی اور خاندان ابرہہ کا خاتمہ ہوگیا اور سیف بن ذی یزن ازسرنو تخت پر بیٹہا -

اُس نے اپنی سکونت شاہی محل غمدان میں اختیار کی اور عیش و عشرت میں محو ہوگیا اس بادشاہ کے عہد کے شعرا نے اُسکی بہت تعریف و توصیف کی ہے اور چونکہ ان اشعار میں بعض تاریخی واقعات ملتے ہیں اسلئے ہم چند شعر اسجگہ نقل کرتے ہیں

لا تقصد الناس الا کابن ذی یزن	اذ خیم البحر للاعداء احوالا
وافی هرقل وقد شالت نعامته	فلم یجد عنده النصر الذی سالا
ثم انتحی نحو کسرے بعد عاشرة	من السنین یهین النفس والمالا
حتی اتی ببنی الاحرار یقدمهم	تخالهم فوق متن الارض اجبالا

لله در هم من فتية صبر	ما ان رايت لهم فى الناس امثالا
بيض مرازبة غلب اساورة	اسد تربت فى الغيضات اشبالا
فاشرب هنيا عليك التاج مرتفقا	براس غمدان دارا منك محلالا
تلك المكارم لا قعبان من لبن	شيبا بماء فعادا بعد ابوالا

سیف بن ذی یزن کو ایک اُسکے درباری حبشی مصاحب نے قتل کیا اُسکے

وکان سیف بن ذی یزن المذکور قد اصطفی جماعة من الحبشان وجعلهم من خاصته فاغتالوه وقتلوه فارسل کسری عاملا علی الیمن واستمرت عمال کسری علی الیمن الی ان کان آخرهم باذان الذی کان علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم واسلم

(ابو الفدا)

بعد اس صوبہ کو نوشیراں نے اپنے ممالک محروسہ میں شامل کرلیا اور اپنی جانب سے وہاں عامل مقرر کرتا رہا - اُن عاملوں میں سے اخیر عامل باذان تھا اُسکا زمانہ اور آنحضرت صلعم کا زمانہ متحد تھا چنانچہ وہ آنحضرت پر ایمان لایا اور مسلمان ہوگیا -

عرب العاربہ میں خاندان قحطان نے بڑی طاقت اور شہرت حاصل کی اور

اول من ملك علی العرب بارض الحیرة مالك بن فهم ... ثم ملك بعده اخوه عمرو بن فهم ثم ملك بعده ابن اخیه

صوبہ حیرہ میں ایک بڑی زبردست سلطنت قایم کی - اس خاندان کا پہلا بادشاہ مالک بن فہم تھا اُسکے بعد اُسکے بھائی عمرو کو تخت ملا -

جذیمہ بن مالک بن فہم ...
وکانت لہ اخت تسمی رقاش
(ابو الفدا)
ثم قتل جذیمہ ملک بعدہ
ابن اختہ عمرو بن عدی بن
نصر بن ربیعہ ... ثم مات
وملک بعدہ ابنہ امرؤ القیس ... و
کان یقال الامرؤ القیس البدأ ای
الاول ثم ملک بعد امرؤ القیس
ابنہ عمرو بن امرؤ القیس ... ثم ملک
بعدہ اوس بن قلام العملیقی ثم ملک
آخر من العمالیق ثم رجع الملک الی
بنی عمرو بن عدی بن نصر بن
ربیعۃ اللخمیین المذکورین و
ملک منہم امرؤ القیس من ولد
عمرو بن امرؤ القیس المذکور وغیرہ
ھذا امرؤ القیس الثانی بن محرق
لانہ اول من عاقب بالنار ثم ملک
بعدہ ابنہ النعمان الاعور بن

اُس کے بعد جذیمہ بن مالک تخت پر بیٹھا۔
یہ جری مگر طامع بادشاہ تھا اُس نے اپنی سلطنت
کو بہت قوی اور مستحکم کر لیا تھا ایک طرف تو
دریائے فرات اُس کی سلطنت کی حد تھی اور
دوسری طرف حدود شام تک پھیل گئی تھی۔
شام تک سلطنت پھیلانے میں اسکو عملیق سے
لڑنا پڑا اور ایک سخت اور خونریز لڑائی کے
بعد انکو شکست دی۔ اس بادشاہ کی بہن
نے جسکا نام رقاش تھا ایک شخص مسمی عدی
سے جو بنی لخم میں سے تھا شادی کی تھی۔
جذیمہ کے بعد اُسکا بھانجہ عمرو بن عدی تخت
نشین ہوا اُسکے بعد اُسکا بیٹا امرو القیس اور
اُسکے بعد اُسکا بیٹا عمرو بادشاہ ہوا مگر اُسکو
"اوس" بن قلام عملیقی نے تخت سے اُتار دیا
اُسکے بعد ایک یا دو اور بادشاہ اُسی خاندان
کے فرمانروا ہوئے جن کے نام معلوم نہیں
لیکن اسقدر محقق ہے کہ امرو القیس ثانی
بن عمرو نے بہت جلد اپنے بھائی کی کھوئی
ہوئی سلطنت کو لیلیا اور دوبارہ سلطنت کو

امرؤ القیس ... ثم تزهد وخرج
من الملك ... ملك بعده ابنه
المنذر بن نعمان ... ثم ملك بعده
ابنه الاسود بن المنذر (ابو الفلا)
ثم ملك بعده اخوه المنذر
بن المنذر بن نعمان الاعور ثم
ملك بعده علقمة الذمیلی ذو صیل
دطن من لخم ثم ملك بعده امر
والقیس بن النعمان بن امرء القیس
المحرق ... ثم ملك بعده
ابنه المنذر بن امرء القیس
... لقب بماء السماء ... وطرد
کسرے قباد المنذر المذکور عن
ملك الحیرة وملك موضعه
الحرث بن عمر بن حجر الکندی
... ثم لما تملك کسرے
نوشیروان بن قباد المذکور نفی
الملك طرد الحارث واعاد المنذر
بن ماء السماء الی ملك الحیرة

اپنے خاندان میں منتقل کرلیا۔ یہ اول شخص
تھا جس نے کہ انسانوں کو زندہ جلانیکی وحشیانہ
رسم کو رواج دیا تھا اور اس سبب سے
اُسے المحرق کا لقب حاصل کیا تھا۔ اُسکے بعد
نعمان جانشین ہوا مگر دنیا کے تردوات اور
جھگڑوں سے کبیدہ خاطر ہوکر تیس برس سلطنت
کرنیکے بعد بادشاہت کو چھوڑ دیا اور عبادت
میں مصروف ہوا۔ اُسکے بعد اُسکا بیٹا اسود
تخت نشین ہوا جسکو غسانی بادشاہوں سے
چند لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اُسکے بعد اُس کا
بھائی المنذر الثانی تاج وتخت کا مالک ہوا۔
اُسکے بعد علقمہ ذمیلی اور اُسکے بعد امرؤ القیس
ثالث بن نعمان نے زمام سلطنت اپنے
ہاتھ میں لی اُسکے بعد اُسکا بیٹا المنذر الثالث
ملقب بہ ماء السماء جانشین ہوا مگر اس بادشاہ
کو کسرے قباد نے سلطنت سے خارج
کرکے الحرث کو جو کندی خاندان میں سے
تھا اور جس نے ایران کے بادشاہ کا مذہب
اختیار کرلیا تھا مقرر کیا۔ جبکہ کسرے نوشیرواں

(ابو الفدا) ۔

ثم ملك بعده المنذر عمرو ومضرط
الحجارة ... ثم ملك بعده اخوه
قابوس ... ثم ملك بعده اخوهما
المنذر بن المنذر ثم ملك بعده
ابنه النعمان بن المنذر بن المنذر
بن ماء السماء وكنيته ابو قابوس
وهو الذي تنصر ... ثم انتقل الى
اياس ابن قبيصة الطائي ...
ثم ملك بعده اياس زاديه بن
ماهان الهمداني ثم عاد الملك
الى اللخميين فملك بعده زاديه
المنذر بن النعمان بن المنذر بن
المنذر بن ماء السماء سمته العرب
المغرور واستمر ملكا للحيرة الى
ان قدم لها خالد بن الوليد
واستولى على الحيرة (ابو الفدا)
اول من ملك غسان جفنة
بن عمرو بن ثعلبة بن عمرو بن

تخت پر بیٹھا اُس نے الحرث کو حکومت سے
علیحدہ کردیا اور المنذر الثالث کو پھر حکومت
دی اُسکے بعد اُسکا بیٹا عمرو اور اُس کے
بعد اُسکا بھائی قابوس اور اُسکے بعد اُس کا
بھائی المنذر الرابع اور اُسکے بعد اُس کا بیٹا
نعمان ابو قابوس تخت پر بیٹھا ۔ اس نعمان
نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا او خسرو پرویز
کے زمانہ میں ایک مشہور لڑائی میں جو ایرانیوں
کے ساتھ ہوئی تھی مارا گیا ۔ اس کے بعد
ایاس ابن قبیصۃ الطائی اور اُسکے بعد زادویہ
اور اُسکے بعد المنذر الخامس بن نعمان ابو قابوس
بادشاہ ہوا ۔ اس بادشاہ کو خالد بن ولید سردار
لشکر اسلام نے شکست دیکر سلطنت کو چھین لیا ۔
جس زمانہ میں یہ سب بادشاہ حکمران ہوئے
اُس زمانہ کا ٹھیک ٹھیک معین کرنا اگر غیر ممکن
نہیں تو مشکل تو بیشک ہے ۔ مگر اخیر بادشاہوں
میں سے کم سے کم دو بادشاہوں کی فرمانروائی کا
زمانہ ٹھیک ٹھیک بدرجہ یقین معلوم ہے اور اگر اسکو
کے ہونے کے معمولی قاعدہ پر غور کیا جاوے

فریقیا... ثم ملك وملك بعده
ابنه عمرو بن جفنة... ثم ملك بعده ابنه
ثعلبة بن عمرو... ثم ملك بعده ابنه الحارث
بن ثعلبة ثم ملك ابنه جبلة بن الحارث
ثم ملك ابنه الحارث... ثم ملك بعد
ابنه المنذر الاکبر (ابو الفداء)
ثم ملك المنذر الاکبر المذکور ملك بعد
اخوه النعمان ابن الحرث ثم ملك بعده
اخوه جبلة بن الحارث ثم ملك بعده
اخوہم الایہم بن الحارث ... ثم
ملك اخوهم عمرو بن الحارث ثم
ملك جفنة الاصغر... ثم ملك بعده
اخوه النعمان الاصغر ثم ملك نعمان بن
عمرو بن المنذر... ثم ملك بعد النعمان
المذکور ابنه جبلة بن النعمان
... ثم ملك بعده النعمان بن الایہم
... ثم ملك اخوه الحرث بن الایہم ثم
ملك ابنه النعمان ابن الحرث... ثم
ملك بعده ابنه المنذر بن النعمان

تو بعض اور بادشاہوں کے عہد سلطنت کے
زمانہ کے محقق ہونے کے لئے کافی پتہ لگجاویگا۔
عمرو بن المنذر ماء السماء کی حکومت کے آٹھویں
سال میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی
آخر الزمان پیدا ہوئے تھے اسواسطے یہ بادشاہ
سنہ ۴۵۶۳ دنیوی یا سنہ ۵۶۳ء میں تخت پر بیٹھا ہوگا۔
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے پہل وحی
ایاس کی حکومت کے چھٹے مہینے میں نازل
ہوئی تھی اسواسطے ایاس سنہ ۴۶۱۱ دنیوی یا
سنہ ۶۱۱ء میں تخت نشین ہوا ہوگا۔ عمرو کی تخت
نشینی سے پہلے انیس بادشاہ ہوچکے تھے اور
ان کی سلطنتوں کے زمانوں کے مجموعہ کا بطور
معقول پانسو پچاس برس خیال کیا جاسکتا ہے
جسکا نتیجہ یہ ہے کہ پہلا بادشاہ مالک بن فہم الکتالیسویں
صدی دنیوی کے آغاز میں یا حضرت مسیح کے
زمانہ ولادت کے قریب تخت پر بیٹھا ہوگا۔
عرب العاربہ نے ایک اور سلطنت صوبہ
غسان میں قایم کی تھی اور اس سلطنت کے حاکم
عرب الشام کے نام سے مشہور تھے۔ اگر صحیح

ثم ملك اخوه عمرو بن النعمان
ثم ملك اخوهما حجر ابن النعمان
ثم ملك ابنه الحارث بن حجر
ثم ملك ابنه جبلة بن الحرث
ثم ملك ابنه الحارث ابن جبلة
ثم ملك ابنه النعمان بن الحرث
وكنيته ابو كرب ولقبه قطام ثم
ملك بعده الايهم بن جبلة ...
ثم ملك بعده اخوه المنذر بن جبلة
ثم ملك اخوهما۔
سراحيل بن جبلة ثم ملك
اخوهم عمرو بن جبلة ثم ملك
بعده ابن اخيه جبلة بن الحرث
بن جبلة ثم ملك بعده جبلة
بن الايهم بن جبلة وهو آخر
ملوك الغسان وهو الذي اسلم في
خلافة عمر ثم عاد الى الروم وتنصر
(ابو الفدا)۔
فلما ملك حجر سدد امورهم

طور پر غور کیا جاوے تو یہ حاکم قیصر روم کی
طرف سے بطور عمال کے تھے مگر شاہی لقب
اختیار کرنے کی وجہ سے تاریخ عرب میں بادشاہوں
کے ذیل میں بیان ہوتے ہیں۔ چونکہ بعض امور
ان لوگوں سے ایسے متعلق ہیں جنسے ہمکو بعض
امور کی تحقیقات اور تجسس میں آسانی ہوگی اسلئے
اُن سلطنتوں کا ایک مختصر حال اس مقام پر
لکھتے ہیں۔

اس سلطنت کی بنا چار سو برس قبل ظہور اسلام
کے ہوئی اور یہ زمانہ تینتالیسویں صدی دنیوی
یا تیسری صدی عیسوی سے مطابقت رکھتا ہے
جفنہ بن عمر آس اس خاندان کا پہلا شخص تھا جسنے
لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ شخص "ازد" کی اولاد
میں سے تھا جو خاندان کہلان سے علاقہ رکھتا
تھا۔ وہ عرب جو اس سے پیشتر غسان میں رہتے
تھے ضجاعمہ کہلاتے تھے اُن لوگوں نے عرصہ
دراز تک مستعدی کے ساتھ اسکا مقابلہ کیا
مگر آخر کار جفنہ نے ان پر فتح پائی اور اُن کو
مطیع کرلیا۔

وساسهم احسن سياسة وانتزع
من اللخميين ما كان بايديهم
من ارض بكر ابن وائل ... وملك
بعد الحجر المذكور ابنه عمرو بن
حجر ... ثم ملك بعده
ابنه الحرث بن عمرو (ابو الفدا)
وملك اخوه (اى اخو يعرب)
جرهم الحجاز ثم ملك بعده
جرهم ابنه عبد يا ليل بن جرهم
ثم ابنه جرشم بن يا ليل
ثم ابنه عبد المدان بن جرشم ثم
ابنه ثعلبة بن عبد المدان ثم ابنه
عبد المسيح بن ثعلبة ثم ابنه
مضاض بن عبد المسيح ثم ابنه
عمرو بن مضاض ثم اخوه الحرث
بن مضاض ثم ابنه عمرو بن
الحارث ثم اخوه بشر بن الحارث
ثم مضاض بن عمرو بن مضاض
(ابو الفدا)

اُسکے بعد اُسکا بیٹا عمرو تخت پر بیٹھا اور اُسکے
بعد اُسکا بیٹا ثعلبہ تخت نشین ہوا - ایک عرصہ
تک اختیارات شاہی یکے بعد دیگرے -
الحارث - جبلہ - الحرث - المنذر الاکبر کے ہاتھوں
میں رہے - اس اخیر بادشاہ کا جانشین اس کا
بھائی نعمان ہوا اُسکے بعد اُسکا بھائی جبلہ اور
اُسکے بعد اُسکا بھائی ایہم اور اُسکے بعد اُسکا بھائی
عمرو تخت نشین ہوا - اُسکے بعد جفنۃ الاصغر بن
المنذر الاکبر کی باری آئی اُسکے بعد نعمان الاصغر
اور اُسکے بعد اُسکا بھتیجا نعمان ثالث بن عمرو
بادشاہ ہوا - اُسکے بعد جبلہ بن نعمان ثالث
کے ہاتھ سلطنت لگی - یہ بادشاہ خاندان حیرہ
کے بادشاہ المنذر ماء السماء کا ہمعصر تھا اور
اُس سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا - اُسکے بعد
نعمان رابع بن الایہم اور اُسکے بعد الحرث الثانی
اور اُسکے بعد اُسکا بیٹا نعمان الخامس اور اُس
کے بعد اُسکا بیٹا المنذر تخت نشین ہوا اور اُسکے
بعد عمرو برادر المنذر اور حجر برادر عمرو یکے بعد
دیگرے تخت نشین ہوئے - اُس کے بعد

من ملوك العرب زهیر ابن جباب بن جبل وكان زهير المذكور قد اجتمع بابرهة الاشرم صاحب الفیل (ابو الفدا)۔

الحارث بن حجر اور جبلہ بن الحارث اور الحارث بن جبلہ باری باری سے بادشاہ ہوے۔ پہر نعمان ابو کرب بن الحارث اور ایہم عم نعمان تخت پر بیٹھے۔ الایہم المنذر۔ سراحیل۔ عمرو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوے۔ عمرو کے بعد اُس کے بھتیجے جبلہ بن الایہم بن جبلہ کو سلطنت نصیب ہوئی۔ یہ بادشاہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ تک زندہ تہا۔ پہلے مسلمان ہو گیا اور اُس کے بعد روم کو بہاگ کر علیسائی ہو گیا۔ اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ قریب سنہ ۶۴۳ دنیوی یا سنہ ۶۴ع میں ہو گیا۔

عرب العاربہ کی ایک اور چہوٹی اور چند روزہ سلطنت کی بنیاد "کندہ" کی اولاد نے جو خاندان کہلان سے تہا ڈالی تہی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ حجر بن عمرو ہوا جس نے کہ سلطنت حیرہ کے ایک حصہ کو دبا کر ایک نئی سلطنت قائم کی تہی اُس کے بعد اُسکا بیٹا عمرو اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا الحرث تخت پر بیٹہا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے کسرے قباد کا مذہب اختیار کر کے اُسکی اعانت سے سلطنت حیرہ کو فتح کیا تہا مگر جب نوشیرواں نے اُس سے المنذر کو سلطنت واپس دلائی تب الحارث دیار کلب کو بہاگ گیا۔ مگر اُسکے بیٹے چند روز تک چند مقامات پر حکومت کرتے رہے حجر بنی اسد پر حکمراں رہا۔ شراحیل بکر ابن وائل پر۔ معدی کرب قیس عیلان پر۔ سلمہ تغلب اور نمر پر حاکم رہا۔

حجر کے بعد جو مارا گیا تہا اُس کے بیٹے عمرو القیس نے از سرِ نو بنی اسد کو مطیع کیا

یہ امرؤالقیس وہی بہت بڑا مشہور شاعر عرب کا ہے - جبکہ منذر ماءالسماء ازسر نو تخت سلطنت پر بیٹھا تو امرؤالقیس اُسکے خوف سے بھاگا اور کہیں روپوش ہو گیا - ان سب بادشاہوں نے پینتالیسویں یا چھیالیسویں صدی دنیوی یا پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں حکومت کی تھی -

ایک اور سلطنت حجاز میں قایم ہوئی تھی - جس زمانہ میں یمن اور حیرہ کی سلطنتیں اندرونی جھگڑوں سے ضعیف ہو گئی تھیں اُس زمانہ میں اولاد یعرب یا جرہم نے ایک نئی اور خود مختار سلطنت حجاز میں قایم کی تھی - ابوالفدا کے نزدیک اس سلطنت کا پہلا بادشاہ جرہم تھا جسکا بھائی یعرب یمن میں حکمران تھا - مگر یہ غلطی ہے اور اس وجہ سے واقع ہوئی ہے کہ ابوالفدا نے غلطی سے یعرب اور جرہم کو دو شخص خیال کیا تھا حالانکہ یہ دونوں نام ایک شخص کے ہیں اور یہی ایک شخص یمن اور حجاز دونوں پر حاکم تھا - ابوالفدا نے مندرجہ ذیل نام بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ لوگ بھی یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے تھے اور وہ نام یہ ہیں - یالیل - جرشم بن یالیل - عبدالمدان بن جرشم - ثعلبہ بن عبدالمدان - عبدالمسیح بن ثعلبہ - مضاض بن عبدالمسیح - عمرو بن مضاض - الحرث برادر مضاض - عمرو بن الحرث - بشر بن الحرث - مضاض بن عمرو بن مضاض -

اگر ابوالفدا کے نزدیک یہ بادشاہ حضرت اسمعیل بن حضرت ابراہیم سے پیشتر گذرے ہیں تو وہ بڑی غلطی پر ہے - کیونکہ عبدالمسیح کے نام سے بلاریب ثابت ہوتا ہے کہ وہ عیسائی تھا اور اسلئے ممکن نہیں کہ وہ حضرت اسمعیل سے پیشتر گذرا ہو یا اُن کا ہمعصر ہو - کچھ شک نہیں کہ یہ سلطنت اُسوقت قایم ہوئی تھی جبکہ یمن اور

حیرہ اور کندہ کی سلطنتیں زوال کی حالت میں تہیں اور اسلیئے ہمکو یقین ہے کہ اس سلطنت کے بادشاہ پنیتالیسویں اور چہیالیسویں صدی دنیوی یا پانچویں اور چہٹی صدی عیسوی میں گذرے ہیں۔

یہ بہی واضح ہو کہ عمرو بن لاحی سنہ ۱۲۴۱ دنیوی یا تیسری صدی عیسوی کے آغاز میں اسی سلطنت پر حکمراں تہا۔ ابو الفدا کا بیان ہے کہ اسی شخص نے بت پرستی کو عرب حجاز میں رواج دیا تہا اور کعبہ میں تین بت۔ ہبل کعبہ کی چہت پر اور اساف اور نائلہ اور مقامونپر رکہے تہے۔

مثل دیگر عرب العاربہ کے جو حجاز میں متوطن ہوے اور پہر یمن کے بادشاہ ہوے زہیر ابن جباب نے بہی لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ بات اسوقت کی ہے جبکہ ابرہہ اشرم نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا تہا۔ کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ زہیر بہی ابرہہ اشرم کے ساتھ اُس مہم میں شریک تہا۔ اسلیئے بآسانی محقق ہو سکتا ہے کہ اُسکا عہد حکومت چہیالیسویں صدی دنیوی یا چہٹی صدی عیسوی کے آخری حصہ میں ہوگا سب سے مشہور واقعہ اُسکے عہد حکومت کا یہ تہا کہ اُسنے بنی غطفان کے اُس مقدس معبد کو جو اُنہوں نے کعبہ کے مقابلہ کے لیئے بنایا تہا بالکل برباد کر دیا تہا۔

اب ہم اس مقام پر عرب العاربہ کے انساب کا شجرہ لکہتے ہیں۔

تمام قوم کا شجرہ لکہنا تو محالات سے ہے مگر یہ شجرہ اُنہیں لوگوں کا ہے جن کا ذکر ہمنے اس مقام پر کیا ہے اس شجرہ سے اُن مطالب کے سمجہنے میں جو اس جگہ بیان ہوئے ہیں آسانی ہوگی۔

تمام عرب العاربہ جنکا ہمنے اوپر مفصل ذکر کیا ہے بنی جرہم کے خاندان سے علاقہ

رکھتے ہیں مگر وقتاً فوقتاً بلحاظ اپنے مورثوں کے متعدد قبیلوں میں منقسم ہوتے گئے ہیں۔ ان قبیلوں میں سے جو نامی قبیلے گذرے ہیں اور جنکا ذکر کتابوں میں آتا ہے۔ اُن کا بیان ہم اس مقام پر کرتے ہیں۔ ان قبیلوں کی تقسیم قایم کرنے میں ہم نے ابوالفدا اور معارف ابن قتیبہ سے استفادہ کیا ہے۔

(۱) یعرب یا جرہم سے۔ بنو اجرہم۔ (۲) عبدالشمس بن یشجب سے۔ بنو اسبا۔

(۳) حمیر ابن سبا سے۔ بنو احمیر۔ (۴) کہلان ابن سبا سے۔ بنو اکہلان

(۵) اشعر ابن سبا سے۔ اشعری۔ (۶) انوار بن سبا سے۔ بنو االوار

(۷) عاملہ بن سبا سے۔ عاملی۔ (۸) عدی بن انوار بن سبا سے۔ بنو اعدی

(۹) لخم بن عدی سے۔ لخمی۔ (۱۰) جذام ابن عدی سے۔ بنو اجذام

(۱۱) حدس ابن لخم سے۔ بنو احدس (۱۲) غنم ابن لخم سے۔ بنو اغنم۔

(۱۳) بنو الدار بن ہانی بن لخم سے۔ داری (۱۴) غطفان ابن حیرام ابن جذام سے۔ بنو اغطفان۔

قبائل ذیل بنو اغطفان کی نسل میں ہیں

(۱۵) بنو النعثلہ (۱۶) بنو احنف (۱۷) بنو العصیب (۱۸) بنو اہدالہ

(۱۹) بنو القفاشہ (۲۰) بنو اضلیع (۲۱) بنو اعائزہ (۲۲) بنو اشبرہ

(۲۳) بنو اعبداللہ (۲۴) بنو الخضرہ (۲۵) بنو اسلیم (۲۶) بنو الجالہ

(۲۷) بنو اغنم (۲۸) بنو االقافہ

(۲۹) سعد بن مالک بن حیرام سے۔ بنو اسعد (۳۰) وائل بن مالک سے۔ بنو اوائل۔

قبائل ذیل بنو اسعد کی نسل میں ہیں

(۳۱) بنو اعوف (۳۲) بنو عایزہ (۳۳) بنو افہیرہ (۳۴) بنو اصبحہ

(۳۵) بنو الاخنس۔ (۳۶) بنو احی۔

(۳۷) خشم بن جذام سے۔ خشمی (۳۸) حطمہ بن جذام سے۔ بنو احطمہ۔

قبائل ذیل بنو انمار کی نسل میں ہیں

(۳۹) خشمی (۴۰) بجیلی۔ (۴۱) قسری (۴۲) بنو احمس۔

(۴۳) وہمان بن عامر بن حمیر سے۔ دہمانی (۴۴) یحصب بن وہمان سے۔ یحصبی۔

(۴۵) اسلف بن سعد بن حمیر سے۔ سلفی (۴۶) اسلم بن سعد سے۔ اسلمی۔

(۴۷) رعین بن حرث بن عمرو بن حمیر سے۔ آل ذی رعین (۴۸) قضاعہ بن مالک بن حمیر سے۔ بنو اقضاعہ۔

قبائل ذیل قضاعہ کی نسل میں ہیں

(۴۹) کلب ابن وبرہ سے۔ بنو اکلب (۵۰) عدی ابن جباب سے۔ بنو اعدی۔

(۵۱) علیم ابن جباب سے۔ بنو اعلیم (۵۲) بنو العبید (۵۳) بنو رفیدہ

(۵۴) بنو امصار (۵۵) بنو الیقین (۵۶) بنو اسلیح (۵۷) بنو اتنوخ

(۵۸) جرم ابن ربان سے بنو اجرم (۵۹) راسب ابن جرم سے۔ راسبی

(۶۰) بنو ابہرا (۶۱) بنو ابلی (۶۲) بنو امہرہ (۶۳) بنو اعذرہ

(۶۴) بنوا سعد (۶۵) بنوا ہذیم عبد حبشی (۶۶) خنہ ابن سعد سے ۔ خنی

(۶۷) سلامان ابن سعد سے ۔ سلامانی (۶۸) بنوا جہینہ ۔

(۶۹) بنوا نہد ۔ (۷۰) التبابعہ ۔

قبایل ذیل التبابعہ کی نسل میں ہیں

(۷۱) ذوظلاع (۷۲) ذونواس (۷۳) ذواصبح (۷۴) ذوجدن (۷۵) ذوفاش

(۷۶) ذویزن ۔ (۷۷) ذوجوش (۷۸) بنواشحول

(۷۹) وایلہ ابن حمیر سے ۔ بنواوایل (۸۰) سکاسک بن وایلہ سے بنواسکاسک

(۸۱) عوف بن حمیر سے ۔ بنواعوف (۸۲) فاران ابن عوف سے ۔ بنوافاراں

(۸۳) طے بن اود کہلانی سے ۔ طائی (۸۴) غوث بن اود سے ۔ غوثی

قبایل ذیل طائی کی نسل میں ہیں

(۸۵) بنوانبہان (۸۶) بنواثعل (۸۷) حاتمی (۸۸) بنواالسنبس (۸۹) بنواتیم

(۹۰) ثور بن مالک بن مرتہ کہلانی سے ثوری (۹۱) کندہ بن ثور سے ۔ کندی

(۹۲) سکون بن کندہ سے ۔ سکونی (۹۳) اوسنہ بن ربیعہ بن خیار بن مالک کہلانی سے ۔ اوسلی ۔ (۹۴) ہمدانی (۹۵) سبیعی (۹۶) ودٰاعہ

(۹۷) مذحج بن یہابہ بن مالک کہلانی سے ۔ مذحج (۹۸) مراد بن مذحج سے ۔ مرادی

(۹۹) سعد بن مذحج سے سعدی یا سعد العشیرہ (۱۰۰) خالد بن مذحج سے بنواخالد (۱۰۱) عنس بن مذحج سے ۔ عنسی

(۱۰۲) جعفی بن سعد سے۔ جعفی (۱۰۳) جنب بن سے۔ جنبی

(۱۰۴) حکم بن سعد سے حکمی (۱۰۵) عایذ المدبن سعد سے عایذی

(۱۰۶) جل بن سعد سے۔ جلی (۱۰۷) مران بن جعفی سے۔ مرانی

(۱۰۸) حریم بن جعفی سے۔ حریمی (۱۰۹) زبید بن سعد سے۔ زبیدی

(۱۱۰) جدیلہ بن حارجہ بن سعد سے جدیلی۔ (۱۱۱) ابوخولان بن عمرو بن سعد سے۔ خولانی

(۱۱۲) انعم بن مراد بن مذحج سے انعمی (۱۱۳) نخع بن جسر بن اولہ بن خالد بن مذحج سے نخعی

(۱۱۴) کعب بن عمرو سے۔ بنوالنار۔

(۱۱۵) کعب بن عمرو سے۔ بنوالحاس (۱۱۶) بنواقنان۔

(۱۱۷) الازد بن غوث کہلانی سے۔ ازدی (۱۱۸) مازن بن ازد سے۔ مازنی یا غسانی

(۱۱۹) دوس بن ازد سے۔ دوسی (۱۲۰) ہنو بن ازد سے ہنوی۔

(۱۲۱) جفنہ بن ازد مازنی سے جفنی۔ (۱۲۲) آل عنقا۔

(۱۲۳) آل محرق۔ (۱۲۴) جبلی

(۱۲۵) سلامان ابن میدعن بن ازد سے۔ سلامانی۔

(۱۲۶) دوس بن عدثان بن زہران الازدی سے۔ دوس عدثی۔

(۱۲۷) جذیمہ بن مالک بن فہم بن غنم بن دوس سے۔ جذیمی۔

(۱۲۸) جہاضم بن مالک سے۔ جہاضمی۔ (۱۲۹) سلیمہ بن مالک سے۔ سلیمی

(۱۳۰) ہناءہ بن مالک سے۔ بنواہناءہ (۱۳۱) معین بن مالک سے۔ معینی

(۱۳۲) یحمد بن معین سے۔ بنوالیحمد۔

قبائل ذیل ازد کی نسل میں ہیں

(۱۳۳) الغطریف (۱۳۴) بنوالیشکر (۱۳۵) بنوالجدرہ (۱۳۶) لسب بن عامر سے۔ بنوالسب

(۱۳۷) غامد بن عامر سے۔ غامدی۔

قبائل ذیل عبداللہ بن ازد کی نسل میں ہیں

(۱۳۸) قسامل (۱۳۹) بنواعتیک (۱۴۰) بنوابارق (۱۴۱) بنواعوف۔

(۱۴۲) شہران بن عوف سے۔ بنواشہران (۱۴۳) طاحیہ بن سود سے۔ بنواطاحیہ۔

(۱۴۴) بنواجداد (۱۴۵) خزاعی (۱۴۶) قمیری (۱۴۷) بنواحلیل۔

(۱۴۸) بنوالمصطلق (۱۴۹) بنوالکعب (۱۵۰) بنوالملیح (۱۵۱) بنواعدی۔

(۱۵۲) بنواسعد (۱۵۳) اسلمی (۱۵۴) حشمی (۱۵۵) خزرج بن ثعلبۃ العنقا سے۔ خزرجی

قبائل ذیل خزرج کی نسل میں ہیں

(۱۵۶) حشمی۔ (۱۵۷) بنوابزید (۱۵۸) سلمی (۱۵۹) بنوابیاضہ (۱۶۰) بنواسالم

(۱۶۱) بنوالجبلی (۱۶۲) القواقل (۱۶۳) بنوالنجار (۱۶۴) بنواساعدہ

قبائل ذیل اوس کی نسل میں ہیں۔

(۱۶۵) اشہلی (۱۶۶) بنواظفر (۱۶۷) بنوالحارثہ (۱۶۸) اہل قبا (۱۶۹) جحجبی۔

(۱۷۰) جعادرہ (۱۷۱) بنواواقف (۱۷۲) سلمی (۱۷۳) بنواخطمہ۔

ہم اس مقام پر عرب العاربہ کے قبائل کا ایک شجرہ لکھتے ہیں جس سے مذکورہ بالا بیان کے سمجھنے میں آسانی ہوگی اور ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاویگا کہ کونسا قبیلہ کس قبیلہ سے نکلا ہے

سوم

عرب المستعربہ یعنی پردیسی عرب

عرب المستعربہ کے تمام قبیلے ایک ہی اصل سے نکلے ہیں اُنکا نسب ترح بن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالغ بن عیبر بن شالح بن ارفخشد بن سام تک پہونچتا ہے نوح کی اولاد جو عرب میں آباد ہوئی پانچ شاخوں میں منقسم تھی اور اسیوجہ سے عرب المستعربہ بھی پانچ شاخوں میں منقسم ہیں ۔

اول اسمعیلی בני ישמעאל یا بنی اسماعیل بن ابراہیم بن ترح ۔ (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و باب ۱۶ ورس ۱۵)

دوم ۔ ابراہیمی یا بنی قطورہ בני קטורה یعنی ابراہیم بن ترح کی اولاد قطورہ کے سلسلہ سے (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و باب ۲۵ ورس ۱)

سوم ۔ ادومی یا بنی عیسو בני עשו یعنی اولاد ادوم بن اسحق بن ابراہیم بن ترح (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۹ و باب ۱۲ ورس ۲ و باب ۲۵ ورس ۲۵)

چہارم ۔ ناحوری یا بنی ناحور בני נחור یعنی اولاد ناحور برادر ابراہیم بن ترح (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و ۲۹)

پنجم ۔ ہارانی یا بنی ہاران בני הרן یعنی اولاد مواب בני מואב وعمان בני עמון بن لوط بن ہاران بن ترح ۔ یہ اخیر قبیلہ کبھی تو موابی کہا جاتا ہے اور کبھی عمانی گرہمنے اُسکو ہارانی اسواسطے لکھا ہے کہ ہاران اُن دونوں کے مورث کا نام ہے اور

دونوں پر حاوی ہے (سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ و ۲۹ و باب ۱۹ درس ۳۰ و ۲۸)۔

اب ہم اس مقام پر ہر ایک مذکورہ بالا قبیلہ کا علیحدہ علیحدہ بیان کرینگے اور اسی درمیان میں یہ بھی ثابت کرینگے کہ "فاران" جہاں سے ربانی ہدایت کے چمکنے کی توریت مقدس میں پیشین گوئی کی گئی تھی وہ جگہہ حجاز اور بالخصوص مکہ کے متصل کے پہاڑ ہیں اور اس خطبہ میں اس امر کا ثابت کرنا مقصود اصلی ہے۔

اول اسمعیلی یا بنی اسمعیل

تمام مورخ مسلمان اور غیر مسلمان سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت اسمعیل کی اولاد عرب میں آباد ہوئی اور ملک عرب کا ایک بڑا حصہ حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹوں کی نسل سے معمور ہوگیا۔ اُن میں جو کچھہ اختلاف ہے وہ اُنکے مقام سکونت میں ہے اسلئے ہم اُن کے مقام سکونت کو اس مقام پر تحقیقات کرینگے۔

توریت مقدس میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے نکالے جانے کے واقعہ کو اس طرح پر بیان کیا ہے "و سارہ پسر ہاجر مصری را کہ بجہت ابراہیم زائیدہ شدہ بود دید کہ استہزا می نماید۔ و با ابراہیم گفت کہ این کنیزک و پسر او را اخراج نما زیرا کہ پسر این کنیزک با پسر من اسحق وارث نخواہد شد۔ و این سخن در نظر ابراہیم بسیار ناخوش آمد بسبب پسرش۔ و خدا با ابراہیم گفت بجہت این جوان و کنیزکت در نظرت ناخوش نیاید ہرچہ کہ سارہ بتو گفتہ باشد قولش را استماع نما زیرا کہ ذریہ تو از اسحق خواندہ می شود و از پسر کنیزک نیز اُمتے خواہم گردانید زیرا کہ از نسل تست۔ و ابراہیم در صبحدم سحر خیزی نمودہ نان و مطہرہ آب را گرفتہ بہاجر دادہ بدوشش گذاشت و ہم پسرش را (بادوادہ)

او را روانہ نمود پس راہی شدہ در بیابان بیرشبع سرگردان شد۔ و آبے کہ در مطرہ بود تمام شد و پسر را در زیر بوتہ از بوتہا گذاشت۔ و روانہ شدہ در برابرش بمسافت یک تیر پرتاب نشست و گفت کہ مرگ پسر را نبینم و در برابرش نشستہ آواز خود را بلند کردہ گریست۔ و خدا آواز پسر را شنید و ملک خدا ہاجر را از آسمان آواز داد باو گفت کہ اے ہاجر ترا چہ واقع شد مترس زیرا کہ خدا آواز پسر را در جائیکہ بودش شنیدہ است۔ برخیز و پسر را بردار و بدست او را بگیر زیرا کہ او را امت عظیمی خواہم کرد۔ و خدا چشمان او را گشادہ کرد و چاہ آبے دید و روانہ شدہ مطرہ را از آب پر کرد و بہ پسر نوشانید و خدا با پسر بود کہ نشو و نما نمود و در بیابان ساکن شدہ تیرانداز گردید۔ و در بیابان پاران ساکن شد و مادرش از برایش از دیار مصر زنی گرفت۔

(سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۹ لغایت ۲۱)

اس عبرانی ה מַ חֵ لفظ کا انگریزی میں بوتل ترجمہ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے قدیم عربی ترجمہ میں "سقا" ترجمہ کیا گیا ہے اور فارسی ترجمہ میں "مطرہ" اردو میں اسکا ترجمہ "مشکیزہ" یا "چھاگل" صحیح ترجمہ ہے جو مشرقی ملکوں میں مروج ہے اور جس میں چند روز کے پینے کے لایق پانی سما سکتا ہے۔

اس واقعہ کی نسبت مسلمانوں کی متبرک کتابوں میں بھی چند روایتیں آئی ہیں۔ اور چونکہ صحیح بخاری مسلمانوں میں سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے اُس میں وہ روایتیں اس واقع کی نسبت آئی ہیں اسلئے اُن دونوں کو اس مقام پر نقل کیا جاتا ہے۔

اُن دونوں روایتوں میں اختلاف ہے۔ ایک میں ایک مضمون ہے اور

ایک میں نہیں - ایک میں کچھہ بیان ہوا ہے اور ایک میں کچھہ اسلئے ہم اُن دونوں
روایتوں کو دو مقابل کے کالموں میں اس طرحپر لکھینگے کہ جو اختلاف اُن دونوں میں
ہے وہ بمجرد دیکھنے کے معلوم ہو جاوے -

یہ بات کہنی کہ یہ حدیثیں بخاری میں ہیں اور ضرور ہے کہ اُنکو صحیح مانا جاوے
صرف ایک فرضی بات ہے ورنہ جو اصول کہ حدیث کے ثبوت کے لیئے قرار پائے
ہیں اُن کے مطابق اُس روایت کا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جانا
ثابت نہیں ہے یہ دونوں روایتیں ابن عباس نے بیان کی ہیں اور یہ نہیں بیان
کیا کہ اُنھوں نے کس سے سُنیں اور اسلئے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ درحقیقت پیغمبر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو فرمایا تھا بلکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو باتیں یہودیوں میں
مشہور تھیں اُنہیں کو ابن عباس نے بیان کیا ہے پس وہ روایتیں ایک مقامی
روایتوں سے زیادہ معتبر ہونیکا درجہ نہیں رکھتی ہیں - بخاری میں اس طرحپر روایتیں
مندرج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ درحقیقت وہ پیغمبر کی حدیث ہے بلکہ صرف اتنا
ثابت ہوتا ہے کہ بخاری نے جس شخص سے اسکو سنا اُسنے اسی طرح بیان کیا تھا

پہلی روایت	دوسری روایت
۱- عن ابن عباس قال لما کان ابراھیم وبین اھلہ ما کان خرج باسمعیل وام اسمعیل -	۱- قال ابن عباس اول ما اتخذ النساء المنطق من قبل ام اسمعیل اتخذت منطقا لتعفی اثرھا علی سارۃ ثم جاء بھا ابراھیم وبابنھا اسمعیل -

۲ - ومعهم شنة فيها ماء -	۲ -
۳ - فجعلت ام اسمعيل تشرب من الشنة فيدر لبنها على صبيها -	۳ وهى ترضعه -
۴ - حتى قدم مكة فوضعها تحت دوحة -	۴ - حتى وضعهما عند البيت عند دوحة -
۵ -	۵ - فوق زمزم فى اعلى المسجد وليس بمكة يومئذ احد وليس بها ماء فوضعهما هنالك -
۶ -	۶ - ووضع عندهما جرابا فيه تمر -
۷ -	۷ - وسقاء فيه ماء -
۸ - ثم رجع ابراهيم الى اهله فاتبعته ام اسمعيل -	۸ - ثم قفى ابراهيم منطلقا فاتبعته ام اسمعيل -
۹ - حتى لما بلغوا كداء -	۹ -
۱۰ - نادته من ورائه يا الى تتركنا -	۱۰ - فقالت يا ابراهيم اين تذهب وتتركنا -
۱۱ -	۱۱ - فى هذا الوادى الذى ليس فيه انيس ولا شئ فقالت له ذلك مرارا وجعل لا يلتفت اليها فقالت له آلله امرك بهذا -

١٢ــ قال الى الله ـ	١٢ــ قال نعم ـ
١٣ــ قالت رضيت بالله	١٣ــ قالت اذن لا يضيعنا ـ
١٤ــ قال لرجعت ـ	١٤ــ ثم رجعت ـ
١٥ ـ	١٥ــ فانطلق ابراهيم حتى اذا كان عند الثنية حيث لا يرونه استقبل بوجهه البيت ثم دعا بهؤلاء الدعوات ورفع يديه فقال رب انى اسكنت من ذريتي بواد غير ذى زرع عند بيتك المحرم حتى بلغ يشكرون ـ
١٦ــ فجعلت تشرب من الشنة ويدر لبنها على صبيها حتى لما فنى الله ـ	١٦ــ وجعلت ام اسمعيل ترضع اسمعيل وتشرب من ذلك الماء حتى اذا نفد ما فى السقاء ـ
١٧ ـ	١٧ــ عطشت وعطش ابنها وجعلت تنظر اليه يتلوى او قال يتلبط فانطلقت كراهية ان تنظر اليه ـ
١٨ــ قالت لو ذهبت فنظرت لعلى احس احدا قال فذهبت ـ	١٨ ـ
١٩ــ فصعدت الصفا فنظرت ونظرت هل تحس احدا ـ	١٩ــ فوجدت الصفا اقرب جبل فى الارض يليها فقامت عليه ثم

	استقبلت الوادي تنظر هل ترى احداً فلم ترا احداً فهبطت من الصفا۔
٢٠ ـ فلما بلغت الوادي سعت اتت المروة وفعلت ذلك اشواطاً۔	٢٠ ـ حتى اذا بلغت الوادي رفعت طرف درعها ثم سعت سعي الانسان المجهود حتى جاوزت الوادي ثم اتت المروة فقامت عليها۔
٢١ ـ	٢١ ـ فنظرت هل ترى احداً فلم تراحداً۔
٢٢ ـ ثم قالت لو ذهبت فنظرت ما فعل تعني الصبي فذهبت فنظرت فاذا هو على حاله كأنه ينشغ للموت فلم تقرها نفسها فقالت لو ذهبت فنظرت لعلي احس احداً فذهبت فصعدت الصفا فنظرت ونظرت فلم تحس احداً۔	٢٢ ـ
٢٣ ـ حتى اتممت سبعاً۔	٢٣ ـ ففعلت ذلك سبع مرات۔
٢٤ ـ	٢٤ ـ قال ابن عباس قال النبي صلى الله عليه وسلم فذلك سعي الناس بينهما۔
٢٥ ـ ثم قالت لو ذهبت فنظرت	٢٥ ـ فلما اشرفت على المروة سمعت صوتاً

ما فعل فاذا هي بصوت ـ	
۲۶ـ	۲۶ـ فقالت صه تريد نفسها ثم تسمعت ايضا فقالت قد اسمعت ـ
۲۷ـ فقالت أغث ان كان عندك خير ـ	۲۷ـ ان كان عندك غواث ـ
۲۸ـ فاذا هو جبريل ـ	۲۸ـ فاذا هي بالملك عند موضع زمزم ـ
۲۹ـ قال فقال بعقبه هكذا وغمز عقبه على الارض قال فانبثق الماء فدهشت ام اسمعيل فجعلت تحفز ـ	۲۹ـ فبحث بعقبه او قال بجناحه حتى ظهر الماء فجعلت تحوضه وتقول بيدها هكذا ـ
۳۰ـ	۳۰ـ وجعلت تغرف من الماء في سقائها وهو يفور بعد ما تغرف ـ
۳۱ـ قال فقال ابو القاسم صلى الله عليه وسلم لو تركته كان الماء ظاهرا ـ	۳۱ـ قال ابن عباس قال النبي صلى الله عليه وسلم يرحم الله ام اسمعيل لو تركت زمزم او قال لو لم تغرف من الماء لكانت زمزم عينا معينا ـ
۳۲ـ قال فجعلت تشرب من الماء ويدر لبنها على صبيها الى آخر الحديث (بخاری کتاب [illegible]) ـ	۳۲ـ قال فشربت وارضعت ولدها آخر الحديث (بخاری کتاب الانبياء) ـ

مذکورہ بالا روایتوں سے ظاہر ہے کہ وہ مستند نہیں ہیں یعنی حضرت ابن عباس نے اسکو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مستند نہیں کیا۔ پس معلوم نہیں کہ ابن عباس نے وہ روایت کس سے سُنی اور کس بنیاد پر انہوں نے اُسکو بیان کیا۔ بخاری کا ادب صرف اس بات کا مقتضی ہے کہ ہم تسلیم کریں کہ ابن عباس نے سعید ابن جبیر سے یہ روایت بیان کی اور سعید ابن جبیر نے اور لوگوں سے جنسے بخاری تک یہ روایت پہونچی۔ مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ابن عباس نے درحقیقت اُسکو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔

ان روایتوں میں دو فقرے (۲۴ و ۳۱) ایسے ہیں جن سے کہ بادی النظر میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابن عباس نے یہ روایتیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہونگی۔ لیکن یہ بات نہیں ہے کیونکہ اُن دونوں فقروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں فقرے ان روایتوں کے نہیں ہیں اور کسی مقام کے ہیں کیونکہ خود راوی نے ان دونوں فقروں کو سلسلہ بیان روایت سے علیحدہ کرکے اور بالتخصیص اُنہیں دونوں فقروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کیا ہے اور یہ ثبوت اس بات کا ہے کہ راوی نے باقی مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب نہیں سمجھا ہے۔

ایک اور امر جو ان روایتوں کی صحت پر شبہہ ڈالتا ہے یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت ابراہیم کی یہ دعا "ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم" بیان ہوئی ہے اور راوی نے غلطی سے یہ یہ سمجھا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت ابراہیم نے اپنی بی بی ہاجرہ اور اپنے بیٹے

سمٰعیل کو نکالا تھا اُسی زمانہ میں وہ خود مکہ میں اُن کے بسانے کو آئے تھے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے نہ اس زمانہ میں حضرت ابراہیمؑ انکو یہاں بسانے کے لئے آئے اور نہ اُس زمانہ میں بیت اللہ الحرام بنایا گیا تھا - راوی نے دو مختلف زمانوں کے واقعہ کو ملا دیا ہے ایک اُس زمانہ کے واقعہ کو جب کہ حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو بیابان بے شمع میں بے سہارے چھوڑ دیا تھا اور دوسرے اُس زمانہ کے واقعہ کو جب کہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل نے زمزم کے پاس سکونت اختیار کرلی تھی اور دوبارہ حضرت ابراہیم اُن کے پاس آتے تھے اور بیت اللہ الحرام بنایا تھا اور جاتے وقت یہ دعا مانگی تھی کہ "رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم"

قرآن مجید میں حضرت اسمٰعیل کی عمر کا جب کہ اُن کو حضرت ابراہیم نے نکالدیا کچھ ذکر نہیں - بخاری کی اُن روایتوں سے جن کا مشتبہ ہونا بخوبی ثابت ہوگیا ہے اگر حضرت اسمٰعیل کی عمر کا کچھ اندازہ ظاہر بھی ہوتا تو بھی مذہب اسلام پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ روایتیں اگر مشتبہ ثابت نہ ہوتیں تو بھی بمنزلہ وحی کے متصور نہیں ہوسکتیں -

اصل یہ ہے کہ خود توریت مقدس میں حضرت اسمٰعیل کی عمر کی نسبت جب کہ وہ نکالے گئے نہایت اختلاف پایا جاتا ہے - بعض درسوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہایت بچے تھے اور بعض سے پایا جاتا ہے کہ وہ سولہ سترہ برس کے تھے اس اختلاف کی بنا پر عرب کے یہودیوں میں اُن کا بچہ ہونا مشہور تھا اُسی یہودی روایت کو ابن عباس نے بیان کیا ہوگا اور اسی وجہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی طرف اسکو منسوب نہیں کیا۔

توریت مقدس میں جو حضرت اسمٰعیل کی عمر کے باب میں اختلاف ہے وہ اسطرح پایا جاتا ہے۔ سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ کا فارسی ترجمہ جو ہمنے اوپر لکھا ہے وہ یہ ہے "وابراہیم در صبحدم سحر خیزی نمودہ نان و مطہرہ آب را گرفتہ و بہ ہاجرہ دادہ بہ دوشش گذاشت و ہم پسرش را (بادداوہ) اور انمودیس راہی شدہ در بیابان بیر شبع سرگرداں شد" اس ترجمہ میں لفظ "باددادہ" دو ہلالی خطوط میں لکھا ہے جس کا یہ اشارہ ہے کہ یہ لفظ اصل عبری توریت میں نہیں ہے درحقیقت یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ عبری لفظوں کا یہ ہے کہ "پانی کے مشکیزے اور اسکے بیٹے کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھ کر اسکو روانہ کر دیا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ اور اسی وجہ سے لوگوں نے دودھ پیتا ہوا خیال کیا تھا۔ حالانکہ اسی باب کی چودھویں آیت اسکے برخلاف ہے۔

عیسائی عالموں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس چودھویں آیت سے بلا شبہہ حضرت اسمٰعیل کے اس زمانہ میں بہت چھوٹی عمر ہونا پایا جاتا ہے جو توریت بہت سی آیتوں کے برخلاف ہے اس لئے انہوں نے اس کی نسبت بہت کچھ بحث کی ہے۔

مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ "اگر ہم حضرت اسمٰعیل کی عمر پر غور کریں تو رنج انگیز شوق اور بھی دوبالا ہوتا ہے۔ یہ لڑکا اب کچھ بچہ نہیں تھا بلکہ کم از کم پندرھویں برس میں تھا مگر تکلیف کی وجہ سے بچہ کی طرح مضغہ سا ہو رہا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں اسکی بیچاری ماں جب تک کہ اسکو طاقت رہی ہوگی اسکو ہاتھوں میں اٹھائے

رہی ہوگی اور جب وہ تھک گئی ہوگی تو اُسکو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا ہوگا۔ (مگر ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یہ تاویل کیسی لغو اور بیہودہ ہے) اس کے بعد مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک عمر حضرت اسمٰعیل کی بآسانی معلوم ہوسکتی ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں اُنکا ختنہ ہوا تھا۔ حضرت اسحٰق اُسوقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ اُس کی اگلے سال پیدا ہوئے ہیں اور حضرت ہاجرہ اور اُن کے بیٹے کے بیابان میں بھیجے جانے سے پیشتر انکا یعنی حضرت اسحٰق کا دودھ چھوٹ چکا تھا" (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب صفحہ ۱۷۶)۔

توریت اور انجیل کے اکثر محققین اور علی الخصوص "جیروم لی کلارک" "اور روزن مُلر" خیال کرتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی عمر اُسوقت سترہ برس کی تھی اسلئے یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ہاجرہ نے اُنکو اپنے کندھے پر رکھ لیا ہو۔

جیسی بیہودہ تاویل مسٹر فارسٹر نے کی ہے اُس سے زیادہ عجیب تاویل "بشپ ہارسلی" نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "عبرانی توریت کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کو اُسکی ماں نے معہ روٹی اور پانی کے اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ یہی معنی یونانی ترجمہ میں بھی سمجھے گئے ہیں اور یہ جملہ بھی کہ بچہ کو جھاڑی میں ڈالدیا جو پندرہویں آیت میں ہے اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔ حضرت اسحٰق کی ولادت کے وقت حضرت اسمٰعیل کی عمر چودہ برس سے کم نہ تھی اسواسطے اُنکی ولادت کے وقت کم سے کم وہ پندرہ سال کے ہونگے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حیات انسانی گو اس زمانہ میں بہت مختصر رہ گئی ہے تاہم زمانہ حال کی مدت عمر سے زیادہ دراز ہوتی ہوگی۔ اور چونکہ طفولیت اور ہر ایک درمیانی زمانہ عمر کی حالت تمام عمر کے مجموعہ کے ساتھ جبکہ آدمی ڈیڑھ سو برس

زیادہ عمر کے ہوتے تھے ہمیشہ کوئی معین مناسبت رکھتی ہوگی اسلئے قرین قیاس ہے
کہ اس زمانہ میں چودہ یا سولہ برس کی عمر تک ضعیف اور ناتوان رہتے ہونگے اور میرے
نزدیک اس قصہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور اُن کے بیٹے کے
زمانہ میں یہی صورت ہوگی ۔ جوسفس کے زمانہ میں بھی یہی بات آئی تھی کیونکہ اُس کا
صریح بیان ہے کہ حضرت اسمعیل اُسوقت تنہا نہیں جا سکتے تھے ۔ مگر یہ دلیل کیسی بیہودہ
ہے کیونکہ تین ہی پشتوں کے بعد یہ سب باتیں بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اس
لئے کہ حضرت یوسف حضرت ابراہیم کے پوتے کے بیٹے سترہ برس کی عمر میں اپنے
بھائیوں کے ساتھ باپ کی مویشی چرایا کرتے تھے اور تیس برس کی عمر میں عزیز مصر
کے خواب کی تعبیر بیان کی تھی اور اُسکے وزیر ہو گئے تھے ۔

اسی مضمون پر ایک اور مصنف یہ لکھتا ہے کہ حضرت اسمعیل گو بچہ کہلاتے تھے
مگر سولہ سترہ برس کے ہونگے اور اسلئے اپنی والدہ کی اعانت اور مدد کرنیکے قابل
ہونگے جسطرح کہ اُنہوں نے بعد کو کی ۔

ایک اور مصنف کہتا ہے کہ اس جملہ کو "کندھے پر رکھدیا" خطوط ہلالی کے اندر
رکھدیا جاتا جیسا کہ لیشت کڈیر اور اسٹیک ہوس اور پایل نے کیا ہے (جس سے
اشارہ ہوتا کہ یہ لفظ توریت کے نہیں ہیں) تو یہ آیت مشتبہ ہوتی ۔

اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی پہلی بی بی سارہ کی کہنے
سے اپنی دوسری بی بی ہاجرہ اور اُن کے بیٹے اسمعیل کو جو ہوشیار اور بڑے ہو گئے
تھے گھر سے نکالدیا اور وہ دونوں بیابان بیرشبع میں چلے گئے ۔ چلتے چلتے
اور منزلیں طے کرتے ہوئے وہ اس مقام پر پہونچے جہاں اب مکہ ہے پیاس کی

شدت سے حضرت اسمٰعیل کی حالت خراب ہو گئی اور مرنے کی نوبت پہونچگئی حضرت ہاجرہ انکو ایک درخت کے سایہ میں بٹھا کر پانی کی تلاش کو ادھر ادھر دوڑتی پھریں اور بمشکل پانی ملا اور جہاں پانی ملا تھا اسی جگہ انہوں نے سکونت اختیار کر لی کیونکہ عرب میں اسی جگہ لوگ سکونت اختیار کرتے تھے جہاں پانی دستیاب ہوتا تھا۔

قرآن مجید سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس میں یہ آیت ہے "ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم" اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل اس مقام کے پاس سکونت پذیر ہوئے تھے جہاں کہ بالفعل خانہ کعبہ واقع ہے اور جہانکہ اب شہر مکہ آباد ہے۔ عبرانی لفظ مدبر מִדְבָּר اور عربی لفظ وادی اور الفاظ "غیر ذی زرع" جو قرآن مجید میں آئے ہیں ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ لفظ فاران פָּארָן اور لفظ ایل فاران אֵיל־פָּארָן جو سفر تکوین باب ۲۱- ورس ۱۴- اور باب ۱۴ ورس ۶ میں آیا ہے اُن دونوں سے ایک ہی مقام مراد ہے اور لفظ ایل پاران سے بالتخصیص وہ پہاڑ مراد ہیں جو کعبہ کے گرد واقع ہیں اور صفا اور مروہ اور ابو قبیس اور حرا وغیرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ عبرانی زبان میں "ایل" کے معنی خدا کے ہیں۔ فاران کے پہلے "ایل" کا لفظ لگانے سے انسان کا دل اس کی وجہ کی تفتیش پر متوجہ ہوتا ہے اور اسپر قرار پاتا ہے کہ اس جگہ ضرور کوئی ربانی کرشمہ ظاہر ہوا ہے یا ظاہر ہونیوالا ہے۔ خانہ کعبہ کے گرد جو پہاڑ ہیں اور جہاں کہ مسلمان حج ادا کرتے ہیں علی العموم بنام "الال" مشہور ہیں۔ بعض صرف و نحو کے عالموں نے "الال" کو واحد لکھا ہے اور بعضوں کے نزدیک جمع کا صیغہ ہے۔ اس لفظ کے صحیح اشتقاق کی نسبت بہت بحث ہے بعض کچھ کہتے ہیں اور بعض

کچھ مگر کوئی بات اطمینان کے قابل نہیں ہے۔ ہماری رائے میں کچھ شک نہیں ہے
کہ یہ اسی لفظ "ایل" سے مشتق ہوا ہے۔ ابتدا میں پہاڑ کے نام کے ساتھ اُس کا
استعمال تھا بمعنی کوہ خدا۔ پھر جو کہ ایل فاران خاص حجاز میں تھا عربوں نے اُس
نواح کے تمام پہاڑوں کے لئے "ایل" کی جمع الال بنالی اور مکہ کے پہاڑوں پر اُسکا
اطلاق کرنے لگے۔

اگرچہ واقعات مندرجہ توریت مقدس اور قرآن مجید جن کا ہمنے اوپر بیان کیا آپس
میں مطابقت رکھتے ہیں تاہم تین بڑے بڑے سوالات ہیں جو حضرت اسمٰعیل کی سکونت
سے علاقہ رکھتے ہیں۔

اول یہ کہ۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل اور اُن کی والدہ کو گھر سے نکال دینے
کے بعد کہاں چھوڑا تھا۔

دوم یہ کہ۔ حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ نے بیابان میں آوارگی کے بعد کس جگہ
سکونت اختیار کی۔

سوم یہ کہ۔ آیا وہ اُسی جگہ متوطن ہوئیں جہاں کہ پہلے پہل ٹھیری تھیں یا کہ کسی
اور جگہ۔

قرآن مجید میں اُن امور کی بابت کچھ تذکرہ نہین ہے لیکن بعض ملکی روایتوں اور
چند حدیثوں میں اسکا بیان ہے۔ وہ حدیثیں غیر مستند ہیں اور اس وجہ سے راویوں کا
سلسلہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہونچتا اور جو کہ مقامی روایتوں میں اُن
واقعات کو جو مختلف موقعوں پر واقع ہوئے تھے خلط ملط کر دیا ہے اسلئے اُن پر اعتبار
نہیں ہو سکتا۔ پس ہمارے نزدیک اول سوال کی نسبت جو کچھ توریت مقدس

میں لکھا ہے اُس سے زیادہ بحث کرنی فضول ہے۔ توریت میں لکھا ہے کہ "اُسنے یعنی ابراہیم نے اُسکو یعنی ہاجرہ کو روانہ کردیا اور وہ چلے گئے اور بیابان برسشبع میں پھرتے رہے" (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴)

دو باقی ماندہ سوالوں کے باب میں توریت مقدس کی عبارت اس طرح پر ہے کہ ایک جگہہ لکھا ہے "اور وہ یعنی اسمعیل بڑا ہوا اور بیابان میں سکونت پذیر ہوا اور ایک تیر انداز ہو گیا" (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۲۰) اور دوسری جگہہ لکھا ہے کہ "اس نے یعنی اسمعیل نے بیابان فاران میں سکونت اختیار کی" (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۲۱)۔ توریت کا کوئی مفسر نہیں بیان کرتا اور نہ کلی روایت سے یہ بات ہوتی ہے کہ حضرت اسمعیل پہلے کسی ملک میں آباد ہوے ہوں اور پھر کسی اور ملک میں چلے گئے ہوں اسلئے یہ بات تسلیم کرنی ضرور ہے کہ حضرت اسمعیل اور اُن کی والدہ جس حصہ ملک میں آباد ہوئیں تہیں اُسی میں آباد رہیں پس توریت میں جہاں صرف بیابان میں آباد ہونیکا ذکر ہے اُس سے بیابان فاران ہی مراد ہے جس کی تصریح دوسرے ورس میں کی گئی ہے۔ پس ان سوالوں کا حل کرنا اس بات کی تحقیق پر منحصر ہے کہ بیابان فاران جہاں کہ حضرت اسمعیل کا سکونت پذیر ہونا بیان کیا گیا ہے کونسی جگہہ ہے۔

مشرقی جغرافیہ والوں کا بیان ہے کہ تین مقام بنام فاران موسوم ہیں۔ اول وہ مقام اور اُسکے گرد و نواح کے پہاڑ جہاں اب شہر مکہ واقع ہے کیونکہ اُس زمانہ میں وہ بیابان تہا۔ دوم وہ پہاڑ اور گانوں جو مشرقی حصہ مصر یا عرب الحجر میں واقع ہیں۔ سوم ایک ضلع جو سمرقند کے نواح میں ہے۔

مشرقی جغرافیہ والوں نے جو کچہہ کہ فاران کی نسبت لکھا ہے اُس کو ذیل میں

مندرج کرتے ہیں۔

فاران مذکور فی التوراة فی قولہ جاء اللہ من سینا واشرف من ساعیر واستعلن من فاران فساعیر جبال فلسطین وھو انزالہ الانجیل علی عیسی وفاران مکۃ ادجبالہا علی ما تشھد بہ التوراة واستعلائہ منہا انزالہ القران علی رسولہ محمد صلعم وفاران قریۃ من نواحی سغد من اعمال سمرقند وقیل فاران والطور کورتان من کورہ مصر قبیلہ۔ مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع۔ ومعجم البلدان یاقوت حموی۔

والطور جبل بارض مصر عند کورۃ تشمل علی عدۃ قری قبلیھا وبالقرب منہا جبل فاران۔ مراصد الاطلاع ومعجم البلدان۔

فاران ثلثۃ مواضع فاران اسم جبال مکۃ وقیل انہا اسم جبال الحجاز ولہا ذکر فی التوراة یجی فی اعلام نبوۃ النبی صلعم قال الامیر ابونصر ابن ماکولا ابوبکر نصر بن القاسم بن قضاعۃ القضاعی الفارانی الاسکندری سمعت ان ذلک نسبۃ الی جبال فاران وھی الحجاز وفاران قال ابوعبداللہ القضاعی فی کتاب خطط مصر فاران والطور کورتان من کور مصر القبلیۃ وفاران من قری سمرقند۔ مشترک یاقوت الحموی۔

الطور سبعۃ مواضع والطور ایضاً علم لجبل بعینہ عند کورۃ تشتمل علی عدۃ قری بارض مصر من جھۃ القبلیۃ بینہا وبین جبل فاران۔ مشترک۔

وطریق اخر علی ساحل البحر القلزمی ... من مصر الی عین شمس ... ثم الی بطن مغیرہ ... ثم الی جرن فاران ... وبالقرب من فاران موضع

سعب اذا اسلك والرجم ایضا مغربا والدبور مشرقا ویسمی جیلان الی جبل الطور
الی ایلۃ الخ - نزھۃ المشتاق لشریف الادریسی -
مجھے معلوم نہیں ہے کہ کسی غیر ملک اور مذہب کے مورخ نے فاران اور حجاز
کو جہاں اب مکہ معظمہ واقع ہے ایک ہی قرار دیا ہو - لیکن عربی ترجمہ توریت سامری میں
جسکو آرکوی ٹن صاحب نے ۱۸۵۱ء میں بمقام لگڈرنی بٹاورم چھپوایا ہے اُس میں
فاران اور حجاز سے ایک ہی جگہہ مراد لی ہے اور فاران کے لفظ کے آگے خطوط
ہلالی میں حجاز کا لفظ لکھدیا ہے اور وہ عبارت یہ ہے -

"وسکن فی بریۃ فران (الحجاز) واخذت لہ امہ امراۃ
من ارض مصر" (عربی ترجمہ توراۃ سامری) -

عموماً عیسائی مورخ اس بات کو کہ فاران اور حجاز ایک ہی جگہہ سے مراد ہے تسلیم
نہیں کرتے اس تسلیم نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ اگر وہ اسکو تسلیم کر لیں تو اس بات
کی تسلیم بھی لازم آتی ہے کہ جو پیشین گوئی توریت میں فاران کی نسبت بیان ہوئی ہے
بلاشبہہ اُس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا مراد ہے -
بہرحال اُن مصنفوں کا فاران کی نسبت مختلف طرح کا بیان ہے -
اول - یہ کہ بعض کہتے ہیں کہ فاران وہ وسیع قطعہ زمین ہے جو بیر شیع کی شمالی
حد سے لیکر کوہ سینا تک چلا گیا ہے اور فاران کے نام سے مشہور ہے - اُسکی حدود
اربع عموماً یہ بتلاتے ہیں - شمال میں کنعان - جنوب میں کوہ سینا - مغرب میں مصر -
اور مشرق میں کوہ سیعر - اُس میں بیشمار چھوٹے چھوٹے بیابان ہیں جنکو ملاکر کل بیابان
بنتا ہے اور وہ چھوٹے چھوٹے بیابان علیحدہ علیحدہ ناموں سے معروف ہیں مثلاً

شور - بیر شبع - ایثام - سین - زین - عیدام وغیرہ -

دوم - بعض مصنفوں کا گمان ہے کہ قادیش جہاں کہ حضرت ابراہیم نے ایک کنواں موسوم بہ بیر شبع کہودا تہا اور فاران ایک ہی مقام ہے -

سوم - بعضوں کی یہ راے ہے کہ فاران اُس بیابان کا نام ہے جو کوہ سیناؑ کے مغربی ڈہلاؤ پر واقع ہے - بیشمار عمارتوں اور پرانی قبروں اور میناروں وغیرہ کے آثار وہاں اب بہی پائے جاتے ہیں - مسٹر ویپر کا بیان ہے کہ ہمنے ایک کلیسا کے نشانات جو پانچویں صدی عیسوی میں بنایا گیا ہوگا دریافت کئے - اور اُن کا یہ بہی بیان ہے کہ چوتہی صدی میں اس مقام پر عیسائی آباد تہے اور ایک بطریق بہی وہاں رہتا تہا - ان بیانات کی تصدیق کرنے میں اس بات کے خیال میں کہ یہ شہر اُس شہر سے مطابقت رکہتا ہے جسکا مشرقی مورخوں نے مشرقی کنارہ مصر پر موجود ہونا بیان کیا ہے ہمیں کچہہ بہی کلام نہیں ہے -

لہ یہ ایک ایسا نام ہے جسکا اطلاق توریت میں اس سارے صحرا پر معلوم ہوتا ہے جو یہودیہ کی سرحد سے لیکر حوالی سینا تک پہیلتا ہے - جو کہ ہم فاران کو حوالی سینا کے جنوب کے قطع میں (سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲) اور شمالی جانب قادیش سے (سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۲۶) ملحق اور جگہہ بہی پاتے ہیں اسلئے آسانی کا فرض کر لینا کہ فاران اُس تمام قطعہ کا نام تہا جو ان حدود سے محدود ہے آسان معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اسکے کہ مقابل کے دو قطعوں کا ایک ہی نام قرار دیں - اس لحاظ سے وہ دقت جو اس نام کی صحیح صحیح تطبیق میں عارض ہوتی تہی ظاہر ہو گئی ہے جبکہ یہ دیکہا جاے کہ سب جداگانہ مقامات جو مختلف مصنفوں نے اُسکے واسطے قرار دیے ہیں - اُس قدرے وسیع قطعہ میں مجتمع ہوتے ہیں جو کہ ہمارے نزدیک اُسکا مصداق ہے

مگر یہ سب بیانات درست نہیں ہیں جنکی غلطی ہم ثابت کرینگے - اگرچہ پہلے دو بیانات کی تائید میں کسی قسم کی شہادت موجود نہیں ہے اور اسلئے اُن کی نسبت صرف یہ کہدینا کہ وہ ثابت نہیں ہیں کافی تھا لیکن ہم اس غرض سے کہ اُن کے غلط ہونے میں کچھہ شبہہ باقی نہ رہے ہم اُنکی تردید کرتے ہیں -

اول بیان کی تردید کے لئے یعنی اُس بیان کی تردید کے لئے جس میں فاران کو ایک وسیع بیابان قرار دیا ہے اور اُس میں اور چھوٹے چھوٹے بیابان مثل شور اور سینا وغیرہ کے شامل کئے ہیں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ اُسکی تردید میں توریت مقدس کی چند آیتیں نقل کردیں کیونکہ اُن سے صاف منکشف ہوتا ہے کہ فاران خود ایک جداگانہ بیابان ہے اور گرد و نواح کے بیابان اُس میں شامل نہیں -

---

متعلق صفحہ ۱۲۳ - یہ نام وادی فاران میں بھی بخوبی موجود ہے جو سینائے اسفل کا ایک وادی ہے اور جس میں ہوکر بنی اسرائیل ہنگام کوچ بجانب ممالک اعلیٰ گذرے تھے - (کٹوز سائیکلوپیڈیا آف بائبل) -

ایک بیابان فلسطین کی جنوب کی جانب جہانکہ حضرت اسمٰعیل سکونت پذیر ہوئے تھے (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۲۱) جس کے مغرب میں ہلال اور ربلق شمال میں یہودیہ کے جنوبی پہاڑ اور مشرق میں قادیش کا بیابان اور اُس کے پہاڑ یہ ایل پاران یا بیابان پاران ہے (سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۶) نیز وہ ملک جس کے بعض اقطاع میں موسم برسگال میں گھاس اور سبزہ بہت ہوتا ہے جہانکہ حضرت ابراہیم نے بود و باش اختیار کی تھی قادیش اور شور کے مابین اور جہانکہ بنی اسرائیل کا قادیش کو جاتے وقت گذر ہوا تھا (سفر اعداد باب ۱۲ ورس ۱۶ و باب ۱۳ ورس ۲۶) بیابان فاران سے مراد اُن پہاڑوں سے بھی ہو سکتی ہے جو اس میدان کے مشرق کی جانب اور بیابان قادیش کے جنوب کی طرف واقع ہیں یا بیابان قادیش بیابان فاران بھی میدان ملحق کی وجہہ سے کہلاتا تھا جس طرح وہ بھی قادیش کے نام سے بوجہہ چشمہ قادیش کے مشہور تھا (پیلنز بائبل ڈکشنری)

(الف) "و بنی اسرائیل از بیابان سینی کوچ نمودند و ابر در بیابان پاران ساکن شد" (سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲) - اس عبارت سے جسکا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے بیابان سینا سے کوچ کیا اور بیابان فاران میں مقام کیا قرار واقعی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں بیابان ایک دوسرے سے علیحدہ اور جداگانہ بیابان تھے -

(ب) "پس دو سال چہار دہم کدرلاعومر و ملوکے کہ ہمراہش بودند آمدہ رفائیان را کہ در عشتروث قرنیم و زوزیان را در ہام و ایمیان را در شاوہ قریاتایم شکست دادند - و نیز حوریان را در کوہ خود شان سعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحرا است" (سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۵ و ۶)

پس جب تک کہ بیابان فاران کو ایک علیحدہ مقام نہ تسلیم کیا جاوے اس ورس کی عبارت مہمل ہو جاتی ہے -

(ج) "خداوند موسیٰ را خطاب کردہ گفت - کہ مردانے بہ بفرست تا آنکہ زمین کنعان را کہ بہ بنی اسرائیل میدہم تجسس نمایند از ہر سبط آبائے ایشاں یک نفرے کہ درمیان ایشاں سرور باشد بفرستید - پس موسیٰ ایشاں را بفرمان خداوند از بیابان پاران فرستاد و آں مردمان ہمگی رؤسائے بنی اسرائیل بودند" (سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۱ و ۲ و ۳) -

(د) "و روانہ شدہ پیش موسیٰ و ہارون و تمامی جماعت بنی اسرائیل در بیابان پاران بہ قادیش رسیدند و بہ ایشاں و ہم بہ تمامی جماعت خبر رساندند و ہم بہ ایشاں میوہ زمین را نمودند" (سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۲۶) -

(ه) "و گفت - خداوند از سینی برآمد و از سعیر بر ایشاں تجلی کرد و از کوہ پاران

درخشنده شده باہزار ہزاران مقدسان ورود نمود و از دست راستش باایشان شریعتی آتشین رسید" (سفر توریہ مثنیٰ باب ۳۳ ورس ۲)۔

(۹) "خداوند از تیمان و قدوس از کوہ پاران آمد۔ سلاہ۔ جلالش آسمان ہا را مستور کرد و زمین از حمدش پُر شد" (کتاب جبوق باب ۳ ورس ۳)۔

(ذ) "و از مدیان برخاستند و بہ پاران آمدند و مردان چندے از پاران بہمراہ خود شان گرفتند و بہ مصر بخدمت فرعون بادشاہ مصر آمدند" (کتاب اول ملوک باب ۱۱ ورس ۱۸)

اور دوسرے بیابان کی یعنی اسکی کہ قادیش اور فاران ایک ہی مقام ہے توریت مقدس کے مندرجہ ذیل ورسوں سے تکذیب ہوتی ہے

(الف) "و نیز حوریان را در کوہ خود شان سعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحرا است و برگشتہ بہ عین مشپاط کہ قادیش است آمدند و تمامی مرز و بوم عمالیقان و ہم اموریانی کہ در حصصون تامار ساکن بودند شکست دادند" (سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۶ و ۷)۔

یہ ظاہر ہے کہ جب تک قادیش اور فاران دو جداگانہ اور مختلف بیابان نہ قرار دئے جاویں ورس مذکورہ بالا کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

(ب) "و روانہ شدہ پیش موسیٰ و ہارون و تمامی جماعت بنی اسرائیل در بیابان پاران بہ قادیش رسیدند و بہ ایشان و ہم بہ تمامی جماعت خبر رسانند و ہم بہ ایشان میوۂ زمین را نمودند" (سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۲۶)

اس ورس میں جن لفظوں کے نیچے ہمنے لکیر کر دی ہے اُنکے ترجمہ میں ہمکو شبہہ ہے اسلئے ہم اصل عبری عبارت اور اُسکا ایک نہایت قدیم ترجمہ عربی کا جو ۱۸۴۴ء میں

معہ لیٹن ترجمہ کے چھپا ہے اس مقام پر نقل کرتے ہیں ۔

בְּבֹאָם אֶל־מֹשֶׁה וְאֶל־אַהֲרֹן וְאֶל־כָּל־

עֲדַת בְּנֵי־יִשְׂרָאֵל אֶל־מִדְבַּר פָּארָן קָדֵשָׁה׃

وقدموا الی موسیٰ وہارون وجماعۃ بنی اسرائیل الی بریۃ فاران الی قادس ۔ سفر

العدد الاصحاح ۱۳ ۔ ۲۶ ۔

اصل عبری عبارت میں صرف یہ لفظ ہیں" ال مدبر فاران قادیش"۔ عربی زبان میں جو قاعدہ بدل اور مبدل منہ کا ہے وہ عبری زبان میں نہیں ہے اور اسلئے فاران اور قادیش بدل اور مبدل منہ نہیں ہوسکتے ۔ اور ضرور ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لفظ مقدر مانا جاوے ۔ فارسی مترجم نے صرف ت کو مقدر مانا ہے اور "بہ قادیش" ترجمہ کیا ہے ۔ اور عربی مترجم نے "الی" مقدر مانا ہے اور" الی قادیش" ترجمہ کیا ہے ۔ اور لیٹن کے مترجم نے جو لفظ مقدر مانا ہے اُسکا ترجمہ یہ ہے "جو کہ بیچ قادیش کے" مگر عربی قدیم ترجمہ صحیح معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ فاران کے ماقبل بھی ال یعنی" الی" کا لفظ آیا ہے اور وہی لفظ قادیش پر سے محذوف کردیا ہے ۔ پس اس ترجمہ کے مطابق معنی یہ ہوتے ہیں کہ" آئے بیابان فاران کی طرف قادیش کی طرف سے یعنی قادیش کے رستہ سے" اس صورت میں صریح ظاہر ہوتا ہے کہ فاران اور قادیش دو مختلف مقاموں کے نام ہیں اور اسی کی تائید سفر تکوین کے درسوں سے ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں ۔

اب ہمکو تیسرے فاران پر غور کرنا چاہیے جسکا کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہونا بیان ہوا ہے ۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ وہاں ایک مقام ہے جو فاران کے

نام سے مشہور ہے مگر سوال یہ ہے کہ آیا وہ وہی بیان ہے جسکا ذکر سفر تکوین میں
آیا ہے کہ حضرت اسمعیل صحراے بیر شبع میں سرگردانی کے بعد وہاں آکر ٹھیرے تھے
اور کیا وہ وہی مقام ہے جہاں حضرت اسمعیل فی الحقیقت متوطن ہوئے تھے۔ اس
لیے کہ اگر از روے تجسس اور تفتیش کے یہ ثابت ہو جاوے کہ حضرت اسمعیل وہاں
متوطن نہیں ہوے تھے تو اس سے لازم آویگا کہ یہ فاران وہ فاران نہیں ہے
جسکا ذکر سفر تکوین میں آیا ہے۔

کوئی ملکی روایت ایسی موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ حضرت اسمعیل نے
اس جگہہ سکونت اختیار کی تھی۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر جو اسی مقام کو حضرت اسمعیل کی سکونت
کی جگہہ خیال کرتے ہیں اور جسقدر دلائل اُسکی تائید میں لاتے ہیں وہ کسی قسم کی شہادت
پر مبنی نہیں ہیں۔ مگر ہم اس غرض سے کہ اُنکے غلط ہونے میں کچھہ شبہہ باقی
نہ رہے اُن دلیلوں کی غلطی بیان کرتے ہیں۔

مصنف موصوف نے سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ پر جسکی یہ عبارت ہے "والیشان
از حویلاہ تا شور کہ ہنگام رفتن تو بہ اشور در برابر مصر است ساکن بودند و مسکن او در حضور
تمامی برادرانش افتاد"۔ استدلال کرکے بیان کیا ہے کہ "خداے تعالی کے
وعدے اسی میں ایفا ہو گئے تھے جبکہ اسماعیلیوں کی آبادی شور سے حویلاہ تک انتہاے
عرب میں یعنی سرحد مصر سے لیکر دہانہ فرات تک پھیل گئی تھی"
اول غلطی صاحب موصوف کی یہ ہے کہ حویلاہ[1] کو دہانہ فرات پر قرار دیا ہے

---

[1] ریورنڈ مسٹر فارسٹر صاحب حویلاہ کی سکونت کی نسبت لکھتے ہیں کہ "ارض حویلاہ سے جو
حضرت موسی کے پہلے صحیفہ میں مذکور ہے وہ حصہ عرب کا مراد ہے جو دہانہ فرات سے

درحقیقت حویلاہ جس کے بانی کا نام سفر تکوین باب ۱۰ ورس ۲۹ میں مذکور ہے نواح یمن میں ہے جس کا عرض بلد شمالی ۱۷ درجہ ۳۰ دقیقہ اور طول بلد شرقی ۴۲ درجہ ۳۶ دقیقہ پر واقع ہے اور اس کی کامل تصدیق عرب کے اس نقشہ کے معائنہ سے ہو سکتی ہے جو عرب کے جغرافیہ کی شکل کے مطابق ہے واکر صاحب کے نقشہ کلاں سے چھوٹا کر کے بنایا گیا ہے اور اسی کے ساتھ شام اور مصر کے ان اقطاع کو بھی زیر نظر رکھنا چاہئے جنکا نقشہ روزنڈ کارٹرٹ پی کیرے۔ ایم۔ اے۔ نے مرتب کیا ہے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ مصنف موصوف نے اور عیسائی مورخوں اور جغرافیہ دانوں کی تقلید اختیار کر کے "شور" کو عرب الحجر کے مغرب میں قرار دیا ہے جبانکہ صحرائے اتیام واقع ہے اور یہ قطعی غلطی ہے کیونکہ صحرائے "شور" سے توریت مقدس میں مراد

متعلق صفحہ ۱۲۸۔ ملحق ہے اور جنوب کی جانب ساحل خلیج فارس کے برابر برابر چلا گیا ہے" یہ بیان اس بنا پر ہے (اگرچہ ہمارے نزدیک قابل وقعت نہیں ہے۔) کہ جزایر بحرین میں سب سے مشہور جزیرے "اوال" کے نام میں اصلی نام حویلاہ کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس دلیل کے استحکام میں صاحب موصوف یہ بیان کرتے ہیں کہ "آگے آنے والی مثالوں سے عربی زبان کے استعمال میں جو مختلف تصرفات اس نام میں ہوئے ہیں معلوم ہونگے جیسے۔ اوال۔ حویل۔ حویلاہ۔ خر۔ خط۔ حولان۔ چول۔ چولاں۔ ان لفظوں میں سے بعضے لفظ ایک ہی جگہہ یا ضلع کے مختلف نام ہیں" ۔ ایسے عظیم سوالات کا اس طرح حل کرنا اور ان سے نتایج کا استنباط کرنا کامل اور ظفر فدارانہ تحقیقات کے قواعد معینہ کے مطابق صحیح نہیں ہے اور اسی لئے وہ قابل وقعت نہیں ہیں اور اسی باعث سے ہمنے کہا ہے کہ روزنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بیان میں غلطی کی ہے علی الخصوص اس وجہ سے کہ یہی نام پورا پورا عرب کے دوسرے حصہ میں موجود ہے۔

تمام اُس وسیع میدان سے ہے جو شام سے لیکر جانب جنوب ملک مصر تک منتہی ہوتا ہے۔

اصل عبری توریت میں صرف دو نام ہیں۔ شور שור اور۔ اشورہ אשורה [illegible] بغیر الحاق لفظ صحرا کے موجود ہیں۔ ان دونوں ناموں میں سے شور سے مراد شام اور اشورہ سے مراد۔ اسریا ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ بنی اسمٰعیل اُس وسیع قطع میں آباد ہوئے تھے جو شمالی حدود یمن سے جنوبی سرحد شام تک منتہی ہوتا ہے۔ یہ جگہ اب بنام حجاز معروف ہے اور فاران سے مطابقت رکھتی ہے۔ ہمارے اس نتیجہ کی اس امر سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہی سرزمین ٹھیک مصر کے سامنے واقع ہوتی ہے اگر کوئی شخص وہاں سے اسریا کی جانب عزیمت کرے اور توریت مقدس کی اس آیت کی کماحقہ تصدیق ہوتی ہے جہاں لکھا ہے "جو کہ سامنے مصر کے ہے اگر تو اسریا کی جانب روانہ ہو" یعنی مصر کے سامنے ہی اگر تم ایک خط مستقیم وہاں سے اسریا تک کھینچو۔

فاران کے حدود اربع جو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے بحوالہ ڈاکٹر ولز کے قرار دی ہیں کہ اُسکے مغرب میں بیابان شور ہے اور مشرق میں کوہ سیعیر اور شمال میں ارض کنعان اور جنوب میں بحر احمر یہ حدود بھی بالکل غلط ہیں

سنت پال حواری نے جو خط گلاٹیون کے نام لکھا ہے اُس کے چوتھے باب میں بائیسویں درس سے چھبیسویں درس تک یہ عبارت مندرج ہے "یہ لکھا ہے کہ ابراہیم کے دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے۔ وہ جو لونڈی سے تھا جسم کے طور پر پیدا ہوا اور جو آزاد سے تھا سو وعدے کے طور پر پیدا ہوا۔ اسکے یہ معنی ظاہر ہیں کہ یہ عورتیں دو

عہدنامے ہیں ایک تو کوہ سینی کی جو صرف غلام جنتی ہے ہاجرہ ہے کہ وہ ہاجرہ کوہ عرب کا کوہ سینی ہے اور یہاں کے یروشالم کی ہمجنس ہے اور اپنے لڑکوں کے ساتھ غلامی میں ہے - پر اوپر کی یروشالم آزاد ہے سو ہم سبھوں کی ماں ہے" اسپر ررنڈ مسٹر فارسٹر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوہ سینا اور ہاجرہ ایک ہی ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول خود مصنف موصوف ہی کا قول ہے کیونکہ جہانتک کہ ہمکو واقفیت ہے ہم کسی عیسائی مصنف کا قول اسکے مطابق نہیں پاتے ہیں - کوئی مشرقی مورخ یا جغرافیہ داں ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے کوہ سینا اور ہاجرہ کو ایک ہی سمجھا ہو اور نہ انجیل مقدس کی کسی آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کوہ سینا اور ہاجرہ سے ایک ہی شے مراد ہے -
سنٹ پال حواری کا اصلی منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی کوہ سینا پر دو معاہدے کئے گئے تھے ایک حضرت اسحق کے ساتھ اور دوسرا حضرت اسمٰعیل لسپر ہاجرہ کے ساتھ - سنٹ پال حواری نے کنایتاً فرمایا کہ "یہ ہاجرہ کوہ سینا ملک عرب میں ہے" یعنی یہ ہاجرہ یعنی بی ہاجرہ وہ معاہدہ ہے جو کوہ سینا پر بھی کیا گیا تھا اور یروشالم کا ہمپایہ ہے جو بالفعل موجود ہے اور اُسکی اولاد کے ساتھ غلامی میں ہے - عبارت مذکورہ بالا کو اس طرح پھیرنا کہ اُسکے معنی سے ہاجرہ اور سینا کا مقام واحد ہونا ثابت ہو جاوے بالکل غیر ممکن ہے -

کتاب اول تواریخ ایام باب ۵ ورس ۹ اور ۱۰ میں بعض اقوام بنی اسرائیل کے آباد ہونے کے ذکر کے ساتھہ یہ عبارت مندرج ہے "و بہ طرف شرقی تا مدخل بیابان کہ بہ کنارہ نہر فرات باشد ساکن میشدند زیرا کہ زمین گلعاد گلہ ہاے ایشان زیاد میشدند - و در زمان شاول ایشان با ہگریان دعوے کردند کہ آنہا بدست ایشان افتادند در چادرہاے ایشان

در تمامی مرز و بومی کہ بہ طرف گلعاد باشد ساکن شدند" ان درسوں پر استدلال کرکے
رورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ گلعاد کے شرقی نواح جو رود فرات اور خلیج فارس
کی سمت میں ہے حضرت اسمعیل کے ابتدائی مقام سکونت سے مطابق ہوتا ہے۔
ایک عرصہ کے بعد حضرت اسمعیل کی اولاد قریب قریب سارے جزیرہ نماے عرب
میں پھیل گئی اور ان میں سے بعض لوگ مقام متذکرہ بالا کو قدیمی باشندوں سے چھینکر
وہاں جا بسے۔

مگر ان درسوں سے جو مقصد رورنڈ مسٹر فارسٹر کا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اُن
سے صرف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بنی ہاجرہ نے سواحل خلیج فارس پر شکست کھائی
اور یہ شکست آٹھ سو برس بعد حضرت اسمعیل کے واقع ہوئی تھی - ان درسوں سے یہ بات
کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ یہ وہی جگہہ تھی جہاں خود حضرت اسمعیل متوطن ہوئے تھے
رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت اسمعیل کی
اولاد نے خلیج فارس کے شمالی سمت سے لیکر یمن تک تمام ملک پر قبضہ کرلیا تھا -
مختلف مقامات کے ناموں کی بنی ہاجرہ کے ناموں کے ساتھ مطابقت کرنے میں
ازحد کوشش کی ہے - بعض مطابقتیں اس طرح پر کی ہیں جنپر اعتبار نہیں ہوسکتا
اور بعض میں اپنے معمولی قاعدہ کے مطابق صرف ایک حرف کے مطابق ہوجانیکو کافی
سمجھا ہے اور بعض ناموں کے مطابق کرنے میں انکو کامیابی بھی ہوئی ہے -
لیکن جس امر کے قائم کرنے میں رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اسقدر جانفشانی سے ناکام
کوشش کی ہے دو وجہہ سے قابل التفات اور لائق توجہہ نہیں ہے -
اول اسلیئے کہ ہمارے نزدیک بھی حضرت اسمعیل کی اولاد یعنی اُن کے بارہ

نامور بیٹے اور اُن بیٹوں کی اولاد صرف اُس تنگ قطعہ زمین میں محصور نہیں رہی جو کہ معظمہ کے گرداگرد ہے بلکہ امتداد زمانہ میں اُنکی اولاد قریب قریب تمام جزیرہ نماے عرب میں پھیل گئی تھی - مشرقی مورخ بھی اسکے قائل ہیں جیسا کہ عبارت مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے - پس یہ امر متنازعہ فیہ نہیں ہے -

ولما كثر ولد اسمعيل صلى الله عليه وسلم ضاقت عليهم مكة فانتشروا في البلاد فكانوا لا يد خلون بلداً الا ظهرهم الله على اهله وهم نفوا العماليق

معارف ابن قتيبة -

دوم اسلئے کہ اس مقام پر یہ امر بحث طلب نہیں ہے کہ امتداد زمانہ کے بعد حضرت اسمعیل کی اولاد کہاں کہاں پھیل گئی تھی - بلکہ اسبات پر بحث ہے کہ حضرت اسمعیل اور اُن کی اولاد ابتدا میں کس جگہہ آباد ہوئی تھی - پس جو کچھہ کہ رورنڈ مسٹر فارسٹر نے لکھا ہے اس سے امر بحث طلب کو کچھہ علاقہ نہیں ہے -

اب ہم اس امر کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کتب خمسہ حضرت موسیٰ میں اُس فاران کا جو مشرقی مصر میں کوہ سینا کے مغربی ڈھلاو پر واقع ہے کچھہ بھی ذکر نہیں ہے اور یہ امر اُسوقت بخوبی واضح ہوجاتا ہے جبکہ حضرت موسیٰ اور اُنکے ہمراہیان بنی اسرائیل کی صحرانوردیوں کے مقامات پر لحاظ کیا جاوے - سفر خروج باب ۱۵ ورس ۲۲ میں لکھا ہے "پس موسیٰ اسرائیلیان را از دریاے احمر کوچانیدہ بہ بیابان شور رفتند و سہ روز در بیابان راہی شدہ آب نیافتند" اور جبکہ اُنہوں نے بیابان سین کو طے کیا تب عمالیق کی قوم آئی اور رفیدیم میں بنی اسرائیل سے لڑی دیکھو (سفر خروج باب ۱۷ ورس ۸) -

بنی عملیق قدیم رہنے والے رفیدیم کے نہیں تہے بلکہ اُس وادی کے رہنے والے
تہے جسکا ذکر سفر اعداد باب ۱۴ درس ۲۵ میں ہے اور اس درس میں بہی جو لفظ "آئے"
کا استعمال ہوا ہے اُس سے بہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رفیدیم کے رہنے والے نہ تہے۔
یہ بات یاد رکہنی چاہیئے کہ رفیدیم سیناکے جانب مغرب یعنی مشرقی مصر میں
واقع ہے اور یہ وہی جگہہ ہے جہاں حضرت موسیٰ نے اپنے اعجاز سے ایک چٹان
میں سے پانی کا چشمہ نکالا تہا اور اُسکا نام "مساہ" اور "مریبا" رکہا تہا (دیکہو سفر خروج باب
۱۷ درس ۶ و ۷) اور اسی جگہہ حضرت موسیٰ نے ایک قربان گاہ بنائی تہی اور اُس کا نام
"یہواہ نسی" رکہا تہا (دیکہو سفر خروج باب ۱۷ درس ۱۵)۔
حضرت موسےٰ اب آگے کو مشرق کی طرف بڑہے اور صحراے سینا میں پہونچکر کوہ
خدا کے پاس ڈیرے ڈالے اور اسی مقام پر اُن کے خسر مسمیٰ یثرو کاہن اُن سے ملنے
کو آئے (دیکہو سفر خروج باب ۱۸ درس ۵ و باب ۱۹ درس ۲)
اس میں کچہہ شک نہیں کہ یثرو کاہن حضرت موسیٰ کے خسر کوہ سیناکے مشرق کی
جانب سے آئے تہے۔ کیونکہ مدیان جہاں کہ وہ کاہن تہے اُس کے مشرق کی
سمت میں واقع ہے۔ اس تمام سفر میں جو حضرت موسیٰ نے مصر سے سینا تک کیا
فاران کا کچہہ ذکر نہیں آیا۔
سینا سے بنی اسرائیل کا کوچ شمالی مشرق سمت میں تہا۔ اس سفر کے باب میں
سفر اعداد باب ۱۰ درس ۱۲ میں یہ لکہا ہے "و بنی اسرائیل از بیابان سینی کوچ نمودند و ابر
در بیابان پاران ساکن شد"۔ حضرت موسیٰ نے اس سفر میں پہلی منزل اُس مقام پر کی
تہی جسکا نام "تبعیراہ" تہا (دیکہو سفر اعداد باب ۱۱ درس ۳)۔ پہر وہاں سے "قبروت ہتاواہ"

کو روانہ ہوئے اور وہاں سے "حصیرت" کو کوچ کیا (دیکھو سفر اعداد باب ۱۱ ورس ۳۴ و ۳۵) اور اس اخیر مقام سے کوچ کر کے بیابان پاران میں داخل ہوئے (دیکھو سفر اعداد باب ۱۲ ورس ۱۶) - جو کہ یہ پاران وہی جگہہ ہے جہاں ابر کا ٹھہرنا بیان کیا گیا ہے اس لئے کچہہ شک نہیں کہ حضرت موسیٰ کا کوچ شمالی اور مشرقی سمت میں تہا یعنی قادیش کی طرف (دیکھو سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۲۶) اور اسلئے وہ فاران جسکا ذکر حضرت موسیٰ نے کیا ہے سینا کے مغرب کی جانب نہیں ہو سکتا -

پس بآسانی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ شہر فاران جسکو روپر صاحب نے بیان کیا ہے اور جس کے آثار انہوں نے پائے ہیں اور جو مشرقی مورخوں کی نظر سے بہی چہپا ہوا نہ تہا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں موجود نہ تہا - اور یہ کب خیال میں آسکتا ہے کہ ایسے بیابان میں جس کی نسبت حضرت موسیٰ نے بیان کیا ہے کہ "بیابان وسیع و ہولناک کہ دراں مار سوزندہ و عقرب و زمین خشک بے آبے بود" اُس زمانہ میں کوئی شہر موجود ہو (دیکھو سفر توریت مثنی باب ۸ ورس ۱۵)

عیسائی مصنفوں نے بیابان فاران کا جو مقام قرار دیا ہے اُسپر اعتبار کرنا حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کے بیابان کی صحت پر منحصر ہے اور اس امر کی نسبت کہ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل صحرا نوردی کی حالت میں کن کن مقاموں پر ہو کر گذرے تہے خود عیسائی علما اور فضلا میں اسقدر اختلاف ہے کہ اسقدر اختلاف شاید ہی کسی اور امر کی نسبت ہو - ہم اس مقام پر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کا ایک نقشہ شامل کرتے ہیں اس سے ظاہر ہو گا کہ خود علماء عیسائی نے پانچ مختلف رستے صحرا نوردی کے بیان کئے ہیں اور اُن میں سے کوئی بہی

ایسا نہیں ہے جسکی نسبت بطور یقین کے بیان کیا جاسکے کہ درحقیقت ان پانچوں میں سے صحرانوردی کا کونسا صحیح رستہ ہے۔

فاران پسر عوف کی اولاد بنی فاران کے نام سے مشہور تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ کے بعد کسی وقت میں کچھہ لوگ اس قبیلہ کے یمن والوں اور قرب وجوار کی قوموں کے ساتھہ دائمی جھگڑوں اور قصوں کے سبب سے شمال اور مشرقی سمت کو چلے گئے ہونگے اور کوہ سینا کے مغرب کی جانب مشرقی مصر میں قیام کیا ہوگا جہاں رفتہ رفتہ ایک گانوں یا قصبہ اُسی قوم فاران کے نام سے آباد ہوگیا ہوگا جسکا ذکر روپر صاحب اور مشرقی مؤرخوں نے کیا ہے۔ مگر حضرت موسیٰ کے وقت میں اُسکا کچھہ وجود نہ تھا اور اس میں کچھہ شک نہیں کہ وہ اپنے ہمنام بیابان یا پہاڑ سے جسکا ذکر توریت میں ہے بالکل علیحدہ ہے۔

اگر بیابان فاران سے وہ سارا وسیع میدان مراد لیا جاوے جو شام سے یمن تک چلا گیا ہے جیسا کہ خود کتاب مقدس میں مذکور ہے اور صرف ملکی روایتیں ہی اُسکی تائید نہیں کرتیں بلکہ مشرقی مؤرخ بھی اُسکے مؤید ہیں تب حضرت موسیٰ کے کوچ کے تمام بیان کی تطبیق ہوجاتی ہے اور اُسکی صحت کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

اُس تمام وسیع میدان پر جو شام کے جنوب میں واقع ہے کاتبین مقدس عموماً ارض شور کا اطلاق کرتے ہیں مگر بعض مقام میں اُسکو صرف "بیابان" سے تعبیر کیا ہے (دیکھو سفر خروج باب ۱۳ ورس ۱۹) اور بعض جگہہ "بیابان عظیم" سے (دیکھو سفر توریہ مثنیٰ باب ۸ ورس ۱۵) اور اس بیابان میں ایثام۔ سین۔ سینا۔ سن۔

قادیش - عیدام جو چھوٹے بیابان ہیں اور نیز ایک حصہ فاران کا شامل ہے۔

جو کچھ کہ ہمنے اوپر بیان کیا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمنے شور اور شام کو ایک ہی ملک قرار دیا ہے۔ سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ میں دو نام آئے ہیں ایک شور اور دوسرا اشورہ - تمام عیسائی مصنف اشورہ کو "اسریا" سے تعبیر کرتے ہیں - پس کچھ شبہہ نہیں ہو سکتا کہ شور سے شام مراد ہے - اگر کوئی اس سے انکار کرے تو اُسکی وجہ بجز اسکے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس تطبیق کا تسلیم کرنا اسلام کے مفید مطلب ہے کیونکہ سفر توریۃ مثنیٰ باب ۳۳ ورس ۲ - اور کتاب حبقوق باب ۳ ورس ۳ میں جو پیشین گوئی ہے وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صادق آتی ہے -

ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاران کی شمالی حد پر قادیش اور مغربی حد پر صحرائے "سن" اور خلیج عرب واقع ہے -

جبکہ حضرت موسیٰ سینا سے روانہ ہوے تو ابر قادیش کے نزدیک فاران میں ٹھیرا (دیکھو سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲) اور حضرت موسیٰ "تبعیراہ" "قبروث ہتاواہ" اور "حصیروث" ہو کر فاران میں آئے جو قادیش کے نواح میں ہے۔ اس جگہہ سے اُنہوں نے ایلچی روانہ کئے جو واپس آتے وقت اول قادیش میں پہونچے اور اُسکے بعد فاران میں - یہ ایک سیدھا اور صاف بیان ہے جس سے حضرت موسیٰ کے فاران میں سفر کرنے کا مُعمّا بخوبی حل ہو جاتا ہے -

اب ہم توریت مقدس کے اُن ورسوں پر غور کرینگے جو حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے نکال دینے کے باب میں ہیں - سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ و ۱۵ میں لکھا ہے کہ "و ابراہیم در صبحدم سحر خیزی نمودہ نان و مطہرہ آب را گرفتہ وبہ ہاجرہ داد

بہ دوشش گذاشت وہم پسرش را (باو دادہ) اورا روانہ نمود پس راہی شدہ در بیابان بیر شبع سرگرداں شدہ - و آبے کہ در مطہرہ بود تمام شد و پسر را در زیر بوتہ از بوتہا گذاشت"

جس عبارت کے نیچے ہمنے خط کھینچدیا ہے اُسکے خواہ نخواہ یہ معنی نہیں ہیں کہ حضرت ہاجرہ بیابان بیر شبع ہی میں پہرتی رہیں اور اُسی مقام پر صرف وہی پانی جو حضرت ابراہیم نے انکو دیا تہا اُنکے پاس تہا اور وہی ختم ہوگیا تہا - بلکہ دو وجہہ سے اس ورس کے ایسے معنی لینے صحیح نہیں ہیں - اول اس وجہہ سے کہ بیر شبع جو حضرت ابراہیم نے قادیش کے نزدیک کہودا تہا اور جس کے نواح میں وہ خود ایک عرصہ دراز تک رہے تہے ایک ایسا مقام تہا جس کے حالات اور جس کے قریب پانی کے کنوئوں کا ہونا حضرت ہاجرہ سے پوشیدہ نہ تہا - دوم اسوجہہ سے کہ بیابان بیر شبع میں پانی کا اسقدر نایاب ہونا ناممکن تہا - کیونکہ وہاں صرف حضرت ابراہیم ہی کے بنائے ہوے کنوئیں نہیں تہے بلکہ قوم فلسطین کے تعمیر کئے ہوئے بہی موجود تہے (دیکہو سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۱۸ لغایت ۲۲) - ہمارے نزدیک اس عبارت کے معنی جو عیسائی مصنفوں نے قرار دئے ہیں اُس سے زیادہ تر صحیح اور صاف یہ ہیں کہ مکان سے نکلنے کے بعد حضرت ہاجرہ بیابان بیر شبع میں پہرتی رہیں مگر ملک کا وہ حصہ سکونت کے قابل نہ تہا کیونکہ بیر شبع کے اردگرد ایسی قومیں رہتی تہیں جو لڑاکا اور جہگڑالو تہیں اور ذرا سا رحم بہی اُن کے دل میں نہ تہا - اسلئے حضرت ہاجرہ نے ایسے مقام پر جانے کا خیال کیا ہوگا جہاں اُنکو امن ملے اور آسایش سے رہ سکیں اور ایسا مقام بلاشبہہ وہ تہا جہاں عرب العاربہ کی قومیں رہتی تہیں اور اسلئے کچہہ شک نہیں ہے کہ حضرت ہاجرہ نے اُس نواح میں جانیکا قصد کیا -

جو ایک چھاگل پانی حضرت ابراہیم نے اُن کے ساتھ کر دیا تھا وہ ختم ہو گیا ہوگا اور رستہ میں متعدد جگہہ سے جہاں کہیں پانی دستیاب ہوا ہوگا حضرت ہاجرہ نے بھر لیا ہوگا لیکن جب وہ بیابان فاران میں پہونچی ہونگی تو پانی ملنے کی مشکل پیش آئی ہوگی کیونکہ اُس بیابان میں پانی نہایت کمیاب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ہاجرہ اُس مقام پر پہونچیں جہاں اب مکہ معظمہ ہے تو اُن کے پاس پانی باقی نہیں رہا تھا اور حضرت اسمٰعیل تشنگی کے سبب سے ضعیف اور قریب المرگ ہو گئے ہونگے اور حضرت ہاجرہ نہایت تشویش اور اضطراب کی حالت میں ادہر اودہر پانی تلاش کرنے کو دوڑتی پہرتی ہونگی۔ یہ بیان ایسا صاف ہے جس میں کوئی امر خلاف قیاس یا خلاف فطرت انسانی نہیں ہے۔

خانہ بدوش عرب پانی کے چشمہ کو جو اُن کو جنگل میں ملتا تھا جہانکر ڈ غیرہ ڈالکر مٹی سے چھپا دیتے تہے تاکہ اُن کے سوا اور کسیکو اُسکا پتہ نہ ملے اور یہ رسم پانی کے کمیاب ہونے سے اُن میں جاری تہی اور ابتک جاری ہے۔

یہ بات نہایت قرین قیاس ہے کہ اسی طرح عربوں نے اُس چشمہ کو جو اُس مقام پر تھا جہاں اب چاہ زمزم واقع ہے چھپا دیا ہوگا کیونکہ لفظ "بیر" عبری میں چشمہ آب کے معنی میں بہی آیا ہے۔

ان تمام حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسوقت حضرت ہاجرہ مضطربانہ ادہر ادہر دوڑ رہی تہیں تو اُنکو وہ چشمہ مل گیا۔ توریت مقدس کی عبارت سے بہی اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جہاں لکھا ہے "وخدا چشمان اورا کشادہ کرد و چاہ آبے دید و روانہ شدہ مطہرہ را از آب پر کردہ و بہ پسر نوشانید" (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۹) عربی روایتوں میں

اس واقعہ کو اس طرح پر تعبیر کیا ہے کہ ایک فرشتہ نے اُس مقام پر اپنے بازو یا پاؤں
سے ایک گڑہا کر دیا جس میں سے پانی نکل آیا - یہ بیان اُسی قسم کا ہے جیسا کہ مذہبی باتوں کو
ایک عظمت دینے کے لئے ہوتا ہے مگر جو اصلی واقعہ ہے وہ اُس سے صاف
پایا جاتا ہے -

بخاری کی حدیث ہمنے اوپر نقل کی ہے اور اُسکو بجاے پیغمبر کی حدیث ہونے
کے ایک ملکی اور قومی روایت کا درجہ دیا ہے اُس سے بہی اتنی بات کہ حضرت ہاجرہ
جب اُس مقام پر پہونچیں جہاں اب مکہ ہے تو پانی ہو چکا اور حضرت اسمٰعیل تشنگی
سے قریب الرگ ہو گئے تو وہاں اُنکو چشمہ ملگیا بخوبی ثابت ہوتی ہے - پس یہ ایک
ایسی روایت ہے جسکو ایام جاہلیت کے عربوں نے ہمیشہ مستند تسلیم کیا ہے اور
باوجودیکہ وہ لوگ بیشمار قوموں اور فرقوں میں جو ایک دوسرے کے مخالف تھے
اور ہر ایک کا مذہب اور اعتقاد بہی جداگانہ تہا منقسم ہو گئے تھے اسپر بہی مذکورہ
بالا امر مین سب متفق تھے - اسلیئے ہم اُس روایت کو جہوٹی اور موضوع نہیں
خیال کرتے خصوصاً اس صورت میں کہ توریت مقدس کے متعدد مقامات سے
بہی اُسکی تصدیق ہوتی ہے -

بہر حال حضرت ہاجرہ نے اُس مقام پر جہاں اُنکو پانی کا چشمہ ملا تہا رہنا شروع
کیا - جب اور لوگونکو اُس چشمہ کی خبر ہوئی تو بنی جرہم کے بہت سے لوگ اُس کے
قرب وجوار میں آکر آباد ہوئے -

بخاری نے حضرت اسمٰعیل کے نکاح کرنیکی بابت ایک روایت لکھی ہے جسکو
ہم بجنسہ ذیل میں نقل کرتے ہیں -

قال (ای ابن عباس) فمرناس من جرهم ببطن الوادی فاذا هم بطیر کانهم انکروا ذلک وقالوا ما یکون الطیر الا علی ماء فبعثوا رسولهم فنظر فاذا هو بالماء فاخبرهم فاتوا الیها فقالوا یا ام اسمعیل اتاذنین لنا ان نکون معک او نسکن معک فبلغ ابنها فنکح فیهم امراة قال ثم انه بدا لابراهیم فقال لاهله انی مطلع ترکتی قال فجاء فسلم فقال این اسمعیل فقالت امراته ذهب یصید قال قولی له اذا جاء غیر عتبة بیتک فلما جاء اخبرته فقال انت ذلک فاذهبی الی اهلک قال ثم انه بدا لابراهیم فقال لاهله انی مطلع ترکتی فجاء فقال این اسمعیل فقالت امراته ذهب یصید فقالت الا تنزل فتطعم وتشرب فقال وما طعامکم وما شرابکم قالت طعامنا اللحم وشرابنا الماء قال اللهم بارک لهم فی طعامهم وشرابهم قال فقال ابو القاسم برکته بدعوة ابراهیم (صلی الله علیهما وسلم) قال ثم انه بدا لابراهیم فقال لاهله انی مطلع ترکتی فجاء فوافق اسمعیل من وراء زمزم یصلح نبلا له فقال یا اسمعیل ان ربک امرنی ان ابنی له بیتاً قال اطع ربک قال امرنی ان تعیننی علیه قال اذا فعل او کما قال فقاما فجعل ابراهیم یبنی واسمعیل یناوله الحجارة ویقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم قال حتی ارتفع البناء وضعف الشیخ عن نقل الحجارة فقام علی حجر المقام فجعل یناوله الحجارة ویقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

بخاری کتاب الانبیاء ـ

یہ روایت بھی اُنہیں وجوہات سے جو ہمنے بخاری کی پہلی حدیث کی نسبت بیان کی ہیں ایک ملکی روایت کی مانند ہے نہ پیغمبر صاحب کی فرمائی ہوئی حدیث کی مانند

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل نے ایک عورت سے نکاح کر لیا اور اُسکے بعد جب حضرت ابراہیم حضرت اسمعیل سے ملنے کو آئے تو اُس عورت سے نکاح کرنیکو ناپسند کیا اور طلاق دیدینے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ حضرت اسمعیل نے اُسکو طلاق دیدی اور وہاں کے نو آباد لوگوں میں سے ایک اور عورت سے نکاح کر لیا۔ اُس کے بعد جب دوسری دفعہ حضرت ابراہیم اُن سے ملنے کو آئے تو اُس عورت سے نکاح کرنیکو پسند کیا۔

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل کی دونوں بیبیاں بنی جرہم کی قوم سے تہیں مگر توریت مقدس سے پایا جاتا ہے کہ اُنہوں نے پہلی دفعہ ایک مصری عورت سے نکاح کیا تہا۔

ہمکو اسبات کے یقین کرنے کی یہ وجہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں جو پہلی بیوی کا بہی بنی جرہم سے ہونا بیان کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے۔ غالباً پہلی بیوی ایک مصری عورت تہی اور یہی وجہہ ہوگی کہ حضرت ابراہیم نے اُس عورت سے نکاح کرنا ناپسند کیا ہوگا۔ یہ بہی قرین قیاس ہے کہ بنی جرہم نے ابتدا میں اپنی قوم کی بیٹی کو حضرت اسمعیل کے نکاح میں دینے سے تامل کیا ہوگا کیونکہ وہ حضرت اسمعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہونگے۔ مگر باہم سکونت پذیر ہونے سے وہ خیال جاتا رہا ہوگا اور اسلئے یقین ہوتا ہے کہ اُنکی دوسری بیوی بنی جرہم کی قوم سے تہیں۔

قران مجید میں نسبت تعمیر خانہ کعبہ کے یہ آیت موجود ہے "واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم" (سورۃ البقر آیت ۱۲۱) اور اس سے ثابت ہوتا ہے اور تمام اور قومی روایتوں سے یقیناً متحقق

ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے خانہ کعبہ کو بنایا تھا۔

قرآن مجید کی رو سے بغیر کسی شک کے ہم مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل پیغمبر تھے اور خدا نے انکو مثل حضرت ابراہیم اُن کے باپ کے وحی بھیجنے اور اپنی مرضی ظاہر کرنے کے لئے مبعوث کیا تھا تاکہ لوگوں کو اللہ تعالے کی عظمت اور وحدانیت کی طرف ہدایت کریں۔ توریت مقدس میں جو وعدہ کہ خدا تعالے نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل کی نسبت کیا تھا وہ اس طرح پر مندرج ہے "ودر حق اسمٰعیل ترا شنیدم اینک اورا برکت دادہ ام واورا بارور گردانیدہ بغایت زیاد خواہم نمود ودوازدہ سرور تولید خواہد نمود واورا اُمت عظمی خواہم نمود" (سفر تکوین باب ۱۷ ورس ۲۰) یہ وعدہ پورا ہوا اور اخیر تک پورا ہوتا چلا آیا۔

عیسائی مصنف اس وعدہ کے ہونے کی نسبت تو کچھ کلام نہیں کر سکتے مگر ازراہ مکابرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ جسمانی یعنی دنیوی طرز کا وعدہ تھا نہ روحانی طرز کا۔ اگرچہ یہ اُن کا کہنا صریح غلط ہے مگر اس مقام پر ہم اس مسئلہ پر بحث نہیں کرنے کے بلکہ آیندہ خطبہ میں جس میں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارت کا توریت اور انجیل میں موجود ہونا بیان کرینگے اُسی خطبہ میں اس امر پر بھی بحث کرینگے۔

ایک اور روایت عموماً لوگوں میں مشہور ہے کہ خدا تعالے نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسمٰعیل کی قربانی کر ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ اس روایت کی کچھ اصلیت نہیں ہے۔ زیادہ تر تقویت اُس روایت کو ہوتی ہے جس میں حضرت اسحاق کی قربانی کرنے کے حکم ہونیکا ذکر ہے اور اس اختلاف کا جو سبب ہے وہ ہم آگے بیان کرینگے

حضرت ابراہیم نے جو اپنے بیٹے کی قربانی کرنے کا ارادہ کیا اُس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے "قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ما ذا تری قال یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین فلما اسلما وتلہ للجبین ونادیناہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرویا انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین وفدیناہ بذبح عظیم" (سورہ الصافات آیت ۱۰۱ لغایت ۱۰۷)-

قرآن مجید میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ حضرت اسحٰق کی نسبت قربانی کا حکم تھا یا حضرت اسمٰعیل کی نسبت اور نہ کسی معتبر اور مستند حدیث سے اسکی تفصیل پائی جاتی ہے-

بعض مسلمان مورخوں کا قول ہے کہ حضرت اسحٰق کی نسبت قربانی کا حکم تھا اور بعض کا قول ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی نسبت تھا - یہ اختلاف توریت مقدس کی اُس آیت کے مبہم اور غیر صحیح ہونے کی وجہ سے ہے جس میں اُس مقام کا ذکر ہے جہاں مذکورہ بالا قربانی کا عمل میں آنا تجویز ہوا تھا اور وہ آیت یہ ہے "خدا ابراھیم را امتحان نمود وبا وگفت اے ابراہیم وا وگفت کہ اینک حاضرم وخداوند گفت کہ حال پسر یگانہ خود اسحٰق را کہ دوست مے داری بگیر وبر زمین موریاہ[1] برو (عربی ترجمہ میں بجائے لفظ

---

[1] موریا کے معنی ہیں تجلی خدا یا حکم خدا یا خوف خدا اور نیز اورشلیم کے اُس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس تعمیر ہوا تھا اور جس پر بالفعل حضرت عمر کی بنائی ہوئی مسجد واقع ہے - اسی مقام کو عموماً وہ مقام خیال کرتے ہیں جہاں کہ حضرت ابراہیم کو اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسحٰق کی قربانی کرنیکا حکم ہوا تھا گو کہ اس بات کے فرض کرنے میں بعض مشکلات پیش آتی ہیں - توریت سامری سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۲ میں بجائے موریا کے سرزمین مرہ لکھا ہے جیسا کہ انگریزی ترجمہ میں ہے

"موریاہ" کے "ارض الرویا" لکھا ہے اور توریت سامری کے عربی ترجمہ میں "ارض المنارہ
والمرشدہ" لکھا ہے) و در آنجا او را بر یکے از کوہہا ئے کہ بتو میگویم از برائے قربانی سوختنی
تقریب نما" (سفر تکوین باب ۲۲ درس ۱ و ۲) بعض مسلمان مصنفوں نے اس گمنام
جگہ کو بیت المقدس اور اُسکے پہاڑ قرار دیے ہیں اور بعض نے مکہ معظمہ کے قریب
کے پہاڑ۔ جو لوگ اُس مقام کو مکہ معظمہ کے پہاڑ قرار دیتے ہیں وہ اپنی راستی کی
تائید میں بیان کرتے ہیں کہ عبری لفظ "مریہ" [illegible] جس کے معنی جبال کے
ہیں تثنیہ اور جمع دونوں صیغوں میں استعمال ہوتا ہے اور اسلئے وہ استدلال کرتے
ہیں کہ اس سے مکہ معظمہ کے مشہور دو پہاڑوں صفا اور مروہ میں سے ایک مراد ہے

اور مروہ کی نسبت لوگونکو اطمینان ہو گیا تھا کہ یہ وہی مرہ ہے جو "شکم" کے قریب تھا اور جہاں
حضرت ابراہیم پہلے رہا کرتے تھے (سفر تکوین باب ۱۲ درس ۶) اور وہ پہاڑ جسپر اُن کا معبد
بنا تھا "جرزیم" تھا اور یہ اخیر رائے کسیقدر لحاظ کے قابل ہے اگر یہ متحقق ہو جائے کہ قوم سامری
نے اس مقام کو اپنی حدود کے اندر لانے کے واسطے اس درس میں کچھ تحریف نہیں کی ہے۔
بیر شبع سے اس مقام کا فاصلہ ترجمہ سامری کا کسیقدر مؤید ہے کیونکہ بیر شبع مرہ تک پورا تین روز کا
رستہ ہے مگر بیر شبع اور بیت المقدس کے درمیان فاصلہ بہت قلیل ہے بشرطیکہ رستہ میں کوئی
امر حارج نہ ہو گیا ہو۔ مسلمان راوی ہیں کہ اس واقع کا موقعہ وہ ہے جہاں کہ زمانہ مابعد میں اُن کا
مشہور و معروف معبد بمقام مکہ بنایا گیا تھا اور اس معاملہ میں اور نیز دیگر معاملات میں وہ حضرت اسحق
کی جگہہ حضرت اسمٰعیل کو بتلاتے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہودی۔ سامری۔ مسلمان سب
اپنے اپنے معبدوں کے موقعونکو حضرت ابراہیم کے ایمان کی آزمایش یا امتحان کے مقام ہونیکا
دعوے کرتے ہیں۔ (بائبل سائکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۴۰)۔

توریت مقدس میں اسی باب کی چودھویں آیت میں یہ لکھا ہے "وابراہیم اسم آن مکان را یہواہ یراہ گذاشت کہ تا امروز نیز ہم میخوانند در کوہ خداوند نمایان است" مسلمان مورخوں کے نزدیک یہ مقام وہ ہے جو مکہ معظمہ کے پاس واقع ہے اور آجتک عرفات کے نام سے مشہور ہے - پس جو لوگ اُس قربان گاہ کو مکہ معظمہ میں قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قربانی کا حکم حضرت اسمعیل کی نسبت ہوا تھا اور جو لوگ اُس قربان گاہ کو بیت المقدس میں قرار دیتے ہیں وہ حضرت اسحق کی نسبت قربانی کا حکم ہونا کہتے ہیں جیسے کہ مسعودی نے لکھا ہے جسکی عبارت یہ ہے -

وقد تنازع الناس فی الذبیح فمنهم من ذهب الی انه اسحق ومنهم من رای انه اسمعیل فان کان الامر بالذبح وقع بمنی فالذبیح اسمعیل لان اسحق لم یدخل الحجاز وان کان الامر بالذبح وقع بالشام فالذبیح اسحق لان اسمعیل لم یدخل الشام بعد ان حمل منه - مروج الذهب مسعودی -

مگر ذی علم مسلمان عالموں کا صاف بیان ہے کہ حضرت اسحق کی نسبت قربانی کا حکم ہوا تھا نہ حضرت اسمعیل کی نسبت اور یہی امر مندرجہ ذیل حدیث سے بھی پایا جاتا ہے

عن محمد ابن المنتشر قال ان رجلا نذر ان ینحر نفسه .... (فقال له مسروق) لا تنحر ... واشتر کبشا فاذبحه للمساکین فان اسحق خیر منك وفدی بکبش ... (رواه ابن رزین مشکوة) -

اس حدیث میں مسروق کا صاف قول ہے کہ حضرت اسحق قربان ہونے والے تھے -

حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹے تھے - نبایوث נְבָיֹת قیدار קֵדָר ادبئیل

אַדְבְּאֵל مبسام מִבְשָׂם مشماع מִשְׁמָע دوماه דּוּמָה مسا
מַשָּׂא حدد חֲדַד تیما תֵּימָא یطور יְטוּר نافیش נָפִישׁ
قیدماه קֵדְמָה ۔

نبایوث - یہ شخص شمالی مغربی حصہ عرب میں آباد ہوا- ٹھیک مقام اس قوم کے آباد ہونیکا نقشہ مرتبہ ریورنڈ کاٹیری پی کیری ایم - اے ئیں مابین ۲۰ و ۲۰ درجات عرض بلد شمالی و ۳۶ و ۳۸ درجات طول بلد شرقی میں واقع ہے - ریورنڈ فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم عرب الحجر کے وسط سے لیکر مشرق کی جانب اور وادی القریٰ کے اندر تک اور جنوب کی طرف کم از کم منتہائے خلیج عیلام اور حدود حجاز تک پھیلی ہوئی تھی - اسطرابو اس سے بھی زیادہ وسیع قطعہ اُنکی طرف منسوب کرتا ہے - کیونکہ وہ دو مقاموں کا ذکر کرتا ہے جو خلیج عرب پر واقع ہیں اور جن سے صریح ظاہر ہے کہ اُنکی مملکت کی وسعت جنوبی اور غربی سمت میں مدینہ کے عرض بلد پر منتہی ہوتی تھی اور یہ دو مقام شہر و بندرگاہ حور یعنی بندرگاہ سفید جو ینبوع کے شمال میں ہے اور خود بندرگاہ ینبوع ہیں - ریورنڈ فارسٹر کہتے ہیں کہ اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قوم صرف پتھریلے بیابان عرب ہی میں نہیں بلکہ صوبجات عظیم حجاز اور نجد کے اندر تک بھی پھیلی ہوئی تھی -

ممکن ہے کہ یہ قوم وقتاً فوقتاً اُس وسیع ملک میں پھیل گئی ہو جسکا اوپر ذکر ہوا - کتاب اشعیاہ نبی کے مندرجہ ذیل ورس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک نامی اور زبردست قوم تھی اور وہ ورس یہ ہے "تمامی گوسفندان قیدار نزد تو گرد آمدہ قوچہاے نبایوث بکارت خواہند آمد و بر مذبحِ بہ رضامندی بر خواہند آمد و خانہ جلال خود را جلیل خواہم کرد" (کتاب

اشعیاہ باب ۶۰ ورس ۷)

قیدار - یہ شخص بنی نبت کے جنوب کی طرف گیا اور حجاز میں آباد ہوا - زبور داؤد

کتاب اشعیاہ - ارمیاہ - حزقیل - وغیرہ میں اس قوم کی عظمت و شوکت کی بیشمار

شہادتیں ہیں - اسی قوم میں سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے

انکی بعثت سے خدا تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر ظاہر ہوئی - انکی ذات پاک

کے سود مند اثروں سے رفتہ رفتہ دنیا کے ایک بڑے حصہ پر خدا کی برکت اور خدا ئے

واحد کی عبادت پھیل گئی اور اب تک پھیلتی جاتی ہے عربوں اور مشرقی اقوام کے ہاں

بیشمار روایتیں اس قوم کے باب میں موجود ہیں مگر ہم اس مقام پر اس روایت کا بیان

کرنا چاہتے ہیں جسکو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے مستند تسلیم کیا ہے -

مصنف موصوف نے لکھا ہے کہ " اشعیاہ نبی کے کلام سے (جو اوپر مذکور ہوا)

جو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ قیدار کے خیمہ گاہ اس اخیر حصہ ملک میں تلاش کرنی چاہیئے

اسکی کماحقہ تصدیق اسی نبی کے کلام کے ایک اور مقام سے بھی ہوتی ہے یعنی

ارض قیدار کے بیان سے جسکو ہر شخص جو جغرافیہ عرب سے واقف ہوگا پہچان لیگا کہ

اس قطعہ حجاز کا نہایت صحیح بیان ہے جس میں نامی شہر مکہ اور مدینہ واقع ہیں - جس

شخص کو زیادہ ثبوت اسکی مشابہت کا درکار ہو تو اسکو حجاز کا جغرافیہ جدیدہ معائنہ کرنا

چاہیئے جہاں کہ ینبوع کے قریب شہر ہائے الخضیر اور نبت جو اسمائے معروفہ قیدار

اور نبایوث کی باقاعدہ عربی شکلیں ہیں خط حد کنندہ آجتک چلا آتا ہے اور کسی قدر

معنی رکھتا ہے "

اسکے بعد ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ " یہانتک تو ہمنے قیدار کے آثار

جغرافیہ قائمہ کی استعانت سے دریافت کئے ہیں اب یہ دیکھنا ہے کہ یونانی اور
رومی بیانات کا عربی روایتوں سے مقابلہ کرنے میں کسقدر ثبوت کی زیادتی حاصل ہوتی
ہے - کیونکہ محققین یورپ کی رائے میں عربی روایتوں کی غیر مؤیدہ شہادت کیسی ہی
قابل اعتراض اور مشکوک کیوں نہو مگر منصفانہ بحث کے مسلمہ قواعد کی رو سے
اُن کا قطعی الاتفاق تواریخ دینی اور دنیوی سے انکار کرنا صریح غیر ممکن ہے خود عربوں کی
ہاں زمانہ نامعلوم سے یہ ایک روایت چلی آتی ہے کہ قیدار اور اسکی اولاد ابتداءً حجاز
میں آباد ہوئے تھے - اس شخص کی اولاد میں ہونیکا بالتخصیص قوم قریش جو مکہ کے
والی اور کعبہ کے محافظ تھے ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے اور خود محمد (صلعم) نے قرآن میں
اپنی قوم کی ریاست اور اعزاز کے دعووں کی اسی بنا پر تائید کی ہے کہ اسمعیل کی اولاد
میں قیدار کے سلسلہ سے تھے - ایسی قومی روایت کا اعتبار جیسے کہ یہ ہے تاریخی
روایت کے پایہ کو پہنچ جاتا ہے جبکہ اسکی تائید ایک طرف تو کتب مقدسہ کے ان بیانات
سے ہوتی ہے جن سے قیدار کا اسی حصہ جزیرہ نما میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری
جانب - اریانوس - بطلیموس - پلینی اکبر کے زمانوں میں ملک حجاز میں قوم
کیڈری - ورآئی - کدرون تائی - یاکدیتی کی موجودگی کی غیر مشتبہ اور ناقابل اشتباہ
امر سے اسکی تصدیق ہوتی ہے (جغرافیہ تاریخی جلد ۱ صفحہ ۲۴۰)-

ادبئیل - مشرقی مورخوں نے اس شخص کی نسبت کچھ نہیں لکھا - ریورنڈ مسٹر
فارسٹر کا بیان ہے کہ کتب مقدسہ میں صرف ایک مرتبہ اسکا ذکر آیا ہے - اور انہوں
نے جو بحث کی ہے اسکی سند پر بیان کیا ہے کہ ادبئیل کا ابتدائی مقام سکونت اسکے بھائیوں
کے قرب وجوار میں تھا - اسقدر بیان کے صحیح ہونے میں کچھ شبہہ نہیں ہوسکتا

لیکن جب وہ اُسکے آثار دریافت کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں اور مقاموں کے ناموں میں صرف چند حرف کی مشابہت ہونے سے اُسکے آثار قرار دیتے ہیں تو اس پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔

مبسام۔ حال کے جغرافیہ اور عرب کی تاریخ میں اس شخص کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر کا بھی بیان ہے کہ اس اسمعیل کے نام و نسل کے آثار بہ نسبت اس کے اور بھائیوں کے کمتر اور ضعیف تر ہیں۔ پورا نام نہ قدیم جغرافیہ عرب میں پایا جاتا ہے اور نہ جدید جغرافیہ میں۔

مشماع۔ مشرقی تاریخوں میں اس شخص کا پتہ کچھ نہیں چلتا۔ لیکن اگر ریورنڈ مسٹر فارسٹر کی یہ بات تسلیم کیجائے کہ سفر تکوین اور تواریخ الایام کا مشماع اور یونانی توریت کا مسما اور جو سفس نے جسکو مسماوس اور بطلیوس نے مسی مانیس اور عربوں نے یہی مسما لکہا ہے اس سے ایک ہی شخص یعنی مشماع مراد ہے تو یہ کسیقدر آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کا ابتدائی مقام سکونت نواح نجد میں تھا۔

دوماہ۔ اس شخص کی اولاد اول تہامہ کے جنوب میں مدینہ کے قرب وجوار میں آباد ہوئی مگر جبکہ اسکی اولاد بڑہی تو نقل مکان کرنے کے لئے مجبور ہوئی اور اُس مقام پر آباد ہوئی جہانکہ بالفعل دومۃ الجندل واقع ہے۔ شام اور مدینہ کے درمیان اور بہت سے مقامات ہیں جنکے نام اس شخص کے نام پر ہیں۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور مشرقی مورخوں کا بھی یہی قول ہے جسکی سند ذیل میں مندرج ہے

دومۃ الجندل ... وقد جاء فی حدیث الواقدی دوماۃ الجندل وعدھا ابن السقفیہ من اعمال المدینۃ سمیت بدوم ابن اسمعیل بن ابراھیم وقال الزجاجی

دومان ابن اسمعیل قیل کان لاسمعیل ولد اسمہ دما لعلہ مغیر منہ وقال ابن الکلبی دوما

بن اسمعیل قال ولما کثر ولد اسمعیل عم بالتہامۃ خرج دوماہ بن اسمعیل حتی

نزل موضع دومۃ وبنی لہ حصنا فقیل دوماہ ونسب الحصن الیہ ... قال ابوعبید

السکونی دومۃ جندل حصن وقری بین الشام والمدینۃ قرب جبلی طی ......

ودومۃ من القریات من وادی القری ۔ معجم البلدان ۔

مسا ۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے کہنے میں کہ اس شخص کی اولاد عراق

عرب (الجزیرہ) میں آباد ہوئی تھی بلاشبہہ غلطی کی ہے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ

قوم یمن میں آباد ہوئی اور اس امر کی تائید "موسا" کے نام سے ہوتی ہے جو اب تک

یمن میں موجود ہے ۔ یہ مقام پی کیری صاحب کے نقشہ کے بموجب ۱۳ درجہ ۲۰

دقیقہ عرض بلد شمالی اور ۴۳ درجہ ۲۰ دقیقہ عرض بلد شرقی میں واقع ہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ابتداء نواح حجاز میں متوطن ہوئی تھی مگر اس مقام کی

تنگی کے باعث بعد کو یمن میں چلی گئی جو بوجہ اپنی بے انتہا شادابی اور بہ کثرت پیداوار

کے ملک حجاز پر بدرجہا فوقیت رکھتا تھا ۔

حدر ۔ تواریخ الایام میں اسکو "حدد" لکھا ہے ۔ اس شخص نے جنوبی سمت اختیار

کی اور حجاز میں آبسا ۔ اس امر کی تصدیق بیشمار بیرونی اور اندرونی شہادتوں سے ہوتی

ہے ۔ ایک مسلمان مورخ "الزہیری" حدد" کو منجملہ اُن بیشمار قوموں کے جن میں

عرب کے باشندے منقسم تھے بالتصریح بیان کرتا ہے ۔ یمن میں شہر حدیدہ اور بنی

حدد کا موجود ہونا صریح ہمارے بیان کی صحت پر دلالت کرتا ہے ۔

تیما ۔ حضرت اسمعیل کے پہلے دو بیٹوں کے بعد باعتبار شہرت کے تیما کا درجہ ہے

اس شخص کا ابتدائی مقام سکونت صوبہ حجاز تہا لیکن کسی نہ کسی زمانہ میں اُسکی اولاد تمام وسط نجد میں پہیل گئی اور بعض اُن میں سے خلیج فارس کے ساحل کی برابر برابر منتشر ہو گئی مگر ہمکو حضرت موسی کے کلام کی تصدیق جس سے حضرت اسمعیل کے بیٹوں کی ابتدائی آبادی کی جگہہ پائی جاتی ہے منظور ہے تو ہمکو اُسی مقام کی تحقیق اور تدقیق پر جہانکہ اُن میں سے ہر ایک شخص نے ابتداءً سکونت اختیار کی تہی زیادہ تر توجہہ مبذول کرنی چاہیے نہ اُس جگہہ کی نسبت جہانکہ اُن کی اولاد بعد کو جا بسی ۔

لیتور ۔ روورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اس بات کے یقین کرنے کے واسطے کامل دلیل ہے کہ اس قوم کا ابتدائی مقام سکونت ضلع "جدور" تہا ۔ جبل قاسیون کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق اور شاہراہ حجاج کے مغرب میں ۔

نافیش ۔ مشرقی مورخ کچہہ نہیں بیان کرتے کہ اس شخص نے کہاں سکونت اختیار کی تہی ۔ مگر روورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اس شخص کی اولاد سے ایک قوم عرب کا وادی القری میں موجود ہونا حضرت موسے اور مصنف تواریخ الایام اور جوسفس کی سہ گانہ شہادت سے بلاشک و اشتباہ متحقق ہے ۔

قیدماہ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ملک یمن کے نواح میں آباد ہوا ۔ کیونکہ مسعودی کا قول ہے کہ ایک قوم موسوم بہ "قدمان" یمن میں تہی چنانچہ اُسنے لکہا ہے

اصحاب الرس کانوا من ولد اسمعیل و ھم قبیلتان یقال لاحدا ھما قدمان والاخرے یامین وقیل رعویل وذلک بالیمن ۔ مروج الذھب مسعودی ۔

روورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے خیال کرنے میں عجیب غلطی کی ہے کہ "کاظمہ" جو خلیج فارس پر واقع ہے اور جسکا ذکر ابو الفدا نے کیا ہے اسی قیدماہ سے مطابقت

رکھتا ہے ۔

تمام تلاش اور تفتیش کے بعد جو ہمنے حضرت اسمعیل کی اولاد کے ابتدائی مقام سکونت کے باب میں کی اُس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ اُن کے آثار مین - (حویلاہ) سے لیکر شام (شور) تک پائے جاتے ہیں اور اسطرحپر حضرت موسیٰ کے اُس بیان کی تصدیق ہوتی ہے جو سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ میں مندرج ہے کہ "وہ حویلاہ سے شور تک آباد ہوے جو سامنے مصر کے ہے جبکہ تو آسریا کو روانہ ہو۔

حضرت اسمعیل ۲۰۹۴ دنیوی مطابق ۱۹۱۰ قبل حضرت مسیح کے پیدا ہوے تھے اور گھر سے نکالے جانے کے وقت اُنکی عمر سولہ برس کی تھی - اگراس مدت عمر پر بیس برس اور اضافہ کئے جاویں تو ہمارے نزدیک حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹوں کی ولادت کے واسطے کافی مدت ہوگی ۔ پس ہم اسبات کو کہہ سکتے ہیں کہ ۲۱۳۰ دنیوی یا ۱۸۷۴ قبل حضرت مسیح تک اُنکا کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا۔

ان بارہ بیٹوں نے کوئی اور بڑی شہرت حاصل نہیں کی بجز اسکے کہ عرب کی بارہ مختلف قوموں کے مورث ہوے اور اسی باعث سے یہ قومیں مختلف شعبوں اور فرقوں میں منقسم نہیں ہوئیں بلکہ یکساں حالت میں رہیں ۔ مگر ایک مدت مدید کے بعد عدنان کی اولاد جو قیدار ابن اسمعیل کی نسل میں تھا مختلف شعبوں میں متفرق ہوگئی اور کارہاے نمایاں سے شہرت حاصل کی۔

مشرقی مورخ متفق الراے ہیں عدنان کے دو بیٹے تھے "معد" اور "عک"۔ عک کی نسبت اُنکا صرف اسقدر بیان ہے کہ وہ یمن کو چلا گیا ۔ مگر اُن کتبوں سے جنکو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے عاد کی قوم کے کتبوں سے موسوم کیا ہے اور جو حضرموت

میں بمقام "حصن غراب" دریافت ہوئے ہیں صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُس نے کچھ عرصہ تک اُس ملک میں بادشاہی کی تھی ۔ یہ کتبے مذکورۃ الصدر مقام میں سنہ ۱۸۳۴ء میں آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز سے "پالی نورس" کے افسروں نے دریافت کئے تھے ۔ ان کتبوں کا پورا پورا بیان معہ کتبوں کی نقل کے ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال کے جرنل کی تیسری جلد میں ملیگا ۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں "عک" وہاں کا فرماں روا تھا ۔

اس شاعرانہ کتبہ کی ٹھیک ٹھیک تاریخ قایم کرنے کی غرض سے ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ "عک" عدنان کا بیٹا تھا اور بموجب حدیث حضرت ام سلمہ کے جو آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں عدنان حضرت اسمٰعیل سے چوتھی پشت میں تھا جسکا یہ نتیجہ ہے کہ وہ کتبہ مصر کے قحط سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے لکھا گیا ہوگا لیکن ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس میں بڑی غلطی کی ہے کیونکہ اُنھوں نے اس بات کے ثبوت میں کوئی کافی سند پیش نہیں کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے عدنان کا حضرت اسمعیل کی چوتھی پشت میں ہونا کبھی بیان کیا تھا ۔ انساب کی معتبر روایتوں کے بموجب عدنان آنحضرت صلعم سے بائیس پشت پہلے تھا ۔ اب ایک پشت کی قدرتی میعاد پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عک اُنتالیسویں صدی دنیوی میں یا دوسری صدی قبل حضرت مسیح میں ہوگا ۔

وائلہ ملقب بہ کلیب ابن ربیعہ بھی جو عدنان کی اولاد میں تھا بادشاہ ہوا تھا اور یمن والوں سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا ۔

زہیر ابن جذیمہ اور نیز قیس ابن زہیر بھی باری باری سے حجاز کے بادشاہ ہوئے

۱۱ - جزء سوم

۲۳۶ - سادات بنی فاطمه علیها السلام

تھے مگر ان لوگوں کی تاریخیں کرنے کے واسطے ہمارے پاس کوئی معتبر سند نہیں ہے اسلئے ہم کسیقدر تعین کے ساتھ تاریخیں قرار نہیں دے سکتے لیکن خیال کرتے ہیں کہ یہ وہی زمانہ ہوگا جبکہ سلطنت یمن اور اور سلطنتیں حالت زوال میں تھیں عدنان کی نسل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۰ عیسوی میں پیدا ہوئے اور تمام جزیرہ نماے عرب پر دینی اور دنیوی حکومت حاصل کی۔ عیسائی مصنفوں نے آنحضرت صلعم کے نسب نامہ کی نسبت بہت کچھ لکھا ہے اور اُسکو غیر مثبت قرار دینے کے لئے سعی بیجا حاصل کی ہے اور یہ مناسب موقع تھا کہ ہم بھی اس بحث میں شامل ہوتے اور عیسائی مصنفوں کے ہر ایک اعتراض کی تردید کرتے لیکن چونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ اس مضمون پر ایک جداگانہ خطبہ لکھیں گے اسلئے بالفعل اس بحث کا ملتوی کردینا مناسب ہے۔

دوم۔ ابراہیمی یا بنی قطورہ

توریت مقدس میں لکھا ہے کہ "دیگر ابراہیم زنے گرفت کہ اسمش قطوراہ بود وبرایش زمران ویقشان ومدان ومدیان ویشباق وشرح را زائید ویقشان شبا ودوان را تولید نمود وپسران دوان اشوریم ولطوشیم ولومیم بودند وپسران مدیان عیفاہ وعیفر وحنوک وابیداع والداعاہ بودند تمامی ایشان پسران قطوراہ بودند۔ پس ابراہیم تمامی مایملک خود را بہ اسحق داد" (سفر تکوین باب ۲۵ درس الغایت ۵)۔

یہ سب لوگ عرب کو چلے گئے اور اُس قطعہ میں آباد ہوے جو حدود حجاز سے خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے اور اُن کے نشانات ابتک جو اُس ملک میں واقع

میں پائے جاتے ہیں۔

انہی ابراہیموں میں سے حضرت شعیب نبی کو خدائے تعالیٰ نے اقوام عمالقہ اور مدیان کو اپنی خالص عبادت کی تلقین اور ہدایت کرنے کے واسطے مبعوث کیا تھا۔ مگر ہم ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ یہ نبی کس زمانہ میں ہوئے تھے۔ لیکن اگر ہم یثرو کاہن مدیان کو جنکا ذکر سفر خروج باب ۱۸ ورس ۱ و ۲ میں ہے اور شعیب کو ایک ہی شخص خیال کریں جیسا کہ عرصہ دراز سے لوگوں کو گمان ہے تو البتہ یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ یہ نبی اسوقت میں تھے جبکہ حضرت موسی بنی اسرائیل کو مصر سے نکالکر لائے تھے

سوم۔ادومی یابنی عیسو

عیسو یعنی ادوم کی تین بیویاں تھیں۔ عاداہ۔ اھلیباماہ۔ باسمث۔ دختر حضرت اسمعیل دخواہر نبابوث۔ پہلی بیوی سے "الی فز" پیدا ہوا دوسری بیوی سے یعوش اور یعلام اور قورح پیدا ہوے۔ تیسری سے رعوئیل پیدا ہوا۔ الی فز کے بیٹے تیمان اومر۔ صفو۔ گعتم۔ قنز۔ عمالیق تھے۔ رعوئیل کے بیٹے۔ نحث۔ زرح۔ شماہ۔ مزاہ پیدا ہوے (سفر تکوین باب ۳۶)

عیسو کی تمام اولاد قریباً کوہ سعیر کے قرب وجوار میں آباد ہوئی تھی۔ بعض نے ان میں سے اپنی سکونت عرب الحجر میں اور حجاز کی شمالی سرحد پر اختیار کی تھی مگر اُن لوگوں کی تعداد اسقدر کم تھی کہ اسی وجہ سے بعض مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ عیسو کی اولاد کبھی عرب میں آباد نہیں ہوئی۔

چہارم۔ بنی ناحور

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "عوص" اور "بوز" (دیکھو سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۲۱) پسران ناحور برادر ابراہیم شمالی عرب کی بیشمار قوموں کے مورث تھے اور اسکی سند میں کتاب ایوب باب ۱۔ ورس ۱۔ اور نیاحات یرمیاہ باب ۴۔ ورس ۲۱۔ اور کتاب یرمیاہ باب ۲۵۔ ورس ۲۰ کا حوالہ دیتے ہیں۔

پنجم۔ بنی ہاران

سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ "یہ قوم بہ نسبت دیگر اقوام متذکرہ بالا کے سب سے زیادہ شمال کی جانب رہتی تھی۔ ان کے نہایت جنوبی مقامات بحر لوط (ڈڈسی) کے مشرق میں واقع تھے اور ان میں عمدہ سبزہ زار "بلکا" اور "کوک" کے شامل تھے۔

ہاران کے بیٹے حضرت لوط تھے۔ حضرت لوط کے بیٹے مواب اور بن عمی تھے توریت مقدس میں ان کے پیدا ہونیکا نہایت ناپاک واقعہ اس طرح پر لکھا ہے۔ "و لوط از صوعر بر آمد و در کوہ ساکن شد و دو دختر انش بہمراہش زیرا کہ از سکون در صوعر ترسید و او و دو دخترانش در مغارہ ساکن شدند۔ و دختر بزرگ بہ دختر کوچک گفت کہ پدر ما پیر شد و کسے در زمین نیست کہ موافق عادت کل زمین بما در آید۔ بیا پدر خود را شراب بنوشانیم و با او بخوابیم و از پدر خود نسلی را زندہ نگاہ داریم۔ پس در آں شب پدر خویشتن را شراب نوشانیدند و دختر بزرگ داخل شدہ با پدر خود خوابید و او نہ بوقت

خوابیدنش و نہ بوقت برخاستنش اطلاع بہم رسانید - در روز دیگر واقع شد کہ دختر بزرگ بہ دختر کوچک گفت کہ اینک دیشب با پدر خود خوابیدم امشب نیز او را شراب بنوشانیم و تو درآمدہ با او بخواب و از پدر خود نسلے را زندہ نگاہ داریم - وآں شب نیز پدر خود را شراب نوشانیدند و دختر کوچک برخاستہ با او خوابید کہ او نہ بوقت خوابیدنش و نہ بوقت برخاستنش اطلاع بہم رسانید - و دو دختر لوط از پدر خود شاں حاملہ شدند - و دختر بزرگ پسرے را زائید و اسمش را مواب نامید کہ تا بحال پدر موابیان واست - و دختر کوچک او نیز پسرے را زائید و اسمش را بن عمی نامید کہ تا بحال پدر بنی عموں او است" (سفر تکوین باب ۱۹ درس ۳۰ لغایت ۳۹) -

حضرت لوط اور اُن کی بیٹیوں کی نسبت جو کچھ اس مقام میں لکھا ہے عیسائی اُس سب کو قبول کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ حضرت لوط نے اپنی صلبی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی مگر ایسا یقین کرنا درحقیقت تضحیک کے قابل ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو کیا یہ ایک مقدس شخص کی تہذیب اور متانت کے متناقض نہیں ہے؟ اور کیا حضرت لوط جیسے پاک شخص کے خلاف شان نہیں ہے؟ -

مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور قرآن مجید میں اگرچہ لوط کا قصہ ہے مگر اُس میں یہ بات کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی مذکور نہیں ہے -

توریت مقدس میں جو کچھ بیان ہے اُسکی نسبت ہم خیال کرتے ہیں کہ جو معنی عیسائی مصنفوں نے لئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں - آٹھویں درس میں لوط کا قول لکھا ہے کہ "مرا دو دختر ایست کہ مردے را ندانستہ اند تمنا اینکہ ایشاں را بہ شما بیروں آورم و با ایشاں آنچہ در نظر شما پسند است بکنید"

قرآن مجید میں اس جگہہ تثنیہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ جمع کا ہے جیساکہ سورہ ہود میں ہے "ھؤلاء بناتی ھن اطہر لکم" اور سورہ حجر میں ہے" قال ھؤلاء بناتی ان کنتم فاعلین"۔ مسلمان عالموں کا قول مختار یہ ہے کہ لفظ" بنات" سے حضرت لوط کی صلبی بیٹیاں مراد نہیں ہیں بلکہ قوم کی عورتیں مراد ہیں اور یہ بات حضرت لوط نے اس مراد سے کہی تھی جیسے کہ وہ ہمیشہ اُن کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم اپنی خراب عادت فعل خلاف فطرت انسانی کو چھوڑدو اور عورتوں سے نکاح کرو اور اُن کے ساتھ رہو کہ وہ تمہارے لئے پاکیزہ زندگی ہے۔

توریت مقدس میں اس مقام پر لفظ بنوت בנות آیا ہے جو معنی بنت کو ہے۔ مگر جس طرح عربی زبان میں بنت کا استعمال سوائے صلبی بیٹیوں کے اور عورتوں پر بھی ہوتا ہے اسی طرح عبری زبان میں بھی عام عورتوں پر بھی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ولیم اسمتھ کی عبرانی ڈکشنری میں لفظ"بث" اور لفظ"بنوث" کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عام عورتوں پر بھی بولا جاتا ہے جیساکہ کتاب امثال سلیمان باب ۱۲ ورس ۲۹ میں استعمال ہوا ہے پس اس مقام میں بھی اس لفظ سے اصلی بیٹیاں مراد نہیں ہیں عورتیں مراد ہیں بلکہ غالباً لونڈیاں ۔کیونکہ حضرت لوط کی جو بیبیاں تھیں جیسے کہ سفر تکوین باب ۱۹ ورس ۱۲ میں لکھا ہے اُنکی شادیاں ہوچکی تھیں اور اُنکے شوہر موجود تھے۔

جب حضرت لوط سدوم سے فرار ہوئے تو اُن کے داماد اور اُن کی بیٹیاں اُن کے ساتھ نہیں گئے صرف حضرت لوط کی بیوی اور وہی دو عورتیں جنکا اوپر ذکر ہوا اور جن کو بیٹیاں کرکے تعبیر کیا ہے اور جو غالباً لونڈیاں تھیں ساتھ گئی تھیں۔ رستہ میں اُنکی بیوی زندہ نہیں رہی صرف وہی دو چھوکریاں اُنکے ساتھ تھیں۔

قرآن مجید میں اگرچہ اس مقاربت کا جو مغارہ کوہ میں ان دونوں چھوکریوں نے
حضرت لوط کے ساتھ کیا کچھ ذکر نہیں ہے ۔ لیکن جو کچھ کہ توریت مقدس میں لکھا ہے
اگر اسکو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان دونوں چھوکریوں کا حضرت لوط کی اصلی بیٹیاں
ہونا اسی وجہ سے بجنسہٖ اوپر بیان کی قابل یقین کے نہیں ہے ۔ اور جبکہ وہ
روایات توریت یا قرآن کے ساتھ مقاربت گو کہ وہ دھوکے ہی سی ہوئی ہو بموجب اس
زمانہ کی شریعت کے ناجائز تھی

سفر تکوین باب ١٩ ورس ٣٠ و ٣٤ میں لکھا ہے کہ ان دونوں چھوکریوں نے
حضرت لوط کو باپ کہکر تعبیر کیا ہے اس کہنے سے بھی ان چھوکریوں کا اصلی
بیٹیاں ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ باپ کا لفظ بہت زیادہ عام ہے اور اسکا اطلاق
ایک اور بزرگ شخص پر عموماً ہوتا ہے ۔

سر ولیم میور کے اس بیان کو کہ بنی عمان عرب کے کسی حصہ میں آباد نہیں ہوئے
بلکہ شمال عرب میں رہے ہم تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے نزدیک بنی عمان خلیج فارس
کے برابر برابر بستے تھے اور ان کا نام ابتک اس حصہ عمان میں پایا جاتا ہے جو
تمام قطعہ کے درمیان موجود ہے ۔ اگر بنی عمان عرب میں آباد نہیں ہوئے تھے
جیسے کہ سر ولیم میور کی رائے ہے تو انکو اقوام عرب میں شمار کرنا مناسب نہ تھا ۔

تمام عرب المستعربہ میں جو تارح کی نسل سے ہیں صرف بنی اسمعیل ہی کی کثرت
ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد مختلف قوموں اور شعبوں میں منقسم ہو گئے ۔ مگر ان کے
مقابل کی قومیں ایک سکون اور غیر متبدل حالت میں رہیں ۔

جبکہ ہم ان قوموں کے شعبوں کا شمار اور حال بیان کرینگے تو یہ بات ظاہر ہوگی

کہ ایک قوم کے کسی شخص کو اپنی قوم چھوڑ کر دوسری قوم میں جا ملنا اگر بالکل ناممکن تھا تو حد سے زیادہ دشوار تو ضرور تھا خصوصاً اس وجہ سے کہ اُس زمانہ میں تمدنی حالت نہایت محدود تھی اور لوگ اپنے مورثوں کے کارہائے نمایاں کی بڑی عظمت کرتے تھے اور اُنکو فخریہ یاد رکھتے تھے اور ہر ایک شریف قوم کا آدمی خود سرائی کا بندہ تھا اور بالتخصیص عرب کی مختلف قومیں اپنی قوم کی امتیاز موجودہ کو قایم اور برقرار رکھنے اور اپنی قوم کو اَور قوموں کی ملاوٹ سے علیحدہ رکھنے میں نہایت درجہ محتاط تھیں۔

مندرجہ ذیل فہرست اُن قوموں کی ہے جو سکون اور غیر مبدل حالت میں رہیں۔

(۱) بنی ناحور ابن ترح سے۔ بنوناحور (۲) ہاران ابن ترح سے۔ بنو ہاران

(۳) مواب ابن لوط ابن ہاران ابن ترح (۴) عمان ابن لوط سے۔ بنو عمان

سے بنو مواب۔

(۵) اولاد ابراہیم سوے اولاد اسمعیل سے (۶) اولاد ابراہیم لبطن قطورہ سے۔

بنو ابراہیم۔ بنو قطورہ۔

(۷) عیسو عرف ادوم ابن اسحٰق ابن ابراہیم سے۔ بنو ادوم۔

مندرجہ ذیل قومیں اسمعیل کی اولاد میں ہیں جو بمقابل اور قوموں کے بہت جلد بڑھ گئیں اور عرب کے تمام ملک میں پھیل گئیں۔

(۸) اسمعیل ابن ابراہیم سے۔ بنو اسمعیل۔ مگر اسمعیل کے بارہ بیٹوں کے نام سے علیحدہ علیحدہ بارہ قومیں چلیں۔

(۹) نبایوث سے۔ بنو نبایوث۔ (۱۰) قیدار سے۔ بنو قیدار

(۱۱) ادبئیل سے۔ بنو ادبئیل (۱۲) مبسام سے بنو مبسام۔

(۱۳) مشماع سے - بنو اشماع (۱۴) ذوماہ سے - بنو ادوماہ -

(۱۵) مسا سے - بنو امسا (۱۶) حدر سے - بنو احدر -

(۱۷) تیما سے - بنو تیما (۱۸) یطور سے - بنو ایطور -

(۱۹) نافش سے بنو انافش - (۲۰) قیدماہ سے - بنو اقیدماہ -

حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹوں میں سے قیدار کی اولاد نے ایک عرصہ کے بعد تمام ملک کی مختلف شاخوں میں متفرع ہوگئیں - مگر بہت صدیوں تک یہ بھی اپنی اصلی حالت پر رہی اور مدت تک اُن میں ایسے لائق اور نامی اشخاص جنہوں نے اپنی لیاقتوں اور عجیب وغریب قابلیتوں کی وجہ سے نامور ہونے کا استحقاق حاصل کیا ہو یا سلطنتوں اور قوموں کے بانی ہوئے ہوں پیدا نہیں ہوئے اور اسی وجہ سے قیدار کی اولاد کی تاریخ کے سلسلہ کو مرتب کرنے میں بہت سی صدیوں کا فصل واقع ہوجاتا ہے - مگر یہ ایک ایسا امر ہے جس سے عرب کی قومی اور ملکی روایت کی جو حضرت اسمعیل کی نسبت چلی آتی ہے کماحقہ تصدیق ہوتی ہے - کیونکہ ایک جلاوطن ماں اور بیٹے کی اولاد کی کثرت اور ترقی کے واسطے جو ایسی بیکسی اور مصیبت زدہ حالت میں خانہ بدر کی گئی تھی ضرور بلکہ یقیناً ایک عرصہ درکار ہوا ہوگا - خصوصاً ایسی ترقی کے واسطے جس نے انجام کار اُنکو دنیا کی تاریخ میں ایک نہایت نامور اور ممتاز جگہہ پر پہونچایا اور اُن کی اولاد نے ایسے ایسے کارنمایاں کئے جن کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی -

مگر باوجود ان تمام باتوں کے ہم عرب کی تاریخ میں قیدار کی اولاد میں اُس قوم کی ابتدا سے اسوقت تک کہ اسکو شہرت ہوئی آٹھ نام پاتے ہیں یعنی - حمل - نابت

سلامان ۔ الہمیسع ۔ الیسع ۔ آدد ۔ آد ۔ عدنان ۔

یہ وہی عدنان ہے جسکا بیٹا عک یمن کا بادشاہ ہوا تھا اور جسکا ذکر ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ۔

مندرجہ ذیل قبائل عدنان کی اولاد میں ہیں

(۲۱) ۔ ایاد ابن معد ابن عدنان سے ۔ ایادی ۔ (۲۲) قنص ابن معد سے ۔ قنصی ۔

(۲۳) ۔ مضر ابن نظر ابن معد سے ۔ بنو مضر ۔ (۲۴) ۔ ربیع ابن نضر ابن معد سے ۔ بنو ربیعہ ۔

(۲۵) ۔ اسد ابن ربیع سے ۔ بنو اسد ۔ (۲۶) ضبیعہ ابن ربیعہ سے ۔ بنو ضبیعہ ۔

قبائل ذیل ضبیعہ کی اولاد میں ہیں

(۲۷) ۔ بنو ابو الکلب ۔ (۲۸) ۔ بنو شحنہ ۔

(۲۹) ۔ جدیلہ ابن اسد ابن ربیعہ سے ۔ بنو جدیلہ ۔ (۳۰) ۔ عنزہ ابن اسد سے بنو عنزہ ۔

(۳۱) ۔ عمیر ابن اسد سے ۔ بنو عمیر ۔ (۳۲) ۔ عبد القیس ابن افصی ابن دعمی ابن جدیلہ سے ۔ بنو عبد القیس ۔

(۳۳) ۔ الدیل ابن شن ابن افصی ابن عبد القیس سے ۔ بنو الدیل شنی ۔

قبائل ذیل الدیل کی اولاد میں ہیں

(۳۴) بنو لبشہ ۔ (۳۵) ۔ ضوحان ابن ودیعہ ابن لکیز ابن افصی ابن

عبدالقیس وائلہ سے - بنواوائلہ

(٣٦) - انمار ابن عمرو ابن وادیہ سے - بنوانمار (٣٧) - عجل ابن عمرو سے - بنوالعجل قیسی -

(٣٨) - محارب ابن عمرو سے بنوالمحارب - (٣٩) - الدیل ابن عمرو سے - بنوالدیل

قبایل ذیل الدیل کی شاخ ہیں

(٤٠) - بنواہوحان (٤١) العوق ابن عمرو ابن وادیہ سے -

بنوالعوق یا عوقی

(٤٢) - اولاد بکر ابن ہبیب ابن عمرو ابن (٤٣) - بکر ابن وایل ابن قاسط سے -

غنم ابن تغلب ابن وایل ابن قاسط بنوابکر -

ابن جنب ابن اقصی ابن دومی ابن جدیلہ (٤٤) - ثعلب ابن وایل ابن قاسط

سے - الاراقم سے - بنوالثعلب -

قبایل ذیل ثعلب کی اولاد میں

(٤٥) - بنواعکب - (٤٦) - بنواعدی - (٤٧) - بنوا کنانہ یا قریش ثعلب -

(٤٨) - بنوازہیر - (٤٩) - بنواعتاب - (٥٠) - غنم ابن ہبیب ابن کعب ابن

یشکر ابن وایل سے - بنواغنم -

(٥١) - بجیم ابن صعب ابن علی ابن بکر سے - بنوالجیم -

قبایل ذیل بجیم کی اولاد میں ہیں

(۵۲) - بنو اہفان - (۵۳) بنو عجل - (۵۴) - اولاد مالک ابن صعب سے -
بنو ازبان

(۵۵) - ذہل ابن ثعلبہ ابن عقبہ ابن صعب سے - بنو اذہل (۵۶) - شیبان ابن ثعلبہ سے - بنو شیبان

قبایل ذیل شیبان کی اولاد میں ہیں

(۵۷) - بنو الورثہ - (۵۸) - بنو الجدرہ - (۵۹) - بنو الشقیقہ

(۶۰) - اولاد تیم اللات ابن ثعلبہ سے - اللہازم - (۶۱) - سدوس ابن شیبان ابن ذہل سے - سدوسی

(۶۲) - قمعہ عرف قیس عیلان ابن الیاس ابن مضر سے - قیس عیلانی یا بنو قیس (۶۳) - عمرو ابن قیس عیلان سے - بنو عمرو -

قبایل ذیل عمرو کی اولاد میں ہیں

(۶۴) - بنو اخارجہ - (۶۵) - بنو اوابش - (۶۶) - بنو الیشکر (۶۷) بنو عوف

(۶۸) - بنو ارہم - (۶۹) - بنو ارباح - (۷۰) - سعد ابن قیس عیلان سے - بنو سعد

(۷۱) غطفان ابن سعد سے - بنو غطفان - (۷۲) معن ابن عمر ابن سعد سے - بنو معن -

(۷۳) غنی ابن عمر سے - بنو غنی -

قبایل ذیل غنی کی اولاد میں ہیں

(۷۴) - بنو ضبینہ - (۷۵) - بنو بہثہ (۷۶) بنو اسید -

(۷۷) - منبہ بن عمرو سے - بنو منبہ -

قبائل ذیل منبہ کی اولاد میں

(۷۸) بنو جسر (۷۹) - بنو سنان (۸۰) - اشجع ابن غطفان ابن صعب سے - بنو اشجع -

قبائل ذیل اشجع کی شاخ میں

(۸۱) - بنو وہمان - (۸۲) - ذبیان بن بغیض ابن ریس ابن غطفان سے - بنو ذبیان -

قبائل ذیل ذبیان کی اولاد میں

(۸۳) - بنو فزارہ - (۸۴) - بنو العشراء (۸۵) - عبس ابن بغیض سے - بنو عبس

(۸۶) - سعد ابن ذبیان ابن بغیض سے - بنو سعد -

قبائل ذیل سعد کی اولاد میں

(۸۷) - بنو ابجاش - (۸۸) - بنو ابیج - (۸۹) - بنو حشور -

(۹۰) - خصفہ ابن قیس عیلان سے - بنو خصفہ -

قبائل ذیل خصفہ کی شاخ میں

(۹۱) - بنواجسر (۹۲) - ابومالک بن عکرمہ ابن خصفہ سے - بنوابومالک -

(۹۳) - منصورابن عکرمہ سے - بنواسلیم -

قبایل ذیل منصور کی اولاد میں ہیں

(۹۴) - بنواحرام - (۹۵) - بنواخفاف - (۹۶) - بنواسمان - (۹۷) بنوائل

(۹۸) - بنواذکوان - (۹۹) - بنواسطرود - (۱۰۰) بنوابہز - (۱۰۱) - بنواقنفذ -

(۱۰۲) - بنوازعاعہ - (۱۰۳) - بنواشرید - (۱۰۴) بنواقبتہ -

(۱۰۵) - سلامان ابن عکرمہ سے - سلامانی - (۱۰۶) ہوازن ابن منصور سے - بنواہوازن

(۱۰۷) مازن ابن منصور سے - بنوامازن (۱۰۸) سعدابن بکرابن ہوازن سے - بنواسعد

(۱۰۹) نصرابن معاویہ ابن بکر سے - بنوانصر (۱۱۰) - مرہ ابن صعصعہ ابن معاویہ سے - بنوامرہ یا بنواسلول

(۱۱۱) نمیرابن عامرابن صعصعہ سے - نمیری (۱۱۲) ہلال ابن عامر سے - بنواہلال

(۱۱۳) ربیعہ ابن عامر سے - بنوامجد - (۱۱۴) اولادعمرو ابن عامر سے - بنواالبکا -

(۱۱۵) معاویہ ابن کلاب ابن ربیعہ سے - بنوامعاویہ -

(۱۱۶) جعفرابن کلاب سے - بنواجعفر (۱۱۷) اولادعمروابن کلاب سے - بنوادوان

(۱۱۸) - اولادعبداللہ ابن کعب ابن ربیعہ سے - بنواالعجلان -

(۱۱۹) اولادقشیرابن کعب سے - بنواضمرہ - (۱۲۰) اولادمنبہ ابن ہوازن سے - ابوثقیف

قبایل ذیل ابوثقیف کی اولاد میں ہیں

(۱۲۱) بنوامالک (۱۲۲) بنواحلاف ۔ (۱۲۳) طابخہ ابن الیاس ابن مضر سے ۔ بنواطابخہ یابنواخندف ۔

(۱۲۴) تیم ابن عبدمنات ابن عدابن طابخہ سے بنوتیم ۔

(۱۲۵) عدی ابن عبدمنات سے ۔ (۱۲۶) ۔ ثورابن عبدمنات سے ۔ ثوری ۔ بنواعدی ۔

قبائل ذیل عبدمنات کی اولاد میں ہیں

(۱۲۷) الرباب ۔ (۱۲۸) بنوانصر (۱۲۹) بنوامازن (۱۳۰) ۔ بنوالسیل ۔

(۱۳۱) بنواعائذہ ۔ (۱۳۲) بنواتیم اللات (۱۳۳) ۔ بنوازبان ۔ (۱۳۴) بنواعوف ۔

(۱۳۵) بنوشیم ۔ (۱۳۶) ۔ بنواالزحل (۱۳۷) بنوابجالہ ۔

(۱۳۸) مزینہ ابن عدابن طابخہ سے مزنی ۔ (۱۳۹) مرابن عد سے ۔ بنواظاعنہ ۔

قبائل ذیل ظاعنہ کی شاخ ہیں

(۱۴۰) بنواصوفہ ۔ (۱۴۱) تمیم ابن مر سے ۔ بنوتمیم ۔

قبائل ذیل تمیم کی اولاد میں ہیں

(۱۴۲) ۔جبطات ۔ (۱۴۳) ۔ بنواعصیہ ۔ (۱۴۴) ۔ البراجم ۔ (۱۴۵) ۔ بنواکلیب ۔

(۱۴۶) بنواریاح (۱۴۷) بنوامرہ (۱۴۸) ۔ بنوامقرہ ۔ (۱۴۹) بنواحمان ۔

(۱۵۰) بنواحنظلہ ۔ (۱۵۱) بنوادارم (۱۵۲) بنواعدویہ (۱۵۳) بنوالطہیہ ۔

(۱۵۴) آل صفوان۔ (۱۵۵) آل عطارد (۱۵۶) بنو اعوف۔

(۱۵۷) مدرکہ ابن الیاس ابن مضر سے۔ (۱۵۸) ہذیل ابن مدرکہ سے۔ بنو ہذیل۔
بنو امدرکہ یا بنو اخندف۔ یا ہذیلی۔

(۱۵۹) تیم ابن سعد ابن ہذیل سے۔ (۱۶۰) حریب ابن سعد سے۔ بنو حریب
بنو تیم۔

(۱۶۱) مناعہ ابن سعد سے۔ بنو مناعہ۔ (۱۶۲) خناعہ ابن سعد سے۔ بنو اخناعہ۔

(۱۶۳) جہم ابن سعد سے۔ جہمی۔ (۱۶۴) آعثم ابن سعد سے۔ عثمی۔

(۱۶۵) حرث ابن سعد سے۔ حرثی۔ (۱۶۶) خزیمہ ابن مدرکہ سے۔ بنو اخزیمہ

(۱۶۷) الہون ابن خزیمہ سے۔ بنو الہون۔

قبایل ذیل الہون کی اولاد میں ہیں

(۱۶۸) بنو القارہ (۱۶۹) عضلی (۱۷۰) الدیثی۔

(۱۷۱) اسد ابن خزیمہ سے۔ بنو اسد۔ (۱۷۲) دودان ابن اسد سے۔ دودانی

(۱۷۳) کاہل ابن اسد سے۔ کاہلی (۱۷۴) حلمہ ابن اسد سے۔ حلمی۔

(۱۷۵) عمرو ابن اسد سے۔ عمری۔

قبایل ذیل عمرو کی اولاد میں ہیں

(۱۷۶) بنو اقعص (۱۷۷) بنو الصیدا (۱۷۸) بنو النصر (۱۷۹) بنو الزنیہ

(۱۸۰) بنو اعاضرہ (۱۸۱) بنو انعامہ (۱۸۲) کنانہ ابن خزیمہ سے۔ بنو کنانہ۔

(۱۸۳) مالک ابن کنانہ سے - بنو امالک -

قبائل ذیل مالک کی اولاد میں ہیں

(۱۸۴) بنو فقیتن - (۱۸۵) بنو افراس - (۱۸۶) بنو ابجر -

(۱۸۷) ملکان ابن کنانہ سے - بنو الملکان -

(۱۸۸) عبد مناۃ ابن کنانہ سے - بنو اعبد مناۃ -

قبائل ذیل عبد مناۃ کی اولاد میں ہیں

(۱۸۹) بنو امدلج - (۱۹۰) بنو اجزیمہ - (۱۹۱) بنو الیث - (۱۹۲) بنو الدیل -

(۱۹۳) بنو اضمرہ - (۱۹۴) بنو غفار - (۱۹۵) بنو اعریج -

(۱۹۶) عمرو ابن کنانہ سے - عمریون - (۱۹۷) عامر ابن کنانہ سے - عامریون -

قبائل ذیل کنانہ کی شاخ ہیں

(۱۹۸) الاحابیش - (۱۹۹) نضر ابن کنانہ سے - بنو النضر -

(۲۰۰) مالک ابن نضر سے - بنو امالک (۲۰۱) الحرث ابن مالک سے - مطیبین -

قبائل ذیل الحرث کی شاخ ہیں

(۲۰۲) بنو الخلج - (۲۰۳) فہر ابن مالک سے - بنو فہر یا قریش

(۲۰۴) محارب ابن فہر سے - بنو محارب (۲۰۵) غالب ابن فہر سے - بنو غالب

(۲۰۶) تیم ابن غالب سے - بنوتیم یا بنوالادرم (۲۰۷) لوی ابن غالب سے - بنوالوی -

(۲۰۸) - عامر ابن لوی سے - بنو اعامر

قبایل ذیل عامر کی اولاد میں ہیں

(۲۰۹) حسل (۲۱۰) معیص - (۲۱۱) سامہ ابن لوی سے - بنو اسامہ -

(۲۱۲) سعد ابن لوی سے - بنو اسعد -

قبایل ذیل سعد کی شاخ ہیں

(۲۱۳) بنانہ - (۲۱۴) خزیمہ ابن لوی سے - بنو اخزیمہ -

قبایل ذیل خزیمہ کی شاخ ہیں

(۲۱۵) بنو اعایذہ - (۲۱۶) حرث ابن لوی سے - بنو الحرث -

(۲۱۷) عوف ابن لوی سے - بنو العوف (۲۱۸) کعب ابن لوی سے - بنو اکعب -

(۲۱۹) عدی ابن کعب سے - بنو اعدی (۲۲۰) حصیص ابن کعب سے - بنو احصیص

قبایل ذیل حصیص کی اولاد میں ہیں

(۲۲۱) بنو اسہم (۲۲۲) بنو اجمح (۲۲۳) مرہ ابن کعب سے - بنو مر -

(۲۲۴) تیم ابن مرہ سے - بنو امرہ (۲۲۵) مخزوم ابن مرہ سے بنو امخزوم -

(۲۲۶) کلاب ابن مرہ سے - بنو اکلاب - (۲۲۷) زہرہ ابن کلاب سے - بنو ازہرہ -

(۲۲۰) قصی ابن کلاب سے - بنو قصی یا مجمع -

قبائل ذیل کلاب کی اولاد میں ہیں

(۲۲۱) نوفلیون (۲۲۲) عبد الدار ابن قصی سے - داری -

قبائل ذیل عبد الدار کی شاخ میں

(۲۲۳) شمسی (۲۲۴) امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف ابن قصی سے - بنو امیہ

(۲۲۳) ہاشم ابن عبد مناف سے - بنو ہاشم -

(۲۲۴) عبد المطلب ابن ہاشم سے - بنو مطلب -

(۲۲۵) عباس ابن عبد المطلب سے - عباسی -

(۲۲۶) علی ابن ابو طالب ابن عبد المطلب سے - علوی

(۲۲۷) فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے - سادات بنی فاطمہ علیہا السلام -

اس مطلب سے کہ اقوام مذکورہ بالا کا سلسلہ بخوبی ذہن نشین ہو جائے اور آسانی سے سمجھ میں آجائے اس مقام پر ایک شجرہ عرب مستعربہ کی قوموں کا شامل کیا جاتا ہے -

عرب کی قوموں کے بیان کو ختم کرتے وقت اس بات کا بیان کرنا مناسب ہے عرب میں ایک دستور تھا کہ ایک ضعیف قوم یا وہ قوم جو زوال کی حالت میں پڑجاتی تھی اکثر اپنے آپ کو کسی زبردست قوم میں ملا دیتی تھی - اس اختلاط کے مقصد کو نہ سمجھنے سے غیر ملک کے مورخ بڑی غلطی میں پڑے ہیں - کیونکہ ان میں سے بعضوں

نے یہ خیال کیا ہے اور بعض مورخ اب تک یہی سمجھتے ہیں کہ ایسا اختلاط نسب کے اختلاط سے علاقہ رکھتا ہے اور اسکے بعد وہ دونوں قومیں ایک ہی لقب یعنی زبردست قوم کے لقب نسبی سے ملقب ہو جاتی ہیں اور اسی بنا پر انکا مقولہ ہے کہ عرب کی قومیں انقلابات اجتماع کے ہمیشہ زیر مشق رہی ہیں۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ وہ دونوں قومیں اس طرح پر مخلوط نہیں ہوتی تھیں کہ ایک ہی مورث اعلیٰ کی نسل سے خیال کی جاتی ہوں بلکہ اس اختلاط کے یہ معنی تھے کہ زیردست قوم زبردست قوم کے تابع اور اس قوم کے قوانین اور رسم و رواج کی پابند ہو جاتی تھی اور ضرورت کے وقت اور ہر ایک امر میں اس قوم کی ساتھی اور مددگار ہوتی تھی۔ دونوں قوموں کے آدمی ایک ہی نامی سردار کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے تھے اور اگر ان دونوں قوموں کے کسی آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا جسکی عوض تمام قوم سے تاوان لئے جانیکا دستور تھا تو وہ تاوان برابر دونوں قوموں پر عاید ہوتا تھا۔

لفظ سراسین کی تحقیق

اس خطبہ کے ختم کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ لفظ "سراسین" کی بابت جو یونانیوں نے زمانہ جاہلیت کے بعض عربوں کی نسبت استعمال کیا ہے اور جسکا اطلاق انجام کار تمام جزیرہ نمائے عرب کے باشندوں پر قبل ظہور اسلام اور نیز بعد ظہور اسلام ہو گیا ہے کچھ گفتگو کیجاوے۔ متعدد مورخوں نے اپنی ذہانت کو اُس لفظ کے ماخذ کے بیان کرنے کی کوشش میں صرف کیا ہے اور ہر ایک نے ایک نیا ڈھنگ اُس کے ماخذ تلاش کرنیکا اختیار کیا ہے جسنے بار ہا پرانے

تعصبات کو ظاہر کر دیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ بات کافی ہے کہ روز نڈ پوکاک صاحب نے اپنی کتاب تاریخ عرب میں جو کچھ اُسکی نسبت لکھا ہے بعینہ اُسکو اس مقام پر ترجمہ کر دیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ اس مضمون پر ہمارے مصنفوں نے ابتک جو کچھ چھاپا ہے اس میں کسی جگہ میں اس امر کی قابل اطمینان دلیل نہیں پاتا ہوں کہ وہ لوگ جو پہلے عرب کہلاتے تھے آخر میں "سراسین" کے نام سے کیوں موسوم ہوئے جن لوگوں نے کہ اس نام کو "سرح" سے مشتق کیا ہے اُنکی رائے کی کماحقہ تردید ہو گئی ہے۔ اب عموماً یہ گمان ہے کہ یہ نام "سرق" (چوری) سے نکلا ہے جس سے ایک وحشی اور لٹیری قوم سے صریح مراد ہے۔ مگر یہ نام اُنکو کہاں سے ملا؟ اس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ یہ نام خود اُنہیں کے ہاں سے نہیں شروع ہوا ہو گا بلکہ کسی اور قوم کی زبان سے یہ لفظ لیا گیا ہے۔ کیونکہ عرب ایسے نام کو جو موجب رسوائی اور ذلت کا ہے اپنے لئے کب گوارا کرتے۔ اب عالمونکو یہ تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا اُن لوگوں کے نام کو جو عام طور پر اور علانیہ قزاقی اور رہزنی کے لئے مشہور ہیں لفظ "سرق" سے مشتق کرنا جائز ہو سکتا ہے جسکے معنی خفیہ چوری کرنے کے ہیں یا نہیں۔

اب اگر کوئی "سراسین" کی تحقیق میں میری تبعیت کرنا چاہے تو اُسکو اپنی آنکھیں شرق کی طرف کھولنی چاہئیں۔ کسواسطے کہ "سراسینس" اور سراسی نائے" کی آواز میں "شرقی" اور اُسکی جمع "شرقیون" اور "شرقیین" کی نسبت کیا فرق ہو گا جسکے معنی اہل الشرق یعنی باشندگان شرق کے ہیں جس طرح کہ سابق میں عربوں کو بالخصوص یہودی خیال کرتے تھے کیونکہ اُنکی سرزمین کا شرقی حصہ (حسب قول سٹاسیطوس) عرب سے محدود

ہے - اسیطرح توریت مقدس (سفر تکوین باب ۱۰ ورس ۳۰) یقطان کی اولاد کو جو عرب تھی مشرق میں بیان کرتی ہے یعنی ساحل کے اس حصہ پر جو ابین "بشام" اور "سفار" کے جو مشرق میں ایک پہاڑ ہے واقع ہے - یعنی اگر آر ساڈیاس "قابل اعتبار ہو" من مکتہ الی ان تجئی مدینتہ الجبل الشرقی" یعنی مکہ سے وہاں تک کہ تم اس مشرقی پہاڑ کے شہر تک آ ؤ یا جیسا کہ مسودہ "کوڈکیس" میں مرقوم ہے " ای المدینتہ الشرقی" یعنی مشرقی شہر تک (جس سے میری نسبت میں مدینہ (منورہ) مراد ہے) جو جانب شرق واقع ہے - حضرت سلیمان کی عقل בְּנֵי קֶדֶם تمام اہل الشرق کی عقل سے بڑھکر خیال کی گئی ہے یعنی (حسب بیان اس یہودی کے گو وہ کوئی ہو جس نے کہ صحف ملوک کا عربی میں ترجمہ کیا ہے) "سراسین" یا عربوں کی عقل سے اسطرح یرمیاہ نبی (باب ۴۹ ورس ۲۸) میں اعراب بنی قیدار کو " اہل الشرق" בְּנֵי קֶדֶם کہا ہے - علامہ "ہیوگو گروشیس" بیان کرتا ہے کہ عیسائیان سابق کی یہ راے تھی کہ وہ عقلار جو حسب بیان متی حواری (باب ۲) پرستش کو آئے تھے اور اس کا خود بھی یہی عقیدہ تھا - نناسوس (فولیس میں) لکھتا ہے کہ مینے اپنی سفارت کی جو بجانب بنی عثونیہ بنی حمیر - اور سراسین اور دیگر اقوام پرستش کنندہ کی تھی تعمیل کر دی - اسلئے "سراسینس" کا اور مشرقی اقوام کے زمرہ میں شامل ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ وہ شرق میں آباد تھے - محمد الفروز آبادی - صفی الدین اور اور لوگوں کا بیان ہے کہ مشرق کے چند اور مقامات بھی بدیں وجہ کہ وہ مشرق کے اور حصوں میں واقع تھے بنام "شرقیہ" "شرقیہ" موسوم تھے - اور اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ ہمنے سنا ہے کہ ایسے مقامات کے باشندے اہل الشرق کہلاتے ہیں - ایسی ہی دلیل سے اُن لوگوں کو بھی جو ایسے ملک میں

بستے ہوں کہ بلحاظ اور ملکوں کے "الشرق" یعنی پورب کہلاتا ہو اسی نام سے ملقب
کیوں نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ اپنے اوُن لوگوں کے درمیان جو اپنی ہی بولی میں اپنے
آپ کو مغربی یعنی باشندۂ جزیرہ موری تانیا کہتے ہیں کس طرح پوری پوری تمیز کر سکتے
ہیں - اسی طرح جیسے کہ باشندہائے ملک مغرب "المغاربہ" کہلاتے ہیں وہ لوگ
بھی جو عرب میں متوطن ہیں "مشارقہ" یا "سراسینس" کہے جا سکتے ہیں اور یہ نام اُن کی عادات
و اوضاع کے لحاظ سے نہیں رکھا گیا ہے بلکہ باعتبار اُنکی جائے سکونت کے
رکھا گیا ہے - اسی طرح سے تم اس مشہور و معروف حکیم بوعلی سینا کی اس نامی کتاب
کا نام سراسینک فلاسفی یعنی "الفلسفۃ المشرقیۃ" کچھ اُسکی جاہلیت کی وجہ سے نہیں
کہتے ہو بلکہ اُسکے مشرقی ہونے کے سبب سے - رہی یہ بات کہ عربی حرف ش کا
یونانی ح کی مانند تلفظ ہوا ہے اس سے کوئی دشواری نہیں ہوتی کیونکہ وہ عبرانی
حرف ش کا بھی اسی طرح تلفظ کرتے تھے - لفظ "سراسینس" کا ایک اور مادہ بھی
ہو سکتا ہے یعنی "شرک" اسواسطے کہ وہ خدائے واحد کے شریک قرار دیتے تھے -
لیکن یہ نام جو قدیمی عربوں کی نسبت اسقدر موزوں ہے مسلمان لوگ اُن کا اطلاق
از راہ بے انصافی و ناحق اندیشی عیسائیوں پر کرتے ہیں اور عیسائی اس سے استخفاف
سمجھتے ہیں مگر یہ امر ہمارے مضمون سے علاقہ نہیں رکھتا -

ہمارے اس خطبہ کے ساتھ ملک عرب کا ایک نقشہ بھی ہوگا جس سے امید
ہے کہ اکثر متنازعہ فیہ مقامات مختلف قوموں کی سکونت گزینی کا ٹھیک مقام بہت سے
بیانوں کا صحیح صحیح موقع - پہاڑوں شہروں وغیرہ کی کیفیت و اصلیت
دریافت ہو جائیگی -

شاید اسکے پڑھنے والیکو توقع ہو کہ نامی گرامی شہر مکہ معظمہ کا مفصل حال۔ اسکی بنا کی کیفیت۔ سنگ اسود کی اصلیت۔ اور اُن رسوم کی ابتدا اور اُنکی حقیقت جو بیت اللہ میں کیجاتی ہیں یہ سب باتیں اس خطبہ میں دریافت ہونگی لیکن چونکہ ایسے عظیم الشان اور دلچسپ مضامین کی کامل تشریح کی اس خطبہ میں گنجایش نہ ہوتی اسلئے ہم ان کا بیان ایک اور خطبہ میں کسیقدر تفصیل کے ساتھ کرینگے۔

نقشہ متذکرہ بالا میں ہمنے اُن مقامات کو بھی درج کیا ہے جنکا حوالہ توریت مقدس سے دیا ہے اور اُن کے ساتھ اس پاک کتاب کے مخصوص بابوں اور آیتوں کا بھی حوالہ دیا ہے۔

ان مقامات کے ٹھیک ٹھیک جگھوں کے متعین کرنے میں ہمنے اُس بے بہا نقشہ عرب سے فائدہ اٹھایا ہے جسکو رورنڈ کارٹرٹ پی۔ کیری۔ ایم۔ اے نے مرتب کیا ہے۔

النصوص الباهرة فی حریة الهاجرة علی ما یستفاد من کتب الیهود

افادها

المولوی عنایت رسول چڑیاکوٹی سلمہ اللہ تعالے

ام حضرت اسمعیل علیہ السلام کا نام عبری زبان میں (ہاغار) הָגָר اور عربی میں

(ہاجرہ) ہے یہ بادشاہ مصر کی بیٹی تہیں -

سفر الیشار میں جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے لکہا ہے کہ شہر بابل دار السلطنت نمرود میں جہاں تارح یعنی آزر اور ابراہیم علیہ السلام اور اُنکے تمام خاندان کے لوگ رہتے تہے ایک شخص حکیم ہنرمند ذکی الطبع فطین جو اکثر علوم و صنائع میں کمال رکہتا تہا رہتا تہا اُسکا نام رِقیُوْن רקיון تہا مگر وہ بہت مفلس و محتاج و مفلوک تہا تنگدستی و سختی سے وطن میں رہنا نامناسب سمجہکر مصر کی راہ لی جب وہ وہاں پہونچا اور اُس کی لیاقت و دانشمندی باشندگان مصر پر ظاہر ہوئی تو بادشاہ مصر نے اُسکو براہ قدردانی اعیان سلطنت میں داخل کیا رفتہ رفتہ بالکل حاوی ہوا بالآخر وہاں کا بادشاہ ہوگیا یہ پہلا شخص ہے جسکا لقب فرعون ہوا اسی فرعون کے زمانہ بادشاہت میں بوجہ قحط سالی کے حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے معہ اپنے اہل بیت کے مصر میں تشریف لے گئے۔

رقیون רקיון اور ھاغار הגר دونوں عبری لفظ ہیں اور اس سے استدلال ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں عبرانی یعنی بنی عیبر تہے اور کیا عجب ہے کہ اُسی قبیلہ کے ہوں جس قبیلہ کے حضرت ابراہیم تہے اور ظاہرا اسی خیال سے کہ بادشاہ مصر اُنکا ہموطن یا ہم قبیلہ ہے اس قحط و مصیبت میں حضرت ابراہیم نے مصر میں جانے کا قصد کیا ہو جیسا کہ ہر ایک انسان کو ایسے موقع پر اس قسم کا خیال ہوسکتا ہے

جب حضرت ابراہیم مصر میں پہونچے اور اُنہوں نے حضرت سارہ کا اپنی بی بی ہونا

ظاہر کیا الکہ بہن ہونیکا جو رشتہ تہا وہ ظاہر کیا تو فرعون نے حضرت سارہ سے شادی کرنی چاہی اور حضرت ابراہیم کو بہت کچھہ دیکر حضرت سارہ کو بقصد شادی اپنے گہر لیگیا۔

اس واقعہ سے بہی استدلال ہوسکتا ہے کہ فرعون بادشاہ مصر کو بسبب ہم قوم ہونے کے زیادہ تر حضرت سارہ سے شادی کرنیکی رغبت ہوئی تہی۔

غرضکہ ہنوز شادی ہونے پائی تہی کہ مختلف قسم کے صدمات فرعون پر واقع ہوئے اور اُن کے سبب سے فرعون نے حضرت سارہ کے حال کی زیادہ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابراہیم کی بیوی بہی ہیں اسیوقت فرعون نے اُنکو حضرت ابراہیم پاس بہیجدیا اور ہاجرہ اپنی بیٹی کو بہی اُنکے سپرد کیا۔

فرعون نے جو اپنی بیٹی ہاجر کو حضرت سارہ کے ساتھ کردیا ظاہرا اُس کے کئی سبب معلوم ہوتے ہیں - ابراہیم اور سارہ کی نیکی اور بزرگی اور اُنکا اور فرعون و ہاجر کا ہم قوم ہونا اس بات کے لیئے بڑی رغبت ہوئی ہوگی کہ فرعون اپنی بیٹی کو اُنکی تعلیم اور تربیت اور صحبت میں سپرد کرے کیونکہ مصری اُس کے قوم و قبیلہ سے نہ تہے - علاوہ اسکے اس زمانہ میں اور اُس خاندان میں شادی و بیاہ میں ہم کفو ہونیکا بہت خیال تہا مصر میں رقیبوں فرعون مصر کے خاندان کا کوئی شخص نہ تہا اور یہ بہت بڑی ترغیب اس بات کی تہی کہ ہاجر سارہ کے سپرد کیجاوے تاکہ اُنکی تربیت میں رہے اور کہیں کفو میں اُس کی شادی ہوجاوے - رخصت کے وقت فرعون نے اپنی بیٹے

ہاجرہ کو سمجھایا کہ تیرا رہنا ان کے ساتھ تیرے لیے میرے پاس رہنے سے بہتر ہے۔
اس سمجھانے سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کس خیال سے فرعون نے اپنی بیٹی اُن
کے سپرد کی تھی۔

بعد اسکے جب حضرت ابراہیم معہ ہاجر فرعون کی بیٹی کے وہاں سے چلے تو فرعون
نے انکے ساتھ پیادے مامور کئے تاکہ بہ حفاظت پہونچ جاویں چنانچہ یہ سب لوگ
بہ آرام تمام معہ احمال و اثقال و لونڈی و غلام وغیرہ کے جو بادشاہ مصر نے اُن کو
دئے تھے اپنے ملک میں جہاں اُنہوں نے سکونت اختیار کی تھی بخیر و خوبی
پہونچ گئے اُسوقت ابراہیم ہاجر کی بدولت بہت دولتمند و مالدار ہوگئے چنانچہ
توریت میں لکھا ہے۔

ויעל אברם ממצרים הוא ואשתו וכל־
אשר לו ולוט עמו הנגבה ואברם כבד מאד
במקנה בכסף ובזהב:

ان لفظونکو اس مقام پر عربی خط کے حرفوں میں لکھتے ہیں۔

وَيَعَلْ اَبْرَامَ مِمِصْرَايِمْ هُوَ وَاِشْتُوْ وَكَلْ اِشِرْلو وَلُوطْ عِمُّو
هَنِّغْبَا وَابْرَامْ كَابِيدْ مِيُوْدْ بِمِقْنِهْ وَبَاسِفْ بِزَاهَاب

ترجمہ عربی فصعد ابرام من مصر هو و زوجته وكل ماله و لوط معه الى القبلة
وابرام عظيم جدا بالماشية والفضة والذهب۔

ترجمہ اُردو" اور کوچ کیا ابراہیم نے مصر سے اُس نے اور اُس کی بی بی نے معہ اپنے کل مال کے اور لوط کے شمال کی طرف کو۔ کتاب پیدایش باب ۱۳۔ آیت ۱ و ۲۔

غرضکہ اس مورخ کے بیان سے ظاہر ہے کہ ہاجر بادشاہ مصر کی بیٹی تہیں تعلیم تہذیب کے لئے سارہ کے سپرد کی گئی تہیں اور اُنکا ہموطن ہونا بلکہ ادنی تامل سے اہل خاراں سے ہونا پایا جاتا ہے۔

مفسرین توریت بہی حضرت ہاجر کو بادشاہ مصر کی بیٹی لکھتے ہیں چنانچہ (ربی شلومو اسحاق) نے کتاب پیدائش کے سولہویں باب کی پہلی آیت کی تفسیر میں جو لکھا ہے اسکو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

בַּת פַּרְעֹה הָיְתָה כְּשֶׁרָאָה נִסִּים שֶׁנַּעֲשׂוּ
לְשָׂרָה אָמַר מוּטָב שֶׁתְּהֵא בִתִּי שִׁפְחָה בְּבַיִת
זֶה וְלֹא גְבִירָה בְּבַיִת אַחֵר:

"بَت پَرعَہ ھایثا کشّرا نسیم شنعسو اِسارہ آمر مُوطاب شتّھا بتی شفحہ ببیت زہ ولو گبیرہ ببیت احیر"۔

(ترجمہ عربی) ھی کانت بنت فرعون لما راا الآیات التی اخرجت سارہ قال ما الطیب ان بنتے خادمة فی بیت ذا ولا ان تکون سیدة فی بیت آخر۔

(ترجمہ اردو) "وہ فرعون کی بیٹی تہی جب دیکہا اُن کرامات کو جو بوجہ سارہ واقع ہوئیں

تو کہا بہتر ہے کہ رہے میری بیٹی اُسکے گہر میں خادمہ ہو کر اس سے کہ ہو دوسرے

کے گہر میں ملکہ"

اس عبارت کا ترجمہ اس طرح بہی ہو سکتا ہے کہ "میری بیٹی کا رہنا اسکے خاندان

میں خادمہ ہو کر بہتر ہے کہ دوسرے کے خاندان میں ملکہ ہو کر رہنے سے"

سنہ ۱۸۸۱ء میں بمقام کلکتہ اسی بات کا مباحثہ ہوا تہا اور اکثر یہودیوں نے اس

بات کو تسلیم کیا تہا کہ حضرت ہاجر لونڈی نہیں تہیں بادشاہ مصر کی بیٹی تہیں

توریت مقدس سے کسی طرح حضرت ہاجرہ کا لونڈی ہونا ثابت نہیں ہے نہایت

صاف اور روشن بات ہے کہ اُسوقت کے حالات پر جو ہم نظر کرتے ہیں تو معلوم

ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں لونڈی و غلام دو طرح پر ہوتے تہے شرا سے اور غنیمت سے

یعنی یا تو وہ لونڈی و غلام ہوتے تہے جو لڑائی میں اسیر ہو کر آتے تہے اور وہ

(شبیوث حرب) שבויות חרב کہلاتے تہے یعنی غنیمت جنگ صیف یا وہ

لونڈی اور غلام کہلاتے تہے جو خریدے جاتے تہے اور انکو מקנת כסף

(مقنت کسف) کہتے تہے یا ان کی اولاد لونڈی و غلام ہوتے تہے ילד בית

(یلید بایث ولید البیت) یعنی خانہ زاد مگر حضرت ہاجرہ اُن باتوں سے پاک تہیں پہر وہ

کیونکر لونڈی ہو سکتی تہیں اُنکو لونڈی کہنا محض بہتان ہے۔

اب رہی یہ بات کہ یہودی اُنکو کیوں لونڈی کہتے تہے اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ یہودی

بنی اسمعیل کی ہمیشہ حقارت کرتے ہیں اور ضد و عداوت سے ایسی باتیں جن سے بنی اسمعیل بہ نسبت بنی اسرائیل کے حقیر سمجھے جاویں منسوب کرتے ہیں اور اسی بنا پر اسی سے اُن لوگوں نے غلط طور پر توریت مقدس سے بھی حضرت ہاجر کے لونڈی ہونے پر استدلال کیا ہے مگر وہ استدلال سراپا غلط اور بالکل تحریف ہے جسکو بالتفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔

حضرت سارہ ادہیڑ ہوگئیں تھیں اور اُن کے اولاد نہوئی تھی اسلئے اُنھوں نے حضرت ہاجر کو زوجہ بنانے کی اجازت دی کہ انہیں سے کچھہ اولاد پیدا ہو چنانچہ ہاجر سے حضرت اسمعیل پیدا ہوے اُسکے چند روز بعد حضرت سارہ بھی حاملہ ہوئیں اور حضرت اسحق پیدا ہوے حضرت اسحق کئی برس کے ہوگئے تھے اُن کا دودہ بھی چھٹ چکا تھا اور حضرت اسمعیل اُن سے عمر میں کچھہ بڑے تھے دونوں میں آپس میں کچھہ تکرار ہوگئی جیسا کہ دو بچوں میں ہوجاتی ہے حضرت سارہ کو یہ بات بُری معلوم ہوئی اور اُس لڑائی جھگڑے میں حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی کو اور اُسکے لڑکے کو نکالدو اس مقام پر جو حضرت سارہ نے حضرت ہاجر کو لونڈی کہا اس سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ وہ حقیقت میں لونڈی تھیں بلکہ جس طرح عورتیں لڑائی غصہ میں خصوصاً جبکہ دو عورتوں بلکہ دو سوکنوں میں بچوں پر تکرار ہوجائے ایک دوسرے کو تہتک اور حقارت کے کلمے کہہ اُٹھتی ہیں اسی طرح حضرت سارہ نے بھی یہ لفظ امتہ אמה یعنی لونڈی کا حضرت ہاجر کی نسبت کہا اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ درحقیقت

لونڈی تہیں مگر یہودیوں کو اور جو لوگ یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں اُنکو ایک موقع حضرت
ہاجر کو لونڈی کہنے کا ملگیا۔

حضرت سارہ کی اسبات سے حضرت ابراہیم نہایت ناراض ہوے مگر خدا
نے اُن کی تسلی کی اور کہا کہ اس لونڈی اور بچّہ کی طرف سے رنج مت کر تو اُنکو نکال
دے میں اس لونڈی کے بچّہ سے ایک قوم پیدا کرونگا۔

اس مقام پر جو خدا نے لونڈی کہا وہ بعینہ نقل حضرت سارہ کے قول کی ہے
یعنی سارہ نے جسکو حقارت سے لونڈی اور لونڈی کا بچّہ کہا ہے اُسی سے میں ایک
قوم پیدا کرونگا یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی لایق آدمی کو کہے کہ یہ نالایق کیا کام
کرتا ہے پس اس دوسرے شخص کا بہی اُسکو نالائق کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی
کہ درحقیقت وہ شخص نالائق ہے۔ اور جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ہاجر بیٹی فرعون
بادشاہ مصر کی بلکہ ہم قوم وہموطن ابراہیم کی تہیں اور جو وجوہ رقیت کی اس زمانہ میں
تہیں اُن سے بہی حضرت ہاجر بری تہیں تو اُن الفاظ سے جو لڑائی وجہگڑے وغصہ میں
بولے گئے ہیں کسی طرح اُنکا واقعی لونڈی ہونا مراد نہیں ہوسکتا۔

علاوہ اسکے لفظ امتہ אמה مجازاً محاورہ میں زوجہ پر بہی بولا جاتا ہے یہودیوں
میں دستور تہا کہ دختر کا باپ بروقت شادی کے بعوض دختر کے پسر کے باپ سے
کچہہ روپیہ لیتے تہے تب بیٹی دیتے تہے جیسے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی
بعض قوموں میں دستور ہے اور اس دستور کو بیٹی کا بیچنا کہتے تہے مگر وہ لونڈی

نہوتی تہی بلکہ زوجہ شرعی ہوتی تہی اور تمام حقوق زوجیت کے اُسکو حاصل ہوتے تہے ایسی
زوجہ پر بہی لونڈی کا مجازاً اطلاق ہوا ہے چنانچہ توریت مقدس کی دوسری کتاب باب ۲۱
آیت ساتویں میں لکھا ہے کہ "خدا نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کو بیچے (آمہ) ہونے
کے لئے تو وہ لونڈیوں کی طرح نکل نہ جائیگی اگر وہ اپنے مالک کی نظر میں ناپسند ہو جس
سے اُسنے زفاف نہیں کیا تو فدیہ دیگا بوجہ ناپسند ہونے کے اجنبی قوم کے پاس بیچ
نہیں سکتا اور اگر اپنے پسر کی خلوت میں دیا تو لڑکیوں کے دستور کے موافق برتاؤ ہوگا اور
اگر اُسکے اوپر دوسری کرلی تو حقوق زوجیت یعنی کہانا کپڑا خلوت کم نہ کریگا اور اگر یہ تینوں
امر اس کے ساتھہ نہ کئے جاویں تو بلا زر در چھوٹ جاویگی"۔

جو کہ ان آیتوں سے مسائل فقیہہ مستنبط ہوتے ہیں اسلئے علماء یہود نے اس میں
بہت غور کی ہے کل مباحثہ لکہنا طول ہے مگر جسقدر کہ اس مقام کے مناسب ہے مختصراً
لکہا جاتا ہے۔

ان آیتوں میں لفظ امہ אָמָה سے لونڈی مراد نہیں ہوسکتی اول تو انہی آیتوں سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لونڈی سے بیوی یعنی زوجہ شرعی مراد ہے دوسرے یہ کہ یہ سب
آیتیں بنی اسرائیل کی شان میں ہیں جیسا کہ سیاق دلالت کرتا ہے اور بموجب توریت
مقدس کے لونڈیوں کی طرح بنی اسرائیل کی بیع و شرا جائز نہیں ہے چنانچہ اسکی تفصیل توریت
مقدس کی تیسری کتاب باب ۲۵ - آیت ۴۲ - اور دوسری کتاب باب ۲۲ - آیت ۳ - میں
مندرج ہے - بنی اسرائیل چوری کے جرم میں یا دشمن کی قید میں سے چہڑانے کے لئے
خریدے جاسکتے تہے اور صرف سات برس تک مالک کی بطور غلام کے خدمت کرتے
تہے حضرت یوسف کے بہائی بہی چوری کے جرم میں بطور غلام رکہہ لئے گئے تہے

گروہ غلام نہ تھے۔

• اور اگر فرض کریں کہ اس آیت میں جو احکام ہیں وہ عبری بنی اسرائیل کے لیے ہیں تو بھی آیت کے معنی درست نہونگے کیونکہ عبری بنی اسرائیل لونڈی و غلام پچاسویں برس از خود آزاد ہوجاتے تھے اور آیت میں حکم ہے کہ وہ آزاد نہوگی اس مقام پر تفسیر رشی کی عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے مطلب مذکور ثابت ہوتا ہے۔

אם רעה בעיני אדניה: שלא נשאה חן
בעיניו לכונסה: אשר לא יעדה: שהיה לו
ליעדה להכניסה לו לאשה וכסף קנייתה
הוא כסף קדושיה וכאן רמז לך הכתוב שמצו
ה ביעוד ורמז לך שאינה צריכה קדושים
אחרים:

صورت اسکی عربی خط میں تورات۔

اِم رَاعَه بعيني اَدُونيها شِلُّا ناسئه حين بعيناو لخُو
نساه اَشِرلُو يِعَاداه : شِهَايَا لو ليعاداه لهخينساه لو
لِاِشَّا وِكسف قِنيَّاَه هو كسف قِدُوشِيها وِكَان رَامَز لَاخ
هَكَا تُوب شِمصوه بيعود وِرَامَز لاخ شاينا صريخه
قِدُوشيم آحريم

ترجمہ عربی: وان قبحة بعين بعلها: لانه لخلوتها ما هوى الذي لم يزفها: وكان له ان يزفها ويخلي بها للتزويج وثمن شرايها هو ثمن نكاحها وفي الاية كناية

بامر النکاح وبانہ لایجوز مع الغیر عرسہا ۔

اردو ترجمہ (توریت) اگر بری ہے اپنے خاوند کی نظروں میں (تفسیر) کہ اُسے عیبت نہوئی اُس کے ساتھ خلوت کی (توریت) جس نے زفاف کیا (تفسیر) کہ اسکو مناسب تہا اُس سے زفاف اُس کے ساتھ خلوت کرنا جورو کرنے کے لئے اور قیمت اسکی خرید کی قیمت ہے اسکی شادی کی اور یہاں کنایہ ہے کہ آیت میں حکم شادی کا ہے اور کنایہ ہے کہ وہ دوسرے سے شادی کرنے کی مجاز نہیں ۔

اسی موقع پر اس بات کا بہی خیال کرنا چاہیئے کہ جس طرح ایسی جورو پر جس کی بابت بعوض شادی روپیہ دیا گیا ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہوا اسی طرح ایسی جورو پر بہی جو بطور ڈولہ کے آئی ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہوا ہے جیسکہ ابی غایل حضرت داؤد کی بیوی پر لونڈی اور بیوی کا اطلاق ہوا ہے جس کا ذکر عنقریب آتا ہے اور جو کہ یہ امر حضرت ہاجر کے حال سے بہی نہایت مناسب تہا اسلئے مجازاً اُنکی نسبت بہی امہ یعنی لونڈی بولا گیا مگر جبکہ رقیت کسی طرح ثابت نہیں ہے تو اُس لفظ سے حقیقی لونڈی مراد ہو نہیں سکتی ۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان مقاموں میں بہی آمہ سے جورو مراد ہے مگر سریہ تو یہ کہنا بہی صحیح نہوگا اسلئے کہ جب بنی اسرائیل کی لڑکیاں لونڈیاں ہو ہی نہیں سکتی تہیں تو سریہ کیونکر ہو سکتی ہیں ۔

اور اگر یہ شبہہ کیا جاوے کہ جن مقاموں کا بیان ہوا وہاں قرینہ ہے جس سے امہ سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی مگر جہاں حضرت ہاجر کی نسبت امہ کا اطلاق ہوا ہے وہاں کیا قرینہ ہے جس سے حقیقی معنی چہوڑ کر مجازی معنی لئے جاویں اُس

شبہ کے رفع کرنیکو ناظرین کو ذرا توجہ کی تکلیف دیجاتی ہے ۔

• حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بلکہ اُن کے بعد بھی یہ دستور تھا کہ لونڈی میراث نہیں پاتی تھی چنانچہ اسیوجہ سے لیا اور راحیل یعقوب علیہ السلام کی بیویوں نے اُن سے کہا کہ کیا اب ہمارے لئے اپنے باپ کے گھر میں کچھ حق میراث ہے کیا ہم اجنبیہ نہیں شمار کی گئیں کیونکہ بیچڈالا ہمکو اور قیمت کھا گیا پیدایش باب ۳۱- آیت ۱۴ و ۱۵ -

اور لونڈی کی اولاد جو دوسری سے ہو وہ بھی لونڈی اور غلام ہوتی تھی اُن کے لئے میراث نہ تھی چنانچہ یہ حکم موسے کو بھی دیا گیا اور لونڈی کی اولاد جو مالک سے ہو وہ بیوی کی اولاد کے ساتھ میراث نہیں پاتی تھی جو کچھ انکو باپ اپنی زندگی میں دیدیوے وہی انکو ملتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے قطورہ کی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھہ دیکر الگ کر دیا تھا جیسا کہ کتاب پیدایش باب ۲۵ میں مندرج ہے ۔ جبکہ یہ قاعدہ شرعی معلوم ہوگیا تو اب اصل مطلب کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ جب سارہ نے حضرت ابراہیم سے کہا تھا کہ اس لونڈی اور اُس کے لڑکے کو نکال تو اُسکی وجہہ یہ بیان کی کہ میراث نہ پاوے لونڈی بچہ میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سارہ کو اندیشہ یہی تھا کہ اسمعیل اسحاق کے ساتھ میراث پاوینگے پس اگر ہاجر لونڈی ہوتیں یا اسمعیل لونڈی بچہ ہوتے تو میراث پانیکا خیال کیونکر ہوتا بلکہ اُسوقت کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ زوجہ مطلقا میراث نہیں پاتی تھی اور جس لڑکے کو باپ عاق یعنی ساقط المیراث کر دیتا تھا وہ بھی میراث سے محروم ہوجاتا تھا اس لئے حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ ہاجر کو اور اُسکے لڑکے کو نکال دے یعنی ایک کو طلاق دے اور ایک کو عاق کرے تاکہ دونوں مستحق میراث نہ رہیں یہ قرینہ ہے کہ ان آیتوں میں امہ کا لفظ جو خلاف محل واقع ہوا ہے اُس سے اُس کے

مجازی معنی مراد ہیں اور حقیقی مراد نہیں ہو سکتے علاوہ اسکے اور بہی قرینے قویہ ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے:-

ان مقامات کے سوا کسی مقام میں حضرت ہاجر کی نسبت لونڈی کا لفظ توریت میں نہیں آیا ہے بلکہ شفحہ שִׁפְחָה کا لفظ آیا ہے اور شفحہ کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں انقلوس یہودی نے جس نے توریت کا ترجمہ کالدی زبان میں کیا ہے شفحہ کا ترجمہ امتا جو بمعنی آمہ ہے لکہا ہے اور اس سبب سے اکثر مترجموں نے توریت کے ترجموں میں جو اور زبانوں میں کئے اس لفظ کا لونڈی ترجمہ کیا حالانکہ لونڈی کو عبری زبان میں (امہ) אָמָה کہتے ہیں جو عربی لفظ امۃ کا مترادف ہے اور شفحہ کے معنی خادمہ کے ہیں ہم تفرقہ بتانے کے لئے سموئل باب ۲۵ کی ۴۱ - آیت نقل کرتے ہیں اس سے امہ اور شفحہ کا فرق ظاہر ہو جائیگا -

וַתֹּאמֶר הִנֵּה אֲמָתְךָ לְשִׁפְחָה לִרְחֹץ רַגְלֵי
עַבְדֵי אֲדֹנִי׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکہا جاتا ہے

وَتُومِرْ هِنِّه اَماتِخا لِشِفحَه لِرحُوض رَگلِی عَبدِی اَدُونی

(ترجمہ عربی) وقالت نعم انا امۃ لہ خادمۃ تغسل رجل عبید سیدی -

(ترجمہ اردو) اور کہا ہاں اُس کی لونڈی خادمہ ہے اپنے سردار کے خادموں کا پانوں دہونے کے لئے -

یہ قول ابی غایل حضرت داؤد کی بی بی کا ہے جبکہ حضرت داؤد نے اُس کو پاس نکاح کا پیغام بہیجا تہا اور وہ بطور ڈولہ کے حضرت داؤد کے ہاں آئی تہیں -

شفحہ کے اصلی معنی جیسا اہل لغت لکہتے ہیں قبیلہ کی عورت کے ہیں - مادہ اس

لفظ کا اور (مشاجہ) מִשְׁפָּחָה کا جس کے معنی قبیلہ کے ہیں ایک ہے لیکن
عرف میں اسکے معنی خادمہ کے ہیں پہر اس لفظ سے لونڈی سمجھنا یا غلطی ہے یا تعصب ہے۔
تیسرا مقام جہاں سے اُن کے لونڈی ہونے پر استدلال کرتے ہیں پیدایش باب
۲۵ - پہلی آیت سے ۶ - آیت تک جسکا ترجمہ یہ ہے اور ابراہیم نے پہر عورت کی جس کا نام
قطورہ تہا اور اُس سے زمران - یقشان - مدان - مدیان - لیشباق - شوحہ پیدا ہوے
اور یقشان کو شبا اور ددان پیدا ہوے - ددان کی اولاد اشوریم لطوشیم لاامیم - مدیان کی
اولاد عیفا عیفر حنوخ ابی دع اور الداعا یہ سب قطورہ کی اولاد ہیں - اور دیا ابراہیم نے جو کچھہ
اُن کے تہا اسحاق کو - اور سریہ کی اولاد کو ابراہیم نے اپنی حیات میں کچھہ دیکر اسحاق کے
پاس سے نکال دیا پورب طرف شرقی عرب میں - یہاں چہٹی آیت میں واقع ہے וְלִבְנֵי
הַפִּילַגְשִׁים لِبْنֵי هَپِیلَغشِیم جس سے استدلال کرتے ہیں פִּילֶגֶשׁ
پیلغش פִּלֶגֶשׁ پلغش جسے کلدی میں פִּילַקְתָּא پیلقتا یا פִּלַּקְתָּא پلقتا
کہتے ہیں یا לְחֵינָה لحیمنا بولتے ہیں اسکے معنی بے شبہہ سریہ ہیں اور اس کی
جمع موافق قاعدہ کے פִּילַגְשִׁים پیلغشیم آتی ہے ابی سلیمان ابن اسحاق نے
لکہا ہے נָשִׁים בִּכְתֻבָּה פִּילַגְשִׁים בְּלֹא כְתֻבָּה
اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کے لئے کتبہ صداق یعنی کابین نامہ ہو اُسے ناشیم کہتے ہیں
اور جس کے لیے کابین نامہ نہو اُسے پیلغشیم کہتے ہیں بہر نوع یہ امر ثابت ہے کہ پیلغش
سریہ ہے استدلال یہ ہے کہ آیت میں پیلغشیم بلفظ جمع ہے اور اُس سے مراد قطورہ اور ہاجرہ
ہیں کیونکہ سارہ کے سوا یہی دو بیویاں ابراہیم کی ثابت ہیں اسلیئے یہ سریہ ہونگے فقط یہہ
شبہہ پیلغشیم کے لفظ سے پیدا ہوا حال یہ ہے کہ عبری میں جمع تے اور میم سے

آتی ہے لہذا جمع پیلغشیم ہونا چاہیے لیکن توریت میں اُس مقام میں پیلغشیم بدون یے کے وارد ہے پیلغشیم نہیں ہے اس لفظ پر مفسرین نے بحث کی ہے بعض نے اسکو جمع مانا ہے اور یے کے نہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ ابراہیم کے ایک ہی سریہ تہی اسواسطے ہی کو گرا دیا۔ رشی חסר כתיב שלא היתה אלא פלגש אחת مقصور لکھا گیا کیونکہ ایک ہی سریہ تھی۔ ساتھہ ہی اسکے اس مفسر نے یہ بھی لکھدیا ہے کہ وہ سریہ ہاجر تہیں اور وہی قطورہ ہیں یعنی ہاجر اور قطورہ ایک ہی کا نام ہے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی جسکا بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اور اسی طرح اکثر مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ سریہ ابراہیم کی ایک ہی تھی لہذا پیلغشم سے جمع مقصود نہیں اور نہ بصورت جمع ہے تو اسیوجہہ سے اونقلاوس نے جو قدیم مترجم ہے اس لفظ کے ترجمہ میں לְחֵינָתָא لحینیاتا لفظ واحد اختیار کیا ہے ایسی حالت میں اس سے استدلال کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ مدار حجت جمعیت تہی اور وہ غیر مسلم ہے باقی رہی یہ بات کہ وہ سریہ جسکی شان میں یہ آیت وارد ہے ہاجر ہیں اس بیان سے کہ ہاجر ہی کا نام قطورہ ہے دعوی بلا دلیل ہے سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ اس باب میں قطورہ اور اُن کی اولاد کا ذکر ہے اور اُنہیں کو آیت سریہ بتاتی ہے علاوہ اسکے דִּבְרֵי הַיָּמִים سفر التواریخ اول کے پہلے باب کی ۳۲۔ آیت میں جہاں سب کے نسب نامے لکھے ہیں جو اہل کتاب میں معتبر ہے لکھا ہے וּבְנֵי קְטוּרָה פִּילֶגֶשׁ אַבְרָהָם: ترجمہ۔ اور بنی قطورہ سریہ ابراہیم فلاں اور فلاں یہ وہی اشخاص ہیں جنہیں پیدایش کے باب ۲۵ میں قطورہ کی اولاد گنایا ہے اور فلسطین کے پورب سکونت کی اجازت دی ہے یہاں سے قطورہ کا سریہ ہونا بخوبی ثابت ہے اور اسی مقام پر ۳۳۔ آیت کے اخیر میں لکھا ہے כָּל־אֵלֶּה בְּנֵי

یہی سب قطورہ کی اولاد ہیں اس سے ثابت ہے کہ قطورہ ہاجر نہیں ورنہ اسمعیل کو بھی ان میں شمار کرتا بلکہ اسی باب کی ۲۶ - آیت میں گنایا ہے ابراہیم کے بیٹے اسحاق اور اسمعیل اسوقت یہ دستور تہا یعنی اکثر یہ محاورہ تہا کہ بیان نسب میں سریہ کی اولاد کو ماں کی طرف نسبت کرتے تہے اور بیوی کی اولاد کو باپ کی طرف اسی لئے نسب نامہ اسمعیل کو ابراہیم کی طرف منسوب کیا اور قطورہ کی اولاد کی نسبت ابراہیم کی طرف نہیں کی بلکہ قطورہ کی طرف کی - علاوہ اس کے ہاجر کی اولاد پاران میں بسی اور قطورہ کی اولاد فلسطین کے پورب جیسا توریت میں بیان ہوا ہے باوجود ان سب تباین اور تغائر کے دونوں کو ایک کہنا بناوٹ ہے علاوہ اسکے ابراہیم نے ہاجر کو طلاق دی تہی اور ان کو زن مطلقہ سے نکاح جائز نہیں چنانچہ موسے کی شریعت میں یہ حکم منصوص ہے تو اگر یہی شریعت ابراہیم کے وقت میں بھی تہی جیسا یہود دعوے کرتے ہیں تو یہ کہنا کہ قطورہ ہاجر ایک ہیں بالکل خلاف ہے اور اگر ابراہیم کے وقت میں یہ شریعت نہ بھی رہی ہو تو خلاف دستور انبیاء کے ہے کسی نبی کا سواے پیغمبر آخرالزماں کے زن مطلقہ سے نکاح کرنا ثابت نہیں -

اب ہم رجوع کرتے ہیں پلغشم کے لفظ اور اس آیت کے معنی کی طرف اگر تسلیم کیا جاوے کہ یہ لفظ جمع ہے جیسا اب جو نسخے موجودہ مطبوعہ لندن و اسٹرڈام وغیرہ دیکہے گئے ان میں פִּלַגְשִׁים پیلغشیم ہے اور میم کے ساتھ لکھا ہو اختلاف بیان مفسرین کے پایا جاتا ہے تو بھی مدعا مستدل کا ثابت نہو گا کیونکہ جائز ہے کہ یہ جمع פִּלַגְשִׁי پیلغشی اسم منسوب کی ہو جیسا کہ اسم منسوب کی جمع اس وزن پر متعارف ہے امثلہ ذیل سے واضح ہوگا - מִצְרִי מִצְרִים :

הריחרים: ישמעאל : ישמעאלם : وغیرہ بہت لفظ ہیں
פִּלֶגֶשׁ پیلغشی کے معنی سریۂ ہیں جسے اس ملک میں پرستار زادہ کہتے
ہیں معنی آیت کے یہ ہیں کہ ابراہیم نے سریۂ لڑکوں کو کچھہ دیکر وہاں سے رخصت
کر دیا اور اُنکو فلسطین سے پورب بسنے کی اجازت دی۔ لیکن اُن میں اسمعیل نہ تھے
بلکہ اسی باب کی نویں آیت میں لکھا ہے کہ دفن کیا ابراہیم کو اسمٰعیل اور اسحاق اُن کے
لڑکوں نے۔ توریت اور اس کی تفسیر دیکھنے والوں پر بخوبی واضح ہوجاوے گا کہ ہاجر
کا لونڈی ہونا کتب مقدسہ سے ثابت نہیں۔

تمت

الخطبۃ الثانیہ

فی

مراسم العرب وعاداتہم قبل الاسلام

افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون

ایام جاہلیت کے عرب بلکہ بالعموم سب عرب بغیر کسی استثنا کے (کیونکہ زمانہ حال کے بدو عرب بھی اپنے مورثوں سے بہت کم اختلاف رکھتے ہیں) ایک نہایت سادہ مزاج قوم تھی اُن کی معاشرت کا سادہ اور بے تکلف طریقہ قوانین قدرت کے قریب قریب تھا یا اُس سے بالکل مطابقت رکھتا تھا۔ وجود انسانی کا سلسلہ ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کی حالت سے رفتہ رفتہ ترقی حاصل کرتا گیا اور آخرکار گلہ بانی کے رتبہ پر پہونچگیا جو بمقابلہ اُس کی پہلی حالت کے نہایت عمدہ اور افضل تھا۔ اس حالت کے تبدیل ہونے سے انسانوں کو آپس میں امن اور صلح سے رہنے اور اپنی معدود اور سادہ احتیاجوں کے رفع کرنیکو بہت سا سرمایہ ملگیا۔ بھیڑوں کی اون سے ایک قسم کا موٹا ٹاٹ بنانا سیکھ لیا جس کو بذریعہ میخوں کے زمین پر خیمہ کی طرح کھڑا کرکے اُس کے اندر

رہا کرتے تھے اور جب ان کو اپنے گلہ کو کسی دوسری عمدہ چراگاہ پر لیجانے کی ضرورت
ہوتی تھی تو اپنے ڈیروں کو اس جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لیجا کھڑا کرتے تھے اور
وہیں رہنے لگتے تھے۔ ان کی پوشاک صرف ایک لمبی بنی ہوئی چادر ہوتی تھی جسکو
بطور لنگوٹ کے اپنی کمر سے لپیٹ لیتے تھے۔ ان کا کھانا بیشتر گوشت اور
اونٹ کا دودھ اور کبھی پنیر ہوتا تھا۔ ان کی تمام ملکیت اونٹ اور چند مویشی گھوڑے اور دو چار
گائیں ہوا کرتی تھیں۔ دولت اور لونڈی اور غلام ہوتی تھی اور تمام ملکیت میں لونڈی اور غلام
سب سے گراں بہا خیال کئے جاتے تھے۔

بدو عرب کی معاشرت جسکو خانہ بدوش اقوام عرب کا نمونہ خیال کرنا چاہئے ایک
چرواہے کے طریقہ معاشرت سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ خیمہ میں رہا کرتا تھا پانی اور چراگاہ
کی جستجو میں پھرا کرتا تھا۔ مگر بعض جو زیادہ تمدن پسند تھے باہم مجتمع ہو کر اپنے
خیموں کی باقاعدہ ترتیب اور انتظام سے دیہات بنا لیتے تھے اور اگر ان کی تعداد
اور بھی بڑھ جاتی تھی تو قصبے اور شہر پیدا ہو جاتے تھے اور وہاں کے باشندے
کسیقدر مہذب زندگانی کے فوائد سے جلد متمتع ہوتے تھے۔ ان کا وقت زیادہ تر
میں کھجوروں اور درختوں کے بونے میں جن کے پھلوں سے اوقات بسری ہوتی اور
مختلف انواع کی دستکاری اور ہر قسم کی تجارت اور سوداگری میں صرف ہوتا تھا۔ وہ
ان اشیا کی سوداگری کیا کرتے تھے۔ گرم مصالح۔ لبان۔ مر۔ لوبان۔ [illegible]۔
سنا۔ پیتل۔ سونا۔ جواہرات۔ موتی۔ ہاتھی دانت۔ آبنوس۔ اور لونڈی
اور غلام۔

بہت پرانے زمانہ سے یہ لوگ مصر اور شام اور اور قرب وجوار کے ملکوں سے

بذریعہ کارواں کے تجارت کرتے تھے۔ توریت سے بھی پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے وقت میں بھی یہی پیشہ رکھتے تھے۔ مگر ان دونوں قوموں یعنی خانہ بدوش اور تجارت پیشہ کا قومی چال چلن ایک ہی سا تھا۔ کھانے پینے میں کم خرچ اور کفایت شعار ہونا اور اسپر راضی اور قانع رہنا ایک عمدہ اور بیش بہا وصف خیال کیا جاتا تھا باہلی ایک نامی شاعر اپنے بھائی کے ایک مرثیہ میں جس میں اُسنے اُسکی موت کا حال لکھا تھا اس طرح اپنے بھائی کی تعریف کرتا ہے۔

من الشواء ویکفی شربہ الغمر	تکفیہ فلذۃ لحم ان الم بہا

معتدل نیند کی بھی بہت تعریف کی جاتی تھی۔ ہذلی ایک نامی شاعر اس عادت کی یوں تعریف کرتا ہے۔

دم الثار او یلقی کمیا مسفعا	قلیل غرار النوم اکبر ہمہ

علی الصباح اٹھنا بھی ایک عمدہ صفت شمار ہوتی تھی اور اس آدمی کی قوت اور مستعدی پر دلالت سمجھی جاتی تھی۔ امرالقیس خود اپنی تعریف اس طرح کرتا ہے۔

وقد اغتدی والطیر فی وکناتہا

نہایت فیاضی سے مہمان نوازی انکا قومی خاصہ تھا اور اسکو جملہ حسنات اور اوصاف میں اعلی اور افضل سمجھتے تھے۔ مسافروں اور مہمانوں کی خاطر داری بے تہاشا فیاضی سے کرنا اور مہربانی اور اخلاق اور تعظیم کے ساتھ پیش آنا ایک پاک فرض خیال کیا جاتا تھا اور اگر کوئی اسکو ترک کر دیتا یا غفلت کرتا تو تمام لوگ دل سے اسکو برا جانتے تھے اور اسکی حقارت کرتے تھے ہذلی شاعر خود اپنے پر اس شعر میں بددعا کرتا ہے اگر وہ مہمان نوازی کی طریقہ میں کچھ قصور کرے۔

الا درہ دری ان الطعمت زاد نسکو	تشہی الحتے وعندی البرمکنوز

ہمسایہ کے حال پر مہربانی اور اسکی خبرگیری کرنا اور اُس کے مکان اور خاندان اور مال کی نگرانی اور حفاظت کرنا نیک آدمیوں کے اوصاف میں سے تہا اور اگر کوئی اس باب میں ذرا بہی بے پروائی یا سستی کرتا تہا تو اسکو نظر حقارت سے دیکہتے تہے اور اُسکا کوئی معیوب لقب رکہہ دیتے تہے بکری شاعر علقمہ کی اس طرح پر ہجو کرتا ہے۔

تبیتون فی المشتا ملاء بطونکم	وجاراتکم غرثی یبتن خماصا

اور ایک اور شاعر زبیدی اس صفت میں ایک شخص کی اس طرح پر تعریف کرتا ہے۔

وجار ہم احمی اذا ضیم غیرہم

قیدیونکو چہوڑانا اور محتاجوں اور بیکسوں کی مدد کرنا تمام نیکیوں میں افضل اور جمیع اوصاف میں سب سے زیادہ قابل ستایش خیال کیا جاتا تہا ایک شاعر اپنی تعریف اس طرح پر کرتا ہے۔

وفککنا غل امرء القیس منہ	بعد ما طال حبسہ والعناء

ایک اور شاعر طرفہ اس صفت کا بیان اس طرح پر کرتا ہے۔

ولکن متی یسترفد القوم ارفد

ہذلی شاعر اس صفت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

واحمی المصاب اذا ما دعی

ایک شریف عرب کو اپنی عزت کا لحاظ اور اپنے وعدہ کا خیال ایسا ہی ضروری سمجہا جاتا تہا جیسے کہ مذکورہ بالا اوراوصاف ضروری سمجہے جاتے تہے۔ عمرو ایک مشہور شاعر اس طرح پر کہتا ہے۔

وافاهم اذا عقد وا یمینا	ونوجد نحن امنعہم ذمارا

صاف اور ستھری پوشاک اور خوشبودار چیزیں عمدہ اور پسندیدہ اشیا میں سمجھی جاتی

تھیں عدوانی کی بیٹی اپنے شوہر کی تعریف میں اس طرح کہتی ہے -

حدیث الشباب طیب الثوب والعطر

بالوں کو مشک سے معطر کرنا اور خوشبودار چمڑے کی جوتیاں پہننی امارت کی نشانیاں

تھیں - ایک شاعر اپنی ممدوحہ کی اس طرح مدح کرتا ہے -

من المسک اراحت فی مفارقہ تجری	اذا التاجر الداری جاء بفارة

پرہیز گاری بھی اوصاف حسنہ میں شمار کی جاتی تھی - حاتم طائی اس طرح لکھتا ہے -

واعرض عن شتم اللئیم تکرما	واغفر عوراء الکریم ادخاره

فصاحت و بلاغت لطافت ظرافت بھی فضیلت کے دائرہ کی تکمیل کے لئے ضروری

تھیں - عمرو شاعر اپنے بیٹے عرار کی تعریف میں کہتا ہے -

فانی احب الجون ذا المنطق الدہم	وان عرارا ان یکن غیر واضح

نابغہ شاعر کند زبان ہونے سے اس طرح خدا سے پناہ مانگتا ہے -

اعذنی رب من حصر وعی

گھوڑے کی سواری کی اگر بچپن ہی سے مشق کی جاتی تھی تو نہایت تعریف اور توصیف

ہوتی تھی اور اگر کوئی بڑا ہو کر گھوڑے کی سواری سیکھتا تھا تو ہجو اور طعنہ کا نشانہ بنتا تھا ایک

شاعر نے ایک قوم کی ہجو اسطرح کی ہے -

فہم ثقال علی اکتافہم میل	لم یرکبوا الا بعد ما کبروا

بھیڑیہ کا شکار کرنا بہادری کا عمدہ ترین ثبوت تھا - شامخ شاعر اس طرح کہتا ہے -

وما ء قد دفعت الذئب عنه

ریگستان کے طول وعرض کا اندازہ اسکے ریت کی ایک مٹھی بھر کر سونگھنے سے
دریافت کرتے تھے۔ امرالقیس شاعر اس طرح پر بیان کرتا ہے۔

اذا الناقة العوذ الدیافی عزھا

زمانہ جاہلیت کے عرب میں شعر وشاعری نہایت اعلیٰ درجہ پر پہونچگئی تھی۔
جہاں یہ خوبیاں اُن میں تھیں اسی کے ساتھ نہایت بد اخلاقی اور فحش عرب جاہلیت
میں پھیلا ہوا تھا۔ قصائد کے شروع میں جو تشبیب کے اشعار ہوتے تھے اُن میں دولتمند
اور امیروں کی لڑکیوں اور عورتوں اور بہنوں کا حال نام لے لے کر بیان کرتے تھے اور
ہر طرح کے عیبوں کو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ انکا یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے
اختیار میں ایک جن رہتا ہے اور جسقدر بڑا شاعر ہوتا ہے اسیقدر زبردست جن اُس کے
زیر حکم رہتا ہے۔ حسن نامی شاعر اپنی تعلی میں اس طرح کہتا ہے۔

وما نفرت جنی وما فل مبردی

بدکاری اور زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور صرف اسکی نہیں مہذب نظم میں ازراہ
بے شرمی اُسکو مشتہر کرتے تھے اور اُسپر فخر کرتے تھے۔
سب لوگ شراب اور نہایت قوی نشئی عرقوں کے پینے سے بدرجہ غایت اُنس
رکھتے تھے اور مدہوشی کی حالت میں تمام لوگوں سے نہایت خراب اور معیوب باتیں
سرزد ہوتی تھیں۔
قماربازی سب لوگوں کا بلا استثنا ایک ہردل عزیز کھیل تھا اور اگر کوئی خاص مقام
قماربازی کا مشہور ہوتا تھا تو لوگ دور دراز مسافت سے وہاں جو کھیلنے کو جایا کرتے

تھے سود خواری بھی عام طور سے نہایت درجہ مروج تھی

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں . گانا بجانا اور ناچنا سکھایا جاتا تھا اور وہ حرام کاری کرنے کی مجاز تھیں اور اس حرام کاری کی آمدنی اُنکے آقا اپنے تصرف میں لاتے تھے۔ رہزنی اور غارتگری اور قتل روزمرہ کی باتیں تھیں۔ انسانوں کا خون بلا خوف اور بغیر تاسف کے ہر روز ہوا کرتا تھا۔ لڑائی میں جو عورتیں قید ہوتی تھیں اُنکو فتحمند لونڈیاں بنا لیتے تھے۔

حارث شاعر اس طرح کہتا ہے۔

ثم ملنا علی تمیم فاحرمنا	وفینا بنات مر اماء

ٹوٹکوں پر یقین اور شگون لینے میں اُنکو نہایت مضبوط اعتقاد تھا۔ جب کوئی مصیبت یا تباہی اُنپر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھکر پھونکتے تھے اور اُن کو پھینکتے تھے اور ایسا کرنے سے اس مصیبت کے دور ہونے کی توقع رکھتے تھے۔ جانوروں کے اڑنے اور بولنے سے بھی نیک اور بد شگون لیا کرتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی جانور کسی شخص کی بائیں طرف سے دائیں طرف رستہ کاٹ گیا تو اُسکو نیک شگون سمجھتے تھے اور "سانح" کہتے تھے لیکن اگر دائیں جانب بائیں طرف رستہ کاٹ گیا تو اُسکو بدشگونی سمجھتے تھے۔ اور "بارح" کہتے تھے۔ اس قسم کی تفاؤل کا عام نام "طیرہ" تھا۔

لبید ابن ربیعہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس موقع پر جبکہ اُسکا بھائی بجلی کے صدمہ سے مارا گیا یہ شعر کہتا تھا۔

لعمرک ما تدری الضوارب بالحصی	ولا زاجرات الطیر ما اللہ صانع

جاہلیت کے عرب کسی کام کے ہوجانے پر بھیڑ کی قربانی کرنے کی منت مانتے تھے اور جب وہ کام ہوجاتا تھا تو بھیڑ کے بدلے ہرن کو مار دیتے تھے اور اُس ہرن کو عتیر

کہتے تھے مگر بٹیر کے بدلے ہرن کو مار دینا ایک معیوب کام خیال کیا جاتا تھا۔ کعب شاعر اپنے خاندان کی تعریف میں کہتا ہے۔

وما عن الظباء يحي كعب

اگر کوئی کسیکو مار ڈالتا تھا تو خون کے عوض خون ہی معزز بدلا گنا جاتا تھا۔ جو لوگ خون کے بدلے دیت لے لیتے تھے ان کو ان کے ہم جنس اور ہموطن حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ عمرو ابن معدیکرب کی بہن اپنے بھائی کے خون کا کسی شرط پر تصفیہ کرنے سے منع کرتی تھی۔

ولا تاخذوا منهم افالا وابكرا

ان کا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض خون سے نہ لیا جاوے تو ایک چھوٹا پردار کیڑا مقتول کے سر میں سے نکل کر آسمان میں چیختا پھرتا ہے۔ اس عجیب کیڑے کو "ھامۃ" اور "صدی" کہتے تھے۔ لبید شاعر ایک نوحہ میں اس طرح کہتا ہے۔

فليس الناس بعدك فى نفير	وما هم غير اصداء وهام

ہر شخص کے مرنے کے بعد دستور تھا کہ اسکے اونٹ کو اس کی قبر سے باندہ دیتے تھے یہانتک کہ بھوک اور پیاس کے مارے وہ مرجاتا تھا اور اس اونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے لبید شاعر اپنے ممدوح کی سخاوت کی اس طرح تعریف کرتا ہے۔

تادى الى الاطناب كل ذرية	مثل البلية قالص اهدابها

جب کوئی مرجاتا تھا تو برس روز تک اسکا سوگ رکھتے تھے اور اسکو رویا کرتے تھے لبید شاعر اپنے وارثوں کو یوں وصیت کرتا ہے۔

الى الحول ثم اسم السلام عليكما	ومن يبك حولا كاملا فقد اعتذر

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ہمراہ ہوتی تھیں اور ہر طرح اُن کی مدد کرتی تھیں جبکہ اُن
کے شوہر لڑائی میں مصروف ہوتے تھے تو وہ پکار پکار کر کہتی تھیں "آگے بڑھو آگے بڑھو
اے ہمارے جری اور بہادر خاوندو اگر تم کوتاہی کروگے اور ہمکو دشمن سے نہ بچاؤگے
تو ہم تمہاری بیویاں نہ ہونگی"۔

قحط اور گرانی کے زمانہ میں اپنے اونٹوں کو مجروح کرکے اُن کا خون پیا کرتے تھے
خشک سالی میں مینہ برسنے کا ٹوٹکا اس طرح کرتے تھے کہ پہاڑوں میں ایک گائے کو
لیجاتے تھے اور اُسکی دم میں سوکھی ہوئی گھاس اور کانٹے اور چھڑیاں باندھکر اسمیں آگ لگا
دیتے تھے اور گائے کو پہاڑوں میں چھوڑ دیتے تھے۔

گھوڑ دوڑ اور تیر بازی لگا جسکو وہ "رہان" کہتے تھے اُن میں مروج تھی۔ دو قوموں
اور فریقوں کے باہم جنگ جدل ایک تھوڑی سی غلط فہمی کی وجہ سے قایم ہوجاتی تھی۔
بعض اوقات یہ لڑائیاں ایک مدت مدید تک جاری رہتی تھیں جیسکہ عبس اور ذبیان کے باہم
پورے سو برس تک لڑائی جاری رہی۔

باوجودیکہ کوئی شخص اپنے غلاموں کو آزاد کردیتا تھا تو بھی اُسکی ملکیت کا استحقاق اُسکو باقی
رہتا تھا اور اس استحقاق کے فروخت کردینے کا بھی مجاز تھا اور مشتری اُن غلاموں
پر اپنی ملکیت قایم کرتا تھا اور اس طرح سے یہ بدبخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے۔

عورتیں کسی جانور کا دودھ نہیں دوہتی تھیں اور اگر کسی خاندان کی عورتوں کو دودھ دوہتے
دیکھ پاتے تھے تو اس خاندان کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور وہ خاندان لوگوں کی
آنکھوں میں دفعتاً حقیر ہوجاتا تھا۔

مجرم کو خونخواری کی سزا میں جلتے ہوئے ریت پر بٹھا دیتے تھے۔ مردہ جانوروں کا

گوشت کہاتے تہے اور اُسکو بہت لذیذ غذا سمجہتے تہے۔ جو اُونٹنی یا بہیڑ یا بکری دس دفعہ بچہ جن لیتی تہی اُسکو چہوڑ دیتے تہے اور وہ چہوٹی پہرا کرتی تہی اور جب وہ مرجاتی تہی تو اُسکا گوشت مرد کہاتے تہے اور عورتونکو اُسکا گوشت کہانے کی ممانعت تہی۔ اگر اونٹنی یا بہیڑ یا بکری پانچویں دفعہ مادہ بچہ جنتی تہی تو اُسکے کان کاٹ کر اُسکو چہوڑ دیتے تہے اور اُسکو "بحیرہ" کہتے تہے اور اُسکا گوشت کہانا اور دودہ پینا منع تہا۔

کسی کام کے ہوجانے پر اونٹوں کو بطور سانڈ کے چہوڑ دینے کی منت مانتے تہے اور جب وہ کام ہوجاتا تہا تو اونٹ کو بطور سانڈ کے چہوڑ دیتے تہے اور وہ جہاں چاہتا تہا پہرا کرتا تہا۔

اگر کوئی اونٹنی دس بچے دے چکتی تہی اور بکری سات بچے تو عورتونکو اُس کا گوشت کہانے کی ممانعت تہی اور صرف مرد ہی اُسکا گوشت کہا سکتے تہے۔

اگر کسی بکری کے مادہ بچہ ہوتا تہا تو مالک اُسکو اپنے لئے رہنے دیتا تہا اور اگر نر پیدا ہوتا تہا تو بتوں پر بطور نذر کے چڑہایا جاتا تہا اور اگر دو بچے ایک نر اور ایک مادہ پیدا ہوتے تہے تو مالک دونونکو اپنے لئے رکہتا تہا اور وہ "وصیلہ" کہلاتی تہی۔

جو اونٹ کہ دس بچوں کا باپ ہوچکتا تہا وہ چہوڑ دیا جاتا تہا اور جہاں وہ چاہتا تہا پہرا کرتا تہا اور بنام "حامی" موسوم ہوتا تہا۔

قسم لینے کا نہایت سنجیدہ قاعدہ یہ تہا کہ آگ جلا کر اُس میں نمک اور گندہک پیسکر ڈالتے تہے یہ آگ "ہولہ" کہلاتی تہی اور اُسکا جلانیوالا "مہول" کہلاتا تہا۔

عوص شاعر اس طرح پر کہتا ہے۔

اذا استقبلتہ الشمس صد بوجہہ		کما صد عن نار المہول حالف		

قسم کے مستحکم کرنیکا ایک یہ بھی طریقہ تھا کہ میزاب خانہ کعبہ کے نیچے چابک

کمان اور جوتی رکھدیتے تھے اور اس طرح کرنے سے قسم سچنتہ ہوجاتی تھی۔

اقرار اور وعدہ کے مستحکم کرنیکو اپنے بزرگوں کی اور بتوں کی قسم کھایا کرتے تھے۔

بالغ مرد اپنے والدین کی وراثت پانے کے مستحق ہوتے تھے۔ نابالغ لڑکے

اور عورتیں حصہ نہیں پاتے تھے۔

قرضہ پر سود لیتے تھے۔ ایک قاعدہ یہ تھا کہ اگر قرضہ وقت معینہ پر ادا نہ ہوتا تھا تو اُس

کی تعداد کو دوچند کردیتے تھے اور میعاد ادا کو بڑھا دیتے تھے۔

عرب جاہلیت انتظام بیناواجب سمجھتے تھے لیکن مختلف قوموں میں باہم حقوق

کی برابری کو نہیں مانتے تھے۔

اگر کسی شخص کے قاتل کا سراغ نہ لگتا تھا تو جس قوم کے شخص پر قتل کرنیکا شبہہ ہوتا تھا

پچاس معزز شخص فرداً فرداً اپنی بیگناہی پر قسم کھاتے تھے۔

ہر شخص گو وہ اجنبی ہی ہو دوسرے شخص کے گھر میں دلیرانہ چلے آنے کا مجاز تھا اور

اندر آنے سے پہلے اندر آنے کی اجازت طلب نہیں کرتے تھے۔

کسی رشتہ دار کے گھر کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

دس آدمی بشراکت ایک جانور کو خریدتے تھے اور ہر ایک شخص کو حصہ کو متعین کرنیکے

واسطے دس پانسے (جس میں سے ایک سادہ ہوتا تھا اور باقی نو پر حصوں کے اندازہ کا

نشان بنا ہوتا تھا۔) پھینکے جاتے تھے اور جو پانسا جسکے نام کا پڑتا تھا وہی اُس کا حصہ

ہوتا تھا۔

خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی۔

بعضوں پر کام کرنے کے حکم دینے کی اور بعضوں پر اس کام کرنے سے منع کرنے کی علامت تہی ہر شخص پیشتر اس سے کہ کوئی کام شروع کرے اُن تیروں سے استخارہ کرتا تہا اور اسی کے بموجب کام کرتا تہا اُن تیرونکو "ازلام" کہتے تہے -

تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تہا اور جن بتوں کی وہ پرستش کیا کرتے تہے اُنکی تفصیل یہ ہے -

(۱) ہبل - ایک بہت بڑا بت تہا جو خانہ کعبہ کے اوپر رکہا ہوا تہا -

(۲) - ود - قبیلہ بنی کلب کا یہ بت تہا اور وہ قبیلہ اُسکی پرستش کرتا تہا -

(۳) - سواع - قبیلہ بنی مذحج کا یہ بت تہا اور وہ اُسکی پرستش کرتے تہے -

(۴) - یغوث - قبیلہ بنی مراد کا یہ بت تہا اور وہ اُس کی عبادت کرتے تہے -

(۵) - یعوق - بنی ہمدان کے قبیلہ کا یہ بت تہا - اور وہ اُسکو محبوب سمجہتے تہے اور عبادت کرتے تہے -

(۶) - نسر - یمن کے قبیلہ بنی حمیر کا یہ بت تہا اور یمن کے لوگ اُسکی پرستش کرتے تہے

(۷) - عزیٰ - قبیلہ بنی غطفان کا یہ بت تہا اور اُس کی پرستش وہ قبیلہ کیا تہا -

(۸) - لات (۹) منات - یہ بت کسی خاص قبیلہ سے علاقہ نہیں رکہتے تہے بلکہ عرب کی تمام قومیں اُن کی پرستش کیا کرتی تہیں -

(۱۰) - دوار - یہ بت نوجوان عورتوں کی پرستش کرنے کا تہا وہ چند دفعہ اُسکے گرد طواف کرتی تہیں اور پہر اُسکو پوجتی تہیں -

(۱۱) - اساف - جو کوہ صفا پر تہا اور (۱۲) نائلہ - جو کوہ مروہ پر تہا - ان دونوں بتوں پر ہر قسم کی قربانی ہوتی تہی اور سفر کو جانے اور سفر سے واپس آنے کے وقت اُنکو

بوسہ دیا کرتے تھے۔

(۲۴) ہبل ایک بڑا پتھر تھا جسپر اونٹوں کی قربانی کرتے تھے اور ذبیحہ کے خون کا اسپر بہنا نہایت ناموری کی بات خیال کیجاتی تھی۔

کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم کی مورت بنی ہوئی تھی اور ان کے ہاتھ میں وہی استخارہ کے تیر تھے جو "ازلام" کہلاتے تھے اور ایک پتھر کا بچہ اُن کے قریب کھڑا تھا اور حضرت ابراہیم کی بھی مورت خانہ کعبہ میں رکھی ہوئی تھی اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی تصویریں خانہ کعبہ کی دیواروں پر کھنچی ہوئی تھیں۔

حضرت مریم کی بھی ایک مورت تھی اس طرحپر کہ حضرت عیسیٰ اُن کی گود میں ہیں یا اُن کی تصویر اسی طرحپر خانہ کعبہ کی دیوار پر کھنچی ہوئی تھی۔

عرب کی دیسی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "ود" اور "یغوث" اور "یعوق" اور "نسر" مشہور لوگوں کے جو ایام جاہلیت میں گذرے ہیں نام ہیں اُن کی تصویریں پتھروں پر منقش کرکے بطور یادگار کے خانہ کعبہ کے اندر رکھدی تھیں۔ ایک مدت مدید کے بعد اُنکو بتہ معبودیت دیکر پرستش کرنے لگے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عرب کے نیم وحشی باشندے ان مورتوں پر خدا ہونیکا اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور نہ اُن لوگونکو جن کی یہ مورتیں تھیں معبود سمجھتے تھے بلکہ اُنکو مقدس سمجھنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں۔

جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا عرب جاہلیت اُن مورتونکو اُن شخصوں اور اُن کی اولاد کی یادگار سمجھتے تھے اور اُنکی تعظیم و تکریم اس سبب سے نہیں کرتے تھے کہ ان مورتوں میں کوئی شان الوہیت موجود ہے بلکہ محض اسوجہہ سے اُن کی عزت اور تعظیم کرتے تھے کہ وہ اُن مشہور اور نامور اشخاص کی یادگار ہے جن میں بموجب اُن کے اعتقاد کے

جملہ صفات الوہیت یا کسی قسم کی شان الوہیت موجود ہے۔ اُنکے نزدیک اُن مورتوں کی پرستش سے اُن لوگوں کی ارواحیں خوش ہوتی تہیں جنکی وہ یادگاریں تہیں۔

اُن کا یہ اعتقاد بہی تہا کہ خدا تعالیٰ کی جملہ قدرتیں بیماروں کو شفا بخشنا۔ بیٹا بیٹی عطا کرنا۔ قحط و وبا اور دیگر آفات ارضی و سماوی کا دور کرنا اُن کے مشہور و معروف لوگوں کے اختیار میں بہی تہا جن کی طرف اُنہوں نے صفات الوہیت منسوب کی تہیں اور وہ خیال کرتے تہے کہ اگر مورتوں کی تعظیم اور پرستش کی جاویگی تو اُن کی دعائیں اور منتیں قبول ہونگی۔

اُن کا یہ بہی مستحکم عقیدہ تہا کہ یہ اشخاص خدا تعالیٰ کے محبوب تہے اور اپنی مورتوں کی پرستش سے خوش ہو کر پرستش کرنیوالونکو خدا تعالیٰ کے قرب حاصل کرانے کا ذریعہ ہونگے اور اُنکو تمام روحانی خوشی عطا کرینگے اور اُنکی مغفرت کی شفاعت کرینگے۔

ان کا قاعدہ بتوں کی پرستش کا یہ تہا کہ بتونکو سجدہ کرتے تہے اُن کے گرد طواف کرتے تہے اور نہایت ادب اور تعظیم سے بوسہ دیتے تہے۔ اونٹوں کی قربانی انپر کرتے تہے۔ مویشیونکا پہلا بچہ بتوں پر بطور نذر کے چڑہایا جاتا تہا۔ اپنے کہیتونکے سالانہ پیداوار اور مویشی کی انتفاع میں سے ایک معین حصہ خدا کیواسطے اور دوسرا حصہ بتوں کیواسطے اُٹہا رکہتے تہے اور اگر بتوں کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا تو خدا کے حصہ میں سے اُسکو پورا کردیتے اور اگر خدا کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا تو بتونکے حصہ میں سے اُسکو پورا نہیں کرتے تہے۔

حجر اسود اور خانہ کعبہ کی تعظیم تاریخ عرب کے ابتدائی زمانہ سے ہوتی چلی آئی ہے اُسکی بنا کو خود حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر برخلاف اُن مقدس چیزوں کے جنکا ذکر اوپر ہوا خانہ کعبہ کو کسی شخص کی یادگار نہیں سمجہتے تہے

[illegible] تمام عمارات سے بہ لقب بیت اللہ ممیز اور ممتاز تھی اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کے واسطے مخصوص تھی درحقیقت اسکو ایسا سمجھتے تھے جیسے کہ یہودی بیت المقدس کو اور عیسائی گرجا کو اور مسلمان مسجد کو خدا کی عبادت کرنے کے لیے اس زمانہ میں سمجھتے ہیں قرآن مجید میں خانہ کعبہ کو متعدد جگہ مسجد کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

حجر اسود کو بھی مثل ایک بت کے یا کسی مشہور و معروف شخص کی یادگار کے نہیں سمجھتے تھے عام خیال یہ تھا کہ یہ ایک بہشت کا پتھر ہے مگر تحقیق نہیں ہے کہ شروع زمانہ سے یہ خیال تھا یا بعد کو پیدا ہوا۔ جو بات کہ محقق ہے وہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی بنا ہونے سے پہلے یہ حجر اسود ایک میدان میں اکیلا پڑا ہوا تھا کوئی عرب کی روایت ایسی نہیں ملی جس سے یہ بات تحقیق ہو کہ یہ پتھر اُس میدان میں کیوں پڑا ہوا تھا اور جس زمانہ میں کہ وہ وہاں پڑا ہوا تھا اُسکے ساتھ کیا کیا رسمیں متعلق تھیں۔ مگر یہودیوں کی تاریخ سے ہم کسیقدر صحت کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں کہ اگر اس حجر اسود کے ساتھ کچھ رسمیں ادا ہوتی ہونگی تو وہ اُنہیں کے مشابہ ہونگی جن کا برتاؤ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحق اور حضرت یعقوب اس قسم کے پتھروں کے ساتھ کیا کرتے تھے دیکھو کتاب پیدائش باب ۱۲ ورس ۷ و ۸ و باب ۱۳ ورس ۱۸ و باب ۲۶ ورس ۲۵ و باب ۲۸ ورس ۱۸ و کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۵۔

خانہ کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے خانہ کعبہ کے ایک کونہ میں نصب ہونیکے بعد بھی کسی رسم کا اُسی کے ساتھ بالتحقیق ہونا پایا نہیں جاتا جو رسم کہ اب تسلیم کی جاتی ہے اور جو حجر اسود کے ساتھ مخصوص خیال ہوتی ہے وہ بوسہ دینا ہے مگر یہ رسم بھی کچھ اُسکے واسطے مخصوص نہ تھی خانہ کعبہ کے اور حصے بھی اسی طرح چومے جاتے تھے۔ خانہ کعبہ کا حال یہ تھا کہ سب لوگ اُسکے اندر بیٹھا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور

اور اُس کے گرد طواف بھی کرتے تھے - لیکن عجیب ترین رسم یہ تھی کہ یہ عبادت وہ بزر مطلق برہنگی کی حالت میں ہوتی تھی - عرب جاہلیت اس بات کو بُرا سمجھتے تھے کہ خدا تعالےٰ کی عبادت کپڑے پہن کر کریں جو ہر قسم کے گناہوں سے ملوث ہوتے ہیں -

خانہ کعبہ کی ہمسری کیواسطے دو معبد اور کعبے بعد دیگرے بنائے گئے تھے ایک تو قبیلہ غطفان نے اور دوسرا یمن میں قبائل خثام اور بجیلہ نے باشتراک بنایا تھا ان دونوں معبدوں میں بت رکھے ہوئے تھے جن کو اُن قبیلوں کے لوگ بطور معبود کے پوجتے تھے - ان نقلی کعبوں میں سے اول کو تو زہیر بادشاہ حجاز نے چھٹی صدی عیسوی میں بالکل غارت کر دیا تھا اور دوسرے کو جریر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یعنی اُن کے پیدا ہونے کے بعد منہدم کر دیا تھا -

حج کی رسم کو عرب کے باشندے زمانہ دراز سے مانتے چلے آتے تھے اور اس میں کچھہ شک نہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کے زمانہ تک اُس کا پتہ ملتا ہے -

وقت اداے حج کے احرام باندھنے کی رسم بھی اُن میں شائع تھی اور اگر کوئی شخص احرام باندھے ہوے اپنے گھر میں آنا چاہتا تھا تو دروازہ کی راہ سے نہیں آتا تھا بلکہ پچھواڑے کی دیوار پھلانگ کر اندر آتا تھا -

صفا اور مروہ پہاڑوں کے درمیان دوڑنے کی رسم بھی زمانہ جاہلیت سے عرب میں رائج تھی جیسی کہ اب بھی مروج ہے

جو لوگ حج کرنے کو آتے تھے اُس مقدس میدان میں جمع ہوتے تھے جو عرفات کے نام سے مشہور ہے لیکن قوم قریش جملہ اقوام عرب میں ذی اختیار تھی

اسلئے قریش معہ اپنے دوستوں کے مقام مزدلفہ پر جو گرد نواح کی زمین کی نسبت زیادہ بلند اور مرتفع ہے ٹھہرتے تھے اور باقی گروہ عرفات میں مقیم ہوتے تھے جہاں کہ حج کی رسم ادا کیجاتی ہے۔

حج کی رسم ختم ہونے کے بعد یہ مجمع ایک مقام کو جو منا کہلاتا ہے چلا جاتا تھا اور وہاں اپنے بزرگوں کے نام اور بہادرانہ کاموں کا فخر کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے اور ان بہادرانہ حالات کو اشعار میں پڑھنے سے اور بھی جلا دیتے تھے۔

سال کے چار مہینے متبرک سمجھے جاتے تھے اور حج کی رسم جیسا کہ بالفعل دستور ہے انھی مہینوں میں سے ایک مہینہ یعنی ذی الحجہ میں ادا کی جاتی تھی۔ مگر ان مہینوں کی حرمت بعض اوقات مبدل اور ملتوی ہو جاتی تھی کسواسطے کہ اگر کوئی لڑائی ان مہینوں میں سے کسی میں واقع ہوتی تھی تو لوگ ان کی قدرتی ترتیب کو بدل دینے سے گناہ سے بری الذمہ ہو جاتے تھے یعنی موجودہ مہینہ کو غیر حرام فرض کر لیتے تھے اور ماہ آئندہ کو حرام کا مہینہ سمجھ لیتے تھے۔

عرب جاہلیت ایک میعاد معین تک لڑائی کے موقوف رکھنے کا عہد کر لیتے تھے اور اس رسم کو حج کا ہمپایہ سمجھتے تھے۔

باشندگان عرب کی ایک تعداد کثیر بت پرست تھی مگر وہاں ایک فرقہ موسوم بہ "صابی" بھی تھا جو ثوابت اور سیاروں کی پرستش کرتا تھا۔ انہوں نے بتماہیاکل یعنی ستاروں کی پرستش کے معبد تمام ملک میں تعمیر کئے تھے اور انکو ان مقدس ستاروں کی پرستش کے واسطے مخصوص کیا تھا۔ اسوجہ سے عرب کے لوگ علی العموم یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اجرام فلکی انسان کی قسمت پر فرداً فرداً اور نیز بہ ہئیت مجموعی نیک

یا بد اثر رکھتے ہیں اور باقی مخلوقات پر بھی مؤثر ہیں اور بالخصوص اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ مینہ کا برسنا یا امساک باراں کا ہونا انہی اجرام فلکی کی نیک یا بد تاثیر پر بالکل منحصر ہے۔ اسکے علاوہ اور مذاہب بھی عرب میں شائع تھے لیکن ہم اسجگہ اُنکی بحث نہیں کرتے کیوں کہ یہ مضمون ہمارے اُس خطبہ سے جو اُسکے بعد آویگا علاقہ رکھتا ہے۔

عورتیں حقیقت میں نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں۔ مردوںکو بالکل اختیار تھا کہ جتنی چاہیں اتنی عورتیں کریں۔ اگرچہ اس بات کے تعین کے لئے کوئی قانون منضبط نہ تھا کہ مرد کو کونسی قرابت مند عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے اور کونسی سے ناجائز مگر بااین ہمہ یہ رسم شائع تھی کہ اُس عورت سے جو قریب تر رشتہ رکھتی ہو ازدواج نہیں کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ایسی عورت کی اولاد عموماً ضعیف اور کمزور ہوتی تھی۔

ازدواج کی رسم ادا کرتے تھے اور مہر بھی باندھتے تھے۔ طلاق بھی دیدیتے تھے ہر شخص اپنی زوجہ کو جس طرح ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد پھر اپنی زوجیت میں لے سکتا تھا اسی طرح ہزار بار طلاق دینے کے بعد بھی پھر اپنی زوجیت میں لے لیتا تھا کیونکہ تعداد طلاق کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔

طلاق کے بعد ایک میعاد مقرر تھی جس کے اندر عورت کو کسی اور مرد کے ساتھ ازدواج کرنے کی ممانعت تھی اور اُس میعاد کے اندر اگر فریقین میں آشتی ہوجاتی تو پھر اپنی زوجیت میں لے لیتے تھے۔ مرد اس رسم سے بہت ظالمانہ اور وحشیانہ طور سے مستفید ہوتے تھے۔ وہ اپنی جورو کو کسی بہانہ سے طلاق دیدیتے تھے بیچاری عورت میعاد معینہ تک منتظر رہتی تھی اور اُس میعاد میں کسی دوسرے سے ازدواج نہ کرسکتی تھی لیکن جب میعاد قریب الانقضا ہوتی تھی تو اُسکا شوہر پھر اپنی زوجیت

میں لے لیتا تھا اور تھوڑے عرصہ بعد پھر اُسکو طلاق دے دیتا تھا اور میعاد معینہ کے اختتام کے قریب پھر اپنے ازدواج میں لے لیتا تھا اور اسی طرح بار بار کیا کرتا تھا۔

عربوں میں ایک یہ بیرحم رسم رائج تھی کہ ہر شخص اسبات کو ایک قسم کی ذلت خیال کرتا تھا کہ وہ عورت جو ایک مرتبہ اُسکی زوجہ تھی دوسرے شخص کے ازدواج میں آوے۔

ایک اور قسم کی طلاق بھی زمانہ جاہلیت کے عربوں میں جاری تھی جو "ظہار" کہلاتی تھی اور وہ اس طرح ہوتی تھی کہ مرد اپنی زوجہ کے ایک عضو کے چھونے سے باز رہتا تھا یہ کہکر کہ مجھکو اپنی زوجہ کے جسم کے فلاں عضو کا چھونا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اپنی ماں یا کسی اور قریب رشتہ والی عورت کے جس کے ساتھہ ازدواج ناجائز ہے عضو کا چھونا اس کہنے سے طلاق ہو جاتی تھی۔

عرب جاہلیت کی رسموں میں سب سے زیادہ خراب رسم اور سب سے زیادہ بیرحم لڑکیوں کا مار ڈالنا یا اُنکو زندہ دفن کر دینا تھا۔

تبنیت کی رسم بھی اُن میں شائع تھی اور پسر متبنٰی اپنی والدین کی جائداد کا حقدار اور وارث خیال کیا جاتا تھا۔

لڑکے اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ ازدواج کرنے کے مجاز تھے مگر باپ اپنے بیٹے یا متبنٰی کی زوجہ کے ساتھہ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا اور اسکے خلاف عمل کرنا نہایت معیوب اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔

شوہر کے مرنے کے بعد اُسکا سوتیلا بیٹا اگر وہ نہو تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیا کرتا تھا اور شخص جو اس طرح چادر ڈالتا تھا اُس سے شادی کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔

عورتیں متوفی شوہروں کا ماتم ایک سال کامل تک کیا کرتی تھیں اور میعاد معینہ کے بعد بیوہ اونٹ کی چند خشک مینگنیاں یا تو کسی کتے پر یا گندے پرے خود اپنی ہی پیٹھ پر پھینک دیتی تھی جس سے یہ مراد تھی کہ اب بیوہ کو اپنے متوفی شوہر کا کچھ بھی خیال نہیں رہا۔

عورتوں میں اپنے گھر سے نکلنے اور عام مجمع میں بدون پردہ اور حجاب کے آنے کا دستور تھا اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بیحیائی اور بے شرمی کی بات خیال نہیں کرتی تھیں۔

عورتیں مصنوعی بال سر پر لگایا کرتی تھیں اور اپنے جسم کو نیل سے گودا کرتی تھیں۔

خاندان کے تمام اشخاص قسم ذکور تمام قسم کی عورتوں کو چھونے سے جبکہ وہ اپنے معمولی ایام میں ہوں پرہیز کرتے تھے اور ان عورتوں کو باقی اشخاص خاندان کے ساتھ ملنے جلنے کی ممانعت تھی۔

مُردوں کو قبر میں دفن کرنیکا اعراب جاہلیت میں رواج تھا اور جب کسی جنازہ کو دفن کرنے کے لیئے لیجاتے ہوئے وہ دیکھتے تھے تو اور آدمی مردہ کی تعظیم اور اسپر افسوس ظاہر کرنے کے لیئے سروقد اٹھہ کھڑے ہوتے تھے۔

اُنکا عقیدہ تھا کہ انسان کا خون بجز انسان کے سانس کے اور کچھہ نہیں ہے اور روح محض ایک ہوا انسان کو جسم کے اندر ہے مگر بعض لوگ جو بہ نسبت ان کے زیادہ تعلیم یافتہ تھے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ روح ایک نہایت چھوٹا سا جانور ہے جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت اس کے جسم میں گھس جاتا ہے اور ہمیشہ اپنے آپکو بڑھاتا رہتا ہے انسان کے مرنے کے بعد وہ جانور جسم کو چھوڑ کر قبر کے گرد چیختا پھرتا ہے

یہانتک کہ ایک آنوکے برابر ہوجاتا ہے۔

زمانہ جاہلیت کے عرب دیوؤں اور خبیث ارواحوں کو مانتے تھے۔ تمام خیالی اور وہمی اور فرضی صورتیں جو بیابانوں یا پرانی مسمار اور منہدم عمارتوں میں اُن کو نظر آتیں اور جن کو تنہا آدمی کے خیال میں اکثر صورت بنجاتی ہے ان سب کو مختلف قسم کی خبیث ارواحیں تصور کرتے تھے۔

بعض لوگ ان مغالطات نظری کو مختلف بروج کی تاثیر کی طرف منسوب کرتے تھے اور اُن کی راے اوروں کی راے کے مقابلہ میں افضل تر معلوم ہوتی تھی۔

زمانہ جاہلیت کے عرب نیک اور بدجنات میں عقیدہ رکھتے تھے۔ اُن کی مختلف صورتیں اور شکلیں مقرر کی تھیں اور مختلف نام رکھے تھے۔ اُن کے نزدیک بعض جنات نصف جسم انسان کا سا اور نصف جسم روحانی رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب اور قوتوں اور وجودوں میں بھی اعتقاد رکھتے تھے جو انسان کی نظر سے غائب تھے مگر آیندہ کی خبروں کو باواز بلند ظاہر کردیتے تھے اور خود ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے۔ وہ فرشتوں کو اور اور ارواح کو بھی جو دکھائی نہیں دیتیں مانتے تھے اور مختلف شکلیں اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔

عرب کے زمانہ جاہلیت کی رسم ورواج کو اس مقام پر ہمنے نہایت سرسری طور پر بیان کیا ہے مگر ہمکو امید ہے کہ اُن نیم وحشی لیکن عالی دماغ اور آزادمنش باشندگان عرب کے خانگی اور سوشیل عام حالات معلوم ہونے سے ایک منصف مزاج شخص اگر ایسا شخص دنیا میں پایا جاتا ہے اسباب کا فیصلہ کرسکیگا کہ اسلام کے قبل

عربوں کا کیا حال تھا اور بعد اسلام کے اُن کا کیا حال ہو گیا اور بالعموم اُن کے اخلاق کس طرح پر تبدیل ہو گئے ۔ اُن کی اگلی اور پچھلی حالت کے مقابلہ کرنے میں ہمارا یہ سرسری بیان اُس منصف مزاج شخص کو کافی مدد دیگا اور ایسے نتائج مستنبط کرنے کے قابل کرے گا جن کی جانب اُس کی انصاف پسندی اُسکو ہدایت کریگی۔

تمت

الخطبة الثالثة

فی

الادیان المختلفة التی کانت فی العرب قبل الاسلام

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین

اس خطبہ میں ہم اس امر کی تحقیقات بھی کرینگے کہ اُن ادیان میں سے جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھے اسلام کونسے دین سے مشابہ تر ہے اور آیا اس مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے اسلام ایک دین حق ثابت ہوتا ہے یا ایک عیارانہ بنایا ہوا قصہ۔

توریت مقدس میں جو بیان انسان کے پیدا ہونیکا اور اُس کے بعد بابل میں زبانوں کے مختلف ہوجانے اور روے زمین پر پراگندہ ہونیکا ذکر ہے اُسی کو ہم اپنی اُس بحث کا جو اس خطبہ میں ہے ابتدائی مقام فرض کرتے ہیں اور اسی بنا پر یہ بات کہتے ہیں کہ اگرچہ عبادت اور پرستش کی سادگی اور یکرنگی خود بخود اسوقت تک جاری رہی ہوگی جبکہ انسان تعداد میں کم اور ایک محدود مقام میں تھے مگر جبکہ وہ زیادہ وسیع ملکوں میں پھیل گئے جنکی آب وہوا اور ملک کی بناوٹ مختلف تھی تو اسوقت اُن کے دلوں کو نئے اور عجیب خیالات نے قریباً ہر ایک بات کی نسبت گھیر لیا۔ خصوصاً اس وجود

کی ماہیت کی نسبت جس کی عظمت کے جلوے نیک یا بد خوف و ہراس سے انکو تسلیم کرنے پڑے ۔

وہ لوگ اُن قدرتی ظہور کے طبعی اسباب سے جن کو دیکھنے سے ایک تربیت یافتہ آدمی کے دل میں بھی خوف و ہراس پیدا ہوتا ہے جیسے کہ بھونچالوں کا آنا زمین کا دھس جانا اور پھٹ جانا۔ دریاؤں کا جوش۔ سمندروں کا تلاطم پہاڑوں کے عجائبات درختوں کی کرامات۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ۔ بجلی کی کڑک اور چمک۔ اور اُسکے گرنے سے بربادی۔ اور خوفناک طوفانوں کی تباہی کے اسباب سے محض ناواقف تھے۔ اسلئے اُنہوں نے ان سب کاموں کو کسی ایسے وجود کے کام تصور کئے ہونگے جسکو وہ اپنے آپ سے بدرجہا اعلیٰ اور زبردست اور بوجہ غیر ظاہر ہونے اُس وجود کے اور بھی زیادہ خوفناک تصور کرتے ہونگے۔ یہی اسباب ہیں جن کے سبب ابتدا میں انسان کے دل میں عبادت کرنے اور قربانیاں چڑھانے اور پوجا کرنے کا خیال پیدا ہوا مگر ان دیوتاؤنکو ان میں طریقوں سے خوش کرنے یا اُنکا غصہ مٹانے میں بوجہ ملک کی خاصیت اور ملک کی آب و ہوا کے اور اُسکے باشندوں کے عام مزاج اور چال چلن کے ہر ایک ملک کے باشندوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہمکو اُمید ہے کہ جو کچھہ ہمنے بیان کیا اُس سے اس کتاب کے پڑہنے والے سمجھہ جائینگے کہ عرب میں عموماً مذہبوں کی ابتدا کس طرحپر شروع ہوئی۔

عرب میں جو قومیں قبل اسلام کے موجود تھیں اُن کے حالات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں باعتبار مذہب کے چار مختلف فرقوں میں منقسم تھیں۔ بت پرست۔ خدا پرست۔ لامذہب اور معتقدین مذہب الہامی۔

بت پرستی

انسان کی جبلت میں جو ہر ایک چیز کے سمجھنے کی طاقت ہے اور جس کو ہم سمجھیا عقل سے تعبیر کر سکتے ہیں اُسکا یہ نتیجہ تہا کہ وہ اپنے وجود کی نہایت ابتدائی منزل میں اولاً بتوں کی پرستش کا اپنے ذہن میں خیال پیدا کرے - اسی سبب سے اولاً اُسکے ذہن میں بتوں کی پرستش کا خیال پیدا ہوا اور پہر رفتہ رفتہ قائم و مستحکم ہو گیا -

ایک مصنف کا قول ہے کہ "آدمی از روے خلقت اور جبلت کے مذہب کو ماننے والا پیدا ہوا ہے" اگر وہ معبود حقیقی سے نا واقف ہوگا تو مجازی معبود اپنے لئے بنا لیگا - وہ خطروں اور مشکلوں سے گہرا ہوا ہے وہ قدرت کے عظیم الشان طاقتوں کو ہر طرف اپنے اپنے کام میں مشغول دیکہتا ہے جن کے سبب سے اُسکو خوف ورجا پیدا ہوتی ہے اور باوصف اسکے اُنکے کام اُسکے حیز ادراک اور قبضۂ قدرت سے باہر ہیں - اسواسطے اُسکے دل میں اپنے سے کسی زیادہ طاقتور شے سے ایک تعلق پیدا کرنے کا جسپر وہ تکیہ اور بہروسہ کر سکے خیال پیدا ہوتا ہے - قدرت کے اُن کاموں کو ذہن نشین کرنے اور اُنکی سمجھہ میں آنے کے لئے اب اُس کے واسطے صرف ایک طریقہ ہے - طبعی اسباب کا تصور تو بہت تہوڑے عرصہ سے پیدا ہوا ہے - ابتدائی انسان صرف ایک قسم کی علت کا گمان کر سکتا ہے یعنی مثل اپنے ایک با ارادہ طبیعت کا - اسلئے وہ تمام چیزونکو جنہیں متحرک اور عمل کنندہ پاتا ہے ذیروح اور ذی فہم وجود ٹہرا لیتا ہے اور اُن کی طرف مثل انسانوں کے خیالات اور طبائع منسوب کرتا ہے اور اس سے زیادہ کیا قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ بذریعہ

نذروں اور التجاؤں کے اُن کے مہربان کرنے یا اُن کی بدمزاجی یا غصہ کے دور کرنے کے واسطے کوشش کرے۔

جب کہ انسان ہنوز وحشیانہ حالت میں تھا اُسنے قدرت کی بڑی بڑی اشیا کو اپنے فرحت یا مصیبت کے اسباب کی نظر سے دیکھا اور اسی واسطے اُنکو بہ نسبت اپنے زیادہ طاقتور سمجھا۔ اور اس نیت سے کہ اپنی دعائیں اور التجائیں اُن سے ایک ظاہری شکل میں کرے اُسکو اپنی خیالی چیزوں کے مجسم کرنے کے واسطے جو اب آسکے معبود ہوگئے نقاشی یا مصوری گو کیسی ہی ناقص ہو عمل میں لانی پڑی۔ بت پرستی کی ایک اور بنا کسی قوم کے کسی شخص کی خدمات کی جو اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے مشہور و معروف ہوا ممنونیت کی خواہش تھی۔ یعنی ایسے کارہائے نمایاں جو شاعروں کے وحشیانہ گیتوں اور نظموں میں مشہور ہوے اور مرنے کے بعد اُس شخص کو معبود ہونے کے رتبہ کا صلہ دلایا۔ یہی امر عرب پر بھی صادق آتا ہے۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ ستیارے اور بروج ملائک اور ارواح جو بقول اُن کے انسانوں کی زندگانی کے واقعات پر حاوی اور قادر تھے اُن سب کو رتبہ الوہیت دے رکھا تھا اور اُن کی پرستش کرتے تھے۔ اسی طرح اُن آدمیوں کی بھی پرستش کرتے تھے جنھوں نے اپنے شکر گذار ملک کی خدمتیں بجالا کر نام حاصل کیا تھا۔

اس طریقہ پرستش کے اختیار کرنے میں انسانوں کا منشا محض متعلق بہ دنیا تھا۔ اُن بتوں یا اُن اشیاء اور اشخاص کی پرستش کا باعث جن کے وہ قائم مقام ہیں یہ اعتقاد تھا کہ اپنے پرستش کنندہ کو ہر قسم کی دنیوی خوشی اور آسایش عطا کرنا اور اُن مصیبتوں اور خرابیوں کو جو اُسپر نازل ہونے والی ہوں رد کردینا اُن کے اختیار میں ہے۔

اور اُن کی پرستش کو ترک کر دینے کی سزا اُن کے اعتقاد میں افلاس - بیماری - لاولدی
اور عبرت انگیز موت ہوتی تھی -

جبکہ زمانہ بڑھتا گیا جب کہ تہذیب اور شائستگی کو ترقی ہوتی گئی جبکہ باہمی راہ و رسم
کے ذریعے زیادہ شائع اور پُرامن ہوتے گئے جبکہ آدمیوں کو ایک دوسرے سے
ملاقی ہونیکا زیادہ اتفاق ہوتا گیا یہانتک کہ اپنے خیالات اور اپنی رایوں اور اپنے عقائد
کا تبادلہ کرنے کے قابل ہوئے اُن کو دماغ عالی ہوتے گئے اور اُن کی خوشیاں
زیادہ شائستہ اور پاک ہوتی گئیں -

یہی غیر محسوس خیالات کی ترقی عرب میں بھی واقع ہوئی اور اُس ملک کے باشندوں
نے اپنے معبودوں کو ہر جسمانی آسائش اور روحانی خوشی کے عطا کرنے کا اُس شخص
کی نسبت جس سے وہ راضی ہوں اختیار کل دیدیا -

قدیم باشندگان عرب کی نسبت یعنی قوم عاد - ثمود - جدیس - جرہم الاولی اور
عملیق اول وغیرہ کی اسقدر محقق ہے کہ یہ لوگ بت پرست تھے مگر ہمارے پاس کوئی
ایسی مقامی روایت عرب کی نہیں ہے جو ہمکو اُنکی پرستش اصنام کے طریقوں کی تعین
اور جو قدرتیں کہ وہ اپنے معبودوں کی طرف منسوب کرتے تھے اُن کی تصریح اور جن
اغراض اور ارادوں سے کہ وہ مورتوں کو پوجتے تھے اُن کے بیان کرنے میں مطمئن
کرے - قریب قریب تمام حال جو ہمکو عرب کے بتوں کی نسبت معلوم ہے صرف
یقطان اور اسمٰعیل کی اولاد کے بتوں کی نسبت معلوم ہے جو عرب العاربہ اور عرب المستعربہ
کے نام سے مشہور ہیں اُن کے بت دو قسم کے تھے - ایک قسم کے تو وہ تھے
جو ملائک اور ارواح اور غیر محسوس طاقتوں سے جنپر کہ وہ اعتقاد رکھتے تھے اور

جن کو مونث خیال کرتے تھے نسبت رکھتے تھے۔ اور دوسری قسم کے وہ تھے جو نامی اشخاص کی طرف جنہوں نے اپنے عمدہ کاموں کی وجہ سے شہرت حاصل کی تھی منسوب تھے۔

وہ قدرتی سادگی اور بے تکلفی جو ابتدائی درجہ تمدن میں آدمیوں کی نشانیاں ہیں اُن کی پرستش کے طریقوں میں قابل تمیز نہیں رہی تھیں۔ علاوہ اسکے اُنھوں نے بہت سے خیالات غیر ملکوں کے اور نیز اپنے ہی وطن اصلی کے الہامی مذہبوں سے اخذ کر لئے تھے اور ان سب کو اپنے توہمات سے خلط ملط کر کے اپنے معبودوں کو دنیا اور عقبیٰ دونوں کے اختیارات دیدیے تھے۔ لیکن اتنا فرق تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دنیوی اختیارات بالکل اُن کے معبودوں کے ہاتھ میں ہیں اور عقبیٰ کے اختیارات کی نسبت اُنکا یہ اعتقاد تھا کہ اُن بت یعنی وہ جن کی پرستش کیلئے وہ بت بنائے گئے ہیں اُن کے گناہوں کی معافی کی خدا تعالیٰ سے شفاعت کرینگے اُنکی طرز معاشرت اور اُن کی خانگی سوشیل اور مذہبی اطوار اور رسوم نے بھی اسی طرح سے گرد نواح کے ملکوں سے جن کے باشندے الہامی مذہب رکھتے تھے اثر حاصل کیا تھا۔ غرضکہ قبل ظہور اسلام کے ملک عرب میں بُت پرستی کی یہ کیفیت تھی۔

لامذہبی

زمانہ جاہلیت میں ملک عرب میں ایک فرقہ تھا جو کسی چیز کو نہیں مانتا تھا نہ تو بُت پرستی کو اور نہ کسی الہامی مذہب کو۔ اُنکو خدا کے وجود سے انکار تھا اور حشر کے بھی منکر تھے اور چونکہ وہ گناہ کے وجود کے قائل نہ تھے اسی لئے عقبیٰ میں بھی روح

کی جزا یا سزا کے قائل نہ تھے - وہ اپنے آپ کو جملہ قیود قانونی خواہ رسمی سے مبرا
تصور کرتے تھے اور اپنی ہی آزاد مرضی کے موافق کاربند ہوتے تھے - اُنکا عقیدہ
یہ تھا کہ انسان کا وجود اس دنیا میں ایک درخت یا جانور کی مانند ہے - وہ پیدا ہوتا ہے
اور پختگی پر پہنچکر تنزل پکڑتا ہے اور مرجاتا ہے جس طرح کہ کوئی ادنیٰ جانور مرجاتا ہے اور
جانوروں ہی کی مانند بالکل نیست و نابود ہوجاتا ہے -

خداپرستی

زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بھی خدا پرست عرب تھے اور وہ دو قسم کے
تھے ایک تو ایک غیر معلوم اور پوشیدہ قدرت کو جسکو وہ اپنے وجود کا خالق قرار دیتے
تھے مانتے تھے لیکن باقی امور میں اُن کا عقیدہ لامذہبوں کے عقیدہ کی مانند تھا -
دوسری قسم کے فرقہ کے لوگ خدا کو برحق مانتے تھے اور قیامت اور نجات اور حشر
اور بقاے روح اور آنکی جزا اور سزا کے جو حسب اعمال انسانوں کو ملیگی قائل تھے
مگر انبیا اور وحی پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے -

اس اخیر فرقہ کا عقیدہ تھا کہ غیر فانی روح کی جزا اور سزا دوسرے جہان میں محض
آدمیوں کے نیک اور بد اعمال پر جو اس دنیا میں کئے ہوں منحصر ہے - اسلئے ضرور ہوا
کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے اُن کو دائمی خوشی حاصل ہو اور اُن کو ابدی تکلیف
اور خرابی سے محفوظ رکھے لیکن خود اُن کے پاس کوئی ایسا اصول جس پر وہ کاربند
ہوتے موجود نہ تھا اسلئے اُنھوں نے اُن قواعد کی طرف توجہ کی جن کو اُن کے گرد
نواح کی قومیں مانتی تھیں اور اپنی سمجھہ کے موافق ہر قوم سے کچھہ کچھہ باتیں اخذ کرکے

اختیار کیں - یہی اسباب تھے جن کے سبب سے عرب کے کچھہ لوگ بت پرست ہو گئے اور بعض نے کسی مذہب معینہ کی پابندی نہیں کی بلکہ اپنی ہی عقل اور سمجھہ کے بموجب کاربند ہوے -

الہامی مذہب

اسلام سے پہلے چار الہامی مذہب عرب میں وقتاً فوقتاً جاری ہوئے (۱) مذہب صابئی (۲) مذہب ابراہیمی اور دیگر انبیاء عرب کا (۳) مذہب یہود - (۴) مذہب عیسوی -

مذہب صابئی -

اس مذہب کو عرب میں قوم سامی نے رواج دیا تھا جو اپنے آپ کو قدیم مذہب کے پیرو سمجھتے تھے - وہ حضرت شیث اور حضرت اخنوخ یعنی ادریس کو اپنے نبی کہتے تھے اور اپنے مذہب کو اُن کی طرف منسوب کرتے تھے - اُن کے ہاں ایک کتاب بھی تھی جسکو وہ صحیفہ شیث کہتے تھے - ہماری راے میں کوئی یہودی یا عیسائی یا مسلمان صابئیوں کے اُس عقیدے پر جو وہ حضرت ادریس کے ساتھ رکھتے تھے کسی قسم کا اعتراض نہیں کرسکتا ہے - توریت میں حضرت ادریس کو ایک مقدس اور باخدا شخص لکھا ہے اور وہ آیت یہ ہے " واخنوخ باخدا سلوک نمود بعد ازاں ناپدید شد چہ خدا او را گرفتہ بود " (کتاب پیدایش باب ۵ ورس ۲۴) وہ شخص جسکو مسلمان ادریس یا الیاس کہتے ہیں اور توریت کا اخنوخ ایک ہی شخص ہیں - صابئیوں کے ہاں سات وقت کی نمازیں تھیں اور وہ اُن کو اسی طرح ادا

کرتے تھے جس طرح کہ مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔ مردہ کی بھی وہ نماز پڑھا کرتے تھے مسلمانوں کی طرح وہ بھی ایک قمری مہینہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ مگر جو برائی کہ آہستہ آہستہ اُن کے مذہب میں پھیل گئی تھی وہ یہ تھی کہ ستاروں کی پرستش کرنے لگے تھے اُنہوں نے سات ہیاکل یعنی معبد سبعہ سیاروں کے لئے بنائے تھے اور جس ستارہ کا جو معبد تھا اُسی معبد میں اُس ستارہ کی پرستش کرتے تھے۔ حران کے معبد میں سب لوگ بہ نیت حج جمع ہوا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کی بھی بڑی تعظیم کرتے تھے انکا سب سے بڑا مذہبی تیوہار اُس روز ہوا کرتا تھا جب کہ آفتاب برج حمل میں جو موسم بہار کا اول برج ہے داخل ہوتا تھا اور چھوٹے چھوٹے تیوہار اُسوقت ہوتے تھے جبکہ پانچ سیارے یعنی زحل۔ مشتری۔ مریخ۔ زہرہ۔ عطارد۔ بعض برجوں میں یکے بعد دیگرے داخل ہوا کرتے تھے۔ اُنکا اعتقاد تھا کہ ان سیاروں کا سعد اور نحس اثر انسان کی قسمتوں پر اور دنیا کے اور امور پر ہوتا ہے۔ وہ یقین کرتے تھے کہ بارش یا مینہ کی کشش انہیں ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے۔ یہ خیال اور اسی قسم کے اور خیالات اور عقائد صابیوں کے سوا عرب کے اور لوگوں میں بھی رائج ہو گئے تھے۔ اُن میں اعتکاف کرنے کا بھی رواج تھا اور غاروں یا پہاڑوں میں چند روز مراقبہ اور سکوت میں بسر کرتے تھے۔

ابراہیمی یا دیگر انبیاء عرب کا مذہب

اسلام سے پہلے پانچ انبیاء عرب میں مبعوث ہوئے تھے (۱) ہود (۲) صالح۔ (۳) ابراہیم (۴) اسمٰعیل (۵) شعیب۔ یہ سب نبی حضرت موسیٰ سے اور بنی اسرائیل

احکام عشرہ کے عطا ہونے سے پیشتر گذرے ہیں۔

اصل اصول ان جمیع انبیاء کے مذاہب کا خدائے واحد کی عبادت تھا۔ اور دیگر احکام و مسائل جنکو انبیاء مذکور نے بتایا تھا باستثناء احکام و مسائل حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل کے سب فراموش ہو گئے تھے اور کوئی مقامی روایت ایسی موجود نہیں ہے جو ہمکو اس بات سے واقف کرے کہ وہ احکام کیا تھے اور کتنے تھے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کے مذہب کے احکام و مسائل کے لئے بھی اسی طرح کوئی ایسی کافی سند نہیں ہے جس سے کہ ہم ان کو تفصیلوار بیان کر سکیں اور ایسے بہت کم مسائل ہیں جنہوں نے باستعانت روایت مذہبی اور روایت مقامی کے ایسا تاریخی رتبہ حاصل کیا ہو کہ ہم اس کے حوالہ دینے کے لائق ہوں۔

حضرت ابراہیم کے تقوے اور پرہیزگاری کا سب سے پہلا کام بت پرستی کا ترک کرنا اپنے باپ کے بتوں کا توڑنا اور خدائے برحق پر یقین کر کے صدق دل سے اسکی پرستش کرنا تھا

ختنہ اور ڈاڑہی کا رکھنا رسوم مذہبی ہیں جن کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہ رسمیں حضرت ابراہیم نے مروج اور معین کی تہیں۔ خدائے پاک کی پرستش کے واسطے قربان گاہوں کے بنانے کی رسم بھی حضرت ابراہیم نے جاری کی تہی اور منجملہ بیشمار قربان گاہوں کے جو حضرت ابراہیم نے بنائیں ایک قربان گاہ اُس مقام پر بہی بنائی تہی جہاں کہ حجر اسود قبل اس کے کہ دیوار کعبہ میں اور پتہروں کے ساتھ نصب ہو کہڑا ہوا تہا۔

خدا تعالیٰ کے نام پر قربانی کرنا بہی حضرت ابراہیم نے مقرر کیا تھا اور یہ رسم

آجتک اُن کی اولاد میں اور اُن کی اولاد کے پیرؤں میں بجنسہ مروج ہی -

خدا تعالیٰ کی عبادت کے واسطے خانہ کعبہ کی تعمیر کی نسبت عرب کی تمام مقامی روایتیں اور تمام مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے بنایا تھا -

سینٹ پال حواری نے جو گلیشیا والوں کے نام خط لکھا ہے ہماری رائے میں اُس سے بھی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کو "جو بیت المقدس کا ہمپایہ ہے" حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے بنایا تھا -

خانہ کعبہ میں اول خدا کی عبادت اُس کے اندر اور باہر کیا کرتے تھے اور اُس کے بعد اُسکے گرد طواف کیا کرتے تھے اور طواف کے وقت ساری جماعت پکار پکار کر خدا کا نام لیتی تھی اور خانہ کعبہ کو بوسہ دیتی جاتی تھی

اس مقام پر خود بخود ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا فرق ہے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے اور اُسکو اور حجر اسود کو بوسہ دینے اور قربان گاہوں کے بنانے اور اُنکی تعظیم کرنے اور حضرت یعقوب کے پتھر کھڑا کرنے اور اُس پر تیل ڈالنے اور نماز میں بیت المقدس یا کعبہ کی طرف سجدہ کرنے غرضکہ اشیای مجسّم کی تعظیم اور حرمت کرنے میں اور بت پرستوں کی اُن رسوم میں جو وہ اپنے بتوں کی نسبت عمل میں لاتے ہیں اور جس کی وجہ سے اُنکو ہر شخص حقارت اور غصہ کی نظر سے دیکھتا تھا اور اب بھی دیکھتا ہے -

بلاشبہہ ان دونوں کاموں میں بڑا فرق ہے مگر جو امر کہ لوگوں کو ان دونوں کاموں میں صاف صاف تمیز کرنے سے روکتا ہے وہ لفظ "بت پرستی" ہے جس سے یہ

مراد سمجھی جاتی ہے کہ آدمی کسی مجسّم اور مصنوعی شے کی تعظیم اور پرستش کرنے میں گنہگار ہوتے ہیں۔

مگر یہ غلطی ہے۔ بت پرستوں کے مشرک اور گنہگار ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ مجسم اور مصنوعی اشیاء کی تعظیم اور پرستش کرتے ہیں بلکہ اسکی وجہہ یہ ہے کہ وہ چند روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیاء کو اُن سب قدرتوں کا مالک سمجھتے ہیں جو درحقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سے علاقہ رکھتے ہیں اور اُن اشیاء وغیرہ کی اس طرح بندگی بجا لاتے ہیں جو صرف خدا تعالےٰ ہی کو سزاوار ہے۔ اُن کے بت اُن وجودوں کے جو غیر خدا ہیں قائم مقام اور یادگار ہوتے ہیں نہ کہ خدا تعالیٰ کے۔ اس اعتقاد کی وجہہ سے وہ مشرک اور گنہگار ہو جاتے ہیں خواہ وہ اُن روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیاء کے ناموں پر کوئی مورت یا بت قائم کر کے پوجتے ہوں خواہ صرف اپنے دل ہی میں یہ اعتقاد رکھکر اُنکی پرستش کرتے ہوں۔ اور ظاہر میں اُن کا کوئی بت نہ بناتے ہوں۔ اُنکو بت پرست اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ اکثر ان روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیاء کی جنکو وہ صفات آلہی کا مخزن اور معدن سمجھتے تھے اپنے خیال کے موافق بت اور مورتیں بنا کر اُنکے توسل سے اُنکو پوجتے تھے اگر وہ ان ظاہری وسائلِ پرستش کو اختیار نہ کرتے لیکن باطن میں یہی اعتقاد رکھتے تب بھی اُنکو بت پرست کہنا ناموزوں نہ ہوتا۔

حضرت ابراہیم کی بنائی ہوئی قربان گاہیں جن میں کہ حجر اسود بھی شامل ہے اور حضرت یعقوب کا کھڑا کیا ہوا پتھر اور خانہ کعبہ اور بیت المقدس یہ سب چیزیں کسی

مشہور و معروف اشخاص کی یادگار کے طور پر نہیں بنائی گئی تہیں اور نہ وہ کسی فرشتہ یا عظیم الشان قدرتی شے کے نام پر قائم کی گئی تہیں بلکہ بالتخصیص قادر مطلق کے نام پر جو تمام چیزوں کا خالق ہے اور اُسی کی پرستش کی غرض سے بنائی گئی تہیں جملہ رسوم اور تکلفات جو اُن مقاموں پر برتے جاتے تہے صرف خدا تعالی کی عبادت اور پرستش کے مختلف طریقے تہے اور خدا تعالی کی بندگی گو کسی طور پر بجا لائی جاوے جسکو خدا تعالی نے منظور اور مقبول کر لیا ہو ہرگز گناہ یا شرک یا بت پرستی نہیں ہو سکتی۔

تمام آدمیوں کا میدان عرفات میں جمع ہونا جہاں کہ نہ حضرت ابراہیم کا حجر اسود ہے نہ حضرت یعقوب کا سنگ قربانگاہ اور نہ حضرت اسمعیل کا معبد بلکہ محض ایک وسیع میدان ہے۔ اُن لوگوں کا ایک ساتھ شامل ہو کر خدا کا نام لیکر پکارنا اور اپنے گناہوں کی معافی چاہنا خاص خدا کی عبادت ہے جسکا نام مسلمانوں نے حج رکھا ہے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل اس طرح پر عبادت کرنے کے بانی ہوئے تہے پس کون شبہہ کر سکتا ہے کہ حج اُس واجب الوجود لاشریک لہٗ کی خاص الخاص عبادت ہے۔

افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا تہا مگر باینہمہ ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص ایسے بہی تہے جو ان مذاہب الہامی میں سے کسی نہ کسی مذہب کے متبع تہے اور خدائے واحد کی پرستش کرتے تہے۔ اُنہیں لوگوں میں سے متعدد نے مجدد مذہب ہونیکا دعوی کیا اور اللہ تعالی کے معبود حقیقی ہونیکا مجمع عام میں وعظ کہا اور لوگونکو بت پرستی چہوڑنے پر ترغیب دی۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی نسبت مجدد مذہب ہونے کی شہرت دی تہی اُن کے

نام یہ ہیں ۔ حنظلہ ابن صفوان ۔ خالد ابن سنان ۔ اسد ابوکرب ۔ قیس ابن صیدہ وغیرہ
اور بعضوں نے عبدالمطلب کو بھی ایک مجدد مذہب قرار دیا ہے

لیکن یہ کیسا ہی حیرت انگیز امر کیوں نہ معلوم ہو کہ اُس شخص کی اولاد جسنے اپنے
باپ کے بتونکو توڑا اور اُن کی پرستش سے منہہ موڑا اور خدائے برحق کی پرستش کیلئے
متوجہہ ہوا اور کہا "انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من
المشرکین"۔ رفتہ رفتہ اُسی بت پرستی کی حالت میں ڈوب جاے ۔ مگر اس سے
زیادہ تعجب انگیز اور حیرت آمیز یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اُسی کی اولاد میں ایک ایسا
شخص پیدا ہوا جسنے پھر اپنے مورثوں کے بتونکو بلکہ تمام عرب کے بتونکو نارت
کردیا اور جسنے خداے اعظم اور علام الغیوب کی عبادت کو جو تمام چیزونکا مبدا اور
مرجع ہے رواج دیا اور اعلی ترین درجہ پر پہونچا دیا اور جس نے کہ جہالت اور کفر کی
اُس گہری تاریکی کو جس میں کہ اُسکے ہموطن مبتلا تھے دین حق کے پاک اور شفاف
نور سے منور کردیا ۔

یہودی مذہب

یہودی مذہب کو شام کے یہودیوں نے عرب کے ملک میں شائع کیا تہا جو
اُس ملک میں جاکر آباد ہوئے تھے ۔ بعض مصنف ناواجب جرأت کرکے یہ راے
دیتے ہیں کہ ایک قوم بنی اسرائیل کی اپنے جتھے سے علیحدہ ہوکر ملک عرب
میں جا بسی تہی اور وہاں اکثر قومونکو اپنا مذہب تلقین کیا ۔ مگر یہ راے صحت سے
بالکل معرا ہے ۔ اصل یہ ہے کہ یہودی مذہب عرب اُن یہودیوں کے ساتھ

آیا تھا جو پینتیسویں صدی دنیوی میں یا پانچویں صدی قبل حضرت مسیح کے بخت نصر کے ظلم سے جو ان کے ملک اور قوم کی تخریب کے درپے ہوا تھا بھاگ گئے تھے اور شمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے تھوڑے عرصہ بعد جب کہ اُن کی مضطرب حالت نے کسیقدر سکون اور قرار پکڑا اُنہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیا اور قبیلہ کنانہ اور حارث ابن کعب اور کندہ کے بعض لوگوں کو اپنے مذہب میں لائے۔ جب کہ ۳۶۵۰ دنیوی میں یا ۳۵۴ قبل حضرت مسیح کے یمن کے بادشاہ ذو نواس حمیری نے مذہب یہود اختیار کیا تب اُس نے اور لوگونکو بھی بالجبر اس مذہب میں داخل کر کے اسکو بہت ترقی دی۔ اُس زمانہ میں یہودیونکو عرب میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور اکثر شہر اور قلعے اُن کے قبضہ میں تھے۔

اسبات کے یقین کرنے کا قوی قرینہ یہ ہے کہ یہودی بت پرستی کو غصہ اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہونگے۔ مگر عرب کی کوئی مقامی روایت اس مضمون کی نہیں پائی جاتی کہ خانہ کعبہ کی نسبت اُن یہودیوں کی رائے عربوں کی رائے سے برخلاف تھی مگر یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ ایک تصویر یا مورت حضرت ابراہیم کی جنکے پاس ایک مینڈھا قربانی کے واسطے موجود کھڑا تھا یہودیوں کے ذریعہ سے خانہ کعبہ میں اُس بیان کے مطابق جو توریت میں ہے کھینچی گئی ہوگی یا رکھی گئی ہوگی۔ کیونکہ یہودی اس قسم کی تصویروں یا مورتوں کے بنانے اور رکھنے کو گناہ نہیں سمجھتے تھے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہودیوں کے ذریعہ سے ملک عرب میں خدا تعالیٰ کی معرفت کا علم جیسا کہ قبائل عرب میں بالعموم پیشتر تھا اُس سے بھی دو چند ہوگیا وہ عرب جنھوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا اور وہ لوگ بھی جو اُن سے راہ و رسم

کرتے تھے اُس سے فائدہ مند ہوئے تھے۔ کیونکہ یہودیوں کے پاس ایک عمدہ قانون شریعت اور سوشیل اور پولیٹکل کا موجود تھا اور اُس زمانہ کے عرب اس قسم کی چیز سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اس سے ایک معقول طور پر استنباط ہوتا ہے کہ بہت سے خانگی اور سوشیل آئین اور رسوم کو جو اُس قانون میں مذکور ہیں عربوں نے اختیار کر لیا ہوگا خصوصاً یمن کے رہنے والوں نے جہاں کہ اُن کے بادشاہ ذونواس نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا اور اُس نے یہودی مذہب کی ترویج میں کوشش کی ہوگی۔

ہمکو اس مقام پر مذہب یہود کے مسائل اور عقائد اور اُن کی رسموں اور طریقوں پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ یہ سب باتیں توریت میں موجود ہیں اور ہر شخص اُنسے کسی نہ کسی قدر واقف ہے۔ اور وہ امور جنکا بیان کرنا ہمکو بالتخصیص مدنظر ہے اُس مقام پر بیان ہونگے جہاں کہ ہم مذہب یہود اور اسلام کے تعلق باہمی پر بحث کرینگے۔

عیسوی مذہب

یہ بات محقق ہے کہ عیسوی مذہب نے تیسری صدی عیسوی میں ملک عرب میں دخل پایا تھا جبکہ اُن خرابیوں اور بدعتوں کی وجہ سے جو آہستہ آہستہ مشرقی کلیسا میں شائع ہوگئی تھیں قدیم عیسائیوں کی تباہی ہوئی تھی اور وہ لوگ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے تاکہ اور کسی جگہ جا کر پناہ لیں۔ اکثر مشرقی اور نیز یورپین مورّخ جنہوں نے اس مضمون کو مشرقی مصنفوں سے اخذ کیا ہے اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ

وہ زمانہ ذو نواس کی سلطنت کا زمانہ تھا مگر ہم اس راے سے کسی طرح اتفاق نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے حساب کے موافق جسکا بیان ہمنے خطبہ اول میں کیا ہے ذو نواس کا زمانہ قریباً چھ سو برس پیشتر اس واقعہ کے گذر چکا تھا اور اسی وجہ سے ہم اُن مصنفوں کی اس راے کو بھی تسلیم نہیں کرتے جنکا بیان ہے کہ ذو نواس نے عیسائیوں کی تخریب کی تھی -

اول مقام جہاں کہ یہ بھاگے ہوے عیسائی آباد ہوے تھے نجران تھا اور اُس سے پایا جاتا ہے کہ وہاں کے معتدبہ لوگوں نے عیسوی مذہب قبول کر لیا تھا - یہ عیسائی فرقہ جیکوبائٹ یعنی یعقوبی فرقہ تھا اور اس لقب سے مشرقی فرقہ "مانوفیزیٹیز" کا موسوم کیا جاتا تھا - اگرچہ صحیح طور پر یہ لقب شام اور عراق اور بابل کے فرقہ "مانوفیزیٹیز" پر اطلاق ہو سکتا ہے - جیکوبائٹ کا لقب ایک شام کے راہب کے سبب سے جسکا نام جیکوبس براڈیس تھا اس فرقہ کا پڑ گیا تھا اور جس نے کہ یونان کے بادشاہ جسٹی نین کے عہد میں اپنے ملک سے نکلے ہوے "مانوفیزیٹیز" کا ایک علیحدہ فرقہ قائم کر لیا تھا - اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ صرف ایک صفت رکھتے ہیں یعنی ایک انسانی صفت نے اُن میں تقدیس کا درجہ حاصل کر لیا ہے -

عیسائی مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ عیسوی مذہب نے اہل عرب میں بہت ترقی حاصل کی تھی مگر ہم اس باب میں اُن سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باستثناے صوبہ نجران کے جس کے اکثر باشندوں نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا قبائل حمیر - غسان - ربیعہ - تغلب - بہرا - تنوخ - طی - قودیہ اور حیرہ میں معدودے اشخاص نے اُنکی تقلید کی تھی اور کوئی جماعت کثیر یا قوم کی قوم عیسوی مذہب میں

میں نہیں آئی تھی۔ جس طرح کہ یہودی مذہب میں آگئی تھی۔ اغلب ہے کہ ان متفرق اعراب متنصرہ کی وساطت سے حضرت مریم کی تصویر خواہ مورت حضرت عیسیٰ کو گود میں لئے ہوئے خانہ کعبہ کی اندرونی دیواروں پر کھینچی گئی ہو یا اُسکے اندر رکھی گئی ہو۔

خانہ کعبہ میں متعدد قوموں کے معبودوں کی یا بزرگوں کی تصویریں یا مورتیں رکھی ہوئی تھیں اور جس فرقہ سے وہ تصویر یا مورت علاقہ رکھتی تھی وہی فرقہ اُسکی پرستش کرتا تھا جب کہ عرب کے لوگون نے یہودی اور عیسائی مذہب اختیار کرلیا تو اُسی مذہب کے لوگوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت مریم کی تصویر یا مورت خانہ کعبہ میں رکھی یا کھینچی ہوگی کیونکہ جس طرح عرب کے اور فرقونکو اپنے معبودوں یا بزرگوں کی مورتیں رکھنے یا کھینچنے کا کعبہ میں حق تھا اسی طرح اُن عربوں کو بھی حق تھا جو یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے۔ اور کسیکو اُس کی ممانعت کا حق نہ تھا۔

اسلام سے پیشتر ملک عرب کی یہ مذہبی حالت تھی اور ایسے مختلف مذہب جو زمانہ واحد میں وہاں مروج ہو گئے تھے اُسکا ضروری نتیجہ یہ ہوا ہوگا کہ اُن مذہبوں کے احکام اور مسائل اور رسوم باہم خلط ملط اور اہل عرب میں بالعموم مروج ہو گئے ہونگے۔ کیونکہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اُن نیم وحشی اور جاہل لوگونکو اس قدر شعور ہو کہ اتنے مذاہب مختلفہ کے باہمی تفوق کو جانچ سکتے ہوں اور ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرکے دقیق تفاوت کی تمیز کرتے ہوں۔

ان مذاہب کے بھاری بوجھ کے نیچے ملک عرب ایک مذبوحی حرکت کررہا تھا کہ دفعتاً اسلام نمودار ہوا اور اُسکو حیرت آمیز سرور میں ڈالکر اُسکا غیر متحمل بوجھ دُور کردیا اور دفعتاً جزیرہ عرب کے چاروں کونونکو صدق کے نور سے بھرپور کردیا اس لئے اگر

یہ کہنا جائز ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام عرب کے حق میں رحمت ایزدی سے بہی کچہہ زیادہ تہا۔ اسلام ازروے اصول کے بت پرستی کے بالکل متناقض تہا کیونکہ وہ حقائق قدرتی اور ابدی کی تعلیم او تلقین کر کے انسان کو اعلی درجہ پر پہونچانا چاہتا تہا اور بت پرستی انسان کو جہالت کی حالت میں رکہکر ازروے تمدن اور اخلاق کے دونوں طرحسے غلام بنانا چاہتی تہی۔ اسلام لامذہبی سے بہی کچہہ موافقت نہ رکہتا تہا کیونکہ اُسکا ابتدائی اور خاص اصول یہ ہے کہ خدا تعالی کی وحدانیت پر اور اُسکے وجود بیچون وچرا اعتقاد رکہنا چاہیے جس کے وجود سے لامذہبوں کو انکار تہا۔ مذہب اسلام میں اور عرب کے خداپرستوں کے مذہب کے دونوں فرقوں میں سے دوسرے فرقہ سے کوئی سخت مخالفت نہ تہی کیونکہ اگر اس فرقہ کے عقائد میں وحی کے عقیدہ کو اضافہ کیا جاوے تو مذہب اسلام کے اصلی اصول کے بہت قریب قریب ہو جاتا ہے۔ مذہب صابئی کے عقائد الہام سے اسلام بالکل مماثل تہا لیکن اُس مذہب میں اجرام فلکی کی پرستش کو روکرتا تہا اور سیاروں کے نام پر مورتیں بنانے اور معابد قائم کرنے کو بہی جو ایک قسم کی بت پرستی ہے اور جس میں قوم صابئی بوجہ امتداد زمانہ کے آہستہ آہستہ آپڑی تہی ناروا ٹہیراتا تہا۔

ابراہیمی مذہب اور عرب کے اور نبیوں کے مذہب اور یہودی مذہب کے اصول اور احکام اور عقائد اسلام کے اصول اور احکام او رعقائد کے کچہہ بہی متناقض نہ تہے۔ بلکہ درحقیقت اسلام کے اصول اور احکام ابراہیمی مذہب اور دیگر انبیاے عرب کے مذہب اور یہود کے مذہب کے اصول اور احکام کو کمل کرتے تہے۔ اسلام میں اور یہودی مذہب میں صرف یہ فرق تہا کہ اسلام حضرت یحیی کو تسلیم کرتا تہا مگر یہودیوں اور عیسائیوں کی بعض غلط تفاسیر کو جو وہ توریت اور انجیل کی آیتوں کی کرتے تہے نہیں

مانتا تھا اصول اسلام اُن عمدہ اصول سے جن کی درحقیقت حضرت عیسیٰ نے تلقین کی تھی مطابقت تامہ رکھتا تھا لیکن زمانہ اسلام میں جو عیسائی تھے اُن کے اصول اور عقائد اور مسائل اور رسوم مذہبی اور اُن کے برتاؤ سے بالکل مخالف تھا اور بجز چند متفرق اور متعدد مسائل اخلاق کے کسی اور چیز میں اُن دونوں مذہبوں میں مشابہت نہ تھی۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کیا ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ مذہب اسلام صابی مذہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور ابراہیمی مذہب اور عرب کے دیگر الہامی مذہبوں کے اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور ترتیب اور یہودی مذہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی قرار واقعی تکمیل اور اللہ جل شانہٗ کی وحدانیت کی ایسے اعلیٰ درجہ پر توضیح جو کسی اور مذہب میں اس تکمیل سے نہیں تھی اور جسکو ہم وحدت فی الذات اور وحدت فی الصفات اور وحدت فی العبادۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور اخلاق کے اُن اصولوں کی جن کی حضرت عیسیٰ نے در اصل تلقین کی تھی تکمیل ہے اور اُن تمام مذاہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور اجتماع کا نام اسلام ہے۔ ہم اپنے اس جواب کو بعض مثالوں کے حوالہ سے مشرح کرتے ہیں۔

مذہب اسلام میں دوسرے معبود کی پرستش کا امتناع اور بت پرستی کا استیصال یہودیوں کے مذہب کے اصول کے بالکل مماثل ہے۔ توریت میں لکھا ہے کہ "در حضور من ترا خدایان غیر نہ باشند" (سفر خروج باب ۲۰ ورس ۳) "بہر چہ شمارا امور داشتم رعایت نمایید واسم خدایان غیر را ذکر نہ نمودہ از دہانت شنیدہ نہ شود" (سفر خروج باب ۲۳ ورس ۱۳) "بجہت خود صورت تراشیدہ و ہیچ شکل از چیزیکہ در آسمان ہست در بالا و یا در زمین است در پایین و یا در آب ہاے کہ در زیر زمین است

مسازـ آنہارا سجدہ نہ نمودہ ایشان را عبادت منما زیرا کہ من خداوند خداے تو ام (سفر خروج باب ۲۰ ورس ۴ و ۵)" بہ بتہا توجہ منمائید و خدایان ریختہ شدہ از براے خود مسازید خداوند خداے شما منم" (سفر لویان باب ۱۹ ورس ۴) "از براے خود نان بتان و اصنام تراشیدہ شدہ مسازید و نصب شدہا از براے خود تان برپا منمائید و در زمین خود تان تصویرہاے سنگی جہت سجدہ نمودنش مگذارید زیرا کہ خداوند خداے شما منم" (سفر لویان باب ۲۶ ورس ۱) "خدایان ایشان را سجدہ منمودہ بآنہا عبادت مکن و موافق اعمال ایشان عمل منما بلکہ ایشان را بالکل منہدم ساختہ و بت ہاے ایشان بالتمام بشکن" (سفر خروج باب ۲۳ ورس ۲۴)ـ

سب سے بہتر اور اعلیٰ احکام یہودی مذہب میں یہ ہیں جو ذیل میں لکھے جاتی ہیں اسلام میں یہی احکام بجنسہ موجود ہیں" پدر و مادر خود را احترام نما ـ قتل مکن ـ زنا منما ـ دزدی مکن ـ بر ہمسایہ ات شہادت دروغ مدہ ـ بخانہ ہمسایہ ات طمع موَرز"ـ (سفر خروج باب ۲۰ ورس ۱۲ ـ ۱۷)

اوقات نماز جو اسلام میں مقرر ہیں اور جنکی تعداد[1] سات یا پانچ یا تین ہیں مذہب صابئی اور مذہب یہود کے اوقات نماز سے بہت مشابہ ہیں ـ

اسلام میں نماز پڑہنے کا جو طریقہ ہے وہ صابئی مذہب اور یہود کے مذہب کے

---

[1] یعنی فجر ـ ضحیٰ ـ یعنی چاشت ـ ظہر ـ عصر ـ مغرب ـ عشا ـ تہجد ـ دوسری اور ساتویں نماز مسلمانوں میں فرض نہیں ہے اور باقی پانچ نمازیں فرض ہیں ـ دوسری اور تیسری کو اور چوتہی اور پانچویں کو ایک وقت میں پڑہ لینے کا اختیار ہے اس صورت میں پانچ نمازیں اور تین وقت رہ گئے ـ

طریقہ سے نہایت مماثل ہے۔ نمازوں کی صفائی کے لئے تھی اور یہی اصل منشا نماز کے مقرر کرنے کا تھا اور جسم اور پوشاک وغیرہ کی صفائی جسکے واسطے شرع اسلام میں حکم ہے صابیوں اور یہودیوں کی اس قسم کی رسومات سے بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں۔

توریت میں خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا کہ "نزد قوم روانہ شدہ ایشانرا امروز و فردا تقدیس نماے تا کہ جامہاے خود را شست وشو نمایند" (سفر خروج باب ۱۹ ورس ۱۰) "پس موسیٰ ہارون و پسرانش را نزدیک آورد و ایشانرا بہ آب شست وشو داد" (سفر لویان باب ۸ ورس ۶)

مذہبی امور میں صرف ایک ہی بات اسلام میں نئی ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی یعنی نماز کے بلانے کے لئے یہودیوں کی قرناے بجانے اور عیسائیوں کے گھنٹے بجانے کے بدلے اذان مقرر کی گئی ہے اس نرالے پن کی نسبت ایک عیسائی مصنف اس طرح لکھتا ہے کہ "مختلف اوقات نماز کی اطلاع مؤذن مسجدوں کے میناروں یا ماذنوں پر کھڑے ہو کر اذان دینے سے کرتے ہیں۔ اُن کا لحن جو ایک بہت سادہ مگر سنجیدہ لہجہ میں بلند ہوتا ہے شہروں کی دوپہر کی دوڑ دھوپ اور پکار میں مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آواز معلوم ہوتا ہے لیکن سنسان رات میں اس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے یہانتک کہ اکثر فرنگیوں کی زبان سے بھی پیغمبر صاحب کی تعریف نکل گئی ہے کہ یہودیوں کی معبد کی قرناے اور کلیسائے نصاریٰ کے گھنٹوں کی آواز کے مقابلہ میں انسانی آواز کو پسند کیا۔

تمام قربانیاں جو مذہب اسلام میں جائز ہیں مذہب یہود کی قربانیوں کے مشابہ ہیں گویا یہ قربانیاں شارع اسلام نے مذہب یہود کی بیشمار قربانیوں سے منتخب کر لی ہیں اور جو تاکیدی حکم مذہب یہود میں اُن قربانیوں کے کرنے کی نسبت تھا اُسکو

نہایت خفیف بلکہ اختیاری کر دیا ہے۔

مذہب اسلام میں جو روزے مقرر ہیں وہ بھی مذہب یہود اور مذہب صابئی کے روزوں سے مشابہ ہیں بلکہ صابئی مذہب کے روزوں سے بہ نسبت یہودی مذہب کے روزوں کے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

ہفتہ کے ایک معین دن میں نماز اور دیگر رسوم مذہبی کے مقررہ وقت پر لوگونکو کار ہائے دنیوی سے منع کرنا یہودیوں کی اسی قسم کی رسم سے مطابقت رکھتا ہے لیکن حضرت ابراہیم کے زمانہ سے اہل عرب جمعہ کو متبرک دن سمجھتے آئے ہیں۔

ختنہ بھی وہی ہے جسکا یہود اور پیروان حضرت ابراہیم کے ان دستور تھا۔ نکاح اور طلاق کا بھی قریب قریب ویسا ہی قاعدہ ہے جیساکہ اور مذاہب الہامی میں تھا۔ توریت میں لکھا ہے کہ "اگر کسے زنے را گرفتہ بہ نکاح خود در آورد و واقع شود کہ بسبب چیز کمینے کہ در دیافت شد در نظرش التفات نیابد آنگاہ طلاق نامہ نوشتہ بدستش بدہد و اور از خانہ اش رخصت دہد" (سفر توریہ مثنیٰ باب ۲۴ ورس ۱)

بعض عورتوں سے نکاح کرنے کے جواز یا عدم جواز میں جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ اکثر باتوں میں یہودیوں کے مذہب کے احکام سے مشابہ ہیں۔

جنب مرد اور عورت کو مسجد میں جانے یا قرآن مجید کے چھونے کا امتناع اُنہیں دستوروں سے مشابہت رکھتا ہے جو مذہب یہود میں جاری ہیں۔ مگر فرق اتنا ہے کہ مذہب اسلام میں بہ نسبت مذہب یہود کے یہ امتناع کم سختی سے ہے۔

سؤر کے گوشت کھانے کی ممانعت مذہب اسلام میں ویسی ہی ہے جیسے کہ بنی اسرائیل کے مذہب میں تھی۔ توریت میں لکھا ہے "و خوک باوجودیکہ ذی سم چاک و تمام

شگاف ہست اما نوش خوا نمیکند آں برائے شما ناپاک ہست" (سفر لویان باب ۱۱ ورس ۷)

جانوروں کے حلال یا حرام ہونے اور مرے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھانے کی نسبت جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ موسوی شریعت کے نہایت ہی مشابہ ہیں بلکہ علمائے اسلام نے وہ تمام مسائل موسوی شریعت سے مستنبط کئے ہیں۔

شراب خواری اور دیگر مسکرات کا امتناع بھی موسوی شریعت کے مشابہ ہیں توریت میں ہے کہ "ہنگام در آمدن شما بہ خیمہ مجمع شراب و مسکرات را نخورید" (سفر لویان باب ۱۰ ورس ۹) مگر مذہب اسلام نے اس خرابی کی جو شراب سے ہوتی ہے پوری بندش کردی ہے یعنی شراب کو بالکل حرام کردیا ہے اور کسی وقت پینے کی اجازت نہیں ہے۔

مذہب اسلام میں مختلف جرائم اور تقصیرات کی نسبت جو سزائیں مقرر ہیں وہ بھی اُن سزاؤں سے جو موسوی شریعت میں ہیں نہایت درجہ مشابہت رکھتی ہیں۔
زنا کی سزا سو کوڑے مارنا مذہب اسلام میں ہیں۔ یہ سزا یہودیوں کے قانون سے مختلف ہے۔ لیکن جو علمائے اسلام یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب اسلام میں بھی زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے تو یہ سزا یہودیوں کے مذہب سے بالکل مماثلت رکھتی ہے۔

مسلمان فقہا نے ارتداد کی سزا قتل قرار دی ہے۔ اگر درحقیقت مذہب اسلام میں ارتداد کی یہی سزا ہو وہ بھی موسوی شریعت سے بالکل مماثل ہے۔ توریت میں لکھا ہے "دہر کسے کہ اسم خداوند را کفر گوید البتہ باید کشتہ شود تمامی جماعت باید اورا بے تامل سنگسار نمایند خواہ غریب و خواہ متوطن چونکہ اسم خداوند را کفر گفتہ ہست کشتہ شود" (سفر لویان) باب ۲۴ ورس ۱۶)۔

بعض عیسائی مورخوں نے کہا ہے کہ اسلام میں ملائک کا تصور اور اعتقاد یہودیوں کی کتاب تالمد سے اور جنات اور شیاطین کا اعتقاد یہودیوں کی کتاب مدراش اور تالمد دونوں سے اور مرنے کے بعد جسم اور روح کی حالت کا بیان یہودیوں سے اور بہشت اور دوزخ کی کیفیت یہودیوں اور عیسائیوں سے اور قیامت اور روز حشر کے حالات کا یہودیوں کی کتاب مدراش اور تالمد سے اخذ کیا ہے۔ مگر ہماری رائے یہ ہے کہ اول تو وہ حالات جس طرح پر کہ لوگ خیال کرتے ہیں اُس طرح پر مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔ دوسرے یہ کہ اُن اُمور میں سے جسقدر کہ مذہب اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں وہ اُن ذریعوں سے اخذ نہیں کیے گئے کیونکہ بجز اتحاد نام کے اور جو کچھ کہ اسلام میں بیان کیا گیا ہے وہ کُتب مذکورۂ بالا کے بیان سے بالکل اختلاف رکھتا ہے۔

اس خطبہ میں اسقدر گنجائش نہیں ہے کہ ہم اُن اُمور پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں اور اُن امور میں سے جو امور کہ متعلق اسلام ہیں اور جو اُمور کہ متعلق اسلام نہیں ہیں اُن میں تمیز کریں اور امور متعلقہ اسلام کی کامل تشریح کریں اسلیئے ہم اس مضمون کو یہ کہکر ختم کرتے ہیں کہ اگر بالفرض امور مذکورۂ بالا مذہب اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں جیسے کہ بالعموم مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر کا اعتقاد ہے تو وہ اُمور بھی مذہب اسلام میں اسی قسم کے تصور کیئے جائینگے جیسے کہ مذہب اسلام کی اور احکام یہودی مذہب سے مشابہ ہیں۔

اسلام نے عیسائی مذہب سے بجز دو مندرجۂ ذیل عقیدوں کے اور کوئی عقیدہ اخذ نہیں کیا گیا ہے ایک یہ کہ ”اللہ کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل

سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے پیار کر" (انجیل متی باب ۲۲ درس ۳۷) "دوسرا یہ کہ اور جیسا تم چاہتی ہو کہ لوگ تم سے کریں تم بھی اُن سے ویسا ہی کرو" (انجیل لوک باب ۶ درس ۳۱)۔

اس مقام پر اگر کسی محقق اور صداقت کے متلاشی مزاج آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر یہی حال ہے تو اسلام اصول اور عقائد متفرقہ اور منتشرہ مذاہب سابق کی محض ایک ترتیب اور اجتماع کا نام ہے جو ادھر اُدھر سے جمع کر لئے ہیں اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسلام کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو لیکن ہر ذی فہم شخص پر یہ بات ظاہر ہوگی کہ یہ مشابہت اور مماثلت اصول اور عقائد مذہب اسلام کے دیگر مذاہب الہامی کے اصول و عقائد سے مذہب اسلام کے پاک اور الہامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ تمام چیزیں جنکا مبدا ایک ہے غیر متغیر اور کامل ذات ہو ضرور ہے کہ ایک ہی قسم کی اور ایک ہی کامل اصول پر ہونگی۔ جس طرح کہ خدا تعالٰی سے اپنا مثل پیدا کرنا غیر ممکن ہے۔ جس طرح کہ اسکی ذات سے کسی پیدا کی ہوئی چیز کو اپنی مرضی اور اپنی حکومت کے احاطہ سے خارج کر دینا محال ہے اسی طرح سے یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک ہی غرض کے انجام دینے کے لئے دو متناقض اصول اور احکام اُسکی ذات سے صادر ہوں۔ مسلمانوں کو بلکہ تمام دنیا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ممنون رہنا چاہیے جنہوں نے ابتداے دنیا سے اپنے زمانہ تک کے تمام نبیوں کی رسالت کو برحق ٹھیرایا۔ جنہوں نے دنیا کے تمام الہامی مذہبوں کی تکمیل کی۔ اور جنہوں نے اپنے باایمان متبعین کے لئے بے بہا اور لازوال نور کے دروازے کھولدئے۔

تمت

الخطبة الرابعة

فی

ان الاسلام رحمة للانسان وحجة لادیان الانبیا باوضح البرہان

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

مذہب اسلام انسان کے حق میں رحمت ہے اور موسوی اور عیسوی مذہب کو اس سے نہایت فائدے پہونچے ہیں۔

یہ مضمون جسکو اب ہم لکھنا چاہتے ہیں ایک ایسا مضمون ہے کہ ہمکو اُس کا لکھنا یا پڑھنا شروع کرنے سے پہلے نہایت بے تعصب دل پیدا کرنا چاہیے کیونکہ طرفدار دل سچے اور صحیح نتیجہ تک نہیں پہونچتا۔ اس الزام کے رفع کرنے سے تو ہم مجبور ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانی مذہب میں جو فی الواقع خوبی ہے اُسکو ظاہر کرتے ہیں مگر جہانتک ہمسے ہوسکا ہے ہمنے نہایت ٹھنڈی طبیعت اور ناطرفدار دل اور سیدہی سادی سچی نیت سے یہ مضمون لکھا ہے اور اسی لیے ہمکو یقین ہے کہ اگر ہم اپنی اس راے پر دوسرے کو یقین نہ دلا سکینگے تو اُسکو رنجیدہ بھی نہیں کرینگے۔

ہمارا یہ مضمون چار حصوں پر منقسم ہے۔

رمضہ

پہلے حصہ میں اُن فائدوں کا بیان ہے جو مذہب اسلام سے عموماً انسان کی
معاشرت کو پہونچے ہیں۔
گو ہم کیسے ہی سچے دل اور نیک نیت سے ناطرفدارانہ اس مضمون کو لکھیں مگر
ہمکو نہایت افسوس ہے کہ جو بات مذہب اسلام کے متعلق ہوتی ہے اُس کو
عیسائی مصنف ہمیشہ بدظنی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نیکی کو چھوڑ کر بدی پر حمل کرتے ہیں
اسلئے ہمکو توقع نہیں ہوتی کہ جو خاص ہماری راے اس باب میں ہو وہ اُسی بدگمانی
اور بدظنی کی نگاہ سے نہ دیکھی جاوے اسلئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر
ہم انہیں راؤں کا بیان کریں جنکو خود بعض عیسائی مصنفوں نے انسان کے حق میں
مذہب اسلام کے مفید ہونیکی نسبت لکھی ہیں۔
سر ولیم میور جو ایک نہایت دیندار عیسائی ہیں اور جب تک کہ علانیہ اور نہایت
روشن بات نہو اسلام کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے اپنی کتاب لائف آف
محمد میں جسکے لئے ہم مسلمانوں کو اُنکا شکر کرنا چاہیے ارقام فرماتے ہیں کہ "ہم بلا تامل اس
بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اُس نے (یعنی مذہب اسلام نے) ہمیشہ کے واسطے اکثر
توہمات باطلہ کو جن کی تاریکی مدتوں سے عرب کے ملک جزیرہ نما پر چھا رہی تھی کالعدم کردیا
اسلام کی صداے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہوگئی اور خدا کی وحدانیت اور
غیر محدود کمالات اور ایک خاص اور ہر ایک جگہہ احاطہ کی ہوئی قدرت کا مسئلہ حضرت
محمد کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہوگیا ہے جیسے
کہ خاص حضرت محمدؐ کے دل میں تھا۔ مذہب اسلام میں سب سے پہلی بات جو
خاص اسلام کے معنی میں یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاہیے بلحاظ معاشرت

کے بھی اسلام میں کچھہ کم خوبیاں نہیں ہیں چنانچہ مذہب اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ محبت رکھیں یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیے۔ غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت برتنی چاہیے۔ نشہ کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کرسکتا ہے کہ اُس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا"

سر ولیم میور کی اس تحریر میں کچھہ حاشیہ لکھنا چاہتا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ صدہا جنگ نے بت پرستی کو معدوم نہیں کیا بلکہ اُس سچے مسئلہ وحدانیت کے وعظ نے بت پرستی کو معدوم کیا ہے جسکا اثر قرآن مجید کے نہایت فصیح اور پرتاثیر فقروں سے لوگوں کے دلوں پر ہوتا تھا اور نہ صرف عرب سے بت پرستی کو نیست و نابود کیا بلکہ تمام مذہبوں میں جو اُسوقت دنیا میں رائج تھے اور وہاں تک وعظوں کی آواز پہونچی تھی اس خیال کو پیدا کردیا کہ بت پرستی نہایت کمینہ خصلت اور ایک سخت گناہ ہے۔

برادرانہ دینی محبت کا برتاؤ آپس میں مسلمانوں کے ایک خدا کے ماننے والے ہونے کی وجہہ سے بتایا جو ایک قدرتی رشتہ دینی بھائی ہونے کا ہے مگر انسانی محبت کا برتاؤ تمام انسانوں سے بلکہ ہر ایک سے جو جگر تر رکھتا ہو برتنے کو فرمایا۔

غلاموں کی نسبت اگر صحیح تسلیم کیا جاوے تو اسلام نے غلامی کو بالکل نیست و نابود کردیا ہے۔ اسیران جنگ کے سوا کوئی غلام نہیں ہوسکتا تھا وہ بھی زمانہ جاہلیت کی رسم کے موافق مگر قرآن نے "اما منا بعد و اما فداء" کہکر اُسکو بھی نابود کردیا۔ جو لوگ اسیران جنگ کو احساناً چھوڑ دیتے ہیں نہایت اعلیٰ درجہ پاتے ہیں اور جو کچھہ لیکر چھوڑتے ہیں

وہ اُن سے کمتر گنے جاتے ہیں۔ اس حکم کے پہلے سے جو لوگ غلام رکھتے تھے اُن کی پرورش کا اسی طرح اُنکو حکم دیا جس طرح کہ وہ آپ اپنی جان کی پرورش کرتے ہیں۔

ان سب باتوں کی نسبت سر ولیم میور نے مذکورہ بالا فقرہ میں اشارہ کیا ہے مگر اتنی بات اور زیادہ کرنی چاہیے تھی کہ مذہب اسلام نے قمار بازی کو منع کرنے اور ناشائستہ کلمات کے منہ سے نکالنے کی ممانعت سے والدین کے ساتھ محبت اور تعظیم سے پیش آنے کی تاکید سے ایک مناسب اندازہ سے خیرات دینے کی رغبت دلانے سے لوگوں کو اُنکی حاجت میں قرض حسنہ دینے سے وعدہ کے وفا کرنے کی تاکید سے جانوروں کے ساتھ رحم اور مہربانی برتنے کے حکم سے انسانوں کے اخلاق اور اُنکی حسن معاشرت میں بہت کچھ ترقی دی ہے۔

مشہور اور نہایت لائق اور قابل مورخ گبن اپنی کتاب میں جہاں یہ بحث کرتا ہے کہ حضرت محمدؐ اپنے ملک کی نسبت کیسے تھے اسطرح پر لکھتا ہے کہ حضرت محمد کی سیرت میں سب سے اخیر جو بات غور کرنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ اُنکا عظیم و شان لوگوں کی بھلائی اور بہبودی کے حق میں مفید ہوا یا مضر۔ جو لوگ کہ آنحضرت کے سخت دشمن ہیں وہ بھی اور نہایت متعصب عیسائی اور یہودی بھی باوجود پیغمبر برحق نہ ماننے کے اس بات کو تو ضرور تسلیم کرینگے کہ آنحضرت نے دعوے رسالت ایک نہایت مفید مسئلہ کی تلقین کے لئے اختیار کیا۔ گو وہ یہ کہیں کہ صرف ہمارے ہی مذہب کا مسئلہ اُس سے اچھا ہے (گویا وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سوائے ہمارے مذہب کی اور تمام دنیا کے مذہبوں سے مذہب اسلام اچھا ہے) آنحضرت یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب سماویہ قدیمہ کی سچائی اور پاکیزگی اور اُن کے بانیوں یعنی اگلے پیغمبروں کی

نیکیوں اور معجزوں اور ایمانداری کو مذہب اسلام کی بنیاد خیال کرتے رہتے۔ عرب کے بت خدا کے تخت کے روبرو توڑ دیئے گئے اور انسان کے خون کے کفارہ کو نماز، روزہ خیرات سے بدل دیا جو ایک پسندیدہ اور سیدہے سادہے طریقہ کی عبادت ہے (یعنی جو انسان کی قربانی بتوں پر ہوتی تھی اُسکو معدوم کیا اور بعوض اُس کے نماز روزہ و خیرات کو بطور کفارہ قرار دیا) اُنکے عقبیٰ کی جزا و سزا ایسی تمثیلوں میں بیان کی جو ایک جاہل اور ہوا پرست قوم کی طبیعت کے نہایت موافق تھیں۔ شاید وہ اپنے ملک کا اخلاق اور ملکی انتظام درستی سے نہ کرسکتے ہوں مگر آنحضرت نے مسلمانوں میں نیکی اور محبت کی ایک روح ڈالدی۔ آپس میں بھلائی کرنے کی ہدایت کی اور اپنے احکام اور نصیحتوں سے انتقام کی خواہش اور بیوہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم ہونے کو روک دیا۔ قومیں جو کہ مخالف تھیں اعتقاد میں فرمانبرداری میں متفق ہوگئیں۔ خانگی جھگڑوں میں جو بہادری بیہودہ طور سے صرف ہوتی تھی نہایت مستعدی سے ایک غیر ملک کے دشمن کے مقابلہ پر مائل ہوگئی"

مسٹر گبن کی یہ رائے بھی کسیقدر حاشیہ لکھنے کے لائق ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مسٹر گبن ایک نہایت غیر متعصب مورخ ہے اور مسلمانوں کی تاریخ بھی اُس نے نہایت سچائی اور دیانت داری سے لکھی ہے۔ مگر بعض مذہبی مسائل جو اُسکو تحقیق نہیں ہوئے یا غلط طور سے اُس تک پہونچے یا جہاں اصلی مسئلہ اور علما کی رائے اور اجتہاد میں اُسنے تمیز نہیں کی اُن مقاموں میں اُسنے نسبت آنحضرت صلعم کے یا مذہب اسلام کے غلط رائے قائم کی ہے اور ہمکو اُس نامی مورخ کے نہایت بے تعصب ہونے کی وجہ سے یقین ہے کہ اگر صحیح مسئلہ اُس تک پہونچتا تو کبھی وہ رائے

قائم نہ کرتا جو اُس نے دی۔

اُنھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ عقبیٰ کی سزا اور جزا کا بیان غیر ممکن ہے اُن لوگوں
اَن چھوئی اَن چکھی اَن سمجھی چیز کیونکر سمجھ میں آسکتی ہے۔ جس چیز کے لئے لفظ ہی
کی زبان میں نہوں وہ کیونکر بیان ہو سکتی ہے کیفیت جو ایک ذاتی وجدانی چیز ہے
وہ دوسرے کو کیونکر تبلائی جا سکتی ہے یہ تمام امور محالات سے ہیں پس جو کچھ انہوں
انکو کیونکر بیان کرسکتا ہے۔ سچا اور صحیح مسلمانی مسئلہ سزا و جزا کا یہ ہے کہ لا عین
رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ پس کوئی بیان کرنیوالا گو کہ
ہی کی زبان ہو جزا کو بجز اسکے کہ نہایت ہی محبوب چیز ہے۔ اور سزا کو بجز اسکے کہ نہایت ہی موذی چیز ہے
اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ سو وہ بھی دُنیا ہی کے محبوب اور موذی چیزوں پر قیاس ہو سکتا ہے عقبیٰ کے
واقعی محبوب اور موذی چیز پر۔ اسلئے تمام انبیاء نے دنیا ہی کے محبوب و موذی
چیزوں کی تمثیل میں عقبیٰ کی سزا و جزا کا بیان کیا ہے۔ موسیٰ نے ہی فرمایا کہ نیک کام
کروگے تو مینہ برسیگا غلہ پیدا ہوگا وبا نہو گی گناہ کروگے تو قحط پڑیگا وبا پھیلیگی۔
اُنہوں نے اپنی تمام زندگی میں عقبیٰ کا نام ہی نہیں لیا کیونکہ اُس زمانہ کے لوگ بجز اسکے
اور کسی چیز پر سزا و جزا کا قیاس کر ہی نہیں سکتے تھے۔

آنحضرت صلعم نے سزا و جزا کا اُن دنیاوی تمثیلوں میں بیان کیا جس پر اُس
ملک کے لوگ سزا و جزا کے محبوب و موذی ہونیکا قیاس کر سکتے تھے نہ یہ کہ اُس
سے وہی حقیقت مراد تھی جو اُن لفظوں کے لغوی معنی تھے۔ اگر آنحضرت صلعم یورپ
کے کسی ٹھنڈے ملک میں پیدا ہوتے تو ضرور بجائے ٹھنڈی نہروں کے گرم پانی
کی نہریں اور بجائے موتی کے محلوں کے آتش خانہ والے محل بیان فرماتے اور نہ

اُس سے حقیقت مراد ہوتی نہ اُس سے بلکہ صرف ایک تمثیل قیاس کرنے کو تھی وہ بھی صحیح قیاس کرنیکو نہیں بلکہ قیاس مع الفارق کرنے کو۔ جسقدر علماے ربانی گذرے ہیں وہ سب اسی بات کے قائل ہیں نقل، عوذ ہے ملانے بلکہ کٹ ملا ہمیشہ اُن کے برخلاف رہے ہیں مگر جو حقیقت ہے وہ کسی کے مخالف یا موافق ہونے سے تبدیل نہیں ہوتی۔

اخلاق اور ملکی انتظام کی نسبت بھی جو کچھ مسٹر گبن صاحب نے لکھا حاشیہ چڑھانے کے قابل ہے۔ اخلاق کا لفظ جو اُنہوں نے استعمال کیا وہ اسپریچوئل اور سوشیل یعنی روحانی اور تمدنی دونوں برتاؤ کو شامل ہے۔ روحانی برتاؤ کی نیکی تمدنی برتاؤ کی خوبی کو لازم ہے۔ الا تمدنی برتاؤ کو روحانی نیکی یا بدی سے تعلق ہونا کچھ ضرور نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم کا کام صرف اسپریچوئل ورچو یعنی روحانی نیکی کا بتانا تھا اور جہانتک اسکو تمدن سے تعلق تھا بطور لزوم کے تھا نہ بطور مقصود بالذات کے کیونکہ وہ ازخود انسان کی حالت ترقی کے ساتھ ترقی پاتی جاتی ہے۔ پس یہ بات کہ آنحضرت صلعم نے روحانی اخلاق کو کافی ترقی دی خود مسٹر گبن نے تسلیم کیا ہے۔ باقی رہی تمدنی حالت وہ اُن کے اصلی کام کی جسپر وہ کھڑے ہوئے جزو نہ تھی گو اُس میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی۔

ملکی انتظام محض ایک دنیاوی کام تھا اور جہانتک جان و مال کے امن سے متعلق تھا وہ اُس زمانہ کی حالت کے مطابق بطور ایک دنیاوی کام کے نہایت اعلیٰ درجہ کی ترقی پر پہونچا تھا اور آیندہ کے لیئے وہ انتظام یہ فرماکر کہ "انتم اعلم باموردنیاکم" اُن لوگوں کے ہاتھوں چھوڑا تھا جو آیندہ زمانہ میں ہوں یہ ایک نہایت غلطی ہے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی امور اور انتظام ملکی بھی ایک جزو پیغمبری کا تھا۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب مسمی "اپالوجی فار دی محمد اینڈ قرآن" میں یہ رائے لکھی ہے کہ "اسبات کا خیال کرنا جیسا کہ بعضوں نے کیا ہے بہت بڑی غلطی ہے کہ قرآن میں جس عقیدہ کی تلقین کی گئی ہے اسکی اشاعت صرف بزور شمشیر ہوئی تھی کیونکہ جن لوگوں کی طبیعتیں تعصب سے مبرا ہیں وہ سب بلا تامل اس بات کو تسلیم کرینگے کہ حضرت محمدؐ کا دین (جسکے ذریعہ سے انسانوں کے خون یعنی قربانی کے بدلے نماز اور خیرات جاری ہوئی اور جس نے عداوت اور دائمی جھگڑوں کی جگہ فیاضی اور حسن معاشرت کی ایک روح لوگوں میں پھونک دی اور جسکا انکے سے بہت بڑا اثر شائستگی پر ہوا ہوگا) مشرقی دنیا کے لئے ایک حقیقی برکت تھا اور اس وجہ سے خاصکر اسکو ان خونریز تدبیروں کی حاجت نہ پڑی ہوگی جنکا استعمال بلا استثنا اور بلا امتیاز کے حضرت موسیٰ نے بت پرستی کے نیست و نابود کرنیکو کیا تھا۔ پس ایسے اعلیٰ وسیلہ کی نسبت جسکو قدرت نے بنی نوع انسان کے خیالات اور مسائل پر مدت دراز تک اثر ڈالنے کو پیدا کیا ہے گستاخانہ پیش آنا اور جاہلانہ مذمت کرنا کیسی لغو اور بیہودہ بات ہے۔ جب ان معاملات پر خواہ اس مذہب کے بانی کے لحاظ سے خواہ اس مذہب کے عجیب و غریب عروج اور ترقی کے لحاظ سے نظر کی جاوے تو بجز اسکے اور کچھ چارہ نہیں ہے کہ اسپر نہایت دل سے توجہ کیجاوے۔ اس امر میں کچھ بھی شبہہ نہیں ہوسکتا کہ جن لوگوں نے مذہب اسلام اور مذہب عیسائی کی خوبیونکو بمقابلہ ایک دوسرے کے تحقیق کیا ہے اور انپر غور کی ہے ان میں سے بہت ہی کم ایسے ہیں جو اس تحقیقات میں اکثر اوقات تردد اور صرف اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد ہیں۔ بلکہ اس

بات کا اعتقاد کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں کہ آخر کار مذہب اسلام سے انسان کو فائدہ کثیر پیدا ہوگا۔"

جان ڈیون پورٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہر ایک طرح کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن شخصوں نے فلسفہ اور علوم و فنون کو سب سے پہلے زندہ کیا جو قدیم اور زمانہ حال کے علم ادب کے درمیان میں بطور ایک سلسلہ کے بیان کئے گئے ہیں بلاشبہہ وہ ایشیا کے مسلمان اور اندلس کے مُور تھے جو خلفاء عباسیہ اور بنی اُمیہ کے عہد میں وہاں رہتے تھے۔ علم جو ابتدا ایشیا سے یورپ میں آیا تھا اُس کا وہاں دوبارہ رواج مذہب اسلام کی دانشمندی سے ہوا۔ یہ بات معروف و مشہور ہے کہ اہل عرب میں چھ سو برس کے قریب سے علوم و فنون جاری تھے اور یورپ میں جہالت اور وحشیانہ پن پھیلا ہوا تھا اور علم ادب قریباً نیست و نابود ہو گیا تھا۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی تسلیم کرنی چاہئے کہ تمام علوم طبعیات ۔ہیئت ۔ فلسفہ ۔ ریاضی ۔جو دوسری صدی میں یورپ میں جاری تھے ابتدا عرب کے علما سے حاصل ہوئے تھے اور خصوصاً اندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ کے موجد خیال کئے جاتے ہیں۔"

جان ڈیون پورٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "یورپ مذہب اسلام کا اور بھی زیادہ ممنون ہے کیونکہ اگر ان جھگڑوں سے جو سلطان صلاح الدین کے وقت میں بیت المقدس کی لڑائیوں میں ہوئے جسکو فرنگیں جہاد کہتے تھے قطع نظر کیجائے تو بالتخصیص مسلمانوں کے سبب سے فیوڈل انتظام کی سختیاں اور امیروں کی خودمختاری یورپ سے موقوف ہوگئی جس کے باقی ماندہ اثروں پر ہمارے ملک یورپ کی آزادیوں کی نہایت بڑی عالیشان عمارت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اہل یورپ کو یہ بات بھی یاد دلانی چاہئے کہ وہ حضرت

محمدؐ کے پیروؤں کے (جو قدیمی اور زمانہ حال کے علم ادب کے درمیان میں بطور سلسلہ کر ذریعہ میں) اس لحاظ سے بھی ممنون ہیں کہ مغربی تاریکی کی مدت دراز میں یونانی حکمار کی بہت سی کتابیں اُنہی کی کوششوں سے فنون اور علم ریاضی اور طب وغیرہ کے بعض نہایت بڑے بڑے شعبوں کی اشاعت ہوئیں۔

چیمبرز ان سیکلو پیڈیا میں ایک آرٹیکل لکھنے والے نے مذہب اسلام کی نسبت یہ رائے لکھی ہے کہ "مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس میں بہت کم تغیر تبدل ہوئی ہے اور جس سے اُسکے بانی کی طبیعت نہایت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اُس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے۔ اس سے ہماری مراد قرآن کے علم اخلاق سے ہے۔ نا انصافی۔ کذب۔ غرور۔ انتقام۔ غیبت۔ استہزا۔ طمع۔ اسراف عیاشی۔ بے اعتباری۔ بدگمانی۔ نہایت قابل ملامت کی گئی ہیں۔ نیک نیتی۔ فیاضی حیا۔ تحمل۔ صبر۔ بردباری۔ کفایت شعاری۔ سچائی۔ راست بازی۔ ادب۔ صلح۔ سچی محبت اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا اور اُسکی مرضی پر توکل کرنا سچی ایمانداری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کی گئی ہے"

اُسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے ہیں کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا گیا۔ لیکن اگر نہایت ٹھیک ٹھیک کہا جائے تو یورپ میں علوم و فنون کی ترقی میں اُسی کا حصہ تھا۔ مسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرہویں صدی تک وحشی یورپ کے لئے روشنضمیر معلم کہے جا سکتے ہیں۔ خاندان عباسیہ کے خلفار کے نہایت عمدہ زمانہ سے یونانی خیالات اور یونانی تہذیب کا از سرِ نو سرسبز ہونا شمار کیا جا سکتا ہے۔ قدیم علم ادب ہمیشہ کیواسطے بغیر کسی علاج

کے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اُسکو پناہ نہ ملتی - عربی فلسفہ - قدرتی چیزوں کی تواریخ - جغرافیہ علم تاریخ - صرف و نحو - علم کلام - اور فن شاعری کی (جبکی تعلیم پرانے اُستاد دیتے تھے) بہت سی کتابیں پیدا ہوگئیں جن میں سے اکثر اسوقت تک جاری رہینگی اور تعلیم و یجادگی جب تک نسلیں تعلیم ہونے کے واسطے پیدا ہوتی رہینگی "

ایک جواب مضمون لکھنے والے نے جس نے یہ مضمون اختیار کیا تھا کہ "اسلام ایک ملکی انتظام ہے جو مشرق و مغرب میں جاری ہے" اسلام کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "اسلام نے بچہ کشی کا انسداد کر دیا جو اُس زمانہ میں قرب و جوار کے ملکوں میں جاری تھی - گو عیسائی مذہب نے بھی اُسکو روکا تھا مگر اسلام کی برابر اُسکو کامیابی نہیں ہوئی - اسلام نے غلامی کو موقوف کر دیا جو اُس ملک کی پُرانی جاہلیت کی رسم تھی اسلام نے ملکی حقوق کو برابر کر دیا اور صرف اُنہیں لوگوں کے حق میں انصاف نہیں کیا جو اُس مذہب کے معتقد تھے بلکہ اُن شخصوں کے ساتھ بھی برابر انصاف کیا جن کو اُسکے ہتیاروں نے فتح کیا تھا - اسلام نے اُس محصول کو جو سلطنت کو دیا جاتا تھا گھٹا کر صرف دسواں حصہ کر دیا - اسلام نے تجارت کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کر دیا - اسلام نے مذہب کے معتقدوں کو اسبات سے کہ اپنے مذہبی سرگروہ کو یا مذہبی کام کو جبراً روپیہ دیں اور تمام لوگونکو اس بات سے کہ غالب مذہب کو ہر ایک قسم کا مذہبی چندہ دیں بالکل بری کر دیا - اسلام نے فرقہ فتحمند کے تمام حقوق مفتوحہ لوگوں میں سے اُن شخصونکو دئے جو اُس مذہب کے پابند تھے - اُنکو ہر ایک قسم کی پناہ دی اسلام نے اُن کی حفاظت کی - سود لینے کو اور خون کا بدلا بغیر حکم عدالت کے لینے

کو موقوف کیا۔ صفائی اور پرہیزگاری کی حفاظت کی۔ اور ان باتوں کی صرف ہدایت ہی نہیں بلکہ انکو پیدا کیا اور قائم کر دیا۔ حرام کاری کو موقوف کر دیا۔ غریبوں کو خیرات دینے اور ہر ایک شخص کی تعظیم کرنیکی ہدایت کی"

وہی مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ "جو نتیجے اسلام سے ہوئے وہ اسقدر وسیع اور دقیق اور مستحکم ہیں کہ انکی تکمیل کر لینا تو درکنار ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آسکیں۔ اسی سبب سے بعوض اسکے کہ اسکی نسبت اس طرح پر دلیلیں کی جاویں جس طرح کہ سولن کے قانون یا نپولین کے فتوحات کے نتیجوں کے اندازہ کرنے میں کی جاتی ہیں۔ یا تو انکی نسبت یہ کہا جاے کہ اتفاقیہ ہو گئے ہیں یا یہ مجبوری ربانی مرضی کی طرف منسوب کیا جاوے۔ بایں ہمہ یہ نظم ایک شخص واحد نے کیا تہا جس نے اپنے ملک کے تمام باشندوں میں اپنی روح پھونک دی اور تمام قوم کے دل پر نہایت تعظیم و تکریم کا خیال جو کسی انسان کے واسطے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا نقش کر دیا۔ جو سلسلہ قوانین و اخلاق کا انہوں نے بنایا وہ اعلیٰ درجہ کی ترقی سے بھی اسیطرح موافق تہا جیسا کہ ادنیٰ ترین لوگوں سے اور اس سلسلہ نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گذر کر ہر ایک قوم کو جسنے اسکو قبول کیا ان قوموں اور سلطنتوں سے فائق کر دیا جن سے انکا میل ہوا"

طامس کارلیل نے جو اس زمانہ کی دنیا میں نہایت نامور عالم ہیں اپنی کتاب میں جسکا نام "لکچرز آن ہیروز" ہی اس مضمون کی نسبت جسپر ہم بحث کر رہے ہیں یہ رائے لکہی ہے کہ "اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تہا۔ عرب کا ملک پہلے ہی پہل اسکے ذریعہ سے زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب

قوم تھے اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتے تھے اور کسی شخص کو انکا کچھ خیال ہی نہ تھا۔ اُس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جسپر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہوگئی اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز ہوگئی۔ اُسکے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف غرناطہ اور ایک طرف دہلی ہوگئی۔ عرب کی بہادری اور عظمت کی تجلی اور عقل کی روشنی زمانہائے دراز تک دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چمکتی رہی۔ اعتقاد ایک بڑی چیز اور جان ڈالنے والا ہے۔ جسوقت کوئی قوم کسی بات پر اعتقاد لاتی ہے تو اُسکے خیالات بارآور اور روح کو عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہوجاتے ہیں۔ یہی عرب اور یہی حضرت محمدؐ اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو ظلمت میں کس مپرس ایک ریگستان تھا۔ گر دیکھو کہ یہ ریگستان زور شور سے اُڑجانے والی باروت نے نیلے آسمان تک اٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی سے غرناطہ تک روشن کردیا" یہ رائیں ہیں عیسائی مصنفوں کی جو اُنھوں نے اسلام کی نسبت لکھی ہیں۔ اب ہم اپنے خطبہ کے اس حصہ کو اُنھیں کی رایوں پر ختم کرتے ہیں اور دوسرے حصہ پر متوجہ ہوتے ہیں۔

دوسرے حصہ میں عیسائی مصنفوں کی اس رائے کی کہ اسلام انسانوں کی حالت معاشرت کے حق میں مضر ہوا ہے تردید کی جاتی ہے۔

آنریبل سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں فرماتے ہیں کہ "اگر چھوٹی چھوٹی باتوں سے قطع نظر کیجائے تو بھی مذہب اسلام سے تین بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ اُس میں ایک سے زیادہ جوروؤں کا ہونا اور طلاق دیدینا اور غلام بنا لینا مستحکم

کیا گیا ہے اور رائج ہو رہا ہے اور یہ باتیں علم اخلاق کی بیخ کنی کرتی ہیں۔ عام زندگی کو آلودہ
اور ناپاک کرتی ہیں اور حسن معاشرت اور انسان کے گروہوں کی حالت کو درہم برہم
کر دیتی ہیں۔ دوم یہ کہ مذہبی آزادی یعنی یہ بات کہ لوگ جونسا مذہب چاہیں اختیار کریں
اور اُسکے لوازم مذہبی آزادی سے ادا کریں بالکل رد کر دی گئی ہے بلکہ معدوم کر دی
گئی ہے۔ تحمل کا تو نام و نشان بھی نہیں دکھائی دیتا۔ سوم یہ کہ مذہب عیسائی کی ترقی
میں اور اُس مذہب کے قبول کرنے میں ایک مزاحمت قائم کی گئی ہے" پس اب ہم
اپنے اس خطبہ میں ان تینوں خرابیوں میں سے جنکا ذکر سر ولیم نے کیا ہر ایک پر علیحدہ
علیحدہ غور کرینگے۔

اس بات کا خیال کرنا ایک بڑی غلطی ہے کہ مذہب اسلام میں ایک سے زیادہ
جورواں کرنی اسلام لانیوالوں پر لازمی قرار دی گئی ہیں یا کچھ زیادہ ثواب کی بات ٹھرائی
ہے۔ بلکہ برخلاف اُسکے عموماً ایک سے زیادہ جورواں کرنے کی اجازت بھی نہیں دی
گئی۔ صرف اُن لوگونکو اجازت دی ہے جن کو وجوہات طبعی سے ایسا کرنے کی ضرورت
ہو لیکن اگر یہ عذر نہو تو ایک سے زیادہ جورواں کرنی اُن نیکیوں اور اخلاق کے بالکل
برخلاف ہے جنکی ہدایت اسلام نے فرمائی ہے

مگر افسوس یہ ہے کہ جو مخالفت عیسائی مصنفوں اور مسلمانوں کے طور و طریق
دستورات و خیالات میں ہے وہ اس امر کا مانع قوی ہے کہ اس معاملہ میں سنجیدگی اور
نیک نیتی اور صفائی قلب سے غور کیجائے۔ مثلاً کثرت ازدواج کے لفظ سے بھی
عیسائی مصنفوں کے دل میں ایسے مکروہ خیالات گذرتے ہیں کہ وہ اس امر میں ہر ایک
بات کی نسبت پہلے ہی سے مصمم ارادہ کر لیتے ہیں کہ اُس میں عیب نکالیں اور اس امر

پر لحاظ نہیں کرتے کہ ملک کی آب و ہوا اور مرد و عورت کی تعداد اور مختلف طبعی وجوہات
اور معاشرت کے لحاظ سے وہ کس حالت میں اور کس حد تک جائز ہو سکتی ہے۔

ہم اس معاملہ کی نسبت تین امر یعنی قانون قدرت اور باہمی معاشرت اور مذہب
کے لحاظ سے بحث کرینگے۔ چنانچہ پہلے امر پر غور کرنے کے لئے ہم اس بات کا
دریافت کرنا (بشرطیکہ ممکن ہو) ضرور سمجھتے ہیں کہ اس امر میں تمام ذی روح مخلوقات
کے پیدا کرنیوالے کی مرضی اور ارادہ کیا تھا۔ یعنی اُسنے انسان کثیر الازواج ذیروح بنایا
ہے یا نہیں۔ خالق کائنات کا ارادہ جو کچھ کہ ہو صاف صاف بلا کسی حجت و تکرار کے
قدرت کے تمام کاموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ امر صریح ناممکن ہے کہ اُسکی مرضی
اُن چیزوں کے برخلاف ہو جو اُس کی مرضی سے پیدا ہوئی ہیں۔

پس ہم قانون قدرت کی بے خطا نشانیوں سے پاتے ہیں کہ جن ذی روح کی
نسبت اُن کے خالق کا یہ منشا تھا کہ اُن کے صرف ایک ہی مادہ ہو اُنکی نسل ہمیشہ جوڑا
جوڑا پیدا ہوتی ہے جن میں سے ایک نر اور ایک مادہ ہوتا ہے۔ برخلاف اسکے جن ذی
روح کے متعدد مادائیں ہونی ضرور ہیں اُن کے ایک سے زیادہ بچے پیدا ہوتے ہیں
اور اس بات کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا کہ نر و مادہ کی تعداد میں باہم ایک ہی نسبت ہو اور یہ بھی
معلوم ہوتا ہے کہ جو جاندار زمین پر رہنے والے اور چلنے والے ہیں وہ اکثر بلکہ قریباً
کُل کے اسی قسم کے ہیں۔ پس اس قانون قدرت کے بموجب انسان بھی اسی دوسری
قسم میں داخل ہے مگر چونکہ رتبہ میں بوجہ اُس بیش بہا نادر و عجیب قوت کے جسکو عقل ناطق
یعنی مدرک کلیات و جزئیات کہتے ہیں اور اُس کے خالق نے اُس میں ودیعت کی ہے
اور تمام مخلوقات سے اشرف ہے اسلئے اُسکا فرض ہے کہ جو قوتیں اور حقوق مثل اور

ذی روحوں کے جو اُسکے گرد پیش رہتے ہیں قدرت نے اُسکو عطا کئے ہیں اُنکو احتیاط کر
اور موقع بموقع بلحاظ امورات طبعی اور حسن معاشرت اور انتظام خانہ داری یا نظم ملکی و قوانین
حفظان صحت اور ملک کی تاثیرات آب و ہوا کے کام میں لاوے ورنہ اُس میں اور دیگر
حیوانات میں جو اُسکے آس پاس پھرتے ہیں کچھ فرق نہیں ہے اور ایک بکری یا مرغی
سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتا ہے پس جیسیکہ کثرت ازواج اکثر حالتوں میں قابل نفرت ہے
ویسے ہی قطعی التزام ایک سے زیادہ نہ ہونے کا خلاف فطرت ہے۔

دوسرے امر کی نسبت یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ انسان اپنی سرشت
سے مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ اسی بات کو توریت میں یوں بیان کیا ہے کہ جب کہ
خدا تعالیٰ کو یہ خیال آیا کہ انسان کا اکیلا ہونا اُسکے حق میں اچھا نہیں ہے تو اُس نے
اُسکے واسطے ایک ساتھی پیدا کیا۔ اور وہ عورت ہی جو اسواسطے پیدا کی گئی ہے کہ
انسان کی زندگی کے تفکرات و ترددات۔ لطف و فرحت۔ رنج و راحت میں شریک
ہو۔ اپنی مجانست سے اُسکی خوشی کو بڑھاوے اور اپنی محبت اور الفت کی بھری ہوئی
ہمدردی سے اُسکی تکلیف کو کم کرے اور سب سے اخیر غرض جسکے لئے وہ پیدا کیگئی
ہے یہ ہے کہ انسان کے ساتھ شریک ہو کر خدا کے اُس بڑے حکم کی تعمیل میں کہ "بڑھو
اور پھلو اور زمین کو آباد کرو" مدد دے۔ مگر جب کبھی یہ مددگار کسی سبب سے اپنے ان قدرتی
فرضوں کے ادا کرنے میں قاصر ہو تو اُس دانشمند حکیم خالق زن و مرد نے اس نقصان
کے رفع کرنے کی بالیقین کوئی تدبیر رکھی ہوگی اور وہ بجز اُسکے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ایسی
حالتوں میں ایک سے زیادہ مگر حد خاص تک ایک ہی وقت میں جوروئیں رکھنے کی اجازت
ہو خواہ یہ ہو کہ پہلی زوجہ کے طلاق دینے کے بعد دوسری جورو کرے پہلی ہی عورت

سیاست مدن کو بھی حاصل ہونا چاہیئے چنانچہ مذہب اسلام کی رو سے اسکو حاصل ہے۔ لیکن عورت کے لحاظ سے صرف اتنا فرق ہے کہ مرد جب چاہے اس علاج کو کرسکتا ہے اگر اس تدارک کی انسان کو ضرورت ہو تو اول جج (یعنی قاضی) کی اجازت حاصل کرنی چاہیئے۔ اگر اس کے اجازت نہوتی جسکی ضرورت ہمنے صاف صاف لفظوں میں ثابت کی ہے تو اُس کے سبب سے حسن معاشرت میں نہایت نقصان پہونچتا کیونکہ ایسی سخت قطعی قید سے نہایت قبیح اور بدترین برائیوں اور گناہوں کی طرف انسان کو مائل ہونا پڑتا۔ اگرچہ اس نقصان کا تعلیم و تربیت کی ترقی سے کم ہونا ممکن ہے لیکن مٹنا محالات سے ہے پس جہاں اس کی ضرورت ہے وہاں اُسکے عمل میں نہ لانے سے وہی تمام نقصان پیدا ہوتے ہیں جو حُسن معاشرت کے لئے سم قاتل ہیں۔

مسٹر مگنر صاحب نے جو اپنی راے نسبت تعداد ازدواج لکھی ہے اور جان ڈیون پورٹ نے جو مانٹسگیو کی راے اس باب میں نقل کی ہے اُسکا اس مقام پر بیان کرنا بے موقع نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات افسوس کی ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے تعدد ازدواج پر صرف ایک نظر سے نگاہ کی ہے یعنی امورات طبعیٔ کے لحاظ سے مگر مذہب اسلام میں یہ خاص اجازت حالات خاص میں صرف امورات طبعیٔ ہی کے لحاظ سے نہیں دی گئی ہے بلکہ جیسا ہمنے اوپر بیان کیا اس غرض سے دی گئی ہے کہ تزوج کی تلخیوں کے واسطے اور مقاصد تزوج کے فوت ہوجانے کی حالت میں ایک تدارک حاصل ہو جو عین مرضی آدم و حوّا کے پیدا کرنے والے کی اُسکی قدرت کے کاموں کی نشانیوں سے معلوم ہوتی ہے۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے مانٹسگیو کی یہ راے نقل کی ہے کہ "گرم ملک میں

عورتیں آٹھ یا نو یا دس برس کی عمر میں نکاح کے لایق ہو جاتی ہیں - پس اُن ملکوں میں بچپن اور نکاح کے لایق جوانی گویا ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے - بیس برس کی عمر میں وہ بڑھیا ہو جاتی ہیں - پس اسلیئے یہ ایک قدرتی بات ہے کہ اُن ملکوں میں جبکہ کوئی قانون مانع نہو انسان ایک جورو کو طلاق دیکر دوسری جورو کرے اور تعدد ازواج کا قاعدہ جاری کیا جاوے "

مسٹر گبنز صاحب لکھتے ہیں کہ " علم قواے انسانی اور علم طبعیات کے ماہرین نے بعض وجوہات ایسے دریافت کیئے ہیں جو کثرت ازدواج کے واسطے بطور ایک عذر کے متصور ہو سکتے ہیں اور ہم شمالی ملکوں کے سرد خون والے مینڈک کے سے مزاج کے جانوروں سے متعلق نہیں ہو سکتے ہیں مگر بنی اسمعیل سے جو گرم ریگستان کے رہنے والے ہیں متعلق ہو سکتے ہیں - علاوہ اسکے وہ بیان کرتے ہیں کہ سر ڈبلیو اوسلی صاحب کے مشرقی مجموعہ صفحہ ۱۰۸ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایشیا کے گرم ملکوں کی تاثیر سے دونوں گروہ یعنی مرد و عورت میں ایک ایسا اختلاف ہوتا ہے جو یورپ کی آب وہوا میں نہیں ہے جہاں دونوں برابر برابر اور بتدریج عالم ضعیفی کو پہونچتے ہیں مگر ایشیا میں صرف مرد ہی کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ ضعیفی میں بھی قوی اور طاقتور رہتا ہے اگر یہ بات سچ ہے تو بانی مذہب اسلام کے لیئے اس بات کی کہ انہوں نے متعدد جوروں کی اجازت دی ایک وجہ بڑی تھی اور یہ ایک کافی سبب اس بات کا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اس مضمون کی نسبت اپنی کوئی راے ظاہر نہیں کی بلکہ اُسکو ملکوں کی گورنمنٹوں کے آئین پر چھوڑ دیا کیونکہ جو بات ایشیا کے واسطے مناسب ہوگی وہ یورپ کے واسطے نامناسب ہوگی "

اب ہم اس مقام پر اُن بدعادتوں اور خراب اخلاق کا جو آنحضرت صلعم سے پہلے ایام جاہلیت میں عموماً جاری تھے اس ناطرفدارانہ بحث میں ذکر نہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں ملک ایران اپنے اخلاق کی خرابی میں سب سے بڑھا ہوا تھا وہاں قوانین نکاح بالائے طاق رکھدئے گئے تھے اور رشتہ داری کا گروہ کیسے ہی قریب ہو یا بعید مطلق پاس ولحاظ نہیں تھا۔ بیٹے کو اُسکی ماں ایسے ہی مباح تھی جیسے باپ کو اُسکی بیٹی اور بھائی کو اُسکی بہن۔ غرضکہ اس معاملہ میں فی الواقع ایک جانوروں کے گلہ سے مشابہت رکھتے تھے جو کسی قسم کے قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ ایران کے گوشہ شمال ومغرب میں یہودی بہ کثرت آباد تھے۔ اُن کے ہاں کثرت ازدواج کی رسم بلاکسی قید اور حد کے بے روک ٹوک کے جاری تھی۔ اور زمانہ جاہلیت کے عرب کے حالات کو بہ نظر غور دیکھنے سے جہاں یہودیوں اور ایرانیوں کے دستورات غلط ملط ہوگئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں یہ دونوں رسمیں یکساں جاری تھیں۔ تعدد ازواج کی کچھ انتہا نہ تھی۔ لوگ جس عورت کو چاہتے تھے پسند کرتے تھے۔ اپنی پسند میں کسی قسم کے قانون کے پابند نہ تھے۔ تمام عورتیں بغیر کسی امتیاز ورتبہ یا عمر یا رشتہ داری کے مردوں کی وحشیانہ خواہشوں کے پورا کرنے کا کام دیتی تھیں۔ عورتوں کی نسبت بدنیتی کے وحشیانہ خیالات اور اُن کے ساتھ وحشیانہ حرکات کا افتخار صرف بے عیب ہی نہیں گنا جاتا تھا بلکہ شیخی اور عالی ہمتی اور بڑی بہادری کا کام سمجھا جاتا تھا۔ اُس زمانہ کے عیسائی مذہب پر (اگر وہ مذہب عیسوی کہا جاسکے) جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اُسکے معتقدوں کو ایک ایسے طریقہ کا پیرو پاتے ہیں جو اوپر کے دستوروں سے بالکل برخلاف ہے یعنی ایک بھی جورو کرنی کچھ نیکی نہیں گنی جاتی تھی بلکہ رہبانیت وتجرد محض کی عام ہدایت تھی اور مرد

عورت دونوں کے لیئے دہی تنگی گنی جاتی تھی - ایسے زمانہ میں جس میں عقل کی اور دل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور رسم ورواج اور اخلاق اور طرز معاشرت اس درجہ خراب ہوگیا تھا - بانی اسلام نے نہایت خوبی اور دانشمندی سے ایک ایسا عمدہ قانون بنایا جو لحاظ اپنی اصلیت کے نہایت کامل اور عقل کامل کے بالکل مطابق اور انسان کی تندرستی اور بہبودی اور حسن معاشرت کی ترقی کا نہایت عمدہ ذریعہ اور زن ومرد کی حالت زوجیت کے حق میں اور دونوں کے لیئے اُنکی تلخیوں کو دور کرنے میں نہایت ہی مفید ہے -

تیسرے جبکہ ہم اس معاملہ پر بہ لحاظ مذہب کے بحث کرنا چاہتے ہیں تو ہم پہلے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ دو اور الہامی مذہبوں نے یعنی یہودی مذہب نے اور خصوصاً عیسائی مذہب نے جسکے پیرو مذہب اسلام کے اس مسئلہ پر نہایت طعن کرتے ہیں اس باب میں کیا کیا ہے اور اُسکے بعد ہم دکھاوینگے کہ مذہب اسلام نے کیا کیا اور پھر اہل انصاف سے پوچھینگے کہ مذہب عیسوی نے تعدد ازدواج کو رد کیا ہے یا مذہب اسلام نے -

مذہب یہود تو ایک مخزن ہے جس میں بکثرت ازدواج اور بلا تعین حد موجود ہے عیسائی مذہب نے بھی تعدد ازدواج کی کہیں ممانعت نہیں کی چنانچہ ہم اپنے اس قول کی تائید میں چند مشہور ومعروف عیسائی عالموں کی رائیں نقل کرتے ہیں جنسے تعدد ازدواج کی تائید ہوتی ہے - مسٹر بکنر بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت محمد نے اس نہایت قدیم موسوی مذہب کے مقنن کی پیروی کرکے اپنی قوم کو جو اسمٰعیل کی اولاد ہے (جو مسلمانوں کے باپ کا بیٹا تھا) متعدد بیویوں کی اجازت دی اسواسطے عیسائی ہمیشہ اُسپر عیب نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیرووں کی کمینہ خواہش کو پورا

اس طرز سے جواز تعدد ازدواج پر استدلال کرتا ہوں کہ تعدد ازدواج کی رسم یا تو نکاح جائز ہے یا فجور ہے یا زنا ہے۔ پس اُس مقدس رسول نے کوئی چوتھی صورت تسلیم نہیں کی۔ پس میں یقین کرتا ہوں کہ اُن بہت سے بزرگوں کی تعظیم و توقیر کے لحاظ سے جو کثیر الازواج تھے ہر ایک شخص اُسکو فجور یا زنا خیال کرنے سے باز رہیگا۔ کیونکہ خدا حرام کاروں اور زانیونکو سزا دیگا حالانکہ اُن بزرگوں پر خدا کی خاص نظر تھی جیسا کہ خود اُسنے فرمایا ہے۔ پس اگر متعدد نکاحونکا کرنا ٹھیک ٹھیک نکاح ہو تو وہی جائز ہے اسی حواری کا قول ہے کہ "سب میں نکاح کرنا بھلا ہے اور بستر ناپاک نہیں۔

یہ حال تو تعدد ازدواج کی نسبت مذہب موسوی اور عیسوی میں تھا اب ہم کہتے ہیں کہ مذہب اسلام نے تمام مذہبوں سے بڑھکر تعدد ازدواج کو نہایت خوبی سے روکا ہے اور صرف ایک ہی بیوی کو پسند کیا ہے تعدد کو صرف ایک نہایت محدود و خاص حالت میں جائز رکھا ہے۔ ہمکو کچھ شبہہ نہیں ہے کہ سچا مسئلہ سچے مذہب کا جو اُسکی مرضی کے موافق ہو جس نے مرد و عورت کا جوڑا پیدا کیا ضرور ایسا ہوگا جو قانون قدرت کے تو بر خلاف نہ ہو اور حسن معاشرت میں کوئی نقصان نہ پیدا کرے اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ عموماً کثرت ازدواج کی ممانعت اور صور تہاے خاص اور حالات مستثنیٰ میں اجازت ہو اور ٹھیک یہی مسئلہ ٹھیٹ اسلام کا ہے قران مجید نے اس نازک معاملہ اور دقیق اور پر پیچ مطلب کو نہایت فصیح و بلیغ دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ "فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ" یعنی اگر تمکو خوف ہو کہ متعدد جوروؤں میں عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی جورو رکھنی چاہیئے۔ اگر ان لفظوں پر کافی غور نہ کی جائے اور صرف اوپری اوپری معنی لئے جاویں جیسے کہ اکثر علما اور

نقصانات سے بچیں تو بھی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو بے اعتدالی سے باز رکھنے کی
غرض سے (جو ہمیشہ بدتر اور بعض دفعہ خطرناک ہوتی ہیں) اور اس بات کا یقین ہونے کی
غرض سے کہ جس شخص نے ایک سے زیادہ جوروئیں کیں وہ ایک واقعی ضرورت کے سبب
سے مجبور تھا بہت سخت قیدیں اور شرطیں لگائی گئی ہیں مثلاً یہ کہ سب کو بالکل برابر حق
حقوق دینے اور سب کے ساتھ برابر محبت رکھنی تاکہ عدل کے معنی متحقق ہوں۔ پس جو
لوگ سچے دیندار اور درحقیقت مذہب کے تابع ہیں وہ از خود بجز ضرورت مجوزہ کے ایک
سے زیادہ جوروئیں کرنے سے باز رہتے ہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ اس اجازت
سے بغیر اس کی شرائط کے پورا کئے جن کا پورا کرنا نہایت مشکل ہے فائدہ اٹھانا اپنے
مذہبی فرائض کو ٹھیک ٹھیک طور پر ادا کرنا نہیں ہے۔

لیکن اگر ان مقرر شرطوں پر بتعمق نظر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ شارع نے
ایک سے زیادہ جورو کرنے کی اجازت کو نہایت محدود اور خاص حالت میں مخصوص کردیا
ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے کہ اگر تمکو خوف ہے کہ عدل نہ کرسکو گے تو صرف ایک ہی
ہونی چاہئے لفظ خوف عدم عدل ایک ایسا لفظ ہے کہ جب تک محل عدل ساقط نہو
خوف عدم عدل زائل نہیں ہوسکتا۔ گو اسوقت ہم کیسا ہی سچا ارادہ کرلیں کہ ہم دونوں
جوروؤں میں عدل کرینگے (جو درحقیقت بحالت قیام محل عدل ناممکن ہے) تب بھی خوف
عدم عدل اگر محل عدل قائم ہے زائل نہیں ہوتا۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کی زیادہ تفصیل ہے جہاں خدا نے ان لوگوں
کی نسبت جن کے پاس متعدد جوروئیں تھیں صاف صاف فرمایا ہے کہ تم ہرگز متعدد
ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء۔ جوروؤں میں عدل نہ کرسکو گے گو کہ

ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقہ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفوراً رحیماً وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ وکان اللہ واسعاً حکیما۔ سورۃ نساء۔

عدل کرنے کی کتنی ہی حرص کرو پس مت جھک پڑو اندھا دھندی سے جھک پڑنا تاکہ چھوڑ دو انکو ادھر میں لٹکتے ہوئے کہ نہ وہ بیوہ یا مطلقہ ہے کہ دوسرا شوہر کرسکے اور نہ سہاگن ہے کہ خصم کے ساتھ خوشی سے زندگی بسر کرے پھر اگر تم صلح کرلو اور پرہیزگاری کرو تو بیشک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور اگر تم دونوں جدا ہوجاؤ تو اللہ تعالیٰ دونونکو اپنی وسعت رزق سے بے پرواہ کریگا اور اللہ بڑی وسعت والا حکیم ہے۔ اس آیت سے صاف ثابت ہوگیا کہ عدل غیر ممکن ہے اور اسلئے خوف عدم عدل کبھی ساقط نہیں ہوسکتا جب تک کہ محل عدل باقی ہے اور اس آیت میں طلاق کو مسقط محل عدل بتایا ہے اگرچہ اور بھی چند امور مثلاً امراض یا نقصان خلقت مسقط محل عدل ہوسکتے ہیں پس اجازت تعداد ازواج کی عدم وجود محل عدل میں منحصر ہوگی اور عدم وجود محل عدل مستلزم عدم حسن معاشرت ہے پس کس دانائی اور احتیاط اور خوبی اور بے انتہا عمدگی سے شارع نے قانون قدرت اور حسن معاشرت دونونکو قائم رکھکر اس باب میں حکم دیا ہے اور ہر غیر متعصب شخص کا دل قبول کریگا کہ بیشک یہ حکم اسی شخص کا ہے جس نے مرد و زن کا جوڑا پیدا کیا ہے۔

ہاں بلاشبہہ اس اجازت سے اوباش اور شہوت پرست آدمیونکو جن کی زندگی کا عین منشا ٹٹی کی اوجھل شکار کھیلنا ہے ایک حیلہ ہاتھ آگیا ہے مگر اس عمدہ اور مفید قاعدہ کے بیجا عمل درآمد کرنے سے وہ لوگ اس خدا کے سامنے جو ابد و ہونگے جو انسانوں کے دلوں کا محرم راز ہے اور وہ یقیناً انکو اس قسم کی سزا دیگا جو ان کے گناہ کے لحاظ کے

واجب ہوگی۔

ان تمام باتوں کے سمجھنے کے بعد ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے یقین کرینگے کہ یہ جو تعدد ازدواج اس زمانہ میں رائج ہے کہ جہاں ذرا دولت ہوئی اور دو دو اور تین تین اور چار چار جوروئیں کرنے لگے اور ایک بازاری عورت کو داؤں پر چڑھایا اور نکاح کر مارا۔ جہاں مقدس بزرگ ہوئی ہوئے اللہ میاں کے سانڈ بنے اس بڑی بوڑھی کو لے ڈالا اور وعظ کہنے لگے اور سنت نکاح ثانی کو جاری کیا۔ قرآن پڑھاتے پڑھاتے دوسرا سبق خطبہ نکاح کا پڑھانے لگے۔ اور ہمارے دوسرے بھائیوں نے ایک حیلہ متعہ کا جو جاہلیت میں تھا اسلام میں پیدا کر کے عورتوں کو کھنگالنا شروع کر دیا۔ ان سب باتوں کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہ سب ایک قسم کی اوباشی کے ڈھنگ ہیں جنسے اسلام نفرت کرتا ہے اور وہ سب ہوا پرست اوباش ہیں جنسے اسلام کا نام بدہوتا ہے۔ پس ایسے شخصوں کے افعال پر اسلام کی خوبی وحقیقت سے چشم پوشی کرنا چمگادڑوں کے لئے آفتاب کا سیاہ کرنا ہے۔

اب طلاق کی نسبت ہم گفتگو کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس طرح ہم نے تعدد ازدواج کی نسبت تین طرح پر یعنی قانون قدرت حسن معاشرت اور مذہب کی رو سے بحث کی ہے اس طرح پر بحث نہیں ہو سکتی اور اس لئے ہم اس مسئلہ پر صرف بلحاظ حسن معاشرت اور مذہب کے بحث کرینگے۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ تمام قدیم وجدید قوموں و مذہبوں میں نکاح کا عام رواج ہے اور وہ علی العموم انسان کی ذاتی و تمدنی بہبودی کی بنیاد ہے تو جو چیز اسکو معدوم کرنے والی ہے یعنی طلاق وہ نہایت ہی بد چیز فوائد ذاتی و تمدنی کو برباد کرنیوالی ہوگی۔ یہی

وجہ ہے کہ روم کے گرجا نے بہ نظر اُس کی حفاظت کے نکاح کو اپنے ساتھ پاک رسموں
میں قرار دیکر اُسکو متبرک ٹھرایا ہے اور انگلستان کے پروٹسٹنٹوں نے طلاق کا حکم صرف
ایک حالت میں جائز رکھا ہے جبکہ ہوس آف لارڈز سے زر کثیر صرف کرنے کے بعد حاصل
ہو - یہ انتظام ۱۸۵۶ء تک قایم تھا یعنی اُسوقت تک جبکہ طلاق کے تمام مقدمات کے
سننے اور جیوری کی راے سے اُسکی نسبت تجویز ہونے کے لیے ایک نئی عدالت قائم
کی گئی -

عموماً یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ سب سے بڑا دشمن حسن معاشرت و
تمدن کا طلاق ہے اُسکے سبب سے نکاح کی وقعت گھٹ جاتی ہے اور مرد کی محبت کا
عورت کے ساتھ اور عورت کی وفاداری کا مرد کے ساتھ اعتبار نہیں رہتا - لیکن اس بات
سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ اگر کسی سبب وحالت سے ایسی خرابیاں مرد و عورت میں پیدا
ہوجاویں جو کسی طرح اصلاح کے قابل نہیں تو اُنکا بھی کچھہ علاج ہونا چاہیے اور وہ علاج
طلاق ہے - پس کچھہ شک نہیں ہے کہ ایسی حالت میں طلاق سے فایدہ ہے اُس کے باعث
سے مرد و عورت کو آزادی ہوجاتی ہے جن کے مزاج کی مخالفت یا سختی یا بے استقلالی
سے دونوں کی زندگی تلخ ہوگئی تھی - باینہمہ اگرچہ طلاق ایک شخص واحد کے حق میں مفید
ہو لیکن بلحاظ اُن بداخلاقیوں کے جو اکثر اوقات نہایت آشکارا طور پر وقوع میں آتی ہیں اور
نیز اُس مسرت بخش اثر کی وجہ سے جو طرفین کی اولاد پر اپنے والدین سے جدا ہونے سے
ہوتا ہے تمدن کے حق میں کچھہ کم مضرت پہونچانیوالا نہیں ہے - پس جبکہ طلاق کے
ساتھہ ایسی خرابیاں لگی ہوئی ہیں تو اُسکو بطور ایک علاج کے سمجھکر اُسی حالت میں اُس کی
جانب رجوع کرنا جائز ہوسکتا ہے جبکہ اُسپر عمل کرنے سے ایسی مصیبتیں جو طلاق کی مصیبتوں

سے بھی زیادہ ناقابل برداشت ہوں اور ایسے ترددات اور تفکرات میں ڈالنے والی ہوں جو طلاق کے رنجوں سے بھی زیادہ رنج دینے والی اور روز افزوں رنجشیں پیدا کرنیوالی اور باہمی حسن معاشرت کے بدلے دن رات کی لعن وطعن جوتی پیزار رکھنے والی ہوں دور ہوسکتی ہوں۔ اگر ایسی حالت میں طلاق کو جائز رکھا جاوے (جیسے کہ اسلام نے صرف اسی حالت میں اُسکو بے گناہ ٹہرایا ہے) تو وہ کسی طرح حسن معاشرت کے مخالف نہیں ہے بلکہ اُسکی اصلاح کرنیوالی اور ترقی دینے والی ہے۔

جبکہ ہم بہ لحاظ مذہب کے طلاق کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ مذہب اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جسنے طلاق کے مسئلہ میں سب سے زیادہ حسن معاشرت کی حفاظت اور اصلاح پر نظر رکھی ہے۔ یہودی مذہب میں طلاق دینا بغیر کسی قید وشرط وحالت کے مرد کے اختیار میں تہا کہ جب وہ چاہے طلاق نامہ لکھکر جورو کے حوالہ کردے اور ایسا کرنے سے کسی حالت میں وہ کسی گناہ کا گنہگار متصور نہیں ہوتا تہا۔ حضرت عیسیٰ نے اس حکم کو منسوخ کیا اور جیسا کہ حال کے زمانہ کے عیسائی سمجھتے ہیں (اگر وہ صحیح ہو) تو بجز ایک خاص وجہ کے اور کسی حالت میں طلاق کا دینا جائز نہیں رکھا اور فرمایا کہ "میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو سوائے زنا کے کسی سبب سے طلاق دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے" اگر اس فقرہ سے عدم جواز طلاق سمجھا جاوے جیسا کہ حال کے زمانہ کے عیسائی سمجھتے ہیں (اور شاید وہ سمجھہ صحیح نہیں ہے) تو یہ ایک ایسا سخت حکم تہا جس کی برداشت انسانوں سے قریب ناممکن کے تہی۔ چنانچہ حضرت مسیح کے معتقدوں نے حضرت مسیح سے کہا کہ "اگر جورو سے مرد کا یہ طور ہے تو جورو کرنا خوب نہیں"۔ پس اگر یہ حکم

اسیطرح مانا جاوے جس طرح کہ اس زمانہ کے عیسائی مانتے ہیں تو حسن معاشرت کے لئے
نہایت ہی مضر ہے اور جو رنج وہ اُمور زن وشوہر میں واقع ہو جاتے ہیں جن سے تمام
حسن معاشرت اور اغراض تزوج برباد ہوجاتے ہیں اُسکا کچھہ بھی علاج نہیں ہے اور زن
و مرد دونوں کے لئے اور بہت سی خرابیاں اور خوفناک حالتوں میں پڑنے کا اندیشہ ہے
باینہمہ بعض عیسائی عالموں کی یہ رائے ہے کہ اس حکم سے عدم جواز طلاق نہیں پایا جاتا اور
اس لئے وہ عالم عیسائی مذہب کی روسے بھی طلاق کا جائز ہونا سوائے زنا کے اور حالتوں
میں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ جان ملٹن نے اپنی کتاب مسائل مذہب عیسوی میں یہہ
بحث لکھی ہے کہ نکاح کی جو تعریف کی گئی ہے اُسکی روسے نکاح نہایت مرتبہ کا ایک اتحاد
ہے مگر ناقابل انفکاک یا ناقابل تفریق نہیں ہے" بعض لوگ اُسکے ناقابل تفریق ہونے
کی نسبت متی کی انجیل باب ۱۹ ورس ۵ سے استدلال کرتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ "وہ
دونوں ایک تن ہوجاوینگے" اگر ان الفاظ پر مناسب طور سے غور کیا جاوے تو اسکے یہ
معنی نہیں ہیں کہ نکاح قطعاً قابل تفریق نہیں بلکہ اُن سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ
خفیف خفیف باتوں پر نکاح کو منقطع کرنا نہیں چاہئے کیونکہ جو کچھہ نکاح کے ناقابل انفکاک
ہونے کی نسبت کہا گیا ہے وہ خاص عقد نکاح اور اُسکے تمام مقاصد ولوازمات کی پوری
پوری تعمیل ہونے پر منحصر ہے خواہ وہ الفاظ بطور ایک حکم کے یا بطور ایک قدرتی نتیجہ کے
خیال کئے جاویں اور اسی وجہ سے متی کی انجیل میں اُن لفظوں کے ساتھہ یہ لفظ بیان کئے
گئے ہیں کہ "مرد اپنے ماباپ کو چھوڑیگا اور اپنی جورو سے ملا رہیگا۔ اور وہ دونوں ایک تن ہونگے
"یعنی بشرطیکہ نکاح کی اصلی نوعیت کے مطابق (جسکا بیان کتاب پیدایش باب ۲ ورس ۱۸
لغایت ۲۰ میں ہے) عورت خاوند کے واسطے ایک مددگار ہو یا یہ کہ جانبین کی باہم خیرخواہی

اور محبت اور آرام وفاداری میں کچھ فرق نہ آوے کیونکہ عرف عام کے بموجب یہی اصلی وضع نکاح کی ہے لیکن اگر اصل منشاء نکاح کا منقطع ہوجاوے تو اس سے لازم آتا ہے کہ نکاح بھی دراصل منقطع ہوگیا۔

دوسری آیت میں جو بیان ہوا ہے اور جس پر بڑا زور دیا گیا ہے یعنی جو کچھ خدا نے ملایا ہے اُسے آدمی جدا نہ کرے" لحاظ کے قابل ہے۔ مگر نکاح ہی کے عقد سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدا نے کس چیز کو ملایا ہے؟ خدا نے صرف اُس چیز کو ملایا ہے جو ملاپ کے قابل ہے اور جو مناسب ہے بہتر ہے اور محترم ہے۔ اُسنے انسان کی قدرتی طبیعت کے خلاف اور نامناسب حالت کے ملاپ کا حکم نہیں دیا جس میں صرف بیعزتی اور تکلیف اور عداوت اور مصیبت بھری ہوئی ہو۔ خدا تعالیٰ کچھ اس قسم کے ملاپ نہیں کرتا ہے جو درحقیقت ملاپ نہیں ہوں۔ بلکہ جبر یا عاقبت اندیشی یا غلطی یا بدسلیقگی کے اثر سے ہوئے ہوں پس ایسی ناگوار خانہ داری کی برائی سے اپنے تئیں نجات دینا کس وجہ سے ناجائز ہے۔ علاوہ اسکے ہمارا مسئلہ اُن شخصونکو جدا نہیں کرتا جنکو خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس آئین کے بموجب ملایا ہے بلکہ صرف اُن شخصونکو علیحدہ کرتا ہے جن کو خود خدا نے اپنے ایسے ہی مقدس آئین کی رو سے جدا کر دیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا حکم ہے جسکا اثر ہم پر اب ایسا ہونا چاہیے جیسا کہ سابق میں اسکی اُمت پر ہوتا تھا۔ مذہب عیسوی کے کمال کو جسکی ترقی بعض لوگ نکاح کے ناقابل انفکاک ہونے کی ایک دلیل بیان کرتے ہیں اُسکی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اُس ترقی کو جبر اور قوانین تعزیری کے ذریعہ سے ہم میں زبردستی اسکا رواج نہیں دینا چاہیے بلکہ اگر ہو تو اُسکو ترغیب اور عیسائی پند و نصائح کے ذریعہ سے جاری کرنا چاہیے کسی شخص کی نسبت صرف اس حالت میں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اُسنے اُس نکاح کو قطع

کیا جو شرعاً منعقد ہوا تھا جبکہ وہ احکام الٰہی میں اسباب کو زیادہ کر کے جو خاص اس حکم
میں شامل نہو مذہب کے حیلہ سے اُس شخص سے جدا ہو جائے جو اُسکی منشا کے موافق
ہو کیونکہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے منصفانہ اور پاک اور مقدس قانون
میں صرف مختلف وجہوں پر طلاق کی اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بعض صورتوں میں اُسکو
جائز قرار دیا ہے اور بعض صورتوں میں اُسکی ہدایت کی ہے اور بہ حالت خلاف ورزی سخت
سزائیں قرار دی ہیں دیکھو کتاب خروج باب ۱۲ ورس ۴ و ۱۰ و ۱۱ ۔ اور کتاب استثنا باب ۲۱
ورس ۱۴ و باب ۲۴ ورس ۱ و کتاب عزرا باب ۱۰ ورس ۲ نحمیا باب ۲۳ ورس ۳۰ ۔

توریت کتاب استثنا باب ۲۴ ورس ۱ میں لکھا ہے کہ "جب کہ کوئی شخص ایک بیوی کرلے
اور اُس سے نکاح ہو جائے اور ایسا اتفاق ہو کہ وہ اُسکو پسند نہو کیونکہ اُس میں کچھ ناپاکی
ہے تو اُسکو چاہیے کہ ایک طلاقنامہ لکھکر اُسکے ہاتھ میں دیدے اور اُسکو اپنے گھر سے
نکالدے" پس اگر فرض کیا جائے کہ جو سبب طلاق بتایا گیا ہے وہ سچا ہے مصنوعی
نہیں تو اس مقام میں خداوند تعالیٰ نے ایک بیوی ابتدا ہی میں اس غرض سے دی
کہ وہ اُسکی مدد اور تسلی اور خوشی کا باعث ہو جیسا کہ خود آئین نکاح سے ظاہر ہوتا ہے
تو اگر بعد کو جیسا کہ اکثر اتفاق ہوتا ہے وہ بیوی رنج و رسوائی اور تباہی اور اذیت اور مصیبت کے
باعث ہو تو ہمکو کیونکر یہ خیال کرنا چاہیے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے سے
ناخوش ہوگا ۔ میں دل کی سختی کو اُس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو اُس عورت کو اپنے
پاس رہنے دے نہ کہ اُس شخص سے جو اُسکو ایسی صورتوں میں گھر سے نکالدے
اور صرف میں ہی نہیں بلکہ خود حضرت سلیمان یا شاید خود خدا کی روح نے حضرت سلیمان
کے منہ سے یہی بات کہی ہے چنانچہ توریت کتاب امثال سلیمان باب ۳۰ ورس ۲۱ و ۲۳

میں لکھا ہے کہ "تین چیزوں سے دنیا کو بے چینی حاصل ہوتی ہے بلکہ چار چیزیں ہیں جن کو وہ برداشت نہیں کر سکتی ہے ۔۔۔ اور ایک مکروہ عورت سے جبکہ اُسکا نکاح ہو جاوے" اسکے برخلاف کتاب واعظ باب ۹ ورس ۹ میں بیان ہوا ہے کہ "تو اُس عورت کے ساتھ جسکو تو پیار کرتا ہے خوشی سے بسر کر جسکو اُس (خدا) نے تجھے دیا ہے اور جسکو تو اپنی فانی زندگی کے تمام زمانہ میں پیار کرتا ہے" پس جو عورت اُسنے تجھکو دی ہے وہ عورت ہے جسکو کہ تو پیار کرتا ہے نہ کہ وہ جس سے تو نفرت کرتا ہے اور کتاب ملاخی باب ۲ ورس ۱۶ میں بیان ہوا ہے کہ "جو شخص نفرت کرتا ہے (یا اس وجہ سے کہ وہ نفرت کرتی ہے) اُسکو چاہیے کہ اُسکو چھوڑ دے" چنانچہ یونیوں سے پہلے سب نے اس فقرہ کا ایسا ہی ترجمہ کیا ہے[1] پس معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس حکم کو حضرت موسیٰ کی معرفت اس غرض سے صادر نہیں فرمایا اور نہ اس نبی کی معرفت اُسنے اسکو اس غرض سے دوبرا یا کہ شوہر کو اپنی سنگدلی کے برتاؤ کا موقع ملے بلکہ اس غرض سے صادر کیا ہے کہ جہاں ضرورت ہو اس بدنصیب عورت کو اسکے اثر سے بچاوے کیونکہ اس میں کوئی سنگدلی نہیں ہے کہ اس عورت کو عزت سے اور بلا تکلف رخصت کر دے جسکا خود ہی یہ قصور ہے کہ وہ محبوب نہیں ہوئی۔ ایسی عورت جو نہ صرف یہی ہے کہ محبوب نہیں ہوئی بلکہ وہ معلق چھوڑ دی گئی ہو اور اس سے نفرت اور عداوت کی جاتی ہو۔ غرضکہ جس عورت کا یہ حال ہو اُس کو ایک نہایت

---

[1] صحیفہ ملاخی باب ۲ کی آیتوں کے ترجمے اس طرح ہوئے ہیں۔

ترجمہ عربی ۱۸۴۴ء میں ہے "وامراۃ شبابک لاتترک لکن ان ابغضتہا سرحہا" اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں "وزوجۃ غلامتک لاترذلہا اذا ابغضت فاطلق" ۔ اور ایسا ہی رومن کیتھلک بیبل میں ہے اور انگریزی ترجمہ پروٹسٹنٹ کے حاشیہ پر بھی یہی عبارت ہے جس سے ملا نے استدلال کیا ہے۔

تکلیف وہ قانون کا اتباع کرکے اُسکے شوہر کے نہایت بھاری غلامی کے جوئے میں رکہنا (کیونکہ نکاح بے محبت ایسا ہی ہوتا ہے) جسکو نہ تو اسکے ساتھ الفت ہو اور نہ دوستی ہو یہی درحقیقت ایسی سختی ہے جس میں ہر ایک قسم کی طلاق سے زیادہ بیرحمی ہے۔ اسیوجہ سے خداوند تعالیٰ نے طلاق کی اجازت دیدی ہے جسکا اگر مناسب طور سے عملدرآمد کیا جاوے تو وہ نہایت منصفانہ اور رحیمانہ ہے بلکہ اُسنے اُسکے فائدہ انکو اُن شخصوں تک بھی وسعت دی ہے جن کی نسبت وہ یہ جانتا تھا کہ یہ اپنی سنگدلی کی وجہ سے اسکا بیجا عملدرآمد کرینگے اور اُسی نے بدکار آدمیوں کی سنگدلی گوارا کرنا اس سے بہتر تصور فرمایا کہ نیک آدمیوں کی تکلیف رفع کرنے سے باز رہے۔ یا جس رسم کا ایک ربانی برکت سے ایک بدترین مصائب ہو جانے کا اندیشہ تھا خود اسی کو درہم برہم کردے

خود حضرت عیسیٰ نے نویں آیت میں زنا کی وجہ سے طلاق کی اجازت دی ہے اور یہ بات نہوتی اگر خدا تعالیٰ کو یہ بات منظور ہوتی کہ جن شخصونکو خدا نے ایک مرتبہ عقد نکاح میں باندہ دیا ہے وہ ہرگز آیندہ جدا نہوں۔ مگر مشرقی زبانوں کے محاورہ کے بموجب اُس لفظ سے جسکا ترجمہ زنا کیا گیا ہے صرف زنا ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ یا تو اُس سے وہ چیز مراد ہے جسکو "ناپاک چیز" کہا گیا ہے یا کسی ایسے امر کا نقصان مراد ہے جو جس امر کا ایک بیوی کی ذات میں ہونا واجباً ضروری ہے جو کتاب استثنا کے ۲۴ باب کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ جیسا کہ سیلڈن نے سب سے پہلے اپنی کتاب اکزور ہبرایا میں ایسے محاورہ کو بہت سی ربانیین یہود کی شہادت سے ثابت کیا ہے۔ اور یا اس سے وہ شے مراد ہے جو محبت۔ وفاداری۔ باہمی اعانت یا معاشرت یعنی اصلی آئین نکاح کے مقصد کے خلاف ہو کہ ہرگز اس سے موافقت نہو سکے جیسا کہ سیلڈن نے

ثابت کیا ہے اور میں نے بھی ایک دوسرے رسالہ میں ثابت کیا ہے کیونکہ جسوقت فریسیوں نے یہ سوال کیا تھا کہ آیا ایک بیوی کو ہر ایک وجہ سے طلاق دینا جائز ہے یا نہیں تو یہ جواب دینا لغو ہوتا کہ سوائے زنا کے اور کسی حالت میں جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بات تو بخوبی مشہور و معروف تھی کہ زنا کی حالت میں وہ جائز ہی نہیں تھی بلکہ ایک زانیہ کو نکال دینا ضروری تھا اور وہ بھی طلاق کے ذریعہ سے نہیں بلکہ قتل کر دینے سے۔ پس اس مقام پر اس لفظ سے بہ نسبت محض زنا کے زیادہ تر وسیع معنی سمجھنے چاہئیں جیسا کہ کتاب اقدس کے اکثر مقامات سے خصوصاً قاضیوں کی کتاب باب ۱۹۔ آیت ۲ سے ظاہر ہے جہاں لکھا ہے کہ "اسکی بیوی زنا کر کے چلی گئی" یہاں زنا کے عرفی معنی نہیں ہو سکتے کیونکہ ایسی حالت میں اسکو جرأت نہوتی کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی جاوے بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ اپنے شوہر سے تمردانہ (نشوز) برتاؤ کر کے چلی گئی۔ اور نہ ایسی صورت میں (یعنی جبکہ بجز زنا کے طلاق جائز نہ تھی) پولوس مقدس کسی کافر مرد یا عورت کے جدا ہو جانے کے سبب سے طلاق کی اجازت دیتے اگر یہ بھی ایک قسم کا زنا نہ ہوتا۔ اس بحث سے یہ امر کچھ متعلق نہیں ہے کہ یہ مسئلہ کافر مرد یا عورت کے متعلق ہے کیونکہ جو شخص خاندان کو ترک کر دے وہ کافر سے بدتر ہے (پولوس کا پہلا خط تموتی کے نام باب ۵ آیت ۸) اور نہ نکاح کے اصلی منشا کے حق میں کوئی بات اس سے زیادہ تر ضروری اور پسندیدہ ہو سکتی ہے کہ جو عقد محبت اور تمام عمر کی باہمی اعانت کی توقع اور نیک ارادوں سے کیا گیا ہو وہ کینہ اور سنگین عداوت اور طرفین کی جانب سے ناپسندیدہ برتاؤ کے سبب سے قطع کر دیا جائے۔ پس خدا تعالے نے انسان کے لئے جب کہ وہ بہشت میں معصومیت کی حالت میں تھا دنیا میں گناہ کے

لہ اس مقام پر پولوس کے خط موسومہ قرنتیان کے ساتویں باب کی ۱۵۔ آیت پر اشارہ ہے۔

آنے سے پہلے یہ حکم دیا کہ نکاح ناقابل انفکاک ہونا چاہیے۔ گناہ کے بعد حالات کے تغیر
کے موافق اور نیز اس نظر سے کہ معصوم آدمی بدکار آدمیوں کے ہاتھ سے ہمیشہ کے ضرر
سے محفوظ رہے اُسنے نکاح کے انفکاک کی اجازت دی اور یہ اجازت قانون قدرت
اور موسوی شریعت کا ایک جزو ہے اور حضرت مسیح نے بھی اسکی ممانعت نہیں کی پس ہر
ایک معاہدہ سے جبکہ ابتداءً عمل میں آوے اُسکا دوامی اور ناقابل انفکاک ہونا مقصود ہوتا ہے
گو وہ کسی فریق کی بدعہدی کے سبب سے کیسے ہی جلد کیوں نہ ٹوٹ جاوے اور نہ ابتک
کوئی معقول وجہ اس بات کی بیان کی گئی ہے کہ نکاح کی نوعیت اس باب میں اور تمام
معاہدوں سے مختلف ہونی چاہیئے خصوصاً اُس حالت میں جبکہ پولوس مقدس نے یہ
بات بیان کی ہے کہ کوئی بھائی یا بہن ایسی باتوں میں مقید نہیں ہے۔ یہ نہ صرف چھوڑ دینے
کی نسبت بلکہ ایسی تمام صورتوں میں جو ایک نالائق قید پیدا کرنے میں ہوتی ہے جیسا کہ
قرنتیوں نے پہلے خط میں لکھا ہے (باب ۷ آیت ۱۵) کہ "کوئی بھائی یا بہن ایسی باتوں میں
مقید نہیں کہ خدا نے ملاپ کے لیئے بلایا ہے" پس خدا تعالیٰ نے ہمکو اس غرض سے نہیں
بلایا کہ ہم دائمی نزاع اور تردوات کے باعث سے پریشان خاطر رہیں کیونکر ہمارے بلانے
کا مقصد امن اور آزادی ہے نہ کہ نکاح چہ جائیکہ دائمی نزاع اور ایک ناخوش ازدواج کی غلامانہ
قید جسکو رسول نے تمام چیزوں سے زیادہ ایک آزاد آدمی اور عیسائی کے ناقابل بتلایا ہے
یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت مسیح نے موسوی شریعت سے کوئی ایسا حکم خارج کر دیا
جس سے مظلوم اور مصیبت زدہ شخصوں پر رحم کرنیکا موقع ملتا تھا اور نہ اس موقع پر حضرت
مسیح کو یہ منظور رہتا کہ انکا یہ قول حکم عدالت سمجھا جاوے یا اس معاملہ کی نسبت کوئی نیا اور
سخت حکم دیا جاوے بلکہ قانون کے بیجا عملدرآمدوں کے بیان کرنے کے بعد اُنہوں نے

آپ نے حسب معمول ایک زیادہ تر کامل دستور معاشرت کا بتلایا اور اس موقع پر مثل اور تمام موقعوں کے منصب قضا کا دعویٰ نہیں کیا اور امر حق کو محض نصیحت کے طور پر بیان فرمایا نہ کہ جبریہ احکام سے۔ پس انجیل کی نصیحتوں کو ملکی آئین قرار دینا اور احکام تعزیری کے ذریعہ سے اسکو نافذ کرنا ایک سخت غلطی ہے ؛

یہ تمام تقریر جان ملٹن کی تھی جو انہوں نے ایک محققانہ اور عالمانہ طور پر بائیبل کے احکام سے استنباط کی ہے۔ ہماری رائے میں یہ مطلب نہایت مختصر تقریر سے ختم ہوتا ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ سے پوچھا کہ جورو کو ہر ایک طرح پر طلاق دینی درست ہے یا نہیں اُن کا جواب یہ ہے کہ بجز افعال ذمیمہ کے اور کسی صورت میں جائز نہیں۔ جس لفظ کا ترجمہ حرامکاری یا زنا کیا گیا ہے وہ عام لفظ ہے اور سب قسم کی برائیاں اس میں داخل ہیں اور اسکا ٹھیک ترجمہ افعال ذمیمہ ہو سکتا ہے پس جو کچھ کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اُس سے امتناع طلاق نہیں نکلتا بلکہ بلا قصور صرف اپنی نفسانی بدخواہشوں کے لیے طلاق دینا ناجائز بتایا گیا ہے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ مذہب اسلام نے نسبت طلاق کے کیا کیا؟ اُسکو بطور علاج ایک مرض لاعلاج کے جائز اور مباح بتایا۔ مگر زن و شوہر کا معاملہ ایک ایسا نازک اور ایک عجیب قسم کے ارتباط و اختلاط کا معاملہ ہے کہ آپس میں جو بیماری پیدا ہو سوائے اُنہیں دونوں کے اور کوئی تیسرا شخص اس بات کی تشخیص نہیں کرسکتا کہ آیا وہ اس حد تک پہونچ گئی ہے جسکا علاج بجز طلاق کے اور کچھ نہیں اسلئے بانی اسلام نے اُسکی تشخیص نہ کسی (جج) کی یعنی قاضی کی رائے پر منحصر کی ہے نہ کسی مفتی کے فتوے پر بلکہ صرف اُسکی رائے اور اخلاق پر جسکی تسلی اور موانست کے لیے ابتدا میں عورت بطور انیس دلنواز اور مونس غمگسار کے پیدا ہوئی تھی۔

اب اسباب کی بندش کہ وہ علاج بے محل اور بے موقع نہ استعمال کیا جاوے صرف مرد کے حسن اخلاق اور دلی نیکی اور روحانی تربیت پر منحصر تھی جو نہایت اعلیٰ درجہ پر خاص اسی معاملہ میں مذہب اسلام نے اپنے سچے مریدوں اور ٹھیٹ مسلمانوں کو کی ہے۔

ماخلق اللہ شیئا علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق (رواہ الدارقطنی)۔

بانی اسلام نے اسلام کے سچے پیرؤں کو بتایا کہ بجز طلاق کے اور کوئی چیز خداتعالیٰ نے زمین کے پردہ پر پیدا نہیں کی جو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مغضوب ہو۔

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق (رواہ ابوداؤد)۔

پھر ایک دفعہ یوں فرمایا کہ "مباح چیزوں میں سب سے زیادہ خدا کو غضب میں لانیوالی چیز طلاق ہے۔

یہ ہدایت تو مردوں کی نسبت تھی اور عورتوں کو جو طلاق لینا چاہتی ہیں یہ فرمایا ہے کہ"

ایما امرأۃ سألت زوجھا طلاقاً فی غیر ما باس فحرام علیھا رایحۃ الجنۃ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی)

جو عورت اپنے خاوند سے بغیر ضرورت شدید اور بغیر حالت سختی کے طلاق چاہے اسپر خوشبوئے جنت کی حرام ہے یعنی جنت میں نہ جاویگی۔

ہمارے پیغمبر خدا صلعم طلاق دینے والے سے ایسے ناراض ہوتے تھے جس سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہو گیا کہ جو شخص اپنی جورو کو دفعتاً طلاق دیدے وہ قتل ہونے کے لائق ہے چنانچہ ایک دفعہ رسول خدا صلعم کو اطلاع ہوئی کہ ایک شخص نے اپنی جورو کو دفعتاً تین طلاقیں دیدی ہیں یہ سنکر آنحضرت صلعم غصہ کے

اخبر رسول اللہ صلعم عن رجل طلق امرأتہ ثلث تطلیقات جمیعاً فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ عزوجل وانا بین اظہرکم

حتی قام رجل فقال یا رسول اللہ الا اقتلہ (رواہ النسائی) مارے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا خدا کے بزرگ کے حکم کو کھیل بنایا ہے ایسی حالت میں بھی کہ میں تم میں موجود ہوں یہ سنکر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اے رسول خدا کے کیا میں اسکو قتل کر ڈالوں یعنی وہ شخص آنحضرت کے غصہ ہونے سے یہ سمجھا کہ اس شخص نے قتل کئے جانے کے لائق کام کیا ہے۔

بانی اسلام نے انہی ہدایتوں اور تہدیدوں ہی پر طلاق کے روکنے میں بس نہیں کیا بلکہ نکاح اور ملاپ کے قائم رکھنے کی اور بھی نہایت عمدہ تدبیر رکھی ہے یعنی پوری تفریق واقع ہونیکو تین دفعہ طلاق دینا معتبر رکھا ہے اور پھر اسکی ممانعت فرمائی ہے کہ دفعتاً تین طلاقیں نہ دی جاویں بلکہ سوچ سوچ اور سمجھ سمجھکر مناسب فاصلہ سے طلاق دیجاوے کہ ہر ایک میں تقریباً پچیس روز کا فاصلہ ہو جاتا ہے اور پھر بھی اجازت دی کہ پہلی طلاق کے بعد اگر آپس میں صلح ہو جاوے اور رنجش مٹ جاوے اور دونوں کی محبت تازہ ہو جاوے تو پھر بدستور جورو خصم رہیں۔ دوسری طلاق کے بعد بھی اسیطرح وہ پھر آپس میں ملسکتے ہیں اور بدستور جورو خصم رہ سکتے ہیں۔ لیکن پھر اگر تیسری دفعہ طلاق دیجاوے تو ثابت ہو گیا کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں پھر بہتر ہے کہ پوری تفریق ہو جاوے۔

ان ہدایتوں کے سوا ایک اور نہایت عمدہ ہدایت یہ فرمائی ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ عورت کو مرد سے کنارہ کش رہنا پڑتا ہے طلاق نہ دی جاوے اس سے مطلب یہ ہے کہ شاید زمانہ مقاربت میں محبت اور الفت کی ایسی تحریک ہو کہ خیال طلاق کا ان دونوں کے دل سے جاتا رہے۔

علاوہ ان ہدایتوں کے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ محبت رکھنے اور اُن کے ساتھ

مہربانی اور خاطرداری سے پیش آنے اور اُن کی سختی اور بدمزاجی کو تحمل کے ساتھ برداشت کرنے کی نہایت تاکید سے ہدایت فرمائی ہے اور یہ سب باتیں اُسی مکروہ چیز یعنی طلاق کے روکنے کو ہیں۔

ان سب احکام سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بانی اسلام نے صرف اسی حالت میں طلاق کی اجازت دی ہے جبکہ وہ ایک نہایت بیش بہا نعمت ثابت ہو جس میں ذرا بھی خطا نہ کرے اور جبکہ اسکے ذریعہ سے حالت زوجیت کے ترددات اور تکلیفیں اور تلخیاں یا تو بالکل رفع ہوجاویں یا بہر کیف کچھ کم ہوجاویں اور اگر طلاق کو کام میں نہ لایا جاوے تو حالت معاشرت روز بروز زیادہ تکلیف دہ ہوتی جاوے۔ ایسی صورت میں طلاق حسن معاشرت کے نقصان کا باعث نہیں ہوسکتی بلکہ برخلاف اُسکے وہ دونوں کے حق میں ایک برکت اور حالت معاشرت کی ترقی کا کامل ذریعہ ہوتی ہے۔ ہاں میں اس بات کو قبول کرونگا کہ مسلمانوں نے اس عمدہ حکم کو نہایت قابل نفرت طریقہ پر استعمال کیا ہے۔ پس اُن کے افعال کی نفرین اُنہیں پر ہونی چاہیئے نہ مذہب اسلام پر۔ ہمکو اُمید ہے کہ تمام منصف مزاج لوگ جب ٹہیٹ اسلام کے اس مسئلہ پر غور کرینگے تو قبول کرینگے کہ جو عمدہ طریقہ اس باب میں اسلام نے اختیار کیا ہے وہ عقل انصاف معاشرت کی نظر سے ایسا عمدہ ہے کہ اُس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا اور صاف صاف یقین دلاتا ہے کہ یہ مسئلہ اُسی استاد کا بتایا ہوا ہے جسنے انسان کو پیدا کر کے اُسکے لئے اُسکا جوڑا پیدا کیا تاکہ اُسکی تسلی اور دل کی خوشی کا باعث ہو۔ اگر غور کیا جاوے تو یہ کہنا کچھ بیجا نہو گا کہ جان ملٹن نے اپنی بحث میں جو کچھ روشنی ئیں کے ورسوں پر ڈالی ہے وہ سب اسلام کی روشنی سے لی گئی ہے کیونکہ اسلام نے بارہ سو برس پیشتر بتا دیا تھا کہ طلاق نہ بطور معجون مفرح کے استعمال کرنیکو ہے بلکہ صرف ایک مرض لاعلاج

کا علاج ہے۔

اب ہم غلامی کے الزام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ایک سب سے بڑا الزام اُس کے جائز رکھنے کا مذہب اسلام کی نسبت لگایا گیا ہے اور بیان ہوا ہے کہ قوانین حسن معاشرت اور اخلاق کے بالکل برخلاف ہے۔ قوانین حسن معاشرت کی قید ہنے اسلئے لگائی ہے کہ اگر اس معاملہ پر مذہبی طور پر نظر کیجاوے تو نہ یہودیوں کو اور نہ عیسائیوں کو اسقدر جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ اُس میں کچھ عیب نکالیں یا اُسکی نسبت کچھ اعتراض کریں کیونکہ توریت کا ہر صفحہ ایسے مضامین سے بھرا ہوا ہے جس میں غلامی کا جواز تسلیم کیا گیا ہے (خواہ اُسکو خدا کا حکم مانو یا حضرت موسیٰ کا اُس زمانہ کے رسم و رواج کا قانون) اور انجیل میں کسی مقام پر ایک مضمون بھی نہیں پایا جاتا جس میں اُس بیرحم دستور کی ممانعت ہو۔ قبل اسکے کہ ہم اس معاملہ میں اپنی رائے بربنار مذہب اسلام ظاہر کریں گاڈفری ہگنز صاحب نے جو کچھ اسکی نسبت لکھا ہے اُسکو بیان کرتے ہیں۔

گاڈفری ہگنز صاحب لکھتے ہیں کہ "انسان کے حق میں یہ ایک بدقسمتی کی بات معلوم ہوتی ہے کہ نہ تو حضرت عیسیٰ نے اور نہ حضرت محمدؐ نے غلامی کا موقوف کرنا مناسب خیال کیا۔ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ دونوں نے اپنے معتقدوں کو یہ ہدایت کی کہ اُنکو اوروں کے ساتھ وہ کرنا چاہیے جیسا کہ اوروں سے اپنے ساتھ کرنا چاہتے ہیں تو اُنھوں نے درحقیقت غلامی موقوف کردی یہ بات ظاہر میں تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ عمل میں ایسا نہیں ہے۔ مسلمانوں کی خانگی غلامی بلاشبہہ ناقابل حمایت ہو لیکن افریقہ کی بردہ فروشی اور ویسٹ انڈیز کے کارخانہ باغات میں غلاموں پر کی سختیوں اور بیرحمیوں کے مقابلہ میں (جو عیسائی ملکوں میں مروج تھیں) کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی ہم نہایت

اعتقاد سے روم کے پوپ اور کنیٹربری کے آرچ بشپ اور کونسلوں اور مجلسوں اور پوپ کے احکام اور عقائد اور مذہبی قوانین اور معاہدوں کا ذکر سنتے ہیں مگر ہمنے کب یہ بات سنی ہے کہ ان لوگوں نے کوئی عام تدبیر اس خوفناک تجارت کے انسداد کے لئے کی (واضح ہو کہ اس زمانہ میں تمام فرنگستان میں غلامی کی تجارت رائج تھی) ورنہ اسکی نسبت ہمکو پوپ کا کوئی حکم دکھاؤ یا کسی مجلس کا کوئی قانون بتاؤ۔ روم اور کنیٹربری کے بشپ خود اس خطاب کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے معتقدوں کی خواہشوں کے پورا کرنے کے کام دیتے تھے جو خطاب کہ انہوں نے حضرت محمدؐ کو اس وجہ سے دیا ہے۔ جبکہ روم کے پوپوں کو اس تجارت کا فساد عظیم صاف صاف ثابت ہو گیا تھا تو انہوں نے ان شخصوں کو قوم سے خارج نہیں کیا جو اس تجارت میں مصروف تھے۔ جیسا کہ کیوکارس یعنی پیروان جارج فاکس نے کیا تھا

میں اس بات سے واقف ہوں کہ وہ یہ ظاہری عذر کرینگے کہ وہ کسی شخص کو اس وجہ سے کہ غلاموں کا مالک ہے قوم سے خارج نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انجیل اور حواریوں کے ناموں کے ہر صفحہ میں غلاموں کا جواز تسلیم کیا گیا ہے مثلاً جہاں کہیں لفظ "سروس" یا "دولوس" پایا جاتا ہے اور اسکا ترجمہ خدمتگار کیا گیا ہے۔ وہاں اسکا ترجمہ غلام ہونا چاہئے لفظ سروس کے لغوی معنی اس شخص کے ہیں جو بازار میں خریدا گیا ہو یا فروخت کیا گیا ہو اور فریڈ مین ہمارے اجرہ دار اور خدمتگار کے ہم معنی ہیں لیکن اگر قسمتی سے عیسائیوں کو خانگی غلامی کی اجازت دی جاوے تو اس سے کسی طرح یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے اور حبشیوں کی بردہ فروشی جائز ہے جسکی زیادتی کا زمانہ گلے لوگوں کے گمان میں بھی نہ تھا اور جو ہر طرح انکی خانگی غلامی سے مختلف ہے

اگرچہ پیغمبر صاحب نے اس گروہ دوستی کو موقوف نہیں کیا جیسا کہ لکھو کر ناچاہئے

تھا تاہم اُنہوں نے بالکل بغیر ذکر کئے ہوئے نہیں چھوڑا - بلکہ اس بات کے فرمانے سے کہ
تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور کسی شخص کو اپنے بھائی کو غلامی میں رکھنا نہیں چاہیے
اُنہوں نے انسانوں کے ایک گروہ کثیر کو آزاد کر دیا - جسوقت کوئی یہ کہدے کہ میں ایمان
لے آیا تو وہ فوراً آزاد ہے - اگر حضرت محمدؐ نے اسباب میں جیسا کہ چاہیے تھا ویسا نہیں کیا
تو انہوں نے کچھہ تو کیا جو بالکل نہونے سے (جیسے کہ انجیل میں کچھہ نہیں ہے) بہتر ہے اور
اس سبب سے غالباً کچھہ لوگ بلا تصدیق قلبی بہی مسلمان ہو گئے ہونگے گو کہ اس امر کو
کوئی پکا دیندار عیسائی جسکا گرم ایمان مذبح کے دہکتے ہوے انگارے سے زیادہ تر گرما
گرم ہی عیب لگا دے اور اُسکو بدنیتی پر حمل کرے - لیکن تاہم اس تدبیر نے لاکھوں آدمیوں کو
مصیبت سے بچایا ہے - ایک اور تدبیر غلامی کی ترمیم یا اُسکی قباحتوں کی تخفیف کرنے
کی پیغمبر صاحب کے اس حکم سے ملتی ہے جہاں یہ فرمایا ہے کہ غلاموں کے فروخت کرنے
میں ماں سے بچے جدا نہ کئے جاویں - ہمارے ویسٹ انڈیز والے ہر روز یہی جرم کرتے
ہیں مجکو ایسا کوئی حکم انجیل میں نہیں ملا اسلیئے حضرت محمدؐ نے اُسکو انجیل میں سے نہیں لیا ہے -

گاڈفری ہگنز صاحب لکھتے ہیں کہ "ہم عیسائی اکثر اوقات بیچارے حبشیونکو عیسائی بنانے
کی خواہش کرتے ہیں مگر میں انہیں مشنیری سوسیٹیوں کو یہ صلاح دیتا ہوں کہ وہ اپنی دولت
کثیر کو اس باب میں صرف کریں کہ جسوقت حبشیوں کا مذہب تبدیل ہو جاوے تو اُنکو فوراً آزاد
کر دیں اور اُنکو اپنا بھائی قرار دیں جیسا کہ مسلمان کیا کرتے ہیں اور میں اُنکو یقین دلاتا ہوں کہ
اُنکے تمام وعظوں سے اسقدر لوگ اُن کے معتقد نہونگے جیسے کہ اس بات سے ہو نگے"

گاڈفری ہگنز صاحب نے ویسٹ منسٹر ریویو کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ "اُنکا مسئلہ قانون
غلامی کے باب میں یہ ہے کہ "اگر غلام تمہارے پاس آویں تو تم اُن کو قید اور اُس کے بعد اُنکو

سربازار مت فروخت کرو گو کوئی دعویدار اُن کا موجود نہو (جیسا کہ انیسویں صدی میں عیسائی انگلستان کا قانون اُسکے صوبوں میں جاری ہے) بلکہ اُنکو آزاد کردو اور تمکو مناسب نہیں کہ اُنکو نکالدو مگر حضرت محمدؐ (جنہوں نے غلامی کے مٹانے کی نسبت نہایت عمدہ تدبیریں کیں) وہ تھے جو ساتویں صدی میں عرب کے بیابانوں میں کھڑے ہوئے تھے۔

حضرت محمد فرماتے ہیں کہ " ایسے غلاموںکو جو تمسے اس مضمون کی ایک تحریری سند چاہیں کہ جسوقت وہ ایک رقم معین ادا کردیں تو وہ اپنے تئیں آزاد کرلیں تو تم ہمیشہ یہ دستاویز اُنکو لکھدو۔ اگر تم اُن میں کوئی بھلائی جانو تو تم خدا کی دولت میں سے جو اُسنے تمکو دی ہو اُنکو دو" گاڈفری ہگنز کہتے ہیں کہ مجھکو انجیل میں ایسا کوئی حکم نہیں ملا۔

یہ جو کچھ لکھا گیا گاڈفری ہگنز کا استدلال تھا مگر یہ استدلال کسیقدر حاشیہ لکھنے کا محتاج ہے اُن کا یہ بیان کہ "حضرت محمدؐ نے غلامی کو موقوف کرنا مناسب خیال نہ کیا" صحیح نہیں ہے جو لوگ تقلید کی تاریکی میں اندہے ہو رہے ہیں وہ بھی اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی مرضی اور خوشی غلاموں کے آزاد کرنے کی تھی اور ہمیشہ ہر حکم میں غلاموں کی آزادی پر رغبت دلاتے تھے۔ اور جو لوگ خاص آنحضرت صلعم کو اپنا ہادی اور پیشوا جانتے ہیں اور زید اور عمر کی رائے اور اجتہاد کی کچھ پرواہ نہیں کرتے وہ تو صاف صاف قرآن مجید میں پاتے ہیں کہ بانی اسلام نے آیندہ کی غلامی کو بالکل قطعاً موقوف کردیا ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے۔ پس یہ فخر صرف مذہب اسلام ہی کو ہے کہ اُسنے غلامی کو معدوم کیا ہے اور ہر انسان کو آزاد قرار دیا ہے۔

اسلام لانے سے غلامی ساقط ہوجانے پر جو استدلال گاڈفری ہگنز نے کیا ہے ہمکو دل سے اُسپر اتفاق ہے۔ خدا تعالی نے سورہ حجرات میں صاف فرمایا ہے کہ " انما المومنون

اخوۃ" یعنی سب ایمان لانیوالے آپس میں بھائی ہیں اور سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے کہ

"واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذ کروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا" (سورۂ آل عمران)۔

سب لوگ اکٹھے ہو کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو اور جدی جدی راہوں میں مت بھٹکو اور تمکو جو نعمت خدا نے دی ہے (یعنی اسلام) اسکا شکر کرو۔ ایک وقت تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر تمہارے دلوں میں خدانے محبت ڈالدی پھر تم ہوگئے اللہ کی نعمت (یعنی اسلام) کے سبب آپس میں بھائی" پس کون شخص اس سے انکار کر سکتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور اسلئے کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ یہی "اخوت" اس امر کا باعث ہے کہ جب کوئی مسلمان بغیر وارث قریب کے مرجاتا ہے تو اُسکا مال بیت المال میں اُسکے سب مسلمان بھائیوں کے لئے چلاجاتا ہے مگر جب ہمارے پیغمبر نے علانیہ صاف صاف لفظوں میں آیندہ کی غلامی کو عام طور پر معدوم کر دیا ہے تو ہم کو اس قسم کی خاص خاص باتوں پر استدلال کی حاجت نہیں ہے۔

کتابت کا جو ذکر گاڈفری ہگنز صاحب نے کیا ہے وہ حکم صرف ایسا ہی نہ تھا کہ اُس کا کرنا یا نہ کرنا مالک کی مرضی پر موقوف ہو بلکہ اُسکا کرنا واجب تھا اور انکار کرنا قابل سزا کے تھا۔ چنانچہ بخاری کی ایک حدیث سے (اگر وہ صحیح ہو) معلوم ہوتا ہے کہ ابن سیرین نے جب حضرت انس کی کتابت کی درخواست کی تو اُنہوں نے انکار کیا۔ ابن سیرین نے وہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا اور حضرت عمرؓ نے حضرت اُنس کو اُس انکار کرنے پر اُنکے دُرّے سے پٹوا دیا اور کتابت یعنی خط آزادی بمعاوضہ روپیہ کے پھر حضرت انس سے لکھوا دیا۔ گو یہ حدیث قابل شبہ ہو مگر خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کہ کتابت کی درخواست کرنے پر

خط آزادی بمعاوضہ روپیہ کے لکھدینا لازم ہے۔

بہرحال جو حمایت اس عالم اور فاضل مصنف نے نہایت قابلیت اور بڑی سرگرمی سے مذہب اسلام کی کی ہے اُسکا واجب شکریہ ادا کرنے کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ اس مصنف نے غلامی کی ترمیم یا اُسکی خرابیوں کی تخفیف میں جو بچوں کو ماں سے جدا نہ کرنے کا ذکر کیا ہے اُسکے ساتھ چند اور اسی قسم کے احکام زیادہ کرنے چاہیں جو غلامی کی ترمیم اور اُسکی خرابیوں کی تخفیف کے حق میں ویسے ہی مفید ہیں چنانچہ آنحضرت صلعم نے[1] غلاموں کے حق میں فرمایا ہے

قال (ای النبی صلعم فی حق العبید) ان اخوانکم اخولکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوهم ما یغلبهم فان کلفتموهم ما یغلبهم فاعینوهم (بخاری باب قول النبی صلعم العبید اخوانکم صفحہ ۳۴۶)

کہ وہ تمہارے بھائی ہیں (بوجہ انسان ہونیکے) جو تمہاری خدمت کرتے ہیں تمہارے کاموں کو سنوارتے ہیں اللہ نے انکو تمہارے تابع کردیا ہے پس جو شخص کہ اُسکا بھائی اُسکے تابع ہو تو اُسکو چاہئے کہ جو آپ کھاتا ہے اُس میں سے اُسکو کھلاوے اور جو آپ پہنتا ہے اُس میں سے اُسکو پہناوے اور اُن سے ایسی تکلیف کے کام جو انکو تھکا دیں نہ لے اور اگر ایسی تکلیف کا کام اُن کو دیا جاوے جو انکو تھکا دیگا تو خود اُن کی مدد کرے۔ اس حکم کا لوگوں کے دلوں پر اسقدر اثر ہوا کہ تمام شخص اُس زمانہ میں اپنے غلاموں کو ویسا ہی کپڑا پہناتے تھے جیسا کہ خود پہنتے تھے اور ایک خوان میں اپنے ساتھ وہی کھانا اُن کو

---

[1] اس حدیث میں بوجہ اسلام کے بھائی ہونے کا ذکر نہیں ہے اور آیت قرآن مجید میں جو اوپر مذکور ہوئی بوجہ اسلام بھائی ہونے کا ذکر ہے اسلئے اسلام سے غلامی ساقط ہونے پر گاڈفری ہگنز صاحب نے استدلال کیا ہے۔

کھلاتے تھے جو آپ کھاتے تھے اور جب سفر میں جاتے تھے تو غلام کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھاتے تھے اور اگر ایک کو نکیل پکڑ کر چلنے کی ضرورت ہوتی تو باری باری سے سوار ہوتے تھے اور باری باری سے نکیل پکڑ کر پیادہ چلتے تھے۔

خلیفہ عمرؓ عین اپنی خلافت کے عروج کے زمانہ میں (خواہ انکے عالی مرتبہ کو پیغمبر کا جانشین ہونے کی وجہ سے خیال کرو خواہ ایک ایسی سلطنت کا بادشاہ تصور کرنے سے جو دنیا میں سب سے زیادہ وسیع اور باعظمت تھی) اپنی باری میں اُس اونٹ کی مہار پکڑ کر جسپر انکا غلام اپنی باری میں سوار ہوتا تھا عرب کی جلتی ہوئی ریگستان اور جھلستی ہوئی گرم ہوا میں نہایت خوشی اور فخر آمیز خیالات اور نیکی بھرے ہوے دل سے پیادہ پا اونٹ کو گھسیٹتے ہوے چلنا کمال خوشی سمجھتے تھے۔ فاطمہؓ پیغمبر کی بیٹی اپنی لونڈی کے ساتھ بیٹھکر چکی پیستی تھیں کبھی اُن کا دست مبارک ہتی کو نیچے سے تھامتا تھا اور کبھی لونڈی کا تاکہ دونوں کو برابر محنت پڑے۔ پس اگر یہی وہ غلامی ہے جسکو سر ولیم میور حسن معاشرت کو ابتر کرنے والی بتاتے ہیں تو ہم نہیں سمجھتے کہ برابری کے حقوق میں اور کیا ہوتا ہے۔ ایسی غلامی (اگر اُسکو غلامی کہ سکو) درحقیقت حسن معاشرت کی بے انتہا خوبی اور عام اخلاق کی زائد از حد ترقی متصور ہے۔ پس مذہب اسلام کی غلامی کو ویسٹ انڈیز کی غلامی پر جو عیسائیوں میں مروج تھی قیاس کرنا محض غلطی ہے۔ آنحضرت صلعم نے صرف اسی بات پر بس نہیں کیا بلکہ انکی نسبت لونڈی و غلام کے لفظ کے استعمال کو بھی جس سے اُن کی رقیت اور حقارت نکلتی تھی منع فرمایا اور نہایت شائستہ و مہذب و شفقت آمیز الفاظ سے مخاطب کرنے کی ہدایت فرمائی یعنی یہ فرمایا کہ "انکو لڑکا" اور "لڑکی کہکر پکارا کرو" جسکو بگاڑ کر ہندوستان کے ناخداترسوں نے "چھوکرا" اور "چھوکری" بمعنی لونڈی و غلام کہنا شروع کیا ہے۔ مسلم کی

اس حدیث کے لفظونکو دیکھو اور سمجھو کہ تمہارے پیشوا محمد رسول صلعم نے کیا فرمایا ہے کیا
اس فرمانے کے بعد بھی ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا غلام بنا سکتا ہے۔ پیارے
پیغمبر رحمۃ للعالمین نے فرمایا کہ "کوئی تم میں سے میرا غلام اور میری لونڈی ہرگز نہ کہے تم سب
خدا کے غلام ہو اور سب تمہاری عورتیں خدا
کی لونڈیاں ہیں گریوں کہو کہ میرا بچا اور میری
بچی اور میرا لڑکا اور میری لڑکی" علاوہ اسکے
آنحضرت صلعم نے غلاموں کے آزاد کرنے
پر ہمیشہ رغبت دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ کوئی
کام خدا کے نزدیک غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ ثواب حاصل کرنیکا نہیں ہے۔

ان رسول اللہ صلعم قال لا یقولن
احدکم عبدی و امتی کلکم عبید اللہ
وکل نساءکم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی
وجاریتی وفتائی وفتاتی (مسلم کتاب
الالفاظ من الادب)

اب ہم ٹھیٹ مذہب اسلام کی رو سے غلامی کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ اس
میں کچھ شک نہیں کہ اسلام نے آیت حریت کے نازل ہونے سے پہلے جسقدر لوگ بموجب
قدیم رسم جاہلیت کے غلام ہو چکے تھے اُن کی آزادی کا ایسا بلا لینے زرمعاوضہ کے
حکم نہیں دیا وہ بدستور ان لوگوں کے ملک رہے جن کے وہ غلام ہو چکے تھے۔ اگر کوئی
ناسمجھ یہ الزام مذہب اسلام پر دے کہ انکو بھی دفعتاً کیوں نہ آزاد کر دیا تو اسکی اس ناسمجھی کا ہمارے
پاس کچھ علاج نہیں ہے۔ مگر اس ناسمجھ کے دلکو ان تمام باتوں کے جاننے سے جو ہم
نے اوپر بیان کیں اسقدر تو ضرور تسلی ہوگی کہ ان بدنصیبوں کی بھی حالت غلامی کی ترمیم
اور تخفیف میں جو کچھ اسلام نے کیا وہ کچھ کم نہیں ہے اور ایسا رحم و شفقت جو اسلام نے اُن
کی نسبت کیا بے مثل و بے نظیر ہے اور متعدد تدبیریں اور تاکیدیں اور ہدایتیں اُن کی آزادی
کی نسبت کیں اور طرح طرح سے آزاد کرنے پر رغبتیں دلائیں ہاں بلاشبہہ جو سمجھدار اور

والشعور لوگ ہیں وہ سمجھینگے کہ آیت حریت کے نازل ہونے سے پہلے جسقدر لوگ غلام ہو چکے
تھے انکی آزادی کا دفعتاً حکم دیدینا محالات عملی سے تھا اور غلامی کے معدوم کرنے کی اس
سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی کہ آیندہ سے غلاموں کا ہونا بند کر دیا جاوے اور پچھلے غلاموں کی آزادی
اور غلامی کی حالت کی ترمیم کی تدبیر کیجاوے۔ پس یہی کام اسلام نے کیا اس سے ثابت
ہوتا ہے کہ یہ کام کسی انسان کا نہیں ہے بلکہ اسی کا ہے جس نے انسان میں حسن معاشرت
کو پیدا کیا ہے۔

بقول اس شخص کے گو حضرت مسیح نے غلامی کو موقوف نہ کیا ہو مگر ہم نہایت خوشی
اور فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے پیارے حضرت محمد رحمۃ للعالمین نے غلامی کو بالکل موقوف
کر دیا تمام قواعد اور قوانین غلامی کے جنکی رو سے ایک شخص دوسرے کا مالک ہو جاتا تھا اور
جو قدیم زمانہ کے بت پرستوں اور اسوقت کی تمام دنیا میں بطور ایک ملکی رسم کے جاری
تھی اور جن رسموں کو اس بڑے مقدس مقنن موسیٰ نے بھی بطور ملکی قانون کے اپنی مقدس
کتاب میں داخل کیا تھا اور جن کو حضرت مسیح نے بھی نہیں توڑا تھا اور جن کو حضرت مسیح کے
حواریوں نے بھی تسلیم کیا تھا دفعتاً منسوخ کر دیا اور تمام پرانی رسموں اور باطل قانونوں
کو ایک دو لفظ کے فرمانے سے کہ "امّا منًّا بعد و امّا فداءً" مٹا دیا۔

شیئے کہ نذکرہ تو آں درست | کتب خانہ حیدر ملت بشست

صلی اللہ علیہ وسلم۔ بابی انت و امی یا رسول اللہ۔

اس رسول مقبول! دم الرقیت ناصر الانسان رحمۃ للعالمین نے اپنے مبارک
فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب ہونٹوں سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے
حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا کہ جب تم مقابلہ ہو کافروں سے تو گردنیں کاٹو جبکہ

بعد و اما فداء (سورہ محمد آیت ۴)۔ تم اُسپر گھمسان کرچکو تو انکو قید کرلو پھر قید کرنے کے بعد یا تو اُنپر احسان رکھکر یا اُن سے فدیہ یعنی چھڑوائی لیکر چھوڑ دو۔

اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ کافروں کے مغلوب ہوجانے پر جو اُنکے قید کرنیکا حکم ہے اُس سے مقصد اُنکی جان بچانا ہے اور قید کرنے کے بعد جو حکم اُن کی نسبت ہے وہ دو امر میں منحصر ہے - ایک تو احسان رکھکر چھوڑنے میں اور دوسرے اُنسے چھوڑائی لیکر چھوڑنے میں جب دو حکم دیے جاتے ہیں تو اُن لوگوں کو جن کی نسبت وہ حکم ہیں اسقدر تو ضرور اختیار ہے کہ اُن دونوں میں سے جونسے حکم کی چاہیں تعمیل کریں مگر دونوں میں سے ایک کا بجالانا واجب ہوتا ہے - اُنکو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ دونوں میں سے کسیکو بھی نہ کریں بلکہ کوئی اور امر اختیار کریں - پس قیدیوں کے ساتھ ان دونوں حکموں میں سے ایک کا عملدرآمد کرنا واجب ہے - ان احکام دوگانہ سے جو خدا نے دیئے رقیت یعنی قیدیوں کا لونڈی اور غلام بنانا بالکل نیست و نابود ہوگیا ہے - ہاں یہ بات ہوسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنا چاہے تو جب تک فدیہ ادا نہو اُسوقت تک اُسکو قید رکھے - مگر وہ قیدی بدستور ایک قیدی ہوگا اور رقیت و مملوکیت کسی حالت میں اُسپر طاری نہوگی - اور جب قیدی سے فدیہ کا ادا ہونا ناممکن ہوگا تو درحقیقت تعمیل ایک حکم کی ناممکن ہوگی اور اسی لئے اُس پہلے حکم کی تعمیل واجب ہوگی -

ہمارے ہاں کے عالموں کی رائے میں اس امر کی نسبت اختلاف ہے کہ کن صورتوں میں قیدیونکو احسان رکھکر چھوڑنا چاہئے - بعض کی یہ رائے ہے کہ اُنکو صرف اُس حالت میں چھوڑنا چاہیئے جبکہ وہ مسلمانونکی رعایا ہوکر مسلمانوں کے ملک میں رہنا قبول کریں - اور بعض کی یہ رائے ہے جو بظاہر معقول بھی معلوم ہوتی ہے کہ قیدیونکو بغیر کسی شرط کے چھوڑ دینا

چاہیے اور کوئی شرط اُن پر نہ لگائی جاوے اور چھوٹ جانے کے بعد اُنکو اختیار ہے کہ چاہیں مسلمانوں کے ملک میں رعیت ہوکر رہیں اور چاہیں اپنے خاص ملک کو چلے جاویں قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں احسان رکھکر چھوڑ دینے کی حالت میں کوئی قید و شرط نہیں لگائی ہے اور اسی لیئے ہمارے نزدیک پچھلی راے اُن عالموں کی پہلی راے سے زیادہ مستند اور معتبر و صحیح ہے۔

دیکھو کتابت یعنی بمعاوضہ روپیہ کے خط آزادی لکھ دینے اور فدیہ لیکر چھوڑنے میں چنداں فرق نہیں ہے اگلے غلاموں کی نسبت جو کتابت کا حکم ہے وہ اگلے غلاموں کی آزادی کی نہایت معتبر دستاویز ہے۔

جس نالائق اور خراب اور قابل افسوس حالت سے غلامی کا رواج مسلمان ریاستوں میں (بعض عیسائی ملکوں میں بھی) ہوتا ہے اُسکو دیکھکر ہمکو کچھہ کم رنج نہیں ہوتا مگر ہم اس خطبہ کے پڑھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ جو شخص خود اُسکا برتاؤ کرتا ہے یا اوروں کو کرنے دیتا ہے وہ ٹھیٹ اسلام کے حکم اور اُس کے عالی اصولوں کے برخلاف عمل کرتا ہے اور وہ ضرور ایک دن اُس حقیقی شہنشاہ کی ہیبت ناک عدالت میں بطور ایک گنہگار کے حاضر ہوگا خواہ مکہ میں جاکر یہ کام کرے یا مدینہ میں۔

سر ولیم میور اسلام میں ایک یہ نقص بتلاتے ہیں کہ "اسلام میں مذہب کے معاملہ میں راے کی آزادی روک دی گئی ہے بلکہ بالکل معدوم کردی ہے۔"

مگر سر ولیم میور کی اس راے کا جس سے وہ مذہب الاسلام میں مذہبی راے کی آزادی نہونے کا نقص نکالتے ہیں ٹھیک مطالب سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اسلام میں ایسی کونسی چیز ہے جو مذہبی معاملات میں آزادی راے کو

روکتی اور معدوم کرتی ہے اور اور مذہبوں میں کونسی ایسی بات ہے جو اُس آزادی کو نجات دیتی ہے۔

یہودی جن کی کتب مقدسہ گویا مذہب اسلام اور مذہب عیسائی دونوں کی بنیاد ہیں یہ پکا عقیدہ رکھتے ہیں کہ توریت کا ہر ایک لفظ معہ اُسکے تاریخی مضمون کے باوجودیکہ اُن کے مصنف بھی معلوم نہیں ہیں وحی آسمانی ہیں اور اس لئے سہو وخطا وغلطی سے بالکل مبرا ہیں اور ہر ایک انسان کو بغیر ذرا سے بھی تامل کے اور بغیر کسی حجت کے اور بغیر استعمال کرنے اپنے قوائے عقلیہ کے اُن کے حق ہونے کا اعتقاد کرنا چاہیے۔

عیسائیونکا یہ حال ہے کہ بلحاظ اعتقاد نسبت کتب مقدسہ کے وہ دو فرقے ہوگئے ہیں ایک وہ جو یہ یقین کرتے ہیں کہ کتاب مقدس تمام وکمال وحی من السماء ہے۔ دوسرا وہ جو صرف اُسکے ایک حصہ کو وحی سمجھتا ہے جو مسائل و احکام سے متعلق ہے اور دوسرے حصہ یعنی تاریخی حالات کو وحی نہیں سمجھتا۔

مگر قطع نظر اُس اختلاف سے جو عیسائیوں کو کتب مقدسہ کے اعتقاد اور اُن کے وحی ہونے کی نسبت ہے اُنکو دو ایسے بڑے بڑے مذہبی مسائل پر یقین کرنا فرض ہے جن کے سبب سے مذہبی معاملات میں آزادی رائے کامل طور سے بالکلیہ نیست ونابود ہو جاتی ہے اور اس لئے عیسائی خدا کی برگزیدہ قوم (یعنی یہود) سے بھی زیادہ خراب حالت میں ہیں اور وہ دو مسئلے یہ ہیں۔

ایک مسئلہ "توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید" کا ہے یہ ایک نہایت عجیب طور کا مسئلہ ہے جسکی نسبت عقل کو کام میں لانا منع ہے۔ لفظ تثلیث کا خدا کے تین مقدس جسموں کے ظاہر کرنیکو حضرت عیسیٰ کی دوسری صدی تک یعنی اُسوقت تک جب کہ

تھیوفلس بشپ آف اینٹوک نے اسکو ایجاد کیا جاری نہیں ہوا تھا اور یہ تثلیث کا مسئلہ مذہبی کونسل نائس یا نائسیا میں بھی جو ۳۲۵ برس بعد حضرت عیسیٰ کے ہوئی تھی اور جس میں اریس کے مسائل کی نسبت اعتراض کیا گیا تھا طے نہیں ہوا تھا اور کچھ اسی پر موقوف نہیں ہے کیونکہ پارسن اور مشہور و معروف یونانی عالموں کی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اصل عبارت متن انجیل کی جسپر خاص اس مسئلہ کا استدلال کیا جاتا ہے الحاقی ہے۔

پس اگر اعتقاد کی خوبی نہایت عجیب و مشکل و خلاف عقل مسائل پر اعتقاد لانے میں ہو تو بلا شبہہ عیسائیوں کا اعتقاد بہت بڑا اعتقاد متصور ہوگا۔ قبل اسکے کہ کوئی شخص عیسائی کہلاوے اور اسکو عیسائیوں کے حقوق خدا کی بارگاہ میں حاصل ہوں اسکو اس مسئلہ عجیب و غریب پر پکا اعتقاد لانا چاہیے۔ تمام عیسائی یہ بات کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ مسئلہ قانون قدرت اور آئین عقل کے بالکل برخلاف ہے تاہم آنکھ بند کر کے اور عقل کو محض بیکار و معطل چھوڑ کر نہایت اصرار و تعصب سے اسپر اعتقاد کرنا چاہیے۔ دلیل و عقل کو اس میں دخل دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ فدیہ کا یعنی حضرت عیسیٰ کا تمام بنی نوع انسان کے پہلے اور حال کے اور آیندہ کے گناہوں کے عوض صلیب پر چڑھنے اور جان دینے کا ہے۔ اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو قدرت اور عقل دونوں کے برخلاف ہے اور یہ مسئلہ بھی ایسا مسئلہ ہے جس سے معاملات مذہبی میں آزادی راے بالکل معدوم ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسئلہ فدیہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے سبب سے انسان اپنے اعمال کا جوابدہ نہیں رہتا اور بدی اور بداخلاقی کے دروازہ کو کھولدیتا ہے۔ کیونکہ جسقدر کثرت سے کوئی گناہ کریگا اسیقدر زیادہ نجات دینے والے کی نیکی کا ثبوت ہوگا

بقول شخصے۔

گناہ من ار نامدے در شمار	ترا نام کے بودے آمرزگار

پس جو کوئی زیادہ گناہ کریگا وہی شخص زیادہ رحمت کا مستحق ہوگا جو حق ایک بڑے ولی کو ہونا چاہیے۔ اس لئے سب سے بڑا گنہگار سب سے بڑا ولی ہوگا۔ مگر ہم ایسی رائے کو پسند نہیں کرتے اور سچے ایماندار دل کو جو وہ کسی معبود حق یا باطل پر یقین رکھتے ہوں انکا نیکوکار ہونا لازم سمجھتے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ فدیہ کے بعد بھی دوزخ بالکل خالی نہوگی کیونکہ عیسائی مذہب کے موافق بھی تمام کافر جو بیشمار گروہ ہیں اور جن کے بیشمار نام ہیں سب دوزخ میں جاوینگے اور اُس کے تنگ و تاریک مکانوں میں قید رہینگے۔

ایک مسئلہ مذہب عیسوی کا جو سرنوشت کے نام سے مشہور ہے حسن معاشرت کے حق میں ویسا ہی مضرت بخش ہے اگر اُس مسئلہ کا معتقد نیک طبیعت اور صاف دل ہو تو بآسانی اُسکو یقین ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ازل سے اُسکا نام کتاب حیات میں لکھ رکھا ہے اور اسیوجہ سے وہ خیال کرتا ہے کہ اگر اُسکی بدیاں اور اُس کے گناہ سمندر کے کناروں کے ریت کے برابر بھی ہوجاویں تب بھی اُسکا نام صفحۂ کتاب حیات سے نہ مٹا سکینگے اور اگر وہ کمبخت بے نصیب پیچدار اور بدخصلت خشک طبیعت عبوس صورت ہے وہ سمجھتا ہے کہ اُسکا نام صفحۂ کتاب حیات میں مندرج نہیں ہے اور اس لئے وہ اپنے قدرتی مزاج کے خراب میلان کو روکنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور نیکی کی طرف رجوع کرنیکو اُسے کوئی ترغیب نہیں رہتی۔

مذہب اسلام کی نسبت یہ بات بڑے اطمینان اور بھروسہ سے کہی جاسکتی ہے کہ سر ولیم میور نے جو رائے اسکی نسبت لکھی ہے وہ سپرٹ اسلام کے بالکل برخلاف ہے

بلکہ مذہبی عقیدہ اور مذہبی معاملات میں جو آزادی راے اسلام نے دی ہے وہ بےنظیر ہے اور شاید دنیا میں کوئی مذہب اس معاملہ میں اُس سے فائق نہیں ہے۔

ہم اس مقام پر ایک مشہور و معروف فرانسیسی عالم یعنی ایم ڈی سنٹ ہلیئر کی راے نقل کرتے ہیں جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم اپنی اس تحریر کی تائید میں صرف اپنے ہم مذہبوں ہی کی شہادت کو پیش نہیں کرتے بلکہ اور مذہب اور خصوصاً مذہب عیسائی کے فیاض اور دانشمند بے تعصب معتقدوں کی بھی شہادت پیش کرسکتے ہیں۔

مصنف موصوف نے لکھا ہے کہ "اسلام میں کوئی بات مشتبہ یا قدرت کی باتوں سے بڑھکر بطور اعجوبہ کے نہیں ہے۔ مذہب اسلام خود اس بات کے مخالف ہے کہ وہ کسی پردہ میں پوشیدہ کیا جاوے اور اگر اب تک اُس میں چند شبہات موجود ہیں تو اُسکا الزام مذہب اسلام پر نہیں ہے کیونکہ وہ ابتدا ہی سے ایسا صاف اور سچا ہے جتنا کہ ہونا ممکن ہے"

اب مذہب اسلام کی آزادی راے کا حال مذہبی معاملات کی نسبت غور کرو دین محمدی صلعم کی رو سے تمام مذہبی روایتوں اور حدیثوں کی نسبت ہر ایک شخص آزادانہ راے دیسکتا ہے راویوں کی نسبت۔ روایت کے مضمون کی نسبت۔ نہایت آزادانہ تحقیقات و تفتیش کریگا اور اُن تمام روایتوں اور حدیثوں کو جو اُسکی آزادانہ تحقیقات اور بے تعصب راے میں تحقیق کے بعد نامعتبر ٹھیریں نامقبول کرنے کا ہر ایک شخص کو کلیتہ اختیار حاصل ہے۔ جو روایتیں اور حدیثیں کہ غور و فکر و تحمل سے تحقیقات کرنے کے بعد عقل اور قدرت کے برخلاف ثابت ہوں یا اور کسی طرح موضوع قرار پاویں یا جو روایتیں اور حدیثیں بے سند ہوں اُن سب کو رد کردینے کا کلیتہ مجاز ہے۔ مولوی شاہ عبدالعزیز

صاحب نے لکھا ہے کہ "حدیث بے سند گوز شتر ہست" - یہ قول ایک ایسے بڑے شخص کا ہے جسکو لوگوں نے نبی سے کچھ ہی کم مان رکھا ہے -

قرآن مجید کی نسبت بھی جس کے ہر ایک لفظ کو مسلمان وحی سے ملتے ہیں مذہب اسلام میں جسقدر آزادی حاصل ہے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے - جنتے قرآن مجید کے سچ ہونے کو بھی اُسکے سچ ہونے سے مانا ہے - ٹھیٹ مذہب اسلام کی رو سے ہر ایک شخص کو آزادی ہے کہ خود قرآن مجید کے احکام پر غور کرے اور جو ہدایت اُس میں پاوے اُسپر عمل کرے - کوئی شخص کسی دوسرے کی راے اور اجتہاد اور سمجھ کا پابند نہیں ہے - مذہب اسلام میں ایسی قوت کسیکو نہیں ہے کہ دوسرے کو خواہ نخواہ برخلاف اُسکی سمجھ کے اپنی اطاعت اور اپنے اجتہاد کی پیروی پر مجبور کرے - ہر شخص آپ اپنے لئے مجتہد ہے - صحابہ جنکو ہم بعد پیغمبر کے بزرگ سمجھتے ہیں اُنکی نسبت بھی اکابر مذہب اسلام کا یہ قول ہے کہ "نحن رجال وھم رجال" پس اس سے زیادہ اور کیا مذہبی معاملات میں آزادی راے ہوسکتی ہے -

مگر ہم یہودی اور عیسائی مذہب میں اس قسم کی آزادی راے معاملات مذہبی میں نہیں پاتے دیکھتے - مذہب اسلام میں یہ بھی ہدایت نہیں ہے کہ اُسکا جو سب سے بڑا اصول ہے یعنی خدا کے وجود اور اُسکی وحدانیت کا ماننا وہ بھی اندھادھوندی کے اعتقاد اور بے مداخلت عقل اور بے سمجھے غلامانہ طور پر تسلیم کرلیا جاوے - کیونکہ خود قرآن مجید بھی اس بڑے مسئلہ کو جبر و سختی و ناسمجھی سے تسلیم کرنیکو نہیں کہتا بلکہ دلیلوں اور قدرتی نشانیوں سے اُسکو سکھاتا ہے - قرآن مجید میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ کے وجود اور اُسکی وحدانیت کو تمام قدرتی چیزوں کے وجود سے ثابت کیا ہے اور اُسکے بعد اُس لازوال ہستی اور ہمہ راستی

پر یقین کرنے کی ہدایت کی ہے۔ چنانچہ اس پاک کتاب میں لکھا ہے کہ خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم چلتے پھرتے آدمی

ومن آیاتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر - ہوئے۔

تنتشرون۔

خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو پیدا کیا اور تمہیں میں سے تمہارے لیے جوڑا بنایا کہ اس سے تم کو چین ہو اور آپس میں تمہاری محبت و شفقت پیدا کی اسی میں ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں ۔	ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون۔
خدا ہونے کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری نرالی نرالی بولیوں کا اور تمہارے بھانت بھانت کے رنگوں کا ہونا ان چیزوں میں تمام دنیا کے لوگوں کے لئے خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں	ومن آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذلک لآیات للعالمین۔
خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات میں اور دن میں سو رہنا اور اسکی مہربانی سے رزق کا تلاش کرنا اسی میں لوگوں کیلئے جو بات کو سنتے یعنے سمجھتے ہیں خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں	ومن آیاتہ منامکم باللیل والنہار وابتغاؤکم من فضلہ ان فی ذلک لآیات لقوم یسمعون۔

ومن آیاتہ یریکم البرق خوفا وطمعا و ینزل من السماء ماءً فیحیی بہ الارض بعد موتھا ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون ۔

خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے بجلی کی چمک اور کڑک کا تمکو دکھلانا جس سے تم ڈر جاتے ہو اور مینھ برسنے کے لالچ کرتے ہو اور برساتا ہے آسمان سے مینھ پھر مری ہوئی یعنی خشک زمین کو زندہ یعنے ہرا کر دیتا ہے اسی میں اُن لوگوں کیلئے جو سمجھدار ہیں خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں ۔

ومن آیاتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ ومن آیاتہ ان یرسل الریاح مبشرات ولیذیقکم من رحمتہ ولتجری الفلک فیہ بامرہ ۔

خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُسی کے حکم سے آسمان و زمین کھڑے ہیں ۔ خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے کہ مینھ کی خوشخبری لانے والی ہوا کو چلاتا ہے تاکہ اُسکی رحمت کا تم مزہ چکھو اور اُس کے حکم سے پانی سے کشتیاں چلیں ۔

اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السماء کیف یشاء ویجعلہ کسفا فتری الودق یخرج من خلالہ ۔

خدا وہ ہے کہ ہوا چلاتا ہے پھر وہ بادلوں کو ہانک لاتی ہے پھر جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور پھر بادلوں کا دل کر دیتا ہے پھر اُن میں سے بوندیں ٹپکاتا ہے ۔

اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا وشیبۃ (سورۃ روم)

خدا وہ ہے جس نے تمکو پہلے نہایت ہیچ ناتوان پیدا کیا پھر تمکو ناتوانی سے قوی کیا پھر قوی سے ضعیف کر دیا اور بڑھاپے سے تمہارے بال بھی سفید کر دیئے ۔

الم تر ان الله انزل من السماء ماء فاخرجنا
به ثمرات مختلفا الوانها ومن الجبال
جدد بیض وحمر مختلف الوانها و
غرابیب سود ومن الناس والدواب
والانعام مختلف الوانه کذلک (رکوع
فاطر)

ان فی السموات والارض لآیات للمؤمنین
وفی خلقکم وما یبث من دابة آیات لقوم
یوقنون واختلاف اللیل والنهار وما
انزل الله من السماء من رزق فاحیا
به الارض بعد موتها وتصریف الریاح
آیات لقوم یعقلون - تلک آیات الله
نتلوها علیک بالحق فبای حدیث بعد
الله وآیاته یؤمنون (سورہ جاثیہ)

هو الذی انزل من السماء ماء
فاخرجنا به نبات کل شیء
فاخرجنا منه خضرا نخرج منه حبا متراکبا
ومن النخل من طلعها قنوان دانیة
وجنات من اعناب والزیتون

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس
سے رنگ برنگ کے پھل پیدا کیے اور پہاڑوں میں سفید و
سرخ اور سیاہ بھجنگ رنگتیں کالیں اور اسیطرح آدمیوں او جانوروں
اور چوپاؤں میں طرح بطرح کے رنگ بنائے۔ آسمانوں میں اور زمین
میں خدا کے ہونے پر یقین والوں کیلئے بہت سی
نشانیاں ہیں اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جانوروں کو
بہتایت سے پھیلانے میں یقین والوں کے لیئے
بہت سی نشانیاں ہیں اور رات کے جانے اور
دن کے آنے اور اُن کے بڑا ہونے اور چھوٹا ہونے میں
اور آسمان سے مینہہ کے برسنے پھر مردہ زمین کے
زندہ کرنے اور ہوا کے ادل بدل کرنے میں
سمجھدار لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔
یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جو ٹھیک تجھکو بتلاتی ہیں۔

پھر کونسی بات ہے جسپر اللہ کی اور اُسکی نشانیوں
کے بعد ایمان لاوینگے خدا وہ ہے جو برساتا ہے
آسمان سے پانی پھر پانی کے سبب ہمنے تمام اُگنے
والی چیزیں پائیں پھر ہمنے اُس سے سبز پودے
نکالے جس میں سے دانوں کے گچھے نکلتے ہیں

والرمان مشتبها وغیر متشابه انظروا الی ثمره اذا اثمر وینعه ان فی ذلکم لآیات لقوم یومنون (سورہ انعام)

اور کھجور کے درختوں میں اُنکی پھننگ میں سے پھل کر بوجھ سے زمین کو جھکے ہوئے گابہے نکلتے اور انگور اور زیتونوں اور انار کے باغ ایک سے اور الگ طرح کے اُگتے ہیں دیکھو اُس کے پھل کو جب کہ وہ پھلے اور پکے اُس میں بھی بلاشبہہ اُن لوگوں کے لئے جو ایمان دارے ہیں خدا کے ہونے کی نشانیاں ہیں۔

هو الذی مد الارض وجعل فیها رواسی وانهارا ومن کل الثمرات جعل فیها زوجین اثنین یغشی اللیل النهار ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون (سورہ رعد)

اللہ وہ ہے جس نے زمین کو ایسا بڑا بنایا اور اُس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور اُس میں تمام پھلونکو دو دو بنایا۔ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے اس میں بھی بیشک اُن لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں۔

وفی الارض قطع متجاورات وجنات من اعناب وزرع ونخیل صنوان وغیر صنوان یسقی بماء واحد ونفضل بعضها علی بعض فی الاکل ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون (سورہ رعد)

اور زمین کے مختلف ٹکڑے آپس میں ملے ہوئے ہیں اور انگور کے باغ ہیں کھیت ہیں اور کھجور کے درخت ہیں کسی کی بہت گنی شاخیں ہیں اور کسی کی چھدری جو ایک سے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور کہا نہیں ایک دوسرے سے مزیدار ہیں اس میں بھی بیشک اُن لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں۔

الذی جعل لکم الارض مهدا

وسلک لکم فیہا سبلا وانزل من السماء ماء فاخرجنا بہ ازواجا من نبات شتی کلوا وارعوا انعامکم ان فی ذلک لآیات لاولی النہی (سورہ طہ)۔

وہ خدا ہے جسنے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اُس میں رستے جاری کئے اور آسمان سے مینہہ برسایا پر اُسنے پانی کے سبب مختلف اُگنے والی چیزوں کے جوڑے نکالے کہاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ اس میں بھی عقل والوں کے لئے خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں"

والانعام خلقہا لکم فیہا دفء ومنافع ومنہا تاکلون ولکم فیہا جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس۔ (سورہ نحل)

اور تمہارے لئے مویشی کو پیدا کیا اُن میں گرم ہونے کا سامان اور بہت سے منافع ہیں اور اُن ہی میں سے تم کہاتے ہو اور تمکو اُن سے زیبایش ہے جب کہ شام کو چرا کر لاتے ہو اور چرانے کو لیجاتے ہو اور تمہارا بوجھ کسی شہر کو اٹھا لیجاتے ہیں جہاں تم بغیر ادہ موے ہوے نہ پہونچ سکتے تھے۔

وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہا من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین۔ (سورہ نحل)

اور تمہارے لئے مویشی میں ایک بڑی نصیحت ہے ہم تمکو وہ چیز پلاتے ہیں جو اُن کے پیٹ میں گوبر و لہو کے سبب بنتی ہے یعنی اچھا خاصا دودہ جو پینے والوں کے حلق میں آسانی سے اُتر جاتا ہے۔

ومن آیاتہ الجوار فی البحر کالاعلام ان یشاء یسکن الریح فیظللن رواکد علی ظہرہ

اور خدا کے ہونے کی نشانیوں میں ہیں پہاڑوں کی مانند جہاز سمندر میں چلنے والے اگر خدا چاہے

ان فی ذلک لآیات لکل صبار شکور۔	ہوا بند کر دے وہ سمندر کی پیٹھ پر ٹھر جاویں اسمیں
(سورہ شوری ۔	بھی بیشک اُن لوگوں کے لئے جو صابر و شاکر ہیں
	خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں ۔
واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم	اور اللہ نے تمکو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا
لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار	تم کچھ نہیں جانتے تھے بنایا تمہارے لئے سننا
والافئدۃ لعلکم تشکرون ۔	تاکہ تم شکر کرو کیا تم پرندوں کو نہیں دیکھتے جو ادہر
الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السما	آسمان کی وسعت میں ہیں کون انکو تھامے ہوئے
ما یمسکھن الا اللہ ان فی ذلک لآیات	ہے بجز خدا کے اس میں بھی بیشک اُن لوگوں
لقوم یومنون ۔ (سورہ نحل)	کو جو ایمان دلاتے ہیں خدا کے ہونے پر نشانیاں
	ہیں "

اگر چند آیتوں کے مضامین کو مختصراً ایک جگہ جمع کر دیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ کس خوبی اور فصاحت و بلاغت سے خدا کے ہونے پر قدرتی چیزوں سے استدلال کیا گیا ہے ۔ دنیا کو دیکھو کہ وہ کیسی عجیب چیز ہے ۔ تاروں بھرا آسمان ۔ اندہیرے کو اوجالا کرنیوالا سورج ۔ گھٹنے بڑھنے والا ۔ اندہیری رات میں چاندی کے سے پترے بچھانے والا چاند ۔ دریا کی موجوں اور بے نشان رستوں میں رستہ بتانے والے ستارے ۔ خدا کی طرح بطرح کی صنعتیں کھلی ہوئی آنکھوں والونکو خدا کے ہونے کی بڑی نشانیاں ہیں ۔ یہ زمین خدا نے تمہارے لئے بنائی اُس میں ہر طرف کو جانے آنے کے رستے رکھے تم اسپر رہتے ہو اور ادہر ادہر پہرتے ہو ۔ بادلوں کے بے انتہا دل اس نیلے گھیرے کے سینہ میں پیدا ہوتے ہیں کھڑے رہتے ہیں ڈو دلے پہرتے ہیں پھر غائب

ہو جاتے ہیں کہاں سے آتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں - یہ پہاڑوں کی صورت کے جگہ بادل روئی کے پہوئے کی طرح ہوا کے جہوکے سے اُڑتے پہرتے والے دل کے دل موسلادار مینہہ برساتے ہیں پژمردہ زمین کو سرسبز کرتے ہیں - گہاس اوگتی ہے اونچے اونچے کہجور کے درخت پتوں کی خوشنما چہتریوں سمیت اوگتے ہیں جن کے گرد کہجوروں کے گچہے لٹکتے ہیں کیا یہ اُسکے پیدا کرنے والے ہونے کی نشانیاں نہیں ہیں - تمہاری مویشی بہی کیا عجیب نہیں ہیں - تمہارے لئے گہاس کو دودہ بنادیتی ہے اُسکے اون سے تم اپنی پوشاکیں بناتے ہو - دن بہر جنگل میں چرتی ہیں شام کو صف باندہکر تمہارے گہر آتی ہیں - پہر اُن بڑے بڑے پہاڑوں یعنی جہازوں کو دیکہو جو اپنے کپڑے کے پر پہیلائے سمندر کی لہروں پر دوڑتے اُڑتے پڑے پہرتے ہیں - پر پہیلاتے ہیں جست کرتے ہوئے جاتے ہیں ہوا اُنکو لئے پہرتی ہے مگر جب خدا نے ہوا بند کرلی تو وہ مردہ کی طرح پڑے ہیں پہر ہل تک نہیں سکتے کیا یہ ایک کرشمہ نہیں ہے - تم کیا کرشمہ چاہتے ہو تم خود کیا کچہہ کرشمہ نہیں ہو - چند برس پہلے تمہارا وجود نہ تہا - تمکو خدا نے مٹی سے پیدا کیا - چھوٹے سے بڑا کیا - خوبصورت بنایا - طاقت تمکو دی - خیالات کی قوت تم میں رکہی - تمکو ایک دوسرے پر رحم آتا ہے - اگر تمکو ایسا نہ بناتا تو تمہارا کیا حال ہوتا - پہر تمہارے بال سفید ہوتے ہیں - تمہاری طاقت گہٹ جاتی ہے - ناتوان ہوجاتے ہو - پہر تمہارا وجود نہیں رہتا - یہ سب چیزیں اُس کے بنانے والے ہونے کی نشانیاں ہیں -

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ۔۔۔ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

تمام قرآن اسی قسم کے قدرتی مضامین سے بہرا ہوا ہے جن سے اُس علۃ العلل یعنی خدا کے ہونے پر استدلال کیا ہے - پہر خدا کی وحدانیت کی دلیلیں عام فہم طریقہ پر بیان کی

امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا بہ حدایق ذات بھجۃ ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا ء الہ مع اللہ بل ھم قوم یعدلون ۔ امن جعل الارض قراراً وجعل خلالھا انھاراً وجعل لھا رواسی وجعل بین البحرین حاجزا ء الہ مع اللہ بل اکثرھم لا یعلمون (سورہ نمل)

ہیں اور یوں فرمایا ہے کہ "کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے تمہارے لیے آسمان پر سے مینہ برسایا پھر ہمنے اُس سے فرحت بخش باغ اُگائے تم اُن کے درخت نہیں اُگا سکتے تھے کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے مگر کافر وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ سے پھر جاتے ہیں ۔ کس نے زمین کو ٹھرنے کی جگہ بنایا اور کس نے اُس میں دریا بنائے اور کس نے زمین کے پہاڑ بنائے اور کس نے دو سمندروں میں جزیرہ بنایا ۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے مگر بہت کافروں میں سے نہیں جانتے ۔ اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو دونوں برباد ہو جاتے "۔

ہر گیاہیکہ از زمیں روید وحدہٗ لا شریک لہ گوید

پس امور مذہبی میں جیسی آزادی رائے اسلام میں ہے اس سے زیادہ اور کیا ہوگی۔ یہ کہنا کہ اسلام کے نہ قبول کرنے کی لازمی سزا تلوار ہے مذہب اسلام پر منجملہ اُن سخت اور جھوٹے الزاموں کے ایک الزام ہے جو غیر مذہب والوں نے نا انصافی سے اسپر کیے ہیں یا وہ مذہب اسلام سے ناواقف ہیں یا دیدہ و دانستہ حق پوشی کی نظر سے باندھے ہیں ۔ اسلام صرف دلی یقین اور قلبی تصدیق پر منحصر ہے اور دلی یقین جبر و زبردستی سے پیدا ہی نہیں ہو سکتا ۔ پس کیونکر یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جس چیز سے وہ بات پیدا ہی نہیں ہو سکتی جس کی ضرورت اسلام کے لیے ہے آسکے کہ کسیکو خود اسلام ہی ہدایت کرے ۔ جو لوگ مذہب اسلام سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں اور خدا کے کلام کو ایک ادنی توجہ

سے ہی دیکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خیال کہ اسلام زبردستی و تلوار کے زور سے قبولوایا جاتا ہے قرآن مجید کے اس صاف اور روشن حکم کے بالکل برخلاف ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ "

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم (سورہ بقر آیت ۲۵۷)

دین پر لانے میں کچھ دباؤ ڈالنا نہیں ہے کیونکہ سیدھی راہ یعنی اسلام گمراہی یعنی کفر سے علانیہ کھل گئی ہے پھر جو کوئی بتوں کا منکر ہو اور اللہ پر ایمان لاوے تو بیشک اُسنے نہایت مضبوط کنگورہ پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے کے قابل نہیں ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے" ایک اور جگہ خدا نے فرمایا ہے

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ و یجعل الرجس علی الذین لا یعقلون (سورہ یونس آیت ۹۹، ۱۰۰)

کہ " اگر چاہتا اللہ تیرا پروردگار تو سب جو زمین میں ہیں اکٹھے ایمان لے آتے پھر کیا تو دباؤ ڈال سکتا ہے لوگوں پر تاکہ مسلمان ہو جائیں (یعنی دباؤ سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا) کسی شخص کو یہ بات ممکن نہیں ہے کہ بغیر حکم خدا کے ایمان لاوے اور اللہ اُن لوگوں پر ناپاکی ڈالتا ہے جو نہیں سمجھتے"

جس اصول پر کہ حضرت موسیٰ نے کافروں پر تلوار کھینچی تھی اور یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک خدا کے حکم سے وہ تلوار کھینچی گئی تھی کہ تمام کافروں اور بت پرستوں کو بغیر کسی استثنا کے قتل و غارت و نیست و نابود کر دیں۔ اُس اصول پر مذہب اسلام نے کبھی تلوار کو میان سے نہیں نکالا۔ اُسنے کبھی تمام کافروں اور بت پرستوں کے نیست و نابود کرنیکا یا اُنکو تلوار کی دھار سے مجبور کر کے اسلام قبلوانے کا ارادہ نہیں کیا۔ ہاں بلاشبہ اسلام نے بھی تلوار کو نکالا مگر دوسرے مقصد سے یعنی خدا پرستوں کے امن اور اُن کی جان و مال

کی حفاظت اور انکو خداپرستی کا موقع ملنے کو اور یہ ایک ایسا منصفانہ اصول ہے جس
پر کوئی شخص کسی قسم کا الزام نہیں لگا سکتا۔

اسلام میں سب سے بڑا مقصد جیسا اُس لازوال ہستی پر خود یقین لانا ہے ویسا
ہی اُس کے وجود اور اُسکی وحدانیت کا علی العموم مشتہر کرنا ہے۔ شروع اسلام کے زمانہ
کے مسلمانوں پر بہت بڑا فرض تھا اور حال کے زمانہ کے مسلمانوں پر بھی بقدر حاجت
اور ضرورت کے جواب باقی ہے فرض ہے کہ کافروں میں اور کافروں کے ملک میں جاویں
اور ایسے خدائے واحد کے وجود کا یقین جو دکھائی نہیں دیتا اپنے وعظ و نصیحت سے لوگوں
کے دلوں میں بٹھلا دیں۔ جن ملکوں میں اس مقصد کے ادا کرنے میں کوئی مانع و مزاحم
نہیں ہے اُس ملک پر اسلام نے تلوار نکالنے کی اجازت نہیں دی۔ مگر جب کافر خدا کے
نام کی منادی کے مانع ہوں اور خداپرستوں کو جان و مال کے امن سے نہ رہنے دیں
جیسے کہ مکہ کے کافروں نے کیا اور پیچھا لگے وہی تعاقب میں دوڑے اُسوقت
بالضرورت بچاؤ کرنے اور خدا کے نام کو بلند کرنے کی غرض سے اسلام نے تلوار
نکالنے کی اجازت دی ہے مگر اسی وقت تک جہاں تک کہ یہ مقصد حاصل ہو جائے
تاکہ مسلمانوں کو جان و مال کی حفاظت ہو اور بذریعہ وعظ و تلقین و پند و نصائح کے خدائے
واحد ذوالجلال کا جلال لوگوں کے دلوں میں جمادیں تاکہ اسی واحد حقیقی کی پرستش دنیا
میں جاری ہو۔ مسلمان کافروں میں با امن و امان رہیں اور اپنے چال و چلن اور عادات
و عبادات اور اخلاق محمدی سے خود اپنے تئیں مجسم اسلام بنادیں تاکہ کافر نور اسلام کو اس
مجسم اسلام میں دیکھیں اور اسلام پر دل سے یقین لاویں۔

ہمارے اس قول کی تصدیق کہ وہ تلوار صرف اُسی مقصد کے حاصل ہونے تک نکالی

جاتی ہے نہ کافروں کی زبردستی مسلمان ہونے کے مقصد سے وہ اسباب سے ہوتی ہے
کہ بعد حاصل ہونے اس مقصد کے تلوار میان میں رکھ لیجاتی ہے گو کہ ایک بھی کافر مسلمان
نہ ہوا ہو۔

یہ مقصد یعنی یہ کہ مسلمان امن سے رہیں اور خداے واحد کی پرستش کیا کریں اور خدا
کا نام لوگوں میں بلند کریں اور اپنے چال چلن اور عادت و عبادت و اخلاق و محبت و ہمدردی
سے اسلام کی مجسم صورت لوگوں کو دکھلادیں تین طرح سے حاصل ہوتا ہے یا یہ کہ ایک
مذہب ہو جاوے اور وہاں کے لوگ مسلمان ہو جاویں جیسا کہ مدینہ میں ہوا۔

یا یہ کہ صلح رہے یعنی یہ کہ کفار ادائے فرائض مذہبی سے معترض نہوں جیسے کہ ابتدأ
مکہ میں تھا یا جن مسلمانوں نے حبشہ میں ہجرت کی تھی اُنکا حال تھا یا کافر لڑائی کی حالت
میں مسلمانوں کو ملک میں رہنے اور آمد و رفت کرنے اور اُنکی جان و مال کی حفاظت اور
ادائے فرائض مذہبی سے معترض نہ ہونے پر صلح کرلیں۔

یا یہ کہ ملک فتح اور کفار مغلوب ہو جاویں تاکہ اُنکو طاقت تعرض کی مسلمانوں سے
ادائے فرائض مذہبی اور اعلاے کلمۃ اللہ کی نہ رہے۔

ان تینوں صورتوں میں سے مقصد حاصل ہونے کے بعد فوراً تلوار میان میں رکھ
لیجاتی ہے گو کہ ایک کافر بھی مسلمان نہ ہوا ہو اور اگر پچھلے دونوں طریقوں میں سے
کسی ایک طریقہ میں امن قایم ہوا ہو تو کسیکو کسی کی مذہبی رسومات میں دست اندازی
کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو آزادی رہتی ہے کہ بغیر اسکے کہ کوئی شخص اُسکو ایذا
پہونچاوے اپنے مذہب کی تمام رسومات کو ادا کرے۔

اس بیان سے اُن مصنفوں کی بھی سخت غلطی صاف صاف ظاہر ہوتی ہے جنہوں

نے لکھا ہے کہ "اسلام میں دوسرے مذہب کو آزادی سے رہنے دینا مطلق نہیں ہے"
ان ہم اسبات سے انکار نہیں کرتے کہ مسلمان فتحمندوں میں سے بعضوں نے نہایت
بیرحمی کی اور دوسرے مذہب کی آزادی کو برباد کردیا۔ مگر مذہب اسلام کا اندازہ انکے
افعال سے نہ کرنا چاہیے بلکہ ہمکو یہ بات تحقیق کرنی چاہیے کہ آیا انہوں نے مذہب اسلام
کے مطابق عمل کیا یا نہیں اور اسوقت ہمکو یہ بات معلوم ہوجاویگی کہ ان کے افعال مذہب
اسلام کے بالکل برخلاف تھے۔ مگر اسی کے ساتھ ہمکو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان
فتحمند جو اپنے مذہب کے بھی پابند تھے دوسرے مذہب کی آزادی میں خلل انداز نہ تھے
اور اپنی تمام رعایا کو بلا لحاظ قوم و مذہب کے ہر طرح کا امن اور آزادی بخشتے تھے۔
تواریخ سے ہمکو بیشمار مثالیں مسلمان فتحمندوں کے دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھنے
کی ملتی ہیں اور ہم اس مقام پر چند رایوں کی نقل کرتے ہیں جو اس باب میں عیسائی مصنفوں
نے لکھی ہیں اور جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے مذہب کو ازادی سے رکھنا اسلام
کی خاصیت میں سے ہے۔

چمبرز سائیکلوپیڈیا میں ایک عیسائی مصنف نے جس کی ذات سے بہت کم توقع
ہوسکتی ہے کہ وہ اسلام کا طرفدار ہو اسپین کے علم تواریخ پر ایک آرٹیکل لکھا ہے اور اسنے
اس معاملہ میں یہ لکھا ہے کہ "اسپین کے بنی امیہ خلفا کی حکومت کی ایک مشہور و معروف
بات قابل بیان کے ہے کیونکہ اس سے اسپین کی ہمعصر (یعنی عیسائی) اور پچھلے مسلمان
بادشاہوں کے مقابلہ میں بلکہ اس انیسویں صدی کے زمانہ تک ان بادشاہوں کی بڑی
عمدگی پائی جاتی ہے یعنی ان کا عام طور سے دوسرے مذہب کو مذہبی معاملات میں آزادی
کا دینا۔

گاڈفری ہگنز صاحب نے اس معاملہ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ کوئی بات ایسی عام
نہیں ہے جیسا کہ عیسائی پادریوں کی زبانی مذہب اسلام کی مذمت اسوجہ سے سننے میں
آتی ہے کہ اس میں تعصب زیادہ ہے اور اس میں دوسرے مذہب کو آزادی نہیں ہے
یہ عجیب وہم اور محض ریاکاری ہے۔ وہ کون تہا۔ (عیسائی) جس نے مور مسلمان باشندگان
اسپین کو اسپین سے بایں وجہ جلاوطن کر دیا تہا کہ وہ عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تہے
اور وہ کون تہا (عیسائی) جس نے میکسیکو اور پیرو کے لاکھوں باشندونکو قتل کیا تہا اور اُن
سبکو بطور غلام کے دیدیا تہا اسوجہ سے کہ وہ عیسائی نہ تہے۔ مسلمانوں نے بمقابلہ اسکے
یونان میں کیا کیا۔ کئی صدیوں سے عیسائی امن و امان کے ساتھ اپنی ملکیت پر قابض
چلے آتے ہیں اور اُن کے مذہب۔ اُن کے پادریوں۔ اُن کے بشپ۔ اُن کے
بزرگوں۔ اُن کے گرجاؤں کی نسبت دست اندازی نہیں کی گئی ہے۔ جو لڑائی بالفعل
(یعنی بزمانہ تحریر کتاب) یونانیوں اور ترکوں میں ہو رہی ہے وہ بہ نسبت اُس لڑائی کے
جو حال میں ویرا کے حبشیوں اور انگریزوں میں ہوئی تہی کچہ زیادہ مذہب کیوجہ سے نہیں
ہے۔ یونانی اور حبشی اپنے فتحمندوں کی اطاعت سے آزاد ہوا چاہتے ہیں اور اُن کا ایسا
کرنا واجب ہے۔ جب کبہی خلیفہ فتحیاب ہوتے تہے اور وہاں کے باشندے مسلمان ہو جاتے
تہے تو فوراً انکا رتبہ بالکل فتحمندوں کے برابر ہو جاتا تہا۔ ایک نہایت دانشمند مگر غیر معتقد
عالم نے سیراسین یعنی مسلمانوں کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ "وہ کسی شخص کو ایذا نہیں دیتے
تہے اور یہودی اور عیسائی سب اُن میں خوش و خرم تہے"

لیکن اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ مور اسوجہ سے جلاوطن کئے گئے تہے کہ وہ عیسائی
مذہب قبول نہیں کرتے تہے مگر مجہکو گمان ہے کہ اسکا سبب اور ہی تہا یعنی میں خیال کرتا ہوں

کہ وہ اپنی دلیلوں سے عیسائیوں پر اسقدر غالب آ گئے تھے کہ اُن عیسائی مالک یعنی دیندار سمجھتے تھے کہ انکی دلیلوں کا جواب صرف مذہبی عدالت سے سزا دینا اور تلوار سے ہو سکتا ہے۔ اور مجھکو کچھ شبہ نہیں ہے کہ جہانتک اُن کی ناقص قوت جواب دینے کے باب میں تھی وہانتک اُن کا یہ خیال صحیح تھا۔ جن ملکوں کو خلیفہ فتح کرتے تھے وہاں کے غریب باشندے خواہ یونانی۔ ایرانی۔ اسپینی خواہ ہندو قتل نہیں کیے جاتے تھے جیسا کہ عیسائیوں نے بیان کیا ہے بلکہ فتح ہوتے ہی وہ سب بہ امن و امان اپنی رعیت اور اپنے مذہب پر قابض چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ اور اس کے بدلے حق کی بابت ایک محصول دیتے ہیں جو اسقدر خفیف ہوتا ہے کہ کسیکو گراں نہیں معلوم ہوتا۔ خلفاء کی تمام تاریخ میں کوئی بات ایسی نہیں ملسکتی ہے جو ایسی رسوائی کا باعث ہو جیسے کہ (عیسائیوں میں) مذہبی عدالت سے سزا دینا تھا اور نہ ایک مثال بھی اس بات کی پائی جاتی ہے کہ کوئی شخص اپنا مذہب نہ چھوڑنے کے سبب جلایا گیا ہو۔ نہ مجھکو یقین ہے کہ زمانہ امن میں صرف اسوجہ سے قتل کیا گیا ہو کہ اُسنے مذہب اسلام قبول نہیں کیا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ پچھلے مسلمان فتحمندوں نے اپنی فتوحات میں بڑی بڑی بیرحمیاں کی ہیں جنکا الزام عیسائی مصنفوں نے بھی جد و جہد سے مذہب اسلام پر لگایا ہے

لہ مسٹر گبز نے یہاں غلطی کی ہے۔ کافروں سے جو مفتوح ہو جاتے ہیں اس معاوضہ میں کہ ان کو اُن کے مذہب پر چھوڑ دیا گیا ہے جزیہ نہیں لیا جاتا بلکہ اس وجہ سے کہ مثل مسلمانوں کے بلا قید یا تعین حد پر فوجی خدمت کرنے پر مجبور نہیں کیے جاتے اور گورنمنٹ کی غرض قائم رکھنے حکومت اسلامی اور بحال رہنے امن و امان کے کوئی خدمت بجا نہیں لاتے بلکہ گورنمنٹ اُن کے حفظ و امن کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ان سب باتوں کے معاوضہ میں اُن سے جزیہ لیا جاتا ہے اور یہ بھی لازمی نہیں ہے بلکہ خلیفہ کو بہ نظر

مگر یہ واجب نہیں ہے۔ درحقیقت مذہبی تعصب کے باعث لڑائی کی خرابیاں زیادہ ہو گئیں
مگر تاہم بھی مسلمان فتحمند کبھی عیسائیوں سے زیادہ بدتر نہ تھے۔

اسکے بعد مسٹر گاڈفری ہگنز صاحب نہایت شائستہ ملکوں میں بھی دوسرے مذہب کی
آزادی کے باب میں شبہہ کرتے ہیں اور ایک دلچسپ تقریر لکھتے ہیں کہ عیسائی پادریوں کی
کوششوں کو اگرچہ بسبب ظاہر بہت بڑی وسعت دی گئی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں
کچھ بڑی کامیابی نہیں ہوئی وہ لکھتے ہیں کہ مجھکو اس امر کی نسبت کسیقدر شبہہ ہے کہ
اس شائستہ زمانہ میں بھی جیسا کہ وہ مشہور ہے اُسوقت کیا ہوا اگر سلطان روم (جس طرح
کہ ہمارے پادریوں نے مسٹر ڈریمنڈامی کو اپنے خاص مذہب کی تلقین کے لیے جنیوا میں
بھیجا تھا) اپنے ایک نہایت نامی مفتی کو لندن میں ایک مسجد بنانے اور قرآن کا وعظ کرنیکو
بھیجے۔ مجھکو اندیشہ ہے اور میرا یہ اندیشہ معقول وجہ پر مبنی ہے کہ اُس کے سبب سے جو
آگ سنہ [illegible]ء میں یا حال میں بمقام برمنگھم مشتعل ہوئی تھی وہ پھر پادریوں کی بدولت بھڑک اُٹھے
اور ہمارے وزیر اُسکا جواب ایک ایڈمیرل یعنی امیر البحر کے منہ سے دیں جس کی یہ راے ہوگی
کہ قسطنطنیہ پر گولہ اندازی کرنا ممکن ہوگا۔

مگر مجھکو مسٹر ہگنز کی راے کے ساتھ ایک بات کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں
کہ لندن کی شائستگی مسٹر ہگنز کے زمانہ سے اب ترقی پر ہے۔ جب میں لندن میں تھا تو
ایک شخص مسمی ڈاکٹر پرفکٹ نے عین لندن میں ایک مکان لیا تھا اور ہر اتوار کو اس مکان
میں برخلاف مذہب عیسائی کے لکچر دیا کرتا تھا اور جو لوگ چاہتے تھے وہاں جا کر اسکا لکچر سنتے تھے

(حاشیہ صفحہ ۳۰۵) مصلحت ملکی بالکل اختیار ہے چاہے لے چاہے نہ لے پس یہ امر سیاست مدن سے متعلق ہے نہ مذہب
سے مسلمانوں پر اس سے بہت زیادہ سخت محصول ہے یعنی ہر سال چالیسواں حصہ اپنے مال کا۔

میں بھی کئی دفعہ اسکا لکچر سنو گیا تھا اور ایک دفعہ اسنے قرآن اور اسلام پر بھی لکچر دیا تھا۔ اچھا لکچر تھا مگر جو عام غلطیاں قرآن اور اسلام کی نسبت انگریزوں میں پھیلی ہوئی ہیں وہ اسکے لکچر میں بھی تھیں۔ میںنے سنا کہ پادریوں نے اسکا لکچر بند کرنے میں بڑی کوشش کی مگر پارلیمینٹ سے کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔

جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب مسمی اپالوجی میں لکھا ہے کہ "نائیسا کی کونسل میں یہ امر واقع ہوا تھا کہ کانسٹنٹاین نے پادریوں کی جماعت کو وہ اختیار دیا تھا کہ جس سے نہایت ہیبت ناک نتیجے پیدا ہوئے تھے جن کا خلاصہ ان چند سطروں میں موجود ہے۔ خونریزی اور بربادی ان احمقانہ نوجہادوں کی جو عیسائیوں نے قریب دو سو برس کے عرصہ تک ترکوں پر کئے تھے اور جس میں کئی لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔ قتل کرنا ان شخصوں کا جو اس عقیدہ کو نہیں مانتے تھے کہ انسان کا دوبارہ اصطباغ ہونا چاہیئے۔ لوتھر کے پیرووں اور رومن کیتھلک مذہب والوں کا دریاے رائن سے لیکر انتہاے شمال تک قتل ہونا۔ وہ قتل جس کا حکم ہنری ہشتم اور اسکی بیٹی میری نے دیا۔ فرانس میں سینٹ بارتھولومیو کا قتل ہونا۔ چالیس برس تک اور بہت سی خونریزیوں کا ہونا۔ فرانسس اول کے عہد سے ہنری چہارم کے پیرس میں داخل ہونے تک۔ عدالت مذہبی کے حکم سے قتل کا ہونا جو اب تک قابل نفرین ہے کیونکہ وہ عدالت کی راے سے ہوا تھا۔ علاوہ اسکے اور بے انتہا بدعتوں کا اور اس بیس برس کی خرابیوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے جبکہ پوپ پوپ کے مقابلہ میں اور بشپ بشپ کے مقابلہ میں تھے۔ زہر خورانی اور قتل کی وارداتوں کا ہونا اور تیرہ چودہ پوپ کے بےرحم لوٹ اور گستاخانہ دعوے جو ہر قسم کے گناہ اور عیب اور بدکاری میں جو ایک نیرو یا ایک گیلیگیولا سے نہایت فوق لے گئے تھے۔ آخر کار اس خوفناک فہرست کا خاتمہ ہونے کے لئے ایک کروڑ بیس لاکھ نئی دنیا کے باشندوں کا صلیب ہاتھ میں لئے قتل ہونا۔ یقیناً یہ بات تسلیم

کرنی چاہئے کہ ایک ایسا گروہ اور قریباً ایک غیر منقطع سلسلہ مذہبی لڑائیوں کا چودہ سو برس تک سوائے عیسائیوں کے اور کہیں ہرگز جاری نہیں رہا۔ اور جن قوموں کی نسبت بت پرست ہونیکا طعن کیا جاتا ہے ان میں سے کسی قوم نے ایک قطرہ خون کا بھی مذہبی دلائل کی بناپر نہیں بہایا۔

مشہور و معروف مورخ مسٹر گبن جو زمانہ حال کے مورخوں میں سب سے بڑا مورخ ہے اور جسکی سند نہایت معتبر گنی جاتی ہے اس امر کی نسبت اپنی کتاب میں یہ لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کی لڑائیوں کو انکے پیغمبر نے مقدس قرار دیا تھا مگر آنحضرت نے جو اپنی حیات میں مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قایم کیں ان سے خلیفاؤں نے دوسرے مذہب کو آزادی دینے کی نصیحت پائی جس سے اسلام کے غیر معتقدوں کی مخالفت رفع ہو جاوے۔ ملک عرب حضرت محمد کے خدا کی عبادت گاہ اور اسکا مملوک تھا۔ مگر وہ دنیا کی قوموں کو محبت سے اور بہت کم شک سے دیکھتا تھا۔ بہت سے دیوتاؤں کے ماننے والے اور بت پرست جو انکو نہ مانتے تھے بنا نیست و نابود کئے جا سکتے تھے۔ مگر انصاف کے فرائض سے نہایت عاقلانہ تدبیر اختیار کی گئی۔ ہندوستان کے مسلمان فتحمندوں نے بعض کام دوسرے مذہب کی آزادی کے برخلاف کرنے کے بعد اس متراض اور آباد ملک کے مندروں کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معتقدوں سے بہ متانت یہ مستدعا کی گئی ہے کہ وہ حضرت محمد کے الہام کو جو زیادہ تر کامل ہے قبول کریں لیکن اگر انہوں نے نہ مانا تو ایک معتدل خراج یعنی جزیہ دینا قبول کر لیا تو وہ اپنے عقیدہ میں اور مذہبی پرستش میں آزادی کے مستحق تھے۔"

ایک مصنف نے اپنے ایک آرٹیکل میں جو ایسٹ اور ویسٹ اخبار میں چھپا تھا اور جسکا

عنوان یہ تھا کہ اسلام بطور ایک ملکی نظام کے ہے" اسلام میں آزادی مذہب کی نسبت یہ لکھا ہے
کہ صرف حضرت محمدؐ ہی ایسے بانی مذہب کے تھے جو ایک دنیوی بادشاہ بھی تھے اور سپاہی
بھی تھے اور یہ دونوں قوتیں خاصکر اسلئے تھیں کہ تشدد اور اولوالعزمی کو روکا جاوے اور
اولوالعزمی کی جانب وہ مائل تھے اور تلوار اُنکے اختیار میں تھی اسلئے خیال ہوتا ہے کہ
جبکہ اُنہوں نے مذہب کو دنیوی حکومت کا وسیلہ قرار دیا اور اپنے معتقدوں کی طبیعتوں
پر وہ غلبہ حاصل کیا جس کے سبب سے وہ لوگ شرع اور حق اُسی بات کو سمجھتے تھے۔ جو
آپ جاری کرنا چاہتے تھے تو چاہیے کہ اُنکا مجموعہ احکام شرعی اَور تمام مجموعوں سے مختلف
ہو بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اُن احکام انصاف سے بھی مختلف ہو جو ہر ایک انسان کی طبیعت
میں پڑے ہوے ہیں۔ اب اگر ہم یہ بات دیکھیں کہ آنحضرت کے احکام کا مجموعہ ایسا نہیں ہے
بلکہ اُسکے برخلاف یہ دیکھیں کہ حضرت محمدؐ نے قومی معاملات میں حق رسانی اور فتح کرنے
میں رحم اور حکمرانی کرنے میں اعتدال اور سب سے مقدم دوسرے مذہب کی عدم مزاحمت
کے احکام قرار دیے ہیں تو ہمکو یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ آنحضرت اپنے ہمجنسوں میں
ایسی ہی تعظیم کا استحقاق رکھتے تھے"

پھر اُسی مصنف نے اُسی آرٹیکل میں دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ" اسلام نے کسی
مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی کسیکو ایذا نہیں پہونچائی کوئی مذہبی عدالت
خلاف مذہب والوں کو سزا دینے کے لئے قایم نہیں کی اور کبھی اسلام نے لوگوں کو
مذہب کو بجبر تبدیل کرنیکا قصد نہیں کیا۔ ہاں اُسنے اپنے مسائل کا جاری ہونا چاہا مگر اُسکو
جبراً جاری نہیں کیا۔ اسلام قبول کرنے سے لوگونکو فتحمندوں کے برابر حقوق حاصل ہوتے
تھے اور مفتوحہ سلطنتیں اُن شرائط سے بھی آزاد ہوجاتی تھیں جو ہر ایک فتحمند نے ابتدا سے

دنیا سے حضرت محمدؐ کے زمانہ تک ہمیشہ قرار دی تھیں"۔

اُسی مصنف نے لکھا ہے کہ "اسلام کی تاریخ میں ایک ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو دوسرے مذہب کو غیر آزاد رکھنے کے بالکل برخلاف ہے۔ اسلام کی تاریخ کے ہر ایک صفحہ میں اور ہر ایک ملک میں جہاں اُسکو وسعت ہوئی دوسرے مذہب سے مزاحمت نکرنا پایا جاتا ہے۔ یہانتک کہ فلسطین میں ایک عیسائی شاعر لامارٹین نے اُن واقعات کا جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں بارہ سو برس بعد علانیہ یہ کہا تھا کہ "صرف مسلمان ہی تمام روے زمین پر ایک قوم ہیں جو دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھتے ہیں" اور ایک انگریز سیاح سیلڈن نے مسلمانوں پر یہ طعنہ کیا ہے کہ "وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں" اب دیکھو کہ یہ سب رائیں بہت سے بے طرفدار اور فیاض طبع عیسائی مصنفوں کی سر ولیم میور کے اس بے سند دعوے کے کہ اسلام میں دوسرے مذہب کو آزاد رکھنے کا نام ہی نہیں ہے کیسی برخلاف ہیں۔

تیسرے حصہ میں ہم اُن فائدوں کا بیان کرتے ہیں جو یہودی اور عیسائی مذہب کو اسلام کی بدولت حاصل ہوئی ہیں۔

مذہب یہود اور عیسائی مذہب کے شامل بیان کرنیکی یہ وجہ ہے کہ مجھے اسبات کا یقین ہے کہ حضرت عیسیٰ نے شریعت موسوی کے کسی حکم یا مسئلہ کو تغییر و تبدیل نہیں کیا بلکہ حضرت موسیٰ کی شریعت کو بدستور جاری رکھا۔ خود حضرت عیسیٰ کے اس قول سے جو متی کی انجیل باب ۵ ورس ۱۷ میں مندرج ہے کہ "یہ مت خیال کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنیکو آیا۔ میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں" ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے پس اسوجہ سے ضرور بالضرور یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جو فائدے

یہودی مذہب نے مذہب اسلام سے اٹھائے ہیں مذہب عیسوی نے بھی نزدماً وہ فائدے حاصل کئے ہیں۔ مذہب یہود بلاشبہ ربانی مخرج سے پیدا ہوا تھا اُسنے اس لازوال مسئلہ یعنی وحدانیت خدا کی تلقین اُس حد تک کی جسقدر کہ نجات ابدی کے حاصل کرنیکو ضروری اور اُس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ کے لایق تھی مگر اُس وحدانیت کو کاملیت سے اسلام نے شائع کیا جس سے مذہب یہود کا مسئلہ بھی کامل ہوگیا۔

تین چیزوں میں وحدت کے یقین کرنے سے خدا کی وحدانیت پر کامل طور سے یقین ہوسکتا ہے۔ وحدت فی الذات۔ وحدت فی الصفات۔ وحدت فی العبادت۔ وحدت فی الذات کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے ساتھ کوئی دوسرا شخص یا کوئی شے شریک نہیں ہے وہ وحدہ لا شریک لہ ہے اور نہ کوئی شے اُس کے مشابہ ہے نہ آگ نہ پانی نہ ہوا۔ وحدت فی الصفات کے یہ معنی ہیں کہ جو صفتیں خدا کی ہیں وہ دوسرے میں نہیں اور نہ دوسرے میں ہوسکتی ہیں وحدت فی العبادت کے یہ معنی ہیں کہ نہ کسی دوسرے کی عبادت کرنا نہ کسی دوسرے کو عبادت کے لایق سمجھنا اور نہ وہ افعال جو خاص خدا کی عبادت کے لئے مخصوص ہوں کسی دوسرے کے لئے بجالانا جیسے سجدہ کرنا روزہ رکھنا نماز پڑھنا وغیرہ۔ ان تینوں حدوں میں سے پہلی دو وحدتونکو اور تیسری وحدت کے پہلے حصہ کو اوسط طور پر (جو ناقص تھا کیونکہ نجات کے لئے کافی تھا اور نہ کامل طور پر تھا کیونکہ وحدت کا پورا کمال اُس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ کے لایق نہ تھا) یہودی مذہب نے بیان کیا اور تیسری وحدت کے اخیر حصونکو جن سے درحقیقت اُس وحدت کا کمال ہے مطلق ذکر ہی نہیں کیا۔ اسلام نے پہلی دو وحدتونکو بھی "لیس کمثلہ شیئ" فرماکر کامل کیا۔ پس نہ آگ جو موسےٰ نے دیکھی خدا تھا اور نہ وہ آواز "انی انا اللہ" کی جو موسیٰ نے سنی خدا تھا اور نہ وہ نیک اور برگزیدہ شخص جسکو یہودیوں نے

صلیب پر چڑہایا یا خدا ہو سکتا تہا۔ اسلام نے تیسری وحدت کو ایسے کمال پر پہونچایا جس کے
سبب ایمان والوں کے دلوں میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں رہا جسکی تصدیق "ایاک نعبد وایاک
نستعین" سے ہوتی ہے اسلام میں جو کمال ہوا اسی کاملیت کی وجہ سے خدا نے فرمایا "الیوم اکملت
لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"

موسیٰ کی پانچوں کتابوں میں نہ قیامت کا ذکر ہے نہ مرنے کے بعد روح کی حالت کا
کچھ بیان ہے۔ نیکی کی جزا۔ دشمن پر فتح پانا۔ عمر کا بڑا ہونا۔ مفلسی سے نجات پانا بیان ہوا ہے
اور گناہ کی سزا۔ مرنا۔ قحط پڑنا۔ وبا کا ہونا۔ مفلسی کا ہونا اور اسی قسم کی اور مصیبتوں کا آنا۔
موسیٰ کے بعد اور پیغمبروں اور نبیوں نے انکا کچھہ کچھہ ذکر کیا مگر جس تفصیل اور کاملیت سے
اسلام نے اُسکو بتایا جس کے لئے خدا نے گویا یہ کام رکھ چھوڑا تہا کسی نے نہیں کیا تہا۔
مگر چونکہ روحانی حالتونکو یعنی گنہگاروں کی ارواحوں کی تکلیفوں کا اور نیک آدمیوں کی
ارواحوں کی راحت اور خوشی کا بیان کرنا بطور تصویر کھینچدینا بجز اسکے اور کسی طرح ہو نہیں سکتا
تہا کہ اُسکو ایسی چیزوں اور حالتوں کے پیرایہ میں تشبیہاً بیان کیا جاے جنکو انسان اپنی اس
زندگی میں اپنے حواس سے محسوس کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ انکا حال بہشت اور دوزخ
کے نام سے اور خوشی اور ایذا و تکلیف اٹھانے کے مختلف طریقوں اور سامانوں سے
بیان کیا گیا ہے۔

اسلام سے پہلے یہودی اور عیسائی اکثر پیغمبروں اور پاک شخصوں سے نہایت بداخلاقی
کے افعال قبیحہ منسوب کرتے تہے اگرچہ ہماری دانست میں اُن تمام تحریرونکو الہام ربانی سے
کچھہ تعلق نہ تہا مگر تمام یہودی اور عیسائی اُن تمام تحریروں کو الہام ربانی اور اُن نبیوں اور
مقدس لوگونکو اُن افعال قبیحہ کا مرتکب یقین کرتے ہیں

اسلام نے اُن معصوم نبیوں اور خدا پرست شخصوں اور پاک خصلت بزرگوں کو ان تہمتوں سے بچایا اور جو اتہام یہودیوں اور عیسائیوں نے اُنپر لگائے تھے انکو فتحمندی سے دفع کیا اور تمام پیغمبروں اور نبیوں اور بہت سے مقدس بزرگوں کے معصوم اور بے گناہ ہونیکا دنیا کے بہت بڑے حصہ پر یقین کرادیا۔ مسلمان عالموں نے اسلام کے اس مسئلہ پر یقین دلانے سے کہ انبیا و پیغمبر سب پاک و معصوم ہیں توریت کو بڑے غور سے پڑہا اور عیسائیوں اور یہودیوں کی تمام غلطیوں کو ظاہر کردیا اور اُنہوں نے دریافت کیا کہ یہ غلطیاں کچھ تو اس سبب سے پڑی ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت کی عبارت اور الفاظ کی غلط طور پر تعبیر کی اور کچھ اس سبب سے وہ غلطیاں ہوئیں کہ خود توریت کے قدیمی نسخوں میں جو کوڈیس کہلاتے تھے اور جو قلمی تھے متعدد وجوہ سے غلطیاں تھیں اور پہر جن لوگوں نے مقابلہ کرکے انکو صحیح کیا اون کی تصحیح بہی غلطیوں سے خالی نہ تھی اور سب سے بڑا سبب اُن غلطیوں کا یہ ہوا کہ تاریخی واقعات جو انسانوں نے بغرض تسلسل مطلب حضرت موسیٰ کے کلام کے ساتھ ملاکر لکھے تھے اور جن میں بلاشک بہت سی غلطیاں ہیں اُنکو بہی یہودیوں اور عیسائیوں نے مقدس تحریر سمجھا تہا پس اگر اسلام نہوتا تو اُن پیغمبروں اور نبیوں اور خدا کے پاک بندوں یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت لوط اور اُن کی بیٹیوں اور حضرت اسحاق اور یہودا اور حضرت یعقوب کی بیویوں اور بیٹوں اور ہارون اور داؤد و سلیمان کی دنیا میں ایسی ہی مٹی خراب رہتی جیسے ایک بدکار آدمی کی خراب ہوتی ہے۔ تمام دنیا کی نظروں میں ویسے ہی حقیر ہوتے جیسے کہ ایسے جرموں کے مجرم حقیر ہوتے ہیں جنکو دائم الحبس کرکے کالے پانی بہیجتے ہیں یا اُنکے گناہوں کی سزا کے لئے اُنکو سولی پر لٹکاتے ہیں۔ صرف یہ اسلام ہی کا احسان ہے جس نے اُن تمام بزرگوں کی بزرگی دنیا میں اُس حد تک پہیلائی جس کے وہ مستحق تہے۔

چوتھے حصہ میں ہم اُن فائدوںکو بیان کرتے ہیں جو اسلام کی بدولت خاص عیسائی

مذہب کو پہنچے ہیں۔

دنیا میں مذہب اسلام سے زیادہ کوئی مذہب عیسائی مذہب کا دوست نہیں ہے اور

اسلام نے کسی مذہب کو اس قدر فائدے نہیں پہنچائے ہیں جسقدر کہ عیسائی مذہب کو پہنچائے

ہیں۔ مذہب عیسائی کی بنیاد اُس نیک اور حلیم شخص سے ہے (یعنی حضرت یحییٰ پیغمبر سے)

جو خدا کا رستہ درست کرنے آیا تھا اور پھر بالکل دار و مدار اُس عجیب شخص پر ہے جسکو اُنہوں

نے اتنا بزرگ و مقدس سمجھا کہ خدا یا خدا کا بیٹا مانا (یعنی حضرت عیسیٰ پر) مذہب اسلام ہی کا

یہ احسان عیسائی مذہب پر ہے کہ وہ نہایت مستقل ارادے اور نڈر دل اور نہایت استوار

ثابت قدمی سے عیسائی مذہب کا طرفدار رہا اور یہودیوں سے مقابلہ کیا اور علانیہ اور دلیرانہ

اسبات کا اعلان کیا کہ "جان دی باپٹسٹ" یعنے حضرت یحییٰ بلاشبہ سچے پیغمبر اور حضرت عیسیٰ

بیشک عبد اللہ اور کلمۃ اللہ و روح اللہ تھے پس کونسا مذہب اس بات کا دعوی کرسکتا ہے کہ

وہ عیسائی مذہب کے حق میں اسلام سے زیادہ تر مفید ہے اور اُسنے عیسائی مذہب کی حمایت

میں اسلام سے زیادہ کوشش کی ہے۔ جو سب سے بڑی خرابی حواریوں کے بعد عیسائی

مذہب میں پیدا ہو گئی وہ تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کا مسئلہ تھا اور یہ ایک ایسا

مسئلہ تھا جو اُس لازوال سچ کے بھی متناقض تھا اور اُن خاص نصیحتوں کے بھی برخلاف

تھا جو حضرت عیسیٰ نے فرمائی تھیں اور حواریوں نے انجیل میں لکھی تھیں۔ یہ امر اسلام کی لازوال

عظمت کا باعث ہے کہ اُسی نے خدائے واحد ذوالجلال کی پرستش کو پھر جاری کیا اور اُس

خالص مذہب کو پھر سرسبز کیا جسکی خاص تلقین حضرت عیسیٰ نے کی تھی۔ اسلام ہمیشہ اُس زمانہ

کے عیسائیوں کو اُن کی غلطیوں سے متنبہ کرتا رہا اور اب بھی کرتا رہتا ہے۔ اسلام نے عیسائیوں

سے اسی سچے مذہب کے قبول کرنیکی استدعا کی جسکا وعظ حضرت مسیح نے کیا تھا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے "قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا" بہت سے عیسائیوں کی اسلام کی روشنی سے آنکھیں کھل گئیں اور اُس ذلیل حالت سے خبردار ہوئے جس میں وہ مبتلا تھے اور انہوں نے پھر اسی رتبہ کے حاصل کرنیکی کوشش کی جو پہلے اُن کو حاصل تھا۔ یعنی انہوں نے صرف قرآن کی ہدایت سے تثلیث کے عقیدہ کو غلط سمجھا اور خدا کو وحدہ لاشریک لہ اور عیسی مسیح کو خدا کا مقدس بندہ مانا جو عین مسئلہ مذہب اسلام کا ہے چنانچہ وہ فرقہ اب موجود ہے اور نہایت معزز لقب "یونیٹیرین" یعنی موحدین عیسائی سے معزز ہے۔

اگر یہ عقیدہ تھوڑی دیر کے لئے دنیا میں سے اٹھا لیا جاوے تو مسٹر گبن کی یہ رائے عیسائیوں کے حال پر بالکل مطابق ہو جاویگی کہ "اگر سینٹ پیٹر یا سینٹ پال وٹیکن یعنے پوپ کے محل میں آجاویں تو غالباً وہ اُس دیوتا کا نام دریافت کرینگے جس کی پرستش ایسی پُراسرار رسومات کے ساتھ اُس عظیم الشان عبادت گاہ میں کیجاتی ہے۔ اکسفورڈ یا جنیوا میں جاکر اُنکو چنداں حیرت نہوگی مگر گرجا میں جاکر سوال وجواب کا پڑھنا اور جو کچھ صادق القول مفسروں نے اُن کی تحریرات اور اُن کے مالک کے کلمات کی تفسیر کی ہے اُس پر غور کرنا پڑیگا۔"

جو فائدے اسلام نے عیسائی مذہب کو پہنچائے اُس میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اُسنے عیسائیونکو پوپ کے بے انتہا اختیارات ناجائز سے نجات دی اور عیسائیوں میں ایک زندگی کی روح پھونک دی۔ تمام عیسائی پوپ کو حضرت عیسی کا پورا با اختیار نائب سمجھتے تھے اور اُسکو معصوم جانتے تھے جیسے کہ اب بھی بہت سے فرقے عیسائیوں کے

سمجھتے ہیں۔ انکا یقین تہا اور بہتوں کا اب بہی یقین ہے کہ دوزخ اور اعراف اور بہشت
کے دروازوں کے کہولنے کا پوپ کو بالکل اختیار ہے۔ پوپ گنہگاروں کے گناہوں کی
بخشش دینے کا دعوے رکہتا ہے۔ پوپ کو پورا اختیار تھا کہ جس ناجائز چیز کو چاہے جائز کردے۔
درحقیقت پوپ بلحاظ ان اختیارات کے جو اسکو حاصل تہے اور جن اختیاروں کو وہ کام میں
لاتا تہا کسی طرح حضرت عیسی سے کم نہ تہا بلکہ دو چار قدم آگے بڑہا ہوا تہا۔ قرآن ہی نے عیسائیوں
کو اس خرابی سے مطلع کیا اور جو برائیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں انکو تبلایا اور جابجا عیسائیوں
کو اس غلامانہ اطاعت پر ملامت کی اور ان کو سمجہایا کہ اس رسوائی اور بے عقلی کی اطاعت
کو چہوڑیں اور خود آپ اپنے لئے سچ کی جستجو کریں۔ چنانچہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا۔

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ	" اے کتاب والوں یعنی عیسائیوں آؤ ایک بات
سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا	پر کہ ہم میں اور تم میں یکساں ہے اور وہ بات یہ ہے
نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا	کہ ہم خدا کے سوا اور کسیکو نہ پوجیں اور نہ ہم کسی چیز کو
اربابا من دون اللہ (آل عمران آیت ۵۷)	اسکے ساتہ شریک کریں اور نہ بناویں ہم ایک دوسرے کو

(یعنی پوپوں اور بڑے بڑے پادریوں کو) پروردگار خدا کے سوا"

اور پہر دوسری جگہ فرمایا کہ "عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنالیا

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا	خدا کے سوا اور مسیح ابن مریم کو بہی اور ان کو سوائے
من دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا	اسکے اور کچہ حکم نہیں دیا گیا تہا کہ خدائے واحد کی
الا لیعبدوا الھا واحدا لا الہ الا ھو سبحانہ	عبادت کریں کہ صرف وہی خدا ہے اور نہ اور کوئی
عما یشرکون۔ (سورہ توبہ آیت ۳۱)	خدا پاک ہے اس چیز سے کہ شریک کرتے ہیں"[1]

[1] جارج سیل نے قرآن کے ترجمہ میں (جلد ا صفحہ ۲۳) لکہا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں پر بت پرستی

جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم جو اسوقت عیسائی تھے آنحضرت صلعم کے پاس

روی عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ
قال اتیت رسول اللہ صلعم وفی عنقی
صلیب من ذہب فقال لی یا عدی اطرح
ہذا الوثن من عنقک فطرحتہ فلما
انتہیت الیہ وہو یقرأ اتخذوا احبارہم
ورہبانہم اربابا من دون اللہ حتی
فرغ منہا قال فقلت لہ انا لسنا نعبدہم
قال الیس یحرمون ما احل اللہ فتحرمونہ
ویحلون ما حرم اللہ فتستحلونہ قال
فقلت بلی قال فتلک عبادتہم -
(معالم التنزیل)

آئے اور ان کے گلے میں سونے کی صلیب
پڑی ہوئی تھی آنحضرت نے فرمایا کہ اے عدی اس
بت کو اپنے گلے سے نکال پھینک پس انہوں
نے نکال ڈالی جب وہ پاس آئے تو آنحضرت
قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے کہ عیسائیوں نے
اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنایا خدا
کے سوا جب آنحضرت پڑھ چکے تو عدی نے عرض
کیا کہ ہم تو ان کی پرستش نہیں کرتے آپ نے فرمایا
کہ کیا یہ نہیں ہے کہ وہ حرام کر دیتے ہیں اس چیز کو
جسے خدا نے حلال کیا پھر اسکو حرام سمجھتے ہو عدی
نے کہا ہاں یہ تو ہے آنحضرت نے فرمایا کہ بس یہی
انکا پوجنا ہے -

ایک مدت تک عیسائی اسلام کو عداوت سے دیکھا کئے اور اُسکے ہر ایک مسئلہ سے بے سمجھے نفرت کرتے رہے - مگر بعض نیک دل عیسائیوں نے کچھ تھوڑے بہت غور سے اسکو دیکھا اور کیلون اور لوتھر مقدس کے دل پر اُسکا کچھ کچھ اثر ہوا چنانچہ ان دونوں نے قرآن مجید

تعلق صفحہ ۳۲۰ - دیگر الزاموں کے سوا حضرت محمد نے یہ الزام لگایا ہے کہ وہ اپنے قسیسوں اور رہبانوں کی حد سے زیادہ اطاعت کرتے ہیں جنہوں نے اس بات کا قرار دینا کہ کونسی چیز حلال ہے اور کونسی چیز حرام اور خدا کے احکام کی تعمیل کو ملتوی کر دینا اپنے اختیار میں لیا ہے -

کی اس قسم کی آیتونکو پڑہا جس میں پوپ کو اور پادریونکو خدا کے سوا دوسرا خدا یا جہوٹا خدا ماننے کی مذمت تہی تو وہ سمجہے اور اس سچے مسئلہ نے اُنکے دلپر اثر کیا اور جیسے کہ قرآن نے ہدایت کی تہی وہ سمجہے کہ ہر شخص فی الواقع آپ اپنا پوپ اور اپنا پادری ہے وہ چلا اُٹہے کہ پالیا پالیا اور اسیوقت پوپ کی غلامی سے آزاد ہوئے اور غلامانہ اور ذلیل حالت سے جس میں وہ خود اور اُن کے تمام ہم مذہب مبتلا تہے نکل آئے اور صاف صاف اُسکے برخلاف وعظ کرنے کو کہڑے ہو گئے۔

جس کی بدولت ہم لاکہوں عیسائیونکو پروٹسٹنٹ مذہب میں دیکہتے ہیں اگر اسلام مذہب عیسائی کو یہ نعمت نہ بخشتا تو آج تمام دنیا کے عیسائی ایسے ہی بت پرست ہوتے جیسے کہ اب تک رومن کیتہلک فرقہ کے لوگ بت پرست ہیں اور حضرت مسیح کی مجسم مورت صلیب پر لٹکی ہوئی کے آگے سجدہ کرتے ہیں پس عیسائی مذہب پر یہ کتنا بڑا احسان اسلام کا ہے۔

چونکہ درحقیقت لوتہر مقدس نے مذہب اسلام سے یہ ہدایت پائی تہی اس لئے اُسکے مخالف علانیہ اُسپر یہ الزام لگاتے تہے کہ وہ دل سے مسلمان تہا۔ تاہم اُسنے اپنی کوششونکو

---

[1] جیسے ہارڈ نے یورپ کی طرف سے جرمنی کے ریفارمروں کے اور خصوصاً لوتہر مقدس کے ذمہ یہ الزام لگایا تہا کہ وہ عیسائیوں میں مذہب اسلام کو جاری کرنے اور تمام پادریوں کو اُس مذہب میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مراکسی کی یہ رائے ہے کہ مذہب اسلام میں اور لوتہر کے عقیدہ میں کچہہ بہت فرق نہیں ہے۔ چنانچہ دونوں کا جوش بت پرستی کے برخلاف ہے اُسپر غور کرو۔ مارٹنیس الفانسس و والڈس کہتا ہے کہ تیرہ نشانیاں اس بات کے ثابت کرنیکو موجود ہیں کہ اسلام میں اور لوتہر کے مذہب میں ایک رتی بہر کا بہی تفاوت نہیں ہے۔ حضرت محمد نے بہی انہی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ تمد (یعنی پیروان لوتہر) کرتے ہیں۔ انہوں نے (یعنی حضرت محمد نے) روزوں کا وقت تبدیل کردیا

نہیں چھوڑا اور آخر کار اُس عظیم الشان اصلاح کرنے پر کامیاب ہوا جو عموماً مذہب پروٹسٹنٹ یا رفارمیشن کے نام سے مشہور ہے اور طبیعت انسانی کو تمام غلامیوں کی بدترین غلامی سے (جو ایک مرشدانہ غلامی تھی) آزاد کردیا۔ ہمکو یقین ہے کہ اگر لوتھر مقدس اور زندہ رہتے تو ضرور وہ مسئلہ تثلیث کے بھی مخالف ہوتے اور اسلام کی ہدایت سے خدا کی وحدانیت کے مسئلہ کو بھی جو درحقیقت حضرت عیسیٰ نے بھی یہی مسئلہ تلقین کیا تھا لوگوں میں پھیلاتے اور آخر اُس نبی آخرالزماں پر یقین کرتے جسنے ایسی ایسی بڑی غلطیوں سے عیسائی مذہب کو بچایا تھا۔ پس مذہب عیسوی کو ہمیشہ اسلام کا احسانمند رہنا چاہیے ۔

متعلق صفحہ ۳۲۲۔ اور یہ لوگ (یعنی پیروان لوتھر) تمام روزوں سے نفرت کرتے ہیں (ایک شخص نے اُسکی تائید میں یہ کہا تھا کہ قرآن میں بھی روزوں کی چنداں تاکید نہیں ہے بلکہ بعوض روزہ کے غریبوں کو کھانا کھلا دینا لکھا ہے ۔ اُسی کی پیروی سے لوتھر نے روزوں سے نفرت اختیار کی تھی۔ پس لوتھر کا مذہب اور اسلام کا مسئلہ درحقیقت ایک ہی تھا) اُنہوں نے اتوار کی جگہ جمعہ کو سبت قرار دیا اور یہ کسی تہوار کو نہیں مانتے (اُسی شخص نے اُسکی تائید میں کہا کہ اسلام نے بھی درحقیقت سبت کا کوئی دن نہیں ٹہرایا وہ جمعہ کو بھی سب کام کرتے ہیں پس اُسی کی پیروی لوتھر نے کی تھی) اُنہوں نے ولیوں کی پرستش کو رد کردیا اور لوتھر کے فرقہ کے لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ حضرت محمد صلعم کسی کو اصطباغ نہیں دیتے تھے اور کا دن بھی اُسکو ضروری نہیں سمجھتا ان دونوں نے طلاق کو جائز رکھا ہے وعلیٰ ہذا القیاس (انتخاب از کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴)

تمت

الخطبۃ الخامسۃ

فی

حالات کتب المسلمین

حسبنا کتاب اللہ

جس زمانہ سے کہ خدا ے مجید کی توحید کے سب سے بڑے مجدد نے لا الہ الا اللہ کا وعظ دیا اُس زمانہ سے تمام مسلمان خداے پاک بیچون و بے نمون پر دلی مضبوطی اور غیر متزلزل اعتقاد اور ایمان رکھنے میں ہمیشہ اور ہر جگہ ممتاز اور سرفراز رہے ہیں اور دینی علوم کی طرف بھی بہت بڑی توجہ کی ہے مگر جب تک کہ خلفاے بنی عباس کی خلافت کو جو بنی امیہ کے بعد ہوئی تھی پوری مضبوطی نہ ہولی مسلمانوں میں دنیاوی علوم و فنون کا رواج جیسا کہ چاہئے ویسا نہوا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے درمیان میں خلفاے عباسیہ کی سرپرستی سے مسلمانوں میں ہر ایک قسم کے علوم و فنون کا چرچا ہوا۔ اُن کے سینہ میں علم کی محبت بھی قرآن مجید کی تصحیح کے شوق کی ہمسری کرنے لگی۔ عرب کے لوگوں کے چال چلن میں بلاشبہہ یہ ایک عجیب و غریب وصف ہے جب اسمٰعیل کی اولاد کو مناسب تحریک ہوئی تو اُنھوں نے ہر قسم کے

علم کی دولت کو بھی اُسی آسانی سے لوٹ لیا جس طرح کہ اُنھوں نے مشرق میں بے مثل فتوحات حاصل کی تھیں۔ اُن کے قلم کی فتوحات بھی اُن کی تلوار کی فتوحات کی مانند معروف و مشہور لیکن اُن سے زیادہ دیرپا ہوئیں۔ پرانی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی موجودہ شائستگی اور روشن دماغی میں مسلمانوں کا مرہون منت ہے۔ کیونکہ یورپ کی مغربی حدود کے مرکز سے علم کی وہ شعاعیں نمودار ہوئیں جنھوں نے خدا تعالیٰ کی کروڑہا مخلوق کے دلوں کو منور کر دیا۔

ایک غیر متعصب عیسائی مصنف کا قول ہے کہ "اگر زیادہ تصحیح سے بیان نہ کیا جاوے تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان نویں صدی سے تیرہویں صدی تک جاہل یورپ کے روشن دماغ معلم بنے ہیں۔ عربی علم حکمت۔ علم طب۔ تاریخ طبعی۔ جغرافیہ۔ تواریخ عام۔ صرف ونحو۔ بلاغت اور دل آویز فن شاعری میں بکثرت تصنیفیں نکل چکی ہیں اور اکثر اُن میں سے تا قیام سلسلہ بنی آدم جاری رہینگی اور اپنے مفید مطالب سے اُن کو فیض بخشینگی"۔

مگر حال کے زمانہ کے نکتہ چینوں کو اگلے زمانہ کے علمائے دین کی تصانیف کے عیب و ہنر جانچنے کے وقت اُن تصانیف کے اصل حالات پر خیال نہیں رہتا۔ اُنکو یہ کہنا چاہئے کہ اُن مصنفوں نے وہ تصنیفیں اُس زمانہ میں کی تھیں جب کہ "علم تحقیق" کے مسلمہ قواعد کا سرے سے وجود بھی نہ تھا۔ اسی وجہ سے جس طرح کہ اُن مصنفوں کے خیالات کی بلند پروازی اور اُن کے استعارات کی وسعت کی کچھ روک ٹوک نہ تھی اسی طرح قواعد ترتیب اور خوش اسلوبی سے اتفاقیہ انحراف کی بھی کوئی چیز اُن کے مانع اور مزاحم نہ تھی۔

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی مصنف کے عیب و ہنر کی نسبت کوئی صحیح رائے قائم نہیں

ہوسکتی ور نہ کسی شخص کو اس کے منشاء کا ٹھیک علم ہو سکتا ہے بجز اُن کے جنکو مصنف کے زمانہ کے قواعد انشا پردازی اور خیالات کے ڈہنگ سے یا اُن امور سے جو کسی نہ کسی طرح اُس مضمون سے جس میں وہ کتاب تصنیف ہوئی ہے علاقہ رکھتے ہیں پوری واقفیت اور کامل مہارت حاصل ہو۔ اسی عدم مہارت اور عدم واقفیت کا سبب ہے کہ غیر ملک کے محققین نے جب ہمارے مذہب کی خوبیوں پر کوئی راے قایم کرنیکا حوصلہ کیا ہے تو اُنہوں نے فاش غلطیاں کی ہیں۔

اسکے سوا اور امور بھی ایسے ہیں جو کسی مصنف کی لیاقت کا صحیح صحیح اندازہ کرتے وقت دہوکے میں ڈالدیتے ہیں۔ مثلاً ایک ہی مصنف کی دو تصنیفوں میں سے ایک تو بہت بڑا اعلیٰ درجہ رکھتی ہے اور دوسری محض بے حقیقت ہوتی ہے اور اُسکا سبب دونوں تصنیفوں کے موضوع کا مختلف ہونا ہوتا ہے۔ محمد اسمٰعیل بخاری مسلمانوں میں بہت بڑا عالم اور مقدس مصنف ہے۔ ایک کتاب اُس کی صحیح بخاری ہے جو بلحاظ اُس حیثیت کے جس حیثیت سے کہ وہ تصنیف ہوئی ہے نہایت معتبر اور مستند خیال کی جاتی ہے گو کہ دوسری حیثیت سے وہ ویسی نہو۔ دوسری کتاب اُسکی تاریخ بخاری ہے جو کچھہ بھی قدر کے لایق نہیں ہے اسکا سبب یہی ہے کہ اُن دونوں کتابوں کی تصنیف کا موضوع مختلف ہے۔ اسی طرح نام کی مشابہت بھی دہوکے میں ڈال دیتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ کتاب کسی شخص کی ہے جو ایک مشہور مصنف ہے حالانکہ وہ اُسکی تصنیف نہیں ہوتی بلکہ اُسکے ہمنام دوسرے شخص کی تصنیف ہوتی ہے۔ کبھی اس طرح پر دہوکا پڑجاتا ہے کہ ایک کتاب میں اُسکے مصنف نے کسی مشہور شخص کی روایتیں کثرت سے نقل کیں لوگوں نے سمجھا کہ وہی مشہور شخص اُسکا مصنف ہے اور اس خیال سے اُس کتاب کو اُس مشہور شخص کی

طرف منسوب کیا اور مستند قرار دیا۔ رفتہ رفتہ اسکی ایسی قدر ہوگئی جس کی کہ وہ ہرگز مستحق نہ تھی جیسیکہ تفسیر ابن عباس کا حال ہے۔

یہ باتیں تو صرف تمہید کی تھیں جنکو ہم لکھ چکے اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ کتب مذہبی کی تصنیف کے فن کا نرالا ڈہنگ جو مسلمانوں نے اختیار کیا تھا سب لوگوں کے ذہن نشین ہوجاوے اور اس مقصد کے لئے مصنفوں نے جو مختلف طریقے دینیات کے متعدد شعبوں مثل حدیث۔ سیر۔ تفسیر۔ فقہ کی کتابوں کی تصنیف میں اختیار کئے ہیں ان کو بیان کریں۔ اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ ہمارے مذہب کے آیندہ نکتہ چینیوں کی ہدایت کے لئے ایک سیدہا رستہ بن جاوے کیونکہ اکثر لوگوں نے جو ہماری دینیات کی کتابوں کے حالات سے ناواقف تھے ہماری کتب دینیات کو دیکھکر نہایت نامزا اور درشت کلمات کہے ہیں اور ان کے بعد جو لوگ گذرے ہیں انہوں نے بھی بار ہا اندہوں کی طرح ان کی تقلید کی ہے۔

اول کتب حدیث

جناب پیغمبر خدا اور صحابہ کرام اور نیز تابعین کے زمانہ میں حدیثوں کے قلمبند نہونیکی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ اس زمانہ میں لوگوں کو اسکی چنداں ضرورت نہ تھی اور اگر ٹھیک ٹھیک اور اصلی وجہ بیان کیجاوے تو یہ تھی کہ حدیثوں کے لکھنے اور جمع کرنے کے اکثر صحابہ کرام شدید مخالف تھے اور ہمارے نزدیک انہیں صحابہ کرام کی رائے نہایت صحیح اور بہت درست تھی۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں فن تصنیف عرب میں محض ایک ابتدائی حالت میں تھا اور عموماً قوت حافظہ ایسی باتوں کے لیے حافظہ بہترین مخزن خیال کیا جاتا تھا۔ ان اسباب سے نبوت سے

دو سو برس تک از ہجرت سے دو سو برس کے قریب تک حدیثوں کا قلمبند ہونا ٹل ہیں
نہیں آیا تھا۔ جب حدیثوں کا لکھنا شروع ہوا تو اس وقت یہ مشکل پیش آئی کہ مختلف سببوں سے
احادیث موضوعہ جو صحیح حدیثوں میں مخلوط ہو گئی تھیں ایک مدت زمانہ کے بعد صحیح حدیثوں کو موضوع
حدیثوں سے تمیز کرنا ایک امر دشوار معلوم ہوا۔ تاہم بہت سے شخصوں نے جن کی استعداد
درجہ اعلیٰ درجہ کی تھی اس مشکل کام یعنی صحیح حدیثوں کو موضوع حدیثوں سے علیحدہ کرنے
کو بخوبی اپنے ذمہ لیا اور اپنے کام میں بہت کچھ کامیابی حاصل کی۔

ان علماء نے جو محدثین کہلاتے ہیں حدیثوں کے اعتبار کا اندازہ کرنے کو چند قواعد
قرار دیئے جن کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

اول۔ حدیث کے ہر ایک راوی کو جملہ راویوں کے نام جن کے ذریعہ سے اس کو حدیث
پہونچی ہو سلسلہ وار پیغمبر خدا تک یا جہاں تک وہ جانتا ہو بتلا دینا لازمی قرار دیا۔

دوم۔ یہ امر ضروری قرار دیا کہ خود راوی اور نیز وہ سب لوگ جن کے ذریعہ سے
سلسلہ وار وہ حدیث اس تک پہونچی ہو راست گو اور معتبر ہوں۔ اگر اس سلسلہ راویان
میں سے ایک راوی بھی ایسا نہ خیال کیا جاتا تو وہ حدیث معتبر نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ سلسلہ
حدیث سے خارج کر دی جاتی تھی۔

سوم۔ حدیثوں کے لکھنے کے وقت اس بات کو بھی لازمی کیا تھا کہ جملہ راویوں کے
نام جن تک اس حدیث کا سلسلہ پہونچتا ہے حدیث کے ساتھ لکھ دیئے جاویں۔ تاکہ اگر
ان راویوں کے عام چال چلن کی بابت اور لوگوں کو کسی قسم کی آگاہی ہو تو اس سے مطلع
کر دیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ وہ راوی کس درجہ تک اعتبار کے لایق ہے۔

چہارم۔ مذکورۂ بالا قواعد کے سوا بعض محدثین نے اپنی تصنیفات میں حدیثوں کے

درجہ اعتبار کے تقلید کرنے کی رسم اختیار کی تھی۔

جملہ حدیثیں مختلف اوقات میں ان اصولوں پر لکھی گئی تھیں رفتہ رفتہ کتب احادیث کی اسقدر کثرت ہوگئی ہے کہ اگر سب کی سب ایک جگہ جمع کی جاویں تو ان کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجانے کو اونٹوں کی ضرورت ہو۔ ان بیشمار کتب احادیث میں سے کتب مندرجہ ذیل بمقابلہ اوروں کے زیادہ مستند ہیں۔

(۱) صحیح بخاری[1] (۲) صحیح مسلم (۳) ترمذی (۴) ابوداؤد (۵) نسائی (۶) ابن ماجہ (۷) موطا امام مالک۔

---

[1] محمد اسمٰعیل بخاری ۱۹۴ ہجری مطابق ۸۱۰ء میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ ہجری مطابق ۸۷۰ء میں انتقال فرمایا۔

مسلم ۲۰۴ ہجری مطابق ۸۱۹ء میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ ہجری مطابق ۸۷۵ء میں انتقال فرمایا۔

ابوعیسیٰ محمد ترمذی ۲۰۹ ہجری مطابق ۸۲۴ء میں پیدا ہوئے اور ۲۷۹ ہجری مطابق ۸۹۲ء میں انتقال فرمایا۔

ابوداؤد ۲۰۲ ہجری مطابق ۸۱۷ء میں پیدا ہوئے اور ۲۷۵ ہجری مطابق ۸۸۸ء میں انتقال فرمایا۔

ابوعبدالرحمن احمد نسائی نے ۳۰۳ ہجری مطابق ۹۱۵ء میں انتقال فرمایا۔

ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ نے ۲۷۳ ہجری مطابق ۸۸۶ء میں انتقال فرمایا۔

امام مالک ۹۵ ہجری مطابق ۷۱۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ ہجری مطابق ۷۹۵ء میں انتقال فرمایا۔

ابو عبد الرحمن نے احمد نسائی سے پوچھا کہ تیری کتاب کی سب حدیثیں صحیح ہیں تو اُس نے انکار کیا۔ صراط المستقیم میں لکھا ہے کہ "از وے پرسیدند کہ کتاب سنن تو ہمہ صحیح است گفت لا"۔

ان کتب احادیث کی اور کتابوں پر ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں وہی حدیثیں منقول ہیں جو حتی الامکان صرف معتبر اشخاص سے مروی ہوئی ہیں اور اور کتب احادیث میں یہ قید نہیں ہے مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس طرح کُتب مذکورہ بالا میں بعض مشتبہ یا موضوع حدیثوں کے ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے اسی طرح اور کتب حدیث میں بعض احادیث صحیح کا ہونا بھی ممکن ہے۔

مگر پہلی قسم کی کتابوں کے استناد کی نسبت یہ درجہ اشتباہ کا ایسا ضعیف ہے کہ علماء کو اُنپر اعتماد کامل رکھنے سے (بشرطیکہ وہ اعتقاد صرف مذہبی بنا پر نہو) تاوقتیکہ اُن کی تکذیب میں کوئی صریح دلیل نہ پیش ہو باز نہیں رکھتا۔ مگر دوسری قسم کی کتابوں کی نسبت یہ اعتقاد نہیں ہے۔ جو حدیثیں کہ اُن میں منقول ہیں وہ جب ہی قابل اعتبار خیال کی جاتی ہیں کہ اُنکی صحت کے لئے کوئی شہادت موجود ہو یا اُن کے نامعتبر ہونے کے لئے کوئی دلیل نہو۔

جس زمانہ میں یہ کتب حدیث زبانی روایتوں سے لکھی گئی تھیں راویوں نے اس بات کا التزام نہیں کیا (اور یقیناً ویسا کرنا ہی ناممکن تھا) کہ وہی الفاظ بجنسہ جو پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے نکلے تھے بیان کریں بلکہ اپنے الفاظ میں پیغمبر خدا کا مدعا ادا کرتے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کوشش کسی حدیث کے مخصوص الفاظ کے معنی معین کرنے سے بعض احکام یا واقعات کے قایم کرنے میں کی جاوے اُس میں بڑی احتیاط

چاہئے کیونکہ ہمکو اطمینان کامل نہیں ہے کہ درحقیقت جناب پیغمبر خدا نے انہیں الفاظ کو استعمال کیا تہا

بہت سی حدیثیں ایک ہی باب میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پس اُن میں سے ایک کو صحیح مان لینا اور باقیوں کو غلط بہت مشکل کام ہے۔ اس مشکل کے حل کرنیکو عالموں نے چند قواعد وضع کئے ہیں اور اُن کا نام اصول علم حدیث رکہا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض اُن میں سے کسی خاص حالت میں اس مدعا کے انجام دینے کے لئے وضع کئے گئے ہیں قاصر ہوں۔

تمام بیہودہ قسم کی حدیثیں مشتبہ خیال کی گئی ہیں اور ایسی حدیثیں جو مطالب قرآن مجید سے متناقض ہیں غلط قرار دینے کے لائق ہیں۔ جس طرح کہ حضرت عائشہ نے حدیث "سماع موتی" کی نسبت کیا تہا۔ کیونکہ وہ حدیث قرآن مجید کے اس بیان سے بالکل مخالف تہی "وما انت بمسمع من فی القبور" حضرت عائشہ کے اس قول سے ہر ایک مسلمان واقف ہے۔

ایسے لوگ جو بہ کثرت حدیثیں بیان کرتے تہے صرف اُن کی کثیر الروایت ہونیکی وجہ سے اُنکی روایتوں کی صحت میں کلام ہوتا تہا اور اگر کسی شخص کی روایت کی ہوئی کوئی حدیث غلط ثابت ہوجاتی تہی تو اُسکی اور تمام روایتوں کے مشتبہ ہونے کے لئے کافی ثبوت سمجہا جاتا تہا اسی لئے راویوں کے باب میں بہت سی کتابیں اسماء الرجال کی مرتب ہوئیں تاکہ معتبر اور غیر معتبر راویوں کا حال معلوم ہوجائے مجدالدین فیروزآبادی نے جو ایک مشہور محدث اور بہت بڑا عالم ہے اپنی کتاب مسمی بہ سفر السعادت میں ترانوے مضمون شمار کئے ہیں اور بیان کیا ہے کہ تمام حدیثیں جو ان مضمونوں میں سے کسی مضمون کے

کے باب میں ہوں سب غیر معتبر ہیں علاوہ اسکے اور بہت سے ذی لیاقت محدثین نے احادیث موضوعہ پر بحث کی ہے اور کتابیں لکھی ہیں -

پس اُن لوگوں کو جو ہمارے دین کے اصول پر رائے دینا یا ہمارے علمار نے جو واقعات سیر اُن کتابوں میں لکھے ہیں اُنپر یا ہمارے دین کے مختلف مسائل پر بحث کرنا چاہیں تو اُنکو اپنی رائے اور خیال کی تائید میں صرف اُن حدیثوں کے حوالہ دینے پر اکتفا کرنا نہیں چاہیے جنکا اوپر ذکر ہوا - بلکہ مثل ایک محقق کے سب سے پہلے اُس ذریعہ کے صدق وصحت کی تحقیق کرنی چاہیے جہاں سے وہ حدیثیں پہنچی ہوں -

ان ضروری اصول کی فراموشی یا ناواقفیت کی وجہ سے غیر ملک کے بعضے مصنفوں سے (شاید ناوانستہ) جناب پیغمبر خدا کی سوانح عمری یا تاریخ لکھتے وقت بڑی ناانصافی کا جرم سرزد ہوا ہے - علی الخصوص اُسوقت جبکہ باقاعدہ اور غیر متعصبانہ تحقیق کی جائز دلیلوں کے عوض اُنہوں نے اپنی نالائقی سے ٹھیک تضحیک اور ہجو اختیار کی ہے -

دوم کُتب سیر

مصنفین کتب احادیث نے تو یہ بھی خیال کیا تھا کہ جس مضمون پر وہ کتابیں لکھتے ہیں اور حدیثیں جمع کرتے ہیں اُنکو مذہب سے تعلق ہے اور وہ مذہبی مسائل کی بنا قرار پاوینگی اور اُنکی بنیاد پر بے انتہا مسائل اور جدید عقائد اور مناظرات مذہبی پیدا ہونگے - اگر اُنمیں احتیاط نہ کی جاوے تو مذہب اسلام کو نقصان پہنچے گا - اسی خیال سے اُنہوں نے راویوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر نہایت کوشش کی اور جسکو معتبر سمجھا اُس کی روایت لکھی مگر اہل سیر نے سیر کی کتابیں تصنیف کرتے وقت اُسکا کچھ خیال نہیں کیا

کیونکہ اُن کو اس قسم کا مطلق اندیشہ نہ تھا اور کبھی اُنکو یہ خیال نہیں تھا کہ اُن کی لکھی ہوئی کتابیں
کسی عقیدہ یا مذہبی مسئلہ کی بنیاد قرار پاویگی اور مذہبی اختلافات اور بدعات کا مادہ ہونگی
اسلئے اُنہوں نے مثل اہل حدیث کے اُن مضامین کی صحت پر جو اُنہوں نے اُس
میں لکھے اور اُن راویوں کے اعتبار پر جن سے وہ حالات اُنکو پہونچے بہت ہی کم التفات
کیا۔ اُن کی تحریرات کا سب سے بڑا خزانہ زبانی روایتیں تہیں۔ جس کسی نے جو قصہ
اُن سے بیان کیا اُنہوں نے نہایت اشتیاق سے اُسکو سُنا اور اُس قصہ کی اصلیت
اور راوی کے چال چلن کی نسبت ذرا بھی تفتیش نہیں کی اور اُس قصہ کو اپنی کتاب میں لکھ لیا
ان مصنفوں کی غرض نہ تو کسی قصہ کی تصدیق تہی اور نہ کسی روایت کی اصلیت
کی تحقیق بلکہ اُن کا مقصد یہ تہا کہ جو کچھ ہر ایک واقع کی نسبت مشہور اور زبان زد ہے اُس
کو لکھیں اور ایک جگہ جمع کردیں اور اُن قصوں کی صحت یا لغویت کی چھان بین پڑہنے
والے کی جانفشان تحقیق اور رائے پر چھوڑ دیں۔ یہ رسم بہت جلد عام ہو گئی۔ اول
اول تو راویوں کے نام بھی لکھے گئے اور پھر رفتہ رفتہ راویوں کے نام لکھنے کو بھی
متروک کر دیا۔ ان کتابوں میں اکثر ایسی روایتیں بہی مندرج ہیں جن کے راوی مصنف
کے زمانہ سے بہت پہلے گذر چکے تھے اور کچھ پتا نہیں معلوم ہوتا کہ مصنف نے کس
طرح اس روایت کو اپنی کتاب میں لکھدیا۔ ان کتابوں میں اکثر انبیاے سابقین کے
قصے بھی مندرج ہیں اور وہ وہی قصے ہیں جو ایک زمانہ میں یہودیوں میں مشہور
اور زبان زد تھے اور جن کی اصلیت بالکل محض تاریکی میں ڈوبی ہوئی تہی اور اُنکا رتبہ
دیو و پری کے قصوں سے کچھ زیادہ نہ تہا اسلئے مسلمانوں کے جملہ علوم میں سے وہ
علم جو سب سے زیادہ غور اور تحقیق کا محتاج ہے وہ علم سیر ہے اور جس پر تمام علماء

کو نہایت عمیق توجہ کرنی لازم ہے۔

پس اُن کتابوں کو صرف یہ امر کہ وہ مشہور اور معروف علماے سابقین کی تصنیفات سے ہیں اعتبار کا مستحق نہیں کرتا ہے۔ مذہب اسلام پر نکتہ چینی کرنے والونکو اُن کے اعتبار کو بلحاظ اس اصول کے جس پر خود اُن کے مصنفوں نے انکو تصنیف کیا ہے ساقط سمجھنا چاہیے اور جب تک کہ اُن کتابوں کی مندرجہ روایات کی صحت فی نفسہ ثابت ہوئے اور اصول تحقیقات سے انپر طمانیت نہ ہوئے اُن روایتونکا اُن کتابوں میں مندرج ہونا اعتبار کے لئے کافی نہیں ہے۔

ان وجوہ سے تاریخ محمد اسمعیل بخاری۔ تاریخ محمد جریر طبری۔ سیرت ابن سعد کاتب الواقدی اور دیگر علمار متبحر کی مشہور ومعروف تصنیفیں جیسے مدارج النبوت۔ قصص الانبیاء۔ معراج نامہ۔ شہادت نامہ۔ مولدنامہ وغیرہ اور اور اسی قسم کی کتابیں سب کی سب یکساں حالت میں ہیں۔

ہمارے جناب پیغمبر خدا کی سوانح عمری لکھنے میں اور کتب سیر سے اُن حالات کو منتخب کرنے میں یورپین مصنفوں نے اسقدر متحملانہ تحقیقات کو اختیار نہیں کیا ہے جو اس مضمون کی عظمت کے شایان ہے بلکہ برخلاف اسکے ازراہ تعصب اور بغض کے اُنہوں نے دیدہ و دانستہ اس روشنی سے آنکھ چرائی ہے جسکی شعاعیں اُن کے چہرہ پر پڑرہی تھیں اور اس طرح پر اُنہوں نے اپنے حق میں اس مثل کی تصدیق کی ہے کہ "کوئی شخص ایسا اندھا نہیں ہے جیسے کہ وہ لوگ جو ارادتاً نہیں دیکھتے"

سوم کتب تفسیر

اکثر لائق شخصوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ بعض نے اسکے بلاغت اور

فصاحت آمیز کلام اور خوبصورت اور بے نظیر طرز بیان کی تفسیر کی ہے۔ بعض نے اُس کے پڑھنے کا خاص طریقہ معہ قرارت اور لہجہ کے بتلایا ہے۔ بعضوں نے صرف آیات احکام کی جو قرآن مجید میں ہیں تفسیر کی ہے۔ بعض نے اپنا وقت اور اپنی محنت آیات کے شان نزول دریافت کرنے میں صرف کی ہے۔ بعض نے اپنی تفسیروں میں واعظین کے لئے دلچسپ اور عجیب وغریب دحمقار کے خوش کرنے کے لئے دور از عقل وقیاس مضامین جو یہودیوں کے ہاں مروج تھے جمع کردیئے ہیں۔ بعضوں نے ایسی تفسیریں لکھی ہیں جو ان تمام مضامین پر حاوی ہیں۔

ان مفسرین نے اپنی تفسیریں لکھنے میں کتب سیر اور احادیث کی طرف رجوع کیا تھا جنکا بیان ہم ابھی کرچکے ہیں۔ یہ بات نہایت افسوس کے قابل ہے کہ یہ مفسرین اُن بیشمار جھوٹی روایتوں اور مصنوعی قصوں ہی کو جنکا موجود ہونا اُن کتابوں میں ابھی بیان ہوچکا ہے کام میں نہیں لائے۔ بلکہ ایسی روایتیں اور حدیثیں بھی اُنہوں نے اپنی تفسیروں میں لکھدیں جو صرف اُنہیں تفسیروں میں پائی جاتی ہیں۔

حدیث کی کتابوں میں بھی جو بعض حیثیات سے درجہ اعتبار کا رکھتی ہیں اور جو صحاح ستہ یا صحاح سبعہ کے نام سے مشہور ہیں اور جن کے نام ہم اوپر لکھ آئے ہیں قرآن مجید کی تفسیر کے لئے خاص ابواب مخصوص ہیں جو کتاب التفسیر کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں اگر اُن کل کتابوں کے مضامین کو جو قرآن مجید کی تفسیر سے متعلق ہیں ایک جگہ جمع کیا جائے تو معدودے چند صفحوں سے زیادہ نہ ہونگے۔ مگر مفسرین نے نہایت موٹی موٹی جلدیں ایسی بیہودہ اور نامعتبر روایتوں سے بھر لی ہیں جنکو دیکھکر تعجب ہوتا ہے غرضکہ ایسی تفسیریں اور علی الخصوص وہ جو واعظین کے فائدہ کے لئے

لکھی گئی ہیں اور جن میں خیالی اور بیہودہ قصے انبیاء علیہم السلام کے بھرے ہوئے ہیں اور
ملائک اور بہشت اور دوزخ اور اُن کے اوصاف وخواص کے بیان کرنیکا دعویٰ کرتے
ہیں اور کتب سیر سے خلاف قیاس بیانات کو پیش کرتے ہیں سراسر غیر معتبر روایات
سے مملو ہیں اور وہ روایتیں صرف یہودیوں کے ان جاری تہیں مگر خود مذہب یہود میں
انکے معتبر ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ ان تفسیروں میں اکثر ایسی روایتیں بھی
موجود ہیں جو علماء دین کی طرف منسوب کی گئی ہیں مگر اس امر کا تحقیق کرنا کہ وہ روایتیں درحقیقت
انہیں عالموں کی روایتیں ہیں ایسا ہی مشکل ہے جیسے کہ اس بات کا دریافت کرنا کہ وہ
روایتیں ان مفسرین تک کیونکر پہونچیں۔

ان تفسیروں کے وہ حصے جن میں قرآن شریف کی بلاغت اور فصاحت اور اس
کے طرز بیان کی خوبصورتی اور اُسکی قرأت کے خاص لہجوں کا بیان ہے بلاشبہ نہایت
عمدہ اور قابل قدر کے ہیں مگر ان حصوں کے سوا تمام روایتیں اور قصے جو ان تفسیروں
میں شامل ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کیونکہ وہ مثل سچے اور جھوٹے موتیوں کے باہم مخلوط ہیں
اور یہ کام خریدار کا ہے کہ اُن میں سے سچے موتیوں کو منتخب کرے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ جو
بدون مناسب چھان بین اور کافی تحقیقات کے کسی ایسی تفسیر کے قصوں کا حوالہ دے
کر ہمارے پاک مذہب پر خوردہ گیری اور عیب چینی کی بنیاد قائم کرنا ہے جیسے کہ اکثر یورپ
کے مصنفین نے کیا ہے وہ نہایت غلطی اور دہوکہ میں پڑتا ہے۔

غرضکہ یہ تینوں قسم کی کتابیں جنکا اوپر ذکر ہوا مذہبی امور پر لکھنے والے اور بحث کرنے
والے کے لئے نہایت بیش بہا اور نہایت بیقدر مادہ کو آن واحد میں جمع کرتی ہیں علماء محققین
اسلام نے بہت سے طریقے اختیار کئے ہیں جن کے وسیلہ سے وہ اس مخلوط مادہ سے

مستدبہ فائدہ اٹھاتے ہیں مگر یورپ کے مصنفین اُس سے محروم ہیں۔

اکثر عالم ایسے گذرے ہیں جو خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں اپنی نیک دلی سے نہایت سچا اور مضبوط اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنی قدرت کاملہ سے ہر ایک امر کر دینے کا پورا اختیار ہے گو وہ کام عقل اور قوانین قدرت کی رو سے کیسے ہی متناقض کیوں نہوں۔ اس مسئلہ کا انکو ایسا ہی دلی اعتقاد ہے کہ جو کوشش اُن کے اس اعتقاد کے سست اور متزلزل کرنے میں کیجائے وہ یقیناً ناکام ہوگی۔ وہ ہر حجت اور دلیل کے سننے سے یا اُسپر ذرا سے بھی غور کرنے سے جو اُن کے دلنشین عقیدہ کے مخالف ہو ضد سے انکار کئے جائینگے۔ ایسے سادہ مزاج اور صاف باطن آدمیونکو بہشتی آدمیوں کا لقب دیا گیا ہے "کما قیل اهل الجنة بلہ" ان مقدس اور بزرگوار لوگوں نے اپنی تصنیفات میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ بلا کسی تمیز کے جملہ روایتوں کو معتبر خیال کرتے ہیں اور ہر واقعہ کو جو اُس میں مندرج ہے صحیح سمجھتے ہیں یہانتک کہ اگر کوئی روایت مختلف صورتوں میں اُنکے پاس پہونچے یا ایک ہی واقعہ کی نسبت متعدد روایتیں جو آپس میں متناقض ہوں اُن تک پہنچیں تو وہ اُنکو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ واقعہ متعدد دفعہ اور متعدد صورتوں میں واقع ہوا ہوگا جن کا الگ الگ بیان ہر ایک روایت میں ہے۔

پس ایسے لوگوں کی تصنیفات جنہوں نے تحقیق اور کامل غور و فکر کے ساتھ اُس مضمون کو نہیں لکھا ہے بلکہ اندھا دھندی سے مذہبی جوش و حرارت کی بنا پر لکھ ڈالا ہے غیر ملک کے اُن علماء کی نکتہ چینی کے قابل نہیں ہے جو اپنے دلائل کو اُن کتابوں کی روایات مندرجہ پر مبنی کرکے اُن سے ایسے نتائج مستنبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو مذہب

اسلام کے حق میں مضر ہوں۔

اقسام مذکورہ بالا کے سوا ایک اور قسم کی کتابیں بھی ہیں جو محض اُن لوگوں کے لئے لکھی گئی تھیں جو مذہب اسلام پر بغیر کسی وسوسہ کے قوی اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ کتابیں اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ اُن لوگوں کا مذہبی اعتقاد زیادہ ہو اور اُنکی حرارت مذہبی زیادہ مشتعل ہو جائے جیسی کتاب شفاء قاضی عیاض ہے جس کی سند پر ہم اُسی کتاب سے عبارت پیش کرتے ہیں۔

قال القاضی ابوالفضل حسب المتامل ان یحقق ان کتابنا ھذا لم نجمعہ لمنکر نبوۃ نبینا ولا لطاعن فی معجزاتہ فنحتاج الی نصب البراھین علیھا وتحصین حوزتھا حتی لا یتوصل المطاعن الیھا ونذکر شروط المعجزۃ والتحدی وحدہ وفساد قول من ابطل نسخ الشرایع وردہ بل الفناہ لاھل ملتہ الملبین لدعوتہ والمصدقین لنبوتہ لیکون تاکیداً فی محبتھم ومنماۃ لاعمالھم ولیزدادوا ایماناً مع ایمانھم۔

ان مصنفین نے اپنی تصنیفات میں واقعات کا ذکر بلا تمیز اُن کی صحت اور عدم صحت کے اور بدون کوشش اُن واقعات کے اصلی معنی دریافت کرنے کے کیا ہے۔ پس اگر کوئی محقق نکتہ چیں اپنی دلیل کو کسی جھوٹی روایت پر جو ایسی کتاب میں منقول ہوں مبنی کرتا ہے تو وہ ایمانداری اور راست بازی سے ہمارے مذہب کی تحقیق اور تدقیق نہیں کرتا

اسی قسم کے بعض بزرگوار ذی علم لوگوں نے جو اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں اپنی تصنیف کے دائرہ کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ وہ ہر چیز کے امکان کو خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف منسوب کر کے اس بنا پر ہر ایک واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہیں اور اُس کے

وقوع کے امکان کو منطقی دلیلوں سے تائید کرکے اپنے مذہب کے مخالف عیب جینوں کو جواب باصواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ کتابیں درحقیقت ایسی مصحح اور مدلل لکھی گئی ہیں کہ کوئی شخص جو کسی مذہب کو مانتا ہو اور مذہبی معجزات کا قائل ہو کسی عقیدہ مندرجہ کتب مذکورہ پر بدون اسکے کہ اپنے مذہب کو بھی ویسے ہی الزامات اور اعتراضات کا مورد بناوے حرف گیری نہیں کرسکتا۔

لیکن اُس شخص کے نزدیک جو قوانین قدرت کے برخلاف کسی امر کے ہونے پر اعتقاد نہیں رکھتا اور وحی اور الہام کو بھی نہیں مانتا ان کتابوں کی دلیلیں جن کی نصف کی بنار مذہب کے اوپر ہے اُس آدمی کی مانند ہیں جس کی صرف ایک ٹانگ ہو اور چلنے پھرنے سے عاری ہو۔

اُن علمار نے جو اوروں کی نسبت زیادہ ذی علم تھے اپنی تصانیف میں ایک فلسفیانہ قاعدہ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہے کہ مذہب علم سے مطابقت رکھتا ہے اُنھوں نے ہر روایت کی صحت کی تحقیق کی ہے اور ہر ایک لفظ کے معنوں پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان علمار فلسفی میں سب سے پچھلے خیال کئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ ایسی تصنیفات جیسی کہ ان کی ہیں کچھ زیادہ مطبوع اور مروج نہ ہوئیں۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ اُن کے مضامین عام لوگوں کے احاطہ فہم و ادراک سے باہر ہیں اور کچھ اس سبب سے کہ وہ اُن بزرگوار مصنفوں کے مطبوع خاطر نہیں ہیں جو عقائد مذہبی پر فلسفی دلیلیں لانے پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ مذہب کے ثبوت پر حکمت سے استمداد کیجائے۔

پہلی قسم کے علماء کو جنہوں نے اپنے مذہب کے واسطے فلسفی دلائل پیش کرنے میں جانفشانی کی ہے دوسری قسم کے علماء انکو دین حق کا دشمن قرار دیتے ہیں اور اُن کو گمراہ کہتے ہیں جس اتہام سے خود شاہ ولی اللہ صاحب بھی نہیں بچے۔

لیکن ان کتابوں میں ایک اور نقص بھی پایا جاتا ہے یعنی وہ دلیلیں جو اُن میں مستعمل ہوئی ہیں فلسفہ قدیم کے اصول پر مبنی ہیں جن میں سے اکثر تو رواج سے ساقط یا غلط ثابت ہوگئی ہیں یا علوم جدیدہ میں مختلف طور پر بیان ہوئی ہیں۔ مگر یہ نقص صرف علمائے دین اسلام ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور مذہبوں کے عالموں میں بھی جو دین کی بحث اصول فلسفہ پر کرتے ہیں موجود ہے۔ اسلئے ہر مذہب وملت کے عالموں کا جو اُس کو پاک اور بے لوث رکھنا چاہتے ہیں یہ فرض ہے کہ اُن کتابوں کی جو فلسفہ قدیم کے اصول پر لکھی گئی ہیں نظر ثانی کریں اور فلسفہ جدیدہ کے اصول پر نئی کتابیں لکھیں اور اپنے مذہب کے اصول کو اصول قانون قدرت کے مطابق بحث کرنے کے قابل کریں۔

چہارم کتب فقہ

جبکہ حدیثوں کا یہ حال تھا جو ہمنے اوپر بیان کیا تو اُن لوگوں کا کام جنہوں نے احکام شرعی کو مستنبط کرنا چاہا نہایت ہی مشکل تھا اور جبکہ کتب حدیث لکھی جا چکیں اُسوقت یہ کام اور بھی زیادہ مشکل ہوگیا جو عالم کہ سب سے زیادہ لائق تھا اُس نے صرف قرآن مجید[1] کو اپنا رہنما سمجھا جس کی صحت وصداقت علی العموم مسلم تھی اور اور بڑے بڑے

[1] جناب پیغمبر خدا کے زمانہ میں قرآن مجید جیسا کہ بالفعل موجود ہے تمام وکمال یکجا لکھا ہوا نہ تھا بلکہ وہ علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں میں لکھا ہوا تھا اور کچھ آیتیں ایسی تھیں جو صرف لوگوں کو یاد تھیں اور بعض آدمی ایسے بھی تھے جنکو

عالموں نے جو مجتہد کہلاتے ہیں قرآن اور احادیث کو جو دستیاب ہوئیں اور کچھ شک نہیں جو افادہ ظن سے زیادہ اور کوئی بات اُن سے حاصل نہ ہوتی تھی احکام شرع کے لئے ماخذ قرار دیا۔ اول قرآن مجید کو اور بعد اُسکے اُن حدیثوں کو جنکی صحت پر اُن لوگونکو یقین تھا جنھوں نے اُن کو جمع کیا تھا درجہ دیا جاتا تھا اُسکے بعد صحابہ کے اقوال اور کاموں کو اور بعض عالم تابعین کے اقوال اور کاموں کو بھی اس کام کے لئے فائدہ مند خیال کرتے تھے جو لوگ کہ اس کام پر متوجہ ہوئے مجتہد اور فقیہہ اُن کا لقب تھا۔ اکثر ایسی صورتیں بھی فقہاے اسلام کے سامنے پیش کی گئیں یا درحقیقت واقع ہوئیں جو قرآن مجید یا احادیث میں نہیں پائی گئیں اور اسیوجہ سے بادی النظر میں کوئی قطعی فیصلہ اُن صورتوں کا قرآن مجید یا کتب حدیث میں نہیں پایا گیا۔ اس مجبوری کی حالت میں فقہاے اسلام نے قرآن مجید اور احادیث میں ایسے اصول کی تلاش کی جو اُن صورتوں پر بھی حاوی ہوں اور خوش قسمتی سے وہ اُس پر کامیاب ہوئے اور الفاظ کے استعمال اور طرز بیان سے اور ایک حکم کہ جو کسی واقعہ میں ہوا تھا اُسکے مشابہ ایک دوسرے واقعہ پر قیاس کرنے سے اُس مطلب کو حاصل کیا۔

ان علماء نے بعض اوقات قرآن مجید کے ایسے حکم کو جو کسی صورت خاص سے متعلق تھا عام ٹھیرایا اور کبھی قرآن مجید کے ایسے حکم میں جو ظاہر میں عام ہوتا تھا مستثنیات قائم کئے۔ انہیں علماء نے بعض ایسے اصول و قواعد منضبط کئے جن پر عمل کرنے سے

تمام و کمال حفظ تھا۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ان لوگوں نے اُن تمام متفرق نسخوں کو ایک جلد جمع کیا جس طرح کہ اب موجودہ حالت قرآن مجید کی ہے اور ان تمام لوگوں نے جنھوں نے اسکا جزو پیغمبر خدا کے زبانی سنا تھا اُس مجموعہ کی صحت اور درستی کو تسلیم کیا۔

عجیب و غریب مقدمات بتائے قرآن مجید اور حدیث سے احکام مستخرج ہو سکیں اور یہ ایک نئی
شناخت علم دین کی علوم دینیہ میں قائم ہوگئی جو بنام اصول فقہ موسوم ہے۔ اسی بنیاد پر انسان
کے تمام افعال کی نسبت احکام استخراج کیے گئے اور اس میں کتابیں لکھی گئیں جو کتب فقہ
کہلاتی ہیں ان کتابوں میں سب سے پہلی کتاب جو فقہ حنفیہ کے اصول پر لکھی گئی
وہ فتاوی عالمگیری ہے جو شہنشاہ عالمگیر کے حکم سے مرتب ہوئی تھی۔ فقہ کی تمام کتابوں
کے مصنفین کا نہایت شکرگذار ہونا چاہیے کہ انہوں نے اسقدر محنت اور جانفشانی سے
ہمکو کہا ہے اور جسقدر تعظیم و اکرام اُن مصنفین کو شایاں ہے اتنی ہی قدر و منزلت اُن
کتابوں کی سزاوار ہے۔ لیکن باستثناے اُن احکامات کے جو خاص قرآن مجید سے جن
میں کچھ شبہہ نہیں ہو سکتا اخذ کیے گئے ہیں اور اُن احکامات کے جو اُن احادیث سے
لیے گئے ہیں جن میں روایتاً اور درایتاً دونوں طرح صحیح اور معتبر ہونے کا ظن غالب ہے
باقی احکامات کو گو کہ فقہا نے قرآن مجید اور احادیث ہی سے مستنبط کیا ہو یہ نہ سمجھنا چاہیے
کہ وہ مثل نصوص صحیحہ کے مذہبی احکام ہیں۔ غیر ملک کے مصنفین اور نکتہ چین محققین نے
ایسے مستخرجہ احکام کو اصلی ارکان دین اسلام سمجھنے میں اکثر مغالطہ کھایا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ ذی لیاقت علماء جنہوں نے اُن احکامات کو اسلام
کے اصول اصلی سے مستخرج کیا ہے بہ نسبت ہمارے بہت بڑے عالم تھے۔ مگر اس اصول پر کہ "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُن میں کچھ خطا نہیں ہے اور وہ سب احکامات
مستخرجہ خطاء و غلطی سے بالکل مبرا ہیں۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری کتب فقہ دو قسم
کے اصول و احکامات سے بھری ہوئی ہیں۔ ایک اُن احکامات اصلی سے جو بغیر کسی شبہہ کے
منصوص ہیں دوسرے وہ جنکو علماء مجتہدین نے مستنبط اور مستخرج کیا ہے اور جو اسی وجہ سے

ممکن الخطا خیال کئے جا سکتے ہیں۔ پس اُن لوگوں کا جو ہمارے احکام شرعی کی تحقیق و تدقیق کرنا چاہیں فرض ہے کہ اول قسم کے احکام کو دوسری قسم کے احکام سے تمیز کریں کیونکہ اگر دوسری قسم کے احکام میں کوئی نقص پایا جائے تو اُسکو مذہب اسلام پر عائد کرنا نہیں چاہیئے بلکہ اُسکا الزام اُس عالم کے سر پر ہے جسنے اُن احکامات کو استخراج کیا ہے اور جو مذہب اسلام کے ایک فقیہہ ہونے سے کچھ زیادہ رتبہ کا مستحق نہیں ہے۔

مذہب اسلام میں جو چار بڑے بڑے فقیہہ اور مجتہد گذرے ہیں جنکی تمام مسلمان پیروی کرتے ہیں اُنکی بھی یہی رائے ہے۔

قال الشیخ عبدالوہاب الشعرانی فی الیواقیت کان ابو حنیفہ رحمہ اللہ اذا افتی یقول ہذا رای النعمان ابن ثابت یعنی نفسہ وہو احسن ما قدرنا علیہ فمن جاء باحسن منہ فہو اولی بالصواب۔

وقال کان الامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ یقول ما من احد الا وہو ماخوذ من کلامہ ومردود علیہ الا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

ثم قال وکان الامام احمد رحمہ اللہ یقول لیس لاحد مع اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام وقال ایضا للرجل لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا ولا الاوزاعی ولا النخعی ولا غیرہم وخذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنۃ وروی الحاکم والبیہقی من الشافعی رحمہ اللہ انہ قال یوما للمزنی یا ابراہیم لا تقلدنی فی کل ما اقول وانظر فی ذلک بنفسک فانہ دین وکان رحمہ اللہ یقول لا حجۃ فی قول احد دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تمت

الخطبة السادسة

فی

الروایات المرویات فی الاسلام

یا ایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالة فتصبحوا علی

ما فعلتم نادمین

مذہب اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور انکے رواج کی ابتدا

تاریخ اسلام کے ابتدا ر زمانہ سے آجتک قرآن مجید شرع محمدی کا لازوال منبع رہا ہے اور ہمیشہ تک رہیگا - ہر مسلمان کا یہ اعتقاد ہے کہ خود جناب پیغمبر خدا ہمیشہ قرآن مجید کے موافق کاربند ہوئے ہیں یعنی جو احکام قرآن مجید میں بہ نص صریح مندرج ہیں خواہ استدلالا اُس سے نکلتے ہیں انہیں کے مطابق عمل فرمایا ہے - یہ اصول ہر قرن میں ملحوظ رہا اور کوئی قول برخلاف قرآن مجید کے تسلیم نہیں کیا گیا - یہی اصول ہمکو حضرت عائشہ نے سکھایا ہے جبکہ انہوں نے سماع موتے کی حدیث کو قرآن مجید کے برخلاف ہونے کی وجہ سے رد کردیا - پس جو حدیث کہ قرآن مجید کے منشار کے متناقض ہو اسکو یک

یک لخت غیر معتبر اور موضوع خیال کرنا چاہیے۔

لیکن جبکہ ہم وحی "غیر متلو" میں بھی یعنی ایسی وحی میں جس کا مطلب آنحضرت پر القا ہوا ہو اور اس مطلب کو آنحضرت نے اپنے لفظوں میں بیان فرمایا ہو جس پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے اعتقاد رکھتے ہیں تو بلاشک ہم پر واجب ہے کہ احادیث نبوی کو جمع کر کے جہانتک ممکن ہو اُنکی تحقیق اور تدقیق کریں۔ مگر جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن مجید کے منشا کے خلاف نہیں ہو سکتی تو ہمکو اس تحقیقات میں معلوم ہوگا کہ صحیح حدیثیں صرف تین قسم کی ہو سکتی ہیں۔ اول وہ جو قرآن مجید کے مطابق ہوں اور اُسکی تائید کرتی ہوں۔ دوسری وہ جن سے قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر ہوتی ہو۔ اور تیسری وہ جو ایسے امور سے متعلق ہوں جنکا قرآن مجید میں کچھ ذکر نہیں ہے۔

لیکن خود جناب پیغمبر خدا نے ہمکو ہدایت کی ہے کہ سوائے قرآن مجید کے اُن کا تمام کلام وحی نہیں ہے بلکہ وحی وہی ہے جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتی ہے اور جس کی نسبت خود جناب پیغمبر خدا نے اُن کا وحی سے ہونا بیان فرما دیا ہے یا اُن میں ایسے امور بیان ہیں جو عقائد مذہبی۔ اخلاق۔ عالم عقبیٰ اور روح کے حالات سے علاقہ رکھتے ہیں جنکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ مذکورۂ بالا اقسام کے سوا باقی کلام آنحضرت کا وہ ہے جو نہ تبلیغ رسالت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا اور جسکی نسبت خود آنحضرت نے فرمایا ہے کہ" اسکے سوا کچھ نہیں کہ میں ایک انسان ہوں جب میں

انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من امر — تمکو تمہارے دین کی کسی چیز میں حکم کروں تو اُسکو پکڑ لو اور

دینکم فخذوہ واذا امرتکم بشئ — جب میں تمکو اپنی رائے سے کسی چیز میں حکم کروں تو میں

من رائی فانما انا بشر — بھی انسان ہوں۔

اور حدیث تابیر النخل میں فرمایا ہے کہ میں نے ایک طرح کا گمان کیا تھا اور گمان کرنے میں تم مجھ سے کچھ جھگڑا مت کرو لیکن جب میں تمکو خدا کی طرف سے کوئی بات کہوں تو اسکو پکڑ لو کیونکہ میں خدا پر جھوٹ نہیں کہتا۔

فانی انما ظننت ظنا و
لا تؤاخذونی بالظن ولکن اذا
حدثتکم عن الله شیئا فخذوا
به فانی لن اکذب علی الله۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے جو بیماریوں کا علاج بتایا یا کسی رنگ کے گھوڑے کو پسند یا ناپسند کیا یا کوئی کام آنحضرت نے بطریق عادت کیا نہ بطور عبادت کے یا اتفاقیہ کوئی کام بغیر قصد کے ہو گیا یا آنحضرت کی ایسی باتیں جیسی کہ لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں اور نیز ایسے کام جو سردار کو لشکروں کے معین کرنے اور ان کے لئے نشانیوں کے قرار دینے اور متخاصمین کے درمیان فیصلہ کرنے کے ہیں یہ سب اسی دوسری قسم میں داخل ہیں۔ زید ابن ثابت نے کہا کہ میں آنحضرت کے ہمسایہ میں رہتا تھا پھر جب وحی آتی تھی تو مجھکو یاد فرماتے تھے اور میں اسکو لکھ دیتا تھا۔ پھر جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے تو آنحضرت بھی ہمارے ساتھ اسیکا ذکر کرنے لگتے تھے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے تو ہمارے ساتھ اسیکا ذکر کرنے لگتے تھے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے تو کھانے ہی کا ذکر فرماتے تھے۔ پس سوائے ذکر آخرت کی باقی تمام باتیں تبلیغ رسالت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتیں۔ باایں ہمہ ہم آنحضرت کے تمام افعال و اقوال کا نہایت ادب کرتے ہیں اور انکو مقدس اور نہایت نیک اور پاک اقوال اور افعال سمجھتے ہیں۔ مگر رسالت سے انکو کچھ تعلق نہیں۔

غرضکہ چار قسم کے اقوال آنحضرت کے ایسے ہیں جن پر ہمکو غور کرنی لازمی ہے۔

(۱) اول وہ جو ہمارے دین سے علاقہ رکھتے ہیں (۲) جو جناب پیغمبر خدا کے مخصوص حالات سے علاقہ رکھتے ہیں (۳) ایسے اقوال جو تمام لوگوں کے حالات پر موثر ہیں۔

(۴) وہ احکام جو سیاست ملکی اور انتظام مدنی سے متعلق ہیں۔

ان میں سے پہلی قسم تو کچھ غور طلب نہیں ہے مگر صرف پچھلی تین قسمیں اس قابل ہیں کہ اُن کی نسبت اس قسم کی تحقیق و تدقیق کیجاے کہ کونسی اُن میں کی ازروے وحی کے ہیں اور کونسی اُن میں کی ازروے وحی کے نہیں ہیں اور ہمکو لازم ہے کہ صرف اُنہیں احادیث کو وحی سمجھیں جن کی نسبت ہمکو ویسا سمجھنے کے لئے کافی دلیل و ثبوت ہو۔

اگرچہ جناب پیغمبر خدا نے ہمکو بہ تصریح اُن کے قدم بہ قدم چلنے بلکہ صحابہ اور تابعین کی پیروی کرنیکا حکم دیا ہے مگر یہ حکم محض متعلق بہ معاملات دین سمجھا گیا ہے۔ ہم مسلمانوں نے بھی حتے الامکان مذکورۂ بالا امور میں اُن کی پیروی کی کوشش کی ہے مگر اخیر کے تین امروں کی پیروی کرنے میں اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں یعنی اگر اُنکا وحی سے ہونا ثابت ہو تو اُسکی اطاعت اور پیروی ہمپر فرض ہے اور دوسری صورت میں ہم اپنی خوشی سے عالم عقبیٰ میں ثواب حاصل کرنے اور اپنے پیغمبر کی محبت اور اُنکی تعظیم اور عقیدت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں یا حالات زمانہ اسکے ترک پر ہمکو مجبور کریں تو بغیر اسکے کہ مذہب میں کچھ نقصان عائد ہو یا کسی گناہ کے مرتکب ہوں اُنکو ترک کر سکتے ہیں۔

اسی قسم کے خیالات نے ہمکو جناب پیغمبر خدا کی جملہ احادیث کے جمع کرنے اور اُن کی تحقیق کرنے پر مجبور کیا۔ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں اسلام کی سلطنت جزیرۂ عرب

میں وسیع ہو گئی تھی اور بیشمار لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہر مسلمان کی جناب پیغمبر خدا تک رسائی محال تھی اسلئے جناب پیغمبر خدا کے اقوال اور افعال اور عادات کا علم اُن مسلمانوں تک پہونچانا جو اقطاع دور دراز میں رہتے تھے لازم ہوا اور اسی وجہ سے پیغمبر خدا نے اس امر کو پسند کیا جیسا کہ حدیث ذیل میں مذکور ہے پس اُسی زمانہ سے روایتوں کے بیان کرنے کا رواج ہوا۔

	ابن مسعود کہتے ہیں کہ مینے رسول اللہ صلعم سے سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا اُس
عن ابن مسعود قال سمعت	شخص کو سیراب کرے جس نے مجھسے کوئی بات سنی اور اُسکو
رسول اللہ صلعم یقول نضر اللّٰہ	اُسی طرح دوسروں کو پہنچایا جیسے کہ مجھسے سنا تھا۔ سو اکثر
امرأ سمع منا شیأ فبلغہ کما سمعہ	پہنچائی گئی سننے والے سے زیادہ اُسکو یاد رکھنے والے
فرب مبلغ اوعی لہ من سامع	ہیں۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ
رواہ الدارمی عن ابی الدرداء)

اگرچہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں چند اشخاص بعض متفرق احادیث کو بھی قلمبند کر لیا کرتے تھے اور آنحضرت کی وفات کے بعد سے اس رواج کو زیادہ ترقی ہوتی گئی مگر ان دونوں زمانوں میں یہ رسم اسقدر محدود تھی کہ کسی خاص غور اور توجہ کے لائق نہیں ہے۔ اُس زمانہ میں بہت سے لوگ زندہ موجود تھے جنہوں نے خود جناب پیغمبر خدا کا کلام سُنا تھا اور جو ایسے نہ تھے اُنکو جناب پیغمبر خدا کے اقوال اور افعال اور عادات کی نہایت آسانی سے واقفیت ہو سکتی تھی اور اسلئے احادیث کے جمع کرنیکی چنداں ضرورت نہ تھی۔

مگر رفتہ رفتہ جبکہ وہ سن رسیدہ آدمی جنہوں نے جناب پیغمبر خدا کا زمانہ دیکھا تھا یکے بعد دیگرے انتقال کرتے گئے اسوقت لوگونکو احادیث کے جمع کرنے کی اشد ضرورت معلوم ہوئی یہانتک کہ دوسری صدی ہجری کے شروع میں چند دیندار اور پرہیزگار آدمیوں نے جنہوں نے اس دنیا سے دوں پر لات ماری تھی اور اپنی جان کو محض راہِ خدا میں وقف کر دیا تھا احادیث کے جمع کرنیکا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا کتابیں لکھنی شروع کیں اور رفتہ رفتہ صحیح اور غیر صحیح کتابوں کا ایک انبار ہو گیا۔

اُس سزا کا بیان جسکا مستحق جھوٹ حدیث بیان کرنے والیکو جناب پیغمبر خدا نے قرار دیا ہے

ہمنے ابھی بیان کیا ہے کہ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں اور آنحضرت کے ارشاد کے مطابق حدیثوں کے اور لوگوں تک پہونچانے کی رسم شروع ہو گئی تھی مگر اس بات کا بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ ایک شخص کے دوسرے شخص تک حدیث پہونچانے میں کسقدر احتیاط کرنے کا منشاء آنحضرت کا تھا اور اس منشاء کے ظاہر کرنے کو ترمذی اور مسلم کی حدیثوں کا اس مقام پر ذکر کر دینا کافی ہوگا۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ابن عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھسے حدیث روایت کرنے میں پرہیز کرو مگر اسقدر جتنا کہ تم جانتے ہو۔ سو جو شخص قصداً مجھپر جھوٹ کہیگا اُسکو اپنا ٹھکانا آگ میں بنانا چاہئے

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلعم اتقوا الحديث عنی الا ما علمتم فمن كذب علی متعمداً فليتبوء مقعده من النار (رواه الترمذی) (ترمذی)

مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص مجھسے کسی حدیث کو یہ جانکر روایت کرے کہ وہ جہوٹ ہے، تو وہ خود جہوٹوں میں کا ایک جہوٹا ہے (مسلم)

عن سمرة بن جندب والمغيرة بن شعبة قال قال رسول الله صلعم من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين (رواه مسلم)

مگر باوجود اس احتیاط کے ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب اسلام میں جہوٹی اور بے بنیاد روایتیں بعینہٖ اسی طرح پہیل گئیں جس طرح کہ جہوٹی روایتیں اور موضوع کتابیں یہودیوں اور عیسائیوں میں مروج ہوگئی تہیں۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ علماے اسلام نے مقدس جہوٹ کو کبہی اپنے مذہب کے عقائد میں قرار نہیں دیا بلکہ وہ ایسے کام کو ہمیشہ گناہ عظیم سمجھتے رہے اور اس لئے اُنہوں نے ایسی جہوٹی روایتوں کے بنانے والونکو گو وہ کیسے ہی پاک اور نیک ارادہ سے انہوں نے ایسا کیا ہو جہنم کے سوا اور کہیں جگہ نہیں دی اور اُن کو اُس آگ سے بچانے میں کبہی کوشش نہیں کی۔ مگر برخلاف اسکے علماے مذہب عیسوی نے مثل آرجن وغیرہ کے صریح اپنے باطنی عقائد کے خلاف معاملات مذہبی میں مقدس جہوٹ کو کچہہ جائز ہی نہیں رکہا بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول خیال کیا۔

سر ولیم میور صاحب اپنی اُردو تاریخ دین مسیحی میں بیان کرتے ہیں کہ "دوسری صدی میں مسیحیوں میں گفتگو رہی کہ جب بت پرست فیلسوف اور حکیموں کے ساتھ دین کا مباحثہ کیا جائے تو اُنہیں کی بحث کا طرز اور طریقہ اختیار کرنا جائز ہے کہ نہیں۔ آخر کار آرجن وغیرہ کی رائے کے بموجب طریقہ مذکور تسلیم ہوا۔ اس سے البتہ مسیحی باحثوں کی

تیز عقلی نکتہ سنجی نے بحث میں زیادہ رونق پائی لیکن راستی اور صفائی میں کچھ خلل پڑا۔ پہر اسی سبب سے بعض لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جعلی تصنیفات پیدا ہوئیں جو کہ اس زمانہ کے بعد کثرت سے لکھی گئیں اس طرح سے کہ فیلسوف لوگ جب کسی طریقہ کی پیروی کرتے تھے تو کبھی کبھی اُسکے حق میں کتاب لکھ کے کسی معروف حکیم کے نام سے اجرا کرتے تھے کہ اس حیلہ سے لوگ اُسپر متوجہ ہو کر اُسکی باتیں زیادہ مانینگے۔ اگرچہ اُسکی باتیں برخلاف مصنّف کی ہوتیں سو اسی طرح مسیحی جو فیلسفوں کی طرح بحث کرتے تھے کتاب لکھ کے کسی حواری یا خادم حواری یا معروف اُسقف کے نام سے رواج دیتے تھے۔ ایسا دستور تیسری صدی میں شروع ہوا اور کئی سو برس تک رومی کلیسیا میں جاری رہا۔ یہ بات بہت ہی خلاف حق اور قابل الزام شدید کے تھی" (میور صاحب کی تاریخ دین مسیحی حصہ دوم باب ۳)۔

موشیم نے اپنی کتاب تاریخ مذہبی میں اس طرح پر لکھا ہے کہ "افلاطونی اور فیثاغورثی حکما نے صدق اور پاکبازی کی حمایت میں فریب دینے اور جھوٹ بولنے کو جائز ہی نہیں قرار دیا ہے بلکہ مستحسن ٹھہرایا ہے۔ یہودیان ساکن مصر نے اس عقیدہ کو قبل سن مسیحی کے اُن سے سیکھا۔ اُس شخص کو کچھ کلام نہو گا جسکو کہ کتابوںکو مشہور آدمیوں کی طرف منسوب کرنے کی بیشمار جعل سازیاں نظمی پیشین گوئیاں اور اسی قسم کی واہیات چیزیں جنکی ایک بڑی مقدار اس صدی اور آیندہ صدیوں میں ظاہر ہوئی تہیں یاد ہیں میں نہیں کہتا کہ پکے عیسائیوں نے اس قسم کی سب کتابوںکو موضوع کیا تھا برخلاف اسکے اغلب یہ ہے کہ ان کے ایک جزو اعظم کے موجد فرقجات نسطیق بائی ہوئے تھے مگر اس بات سے کہ پکے عیسائی اس قصور سے محض مبرا نہ تھے صریح انکار نہیں ہو سکتا اکیلینا

شکل ہسٹری باب ۴ صفحہ ۷۰ مطبوعہ ۱۸۹۵ء)"

ایک اور مقام پر موشیم نے اسی مضمون کو اس طرح پر لکھا ہے "لیکن اس کا اسقدر جلد عمل میں آنا مختلف اسباب پر موقوف تھا بالتخصیص یہ امر کہ حضرت مسیح کے صعود کے بعد ہی اُن کی سوانح عمری اور اکلامات کی بہت سی تواریخیں جن میں جھوٹے قصے اور کہانیاں بھی ہوئی تھیں ایسے لوگوں نے شاید مرتب کی تھیں جن کے ارادے شاید بُرے نہ تھے بلکہ وہ وہمی سادہ مزاج اور مقدس جھوٹ کے عادی تھے اور بعد ازاں مختلف موضوع تصنیفات بنام نہاد حواریان مقدس سارے جہان میں مشہور کی گئیں" (اکلیزیاسٹکل ہسٹری (سیرت) حصہ دوم باب ۲ صفحہ ۳۶)

اُس طرز تحریر کے بیان میں جو روایات کے لکھنے میں مستعمل کیا گیا تھا

اس بات کے ظاہر کرنے کو کہ حدیث ایک شخص سے دوسرے تک کس طرح پہونچی محدثین نے چند کلمات بطور اصطلاح کے مقرر کئے تھے اور اسی لئے حدیث کے ہر ایک راوی پر واجب تھا کہ انہیں کلمات مخصوص سے جو اُس حدیث کے واسطے موزوں ہوں حدیث کو شروع کرے اور یہ اسلئے کیا گیا تھا کہ ہر حدیث پر بلحاظ بیان کے اُسیقدر اعتبار کیا جاوے جس درجہ اعتبار کی وہ سزاوار ہو۔

کلمات مذکورہ یہ ہیں (۱) "حدثنا" یعنی اُس نے مجھسے کہا (۲) "سمعته یقول" یعنی میں نے اُسکو کہتے سنا (۳) "قال لنا" یعنی اُسنے مجھسے کہا (۴) "ذکرنا" یعنی اُسنے مجھسے ذکر کیا (۵) "اخبرنا" یعنی اُس نے مجھکو خبر دی (۶) "انبانا" یعنی اُسنے مجھکو آگاہ کیا (۷) "عن فلان"

یعنی اُس سے۔

اول کے چار کلمے صرف اُس صورت میں استعمال کئے جاتے تھے جبکہ کوئی راوی دوسرے شخص سے حدیث کے الفاظ بجنسہ بیان کر دیتا تھا۔ پانچواں اور چھٹا کلمہ اُس مقام پر استعمال کیا جاتا تھا جبکہ کوئی راوی اپنے سے اوپر کے راوی سے کسی امر یا واقعہ کی صحت کی نسبت دریافت کرتا تھا۔ اخیر کلمہ ایک مبہم کلمہ ہے اور اسی وجہ سے یہ امر منقح نہیں ہو سکتا کہ اخیر راوی نے جو دوسرے راوی کا نام لیا ہے وہ حدیث درحقیقت اُس راوی نے بیان کی ہے یا اُسکے اور اخیر راوی کے درمیان اور لوگ روایت کرنیوالے بھی چھوٹ گئے ہیں۔ اس اشتباہ کے رفع کرنے کو خارجی امور کی تحقیقات ضرور ہوتی ہے مگر اُن کی نسبت علمار کی مختلف رائیں ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ اگر یہ محقق ہوجاے کہ وہ راوی سلسلہ روایت میں اور راویوں کے نام بفریب چھوڑ دینے میں متہم نہیں ہے اور وہ ایسے زمانہ میں اور ایسے مقام پر رہتا تھا کہ اُن کا ایک دوسرے سے ملاقی ہونا ممکن تھا گو کہ اُس ملاقات کا ثبوت نہو تو بھی یہ فرض کر لیا جا سکتا ہے کہ اُن دونوں کے درمیان کوئی اور راوی نہیں چھوٹا ہے۔

دوسری رائے جو بعض علمار مستند کی رائے ہے یہ ہے کہ اس امر کا ثابت ہونا بھی ضرور ہے کہ وہ دونوں اپنی تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی ملاقی ہوے ہوں۔

تیسری رائے جو بعض علمار کا قول ہے یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت بھی ضرور ہے کہ وہ اتنے عرصہ تک یکجا رہے ہوں جو اُن کے ایک دوسرے سے حدیث سیکھنے کے واسطے کافی ہو۔

چوتھی رائے بعض عام عالموں کی یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت بھی ضرور ہے کہ ایک نے

دوسرے سے درحقیقت حدیث سیکھی ہی تھی۔

درجات احادیث کے بیان میں ایک راوی سے دوسرے تک پہونچنے کے لحاظ سے

جب کبھی کوئی حدیث بیان ہوتی ہے اُسکا رتبہ سلسلہ روایت سے جانچا جاتا ہے اور اُسکی شناخت کے لیئے الفاظ مصطلح مقرر کیئے گئے ہیں۔

اول "مسند یا مرفوع" یہ لقب اس حدیث کو دیا جاتا ہے جب کہ راوی صاف صاف بیان کرتا ہے کہ فلاں بات خود پیغمبر خدا نے بیان فرمائی تھی یا خود کی تھی یا اور دل نے اُنکے روبرو کی تھی اور آپ نے منع نہیں فرمایا تھا۔

دوم "مرفوع متصل" اگر ایسے حدیث کے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا تک لگاتار یعنی بلا فصل پہونچتا ہو تو اسکو یہ لقب دیا جاتا ہے۔

سوم "مرفوع منقطع" اگر ایسی حدیث کے راویونکا سلسلہ بلا فصل پیغمبر خدا تک نہ پہونچے تو اس حدیث کو یہ لقب دیا جاتا ہے۔

چہارم "مرسل یا موقوف" یعنی وہ حدیث جسکو پیغمبر خدا کے اصحاب نے بیان کیا ہو مگر پیغمبر خدا سے منسوب نہ کیا ہو۔

پنجم "مرسل یا موقوف متصل" اگر راویونکا سلسلہ اُس صحابی تک جس نے اُسکو بیان کیا ہے بلا فصل چلا گیا ہو تو اس حدیث کو یہ لقب دیا جاتا ہے۔

ششم "مرسل یا موقوف منقطع" لیکن اگر راویوں کا سلسلہ اُس صحابی تک مسلسل نہو تو اس حدیث کا یہ لقب ہوتا ہے۔

اس بات میں کہ آیا حدیث مرسل یا موقوف متصل کو معتبر اور قابل استدلال خیال کرنا چاہئے یا نہیں علماؤں میں اختلاف رائے ہے۔ لیکن تمام کی رائے میں حدیث جس میں ایک ایسے واقعہ یا مقام کا مذکور ہو جہاں وہ خود موجود نہیں تھے تو اس حدیث کو کسی طرح بغیر اور کسی سند کے حدیث نبوی کے پایہ پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ ان علما کی رائے نہایت صحیح اور از روی انصاف ہے جو در بارہ نزول وحی کے حضرت عائشہ کی روایات کو قابل سند نہیں خیال کرتے کیونکہ وہ اس زمانہ میں موجود نہ تھیں

ہفتم۔ "مقطوع" یعنی وہ حدیثیں جو تابعین نے بیان کی ہیں اور اپنے سے اوپر کے صحابہ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔

ہشتم۔ "مقطوع یا متصل"۔ اگر ایسی حدیث کے راویوں کا سلسلہ اس تابعی تک برابر چلا جاوے تو اس حدیث کا یہ نام ہے۔

نہم۔ "مقطوع منقطع"۔ اگر اسکا سلسلہ اس تابعی تک نہ پہونچے تو اس حدیث کو اس نام سے پکارتے ہیں۔

دہم۔ "روایت"۔ یہ اقسام مندرجہ بالا سے بالکل علیحدہ ہے۔ یہ نام ان حدیثوں کا ہے جو اس طرح پر شروع ہوتی ہیں۔ "یہ بیان کیا گیا ہے" یا "فلاں شخص نے یوں روایت کی ہے"۔ اس قسم کی روایتیں بجز ادنی گپ کے کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ ایسی ہی روایتوں سے ہمارے مفسرین و مورخین نے اپنی تصنیفات کا حجم بڑھا لیا ہے اور ایسی ہی روایات اور بیہودہ باتوں سے مثل طبقات کبیر کاتب الواقدی وغیرہ کتابیں سیر و تواریخ کی پایہ اعتبار سے ساقط گنی جاتی ہیں اور جو باعث افتخار و ناز ان عیسائی مصنفوں کا ہے جو مذہب اسلام کے برخلاف تحریریں لکھتے ہیں

درجات احادیثؒ کے بیان میں بلحاظ راویوں کے چال و چلن یعنی اُن کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے -

جب کبھی کسی حدیث کے درجہ صحت کا امتحان راویوں کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے لحاظ سے کیا جاتا ہے تو اُسکا درجہ بہ ترتیب ذیل قرار پاتا ہے -

اول "صحیح"- اس نام سے وہ حدیث موسوم ہوتی ہے جس کے تمام راوی اول سے آخر تک پکے دیندار اور متقی اشخاص ہوں اور کبھی کسی قسم کی برائی کے ساتھ متہم نہ ہوے ہوں بلکہ تدین اور صدق مقال کے واسطے مشہور اور سب لوگوں کے نزدیک مسلم ہوں -

ایسی حدیثوں کا درجہ اعتبار اس سبب سے اور بھی بڑھ جاتا ہے جبکہ اسی قسم کے راویوں نے علیحدہ علیحدہ بلا کسی اختلاف کے اُسی حدیث کو بیان کیا ہو مگر ایسی حدیثیں نہایت ہی قلیل ہیں -

دوم "حسن"- اس لقب سے وہ حدیثیں ملقب ہوتی ہیں جن کے تمام راوی اوصاف حمیدہ میں اول قسم کی حدیث کے راویوں کی کوئی ہمسری نہ کر سکتے ہوں مگر باہمہ پرہیزگاری اور عام ثقاہت کے ساتھ متصف ہوں اور اُس حدیث کی اصلیت بھی غیر مشتبہ ہو - اس قسم کی بیشمار حدیثیں ہیں جن سے معتبر کتب احادیث مملو ہیں -

سوم "ضعیف"- یہ نام اُن حدیثوں کو دیا جاتا ہے جن کے تمام راویوں میں سے ایک شخص بھی اول یا دوم قسم کے راویوں کی مانند نہو - ان احادیث کے ضعف کا درجہ دیگر اسباب سے بھی زیادہ یا کم ہو جاتا ہے - ہمارے ہاں کی کتب احادیث جو دوسرے درجہ کی کہلاتی ہیں

اسی قسم کی احادیث سے بھری پڑی ہیں۔

چہارم۔ "غریب"۔ یہ لقب اُن حدیثوں کا ہے جن کے راویوں میں سے کسی نے بجز ایک آدھ حدیث کے اور کوئی حدیث نقل نہ کی ہو جس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ فن حدیث میں کچھ تبحر نہیں رکھتا۔

راویوں کے درجہ اعتبار کے بیان میں اُن کے تفقہ فی الدین کے لحاظ سے

تمام صحابہ کبار اور تابعین اور تبع تابعین جب کوئی حدیث آنحضرت کی بیان کرتے تھے تو اُن کے الفاظ بعینہ وہی نہیں ہوتے تھے جو آنحضرت نے فرمائے ہوں اور ایسا کرنا امکان سے بھی خارج تھا معہذا یہ خیال کیا گیا ہے کہ بعض دعائیں ایسی ہیں جن کے الفاظ بجنسہ محفوظ ہیں غرضکہ تمام حدیث کے راویوں میں حدیث کو بالمعنی روایت کرنے کا رواج تھا۔ پس یہ بات قرین قیاس ہے کہ جو لوگ زیادہ علم رکھتے تھے اور تفقہ فی الدین کا اُنکو زیادہ ملکہ تھا وہ آنحضرت کے کلام کا بہ نسبت اوروں کے اچھی طرح پر مطلب سمجھتے ہونگے اور اوروں کو بھی ٹھیک طور پر بخوبی سمجھا سکتے ہونگے اسواسطے راویوں کے باعتبار اُن کے علم کے سات درجے کئے گئے ہیں۔

اول۔ وہ جو علم اور تفقہ میں زیادہ تر ممتاز تھے اور حافظہ بھی قوی رکھتے تھے۔ ایسے اشخاص ائمہ حدیث کہلاتے ہیں۔

دوم۔ وہ جو پہلوں سے کم درجہ رکھتے تھے اور جن سے شاذونادر ہی کسی غلطی کے سرزد ہونیکا احتمال تھا۔

سوم - وہ جنہوں نے مسائل مذہبی میں اختلاف کیا تھا مگر انکو اسقدر تعصب نہیں ہو گیا تھا کہ اعتدال سے متجاوز ہو گئے ہوں اور نیز اُن کے تدین اور صدق کلام میں کسی طرح کا شک و شبہہ نہیں تھا۔

چہارم - وہ جنکے حالات کی نسبت کچھہ اچھی طرح سے آگاہی نہیں ہے -

پنجم - وہ جنہوں نے مسائل مذہبی میں اختلاف کیا تھا مگر انکا تعصب حد اعتدال سے متجاوز ہو گیا تھا -

ششم - وہ جن کی طبیعت میں شک اور وہم بڑھا ہوا تھا اور انکا حافظہ بھی قابل اعتبار کے نہ تھا -

ہفتم - وہ جھوٹی حدیثیں بنانے میں مشہور اور بدنام تھے -

علماے دین کی یہ راے ہے کہ اول تین درجہ کے لوگوں کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو باعتبار ان کے مراتب کے صحیح خیال کرنا چاہیے اور اخیر کے تین درجہ کے لوگوں کی بیان کی ہوئی حدیثونکو بلا تامل رد کر دینا چاہیے - باقی رہ گئے چوتھے درجہ کے لوگ اُن کی بیان کی ہوئی حدیثونکو جب تک کہ اُن کے راویوں کا حال معلوم نہو قابل اعتبار سمجھنا نہ چاہیے

جو روایتیں کہ یہودیوں کے ہاں مذکور تھیں اُن کے بیان کرنے سے مسلمانونکو ممانعت نہ تھی

آنحضرت نے فرمایا تھا کہ یہودیوں کے ہاں جو روایتیں ہیں اُن کے بیان کرنے میں کچھہ ہرج نہیں ہے - چنانچہ اس کی تصدیق اُس حدیث سے ہوتی ہے جو بخاری میں مذکور ہے اور اسی وجہ سے مسلمان یہودیوں کی روایتوں کے بیان کرنے میں

کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ اور وہ حدیث یہ ہے۔

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ پہونچاؤ مجھسے اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور حدیث بیان کرو بنی اسرائیل سے اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور جو شخص قصداً مجھپر جھوٹ بولیگا تو اُسکو اپنا ٹھکانا آگ میں بنانا چاہئے۔ (بخاری)۔

عن عبد اللہ ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم بلغوا عنی ولو آیۃ وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ومن کذب علی متعمداً فلیتبوّء مقعدہ من النار (رواہ البخاری)۔

روایات میں اختلاف ہونیکے اسباب

جب کبھی ہم راویوں کی روایتوں میں اختلاف دیکھیں توہمکو یہ نتیجہ نکالنا نہیں چاہئے کہ یہ روایتیں راویوں کی بناوٹ ہے جیساکہ عیسائی مؤرخ عموماً خیال کرتے ہیں۔ اسلئے کہ احادیث موضوعہ کے سوا اور بہی قدرتی اسباب ایسے موجود ہیں جن کی وجہ سے روایات میں اختلاف پڑنا ممکن الوقوع ہے۔ چنانچہ ہم اُن قدرتی اسباب کو بیان کرتے ہیں جن کے سبب روایتوں میں اختلاف پڑتا ہے۔

اول۔ حدیث کے مطلب کی غلط فہمی۔

دوم۔ حدیث کے معنی سمجھنے میں دو راویوں کے باہم اختلاف۔ یعنی ایک ہی حدیث کے ایک نے کچھ معنی سمجھے اور ایک نے کچھ۔

سوم۔ حدیث کا مطلب لوگوں سے صاف صاف بیان کرنے کی عدم قابلیت۔

چہارم۔ راوی کے حافظہ کا قصور کہ یا تو اُسنے کسی حدیث کا کوئی جزو چھوڑ دیا یا دو مختلف حدیثونکو باہم خلط ملط کردیا۔

پنجم۔ راوی کا کسی جزوِ حدیث کی تفصیل کا بیان کرنا اس غرض سے کہ سننے والا بہ آسانی اسکو سمجھ جاوے لیکن سننے والے نے از راہ غلطی اس تفصیل کو بھی حدیث کا جزو سمجھا

ششم۔ راوی نے اپنی گفتگو میں جناب پیغمبر خدا کے چند کلمات بیان کئے اور سُننے والوں نے اُسکے تمام کلام کو حدیث سمجھ لیا۔

ہفتم۔ کسی راوی نے یہودیوں کی روایتیں بیان کیں اور سننے والوں نے اُنکو غلطی سے حدیث سمجھ لیا اور اسی ذریعہ سے یہودیوں کی روایتوں کا اختلاف مسلمانوں کے ہاں منتقل ہوا یا۔ اگلے نبیوں اور بزرگوں کے قصّے جن سے ہماری ہاں کی تاریخیں اور تفسیریں سیاہ ہیں سب انہیں ذریعوں سے پیدا ہوئے ہیں۔

ہشتم۔ وہ اختلاف جو زبانی روایات کے سلسلہ سے خودبخود عارض ہوتا ہے اور اس ذریعہ سے معمولی باتیں معجزات اور کرامات کی صورت پیدا کر لیتی ہیں۔

نہم۔ مختلف حالات جن میں کہ راوی نے آنحضرت کو دیکھا تھا یا کچھ فرماتے سنا تھا یا کرتے دیکھا تھا۔

یہ تمام اسباب ایسے ہیں جن کے سبب سے بغیر ارادہ تصنّع کے قدرتی طور پر روایتوں میں اختلاف پڑ جاتا ہے منجملہ ان کے نویں قسم ایسی ہے کہ باوجود اختلاف کے کل روایتوں کا سچا ہونا ممکن ہے۔

موضوع حدیثوں کا بیان

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بہت سی حدیثیں جناب پیغمبر خدا کے نام سے جھوٹ اور موضوع بنائی گئیں اور جو لوگ کہ ایسی شرمناک جعلسازی کے مرتکب ہوئے تھے وہ

وہ مختلف قسم کے لوگ تھے۔

اول۔ وہ لوگ تھے جو عوام الناس میں کسی نیک رسم یا کسی ثواب کے کام کی ترویج کے خواہاں تھے اور اپنے کامیاب ہونے کی غرض سے اُنہوں نے کوئی حدیث بنالی۔ اس قسم کی جعلسازی زیادہ تر اُن حدیثوں سے متعلق ہے جن میں چھوٹے چھوٹے نیک کاموں کے کرنے میں بڑے بڑے ثواب بیان کئے ہیں اور نوافل کے پڑھنے میں گناہوں کے بخشے جانے اور قیامت میں اعلیٰ درجے ملنے کے وعدے کئے گئے ہیں۔ قرآن کی سورتوں کے پڑھنے کی عجیب عجیب خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ بیماریوں سے شفا پانے اور رزق میں فراخی ہونے کی خاصیتیں یا بعض قرآن کی سورتوں کا قیامت میں گناہ بخشوانے کے لیے شفیع ہونا بیان ہوا ہے۔ ان موضوع حدیثوں کے بنانے والوں کا منشا یہ تھا کہ لوگ نیک کاموں میں اور قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل کے ادا کرنے پر زیادہ تر متوجہ ہوں۔ لیکن مذہب اسلام اس قسم کے فریبوں اور جھوٹوں کو پناہ نہیں دیتا بلکہ اُن کو جہنم کی آگ میں ڈالتا ہے۔

دوم۔ واعظین نے اس غرض سے کہ اُن کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو جاویں اور سننے والے عجیب و غریب باتوں کے سننے سے خوش ہوں اور نیز اس غرض سے کہ سننے والوں کے دل میں نرمی اور رحم اور خدا ترسی اور رقت قلب اور نیک کاموں کی رغبت پیدا ہو اور بُرے کاموں کی دہشت اُن کے دل میں پیدا ہو اور خدا کا خوف اور نجات کی امیدیں اُن کے دل میں بھڑک اوٹھیں بہت سی حدیثیں موضوع کرلیں۔ مگر افسوس ہے کہ اُنکو یہ خیال نہیں کہ اُن کے ان افعال سے مذہب اسلام بالکل نفرت کرتا ہے۔ یہ حدیثیں زیادہ تر دوزخ اور بہشت اور ملائک کے حالات وغیرہ

[illegible] کرتی ہیں

ہوص - وہ لوگ ہیں جنہوں نے مذہب کے مسائل میں اختلافات کئے اور اس تعصب میں زیادہ اعتدال سے بڑھ گئے اور اپنی دلیلوں میں غلبہ حاصل کرنے کی غرض سے اس قسم کی حدیثیں وضع کریں جو ان کے مفید مطلب ہوں -

چہارم - مخالفین مذہب اسلام نے جو اس زمانہ میں زیادہ تر یہودی اور مشرکین تھے بہت سی باتیں سچ اور جھوٹ آنحضرت کی نسبت مشہور کی تھیں اور وہ عرب میں پھیل گئی تھیں - رفتہ رفتہ بطور روایت کے بیان ہونے لگیں اور لوگوں نے غلطی سے ان کو حدیثوں میں شامل کیا -

ہمارے علمار نے احادیث موضوع اور غلط روایات مروجہ کے دریافت کرنے میں از حد کوشش کی ہے اور اس باب میں اکثر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں اور صحیح اور باطل روایتوں کی تحقیق اور تمیز کرنے کے لئے قواعد اور اصول منضبط کئے ہیں -

مقدم اصول جو اس امر کی تحقیق کے لئے علمار نے قرار دیئے ہیں وہ یہ ہیں کہ احادیث کے الفاظ اور طرز عبارت کا امتحان کیا جاوے - جو حدیث کے مضمون کو قرآن مجید کے احکام اور عقائد و مسائل مذہبی مستخرجہ قرآن اور احادیث مستندہ سے مقابلہ ہو - احادیث کے منشار اور بیان کی تحقیق اور تدقیق کیجاوے کہ اس میں کوئی ایسا تاریخی واقعہ تو نہیں ہے جو از روئے تاریخ کے غلط ہو یا اس میں ایسے عجائبات تو نہیں بیان ہوئے جن کو عقل نہ تسلیم کرتی ہو - جن حدیثوں میں اس قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں وہ موضوع خیال کیجاتی ہیں -

مختصر طور پر اس کتاب کے پڑھنے والے جان لینگے کہ جن احادیث کو ہم مسلمان

قابل سند خیال کرتے ہیں اُن میں کم سے کم مندرجہ ذیل امور کا ضرور خیال ہونا چاہئے یعنی راوی نے صاف اور مصرح طور پر بیان کر دیا ہو کہ فلاں بات پیغمبر خدا نے فرمائی تھی یا کی تھی سلسلہ راویوں کا پیغمبر خدا تک غیر منقطع ہو۔ پیغمبر خدا سے لیکر اخیر راوی تک ہر راوی تقوی اور تدین اور نیک اعمال کے لئے مشہور ہوں۔ ہر راوی کو اپنے سابق راوی سے ایک سے زیادہ حدیثیں پہنچی ہوں۔ ہر راوی لیاقت علمی اور ثقاہت میں مشہور ہو تاکہ یہ امر متیقن ہو جائے کہ اس نے حدیث کے صحیح معنی کو سمجھ لیا ہوگا اور اوروں کو بھی ٹھیک طور سے سمجھا دیا ہوگا۔ حدیث کا منشاء احکام مندرجہ قرآن مجید یا عقائد مستخرجہ قرآن یا حدیث مستند سے متناقض نہ ہو۔ اس میں عجائبات وغیرہ انبات دور از عقل بیان نہ ہوں بلکہ منشاء حدیث کا اس قسم کا ہو جس کے تسلیم کرنے میں لوگوں کو کلام نہ ہو۔

کوئی حدیث جس کی صحت اس طرح ثابت ہو جائے کسی عقیدہ مذہبی کی بناء ہو سکتی ہے مگر باینہمہ اس میں ایک اور شبہ کا عارض ہونا باقی رہجاتا ہے یعنی وہ حدیث اسلئے کہ صرف ایک ہی شخص کی روایت ہے مفید یقین نہیں ہو سکتی بلکہ افادہ ظن کی ہے اس شبہ کے سبب سے احادیث مستند کے بھی تین درجہ قائم کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں (۱) متواتر (۲) مشہور (۳) خبر احاد۔

متواتر وہ حدیثیں کہلاتی ہیں جنکو جناب پیغمبر خدا کے زمانہ سے لیکر حال تک اور علمائے دین نے ہر ایک زمانہ میں پے درپے بالاتفاق صحیح اور مستند تسلیم کر لیا ہو اور اُن میں کسی نے کبھی کوئی جرح و قدح نہ کی ہو۔ ہر زمانہ کے علماء کا قول ہے کہ صرف قرآن مجید ہی حد تواتر کو پہنچا ہے۔ مگر بعض حدیثوں کو بھی متواتر ثابت کرتے ہیں [illegible]

تعداد پانچ سے متجاوز نہیں ہوتی۔ ایسی احادیث پر بلا تکلف اعتبار کرنا اور اُن پر معتقدانہ عمل کرنا واجب ہے۔

مشہور۔ اُن حدیثوں کو کہتے ہیں جو تواتر کے درجہ تک نہ پہونچی ہوں مگر ہر زمانہ کے عالموں نے انکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ یہ وہ حدیثیں ہیں جو ہماری کتب حدیث میں جو معتبر گنی جاتی ہیں منقول ہیں اور اس باعث سے اُنکی صحت بالعموم مسلم ہے اور ہمارے بعض عقائد مذہبی بھی اُن پر مبنی ہیں گو کہ وہ درایتاً تنقیح اور تنقید کے امتحان سے بری نہیں ہیں

خبر احاد۔ اُن حدیثوں کا نام ہے جو مذکورۂ بالا حدیثوں کے اوصاف تک نہیں پہنچیں اور اسی قسم کی حدیثیں بہت کثرت سے حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ علمائے اسلام اس باب میں کہ اس پچھلی قسم کی حدیثوں پر کوئی عقیدہ مذہبی مبنی ہو سکتا ہے یا نہیں مختلف الرائے ہیں۔

جن لوگوں نے کہ احادیث کے جمع کرنے کا بوجھ اٹھایا تھا اُن میں سے جو سب سے اعلیٰ اور افضل اور ائمہ حدیث کہلاتے تھے اُنہوں نے اپنی ہمت صرف اسبات پر مصروف کی تھی کہ راویوں کے اعتبار کی کماحقہ تحقیق کرنے کے بعد حدیثونکو لکھیں اور اُنہیں لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں صحاح میں داخل ہیں۔ اور بعضوں نے اس بات پر ہمت مصروف کی تھی کہ جسقدر حدیثیں اُنکو ملیں وہ جمع کریں اُنہیں کی لکھی ہوئی کتابیں دوسرے درجہ کی گنی جاتی ہیں۔ اس میں کچھہ شک نہیں کہ جامعین حدیث نے ایسی کسی حدیث کو نہ اختیار کیا ہوگا جو علانیہ بادی النظر میں غلط ہو مگر جسقدر کہ حدیثیں اُنہوں نے منتخب کرکے جمع کریں اُسپر اُنکو از روے درایت کے تحقیق اور تدقیق کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اُنہوں نے یہ کام اپنے سے بعد کے لوگوں پر چھوڑا تھا افسوس ہے کہ اُن کے بعد اُن کی حدیثوں

کی ایسی وقعت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی کہ اُن کو بجز خاص علماے محققین کے درایتاً اُن حدیثوں کی تنقیح اور تنقید کی جرأت نہیں ہوئی۔ مگر از روے مذہب اسلام کے ہر ایک مسلمان کا حق ہے کہ اُن حدیثوں کی درایتاً تنقیح اور تنقید کرے۔ ہمارے مورخین نے اور مفسرین نے جو کام اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام دلدر اور ناقص اور ضعیف حدیثوں کو اپنی تصنیفات میں جگہہ دیتے ہیں۔

عیسائی عالم جو کسی حدیث کے درجہ صحت اور تحقیق کے اُن قواعد سے جو علماے اسلام نے مقرر کیے ہیں محض واقف ہوتے ہیں اور درایت کے تو نام سے بھی واقف نہیں ہیں جب کوئی ایسی کتاب پڑھتے ہیں جس میں بجز بدترین احادیث اور روایات کے اور کچھ نہیں ہوتا تو اپنے دل میں سمجھ لیتے ہیں کہ جزئیات اسلام سے واقف ہو گئے اور ہمارے مذہب کی نکتہ چینی اور تضحیک شروع کرتے ہیں اور جبکہ اُن کی یہ مایۂ افتخار تصنیفیں مسلمانوں کی نظر سے گذرتی ہیں تو اُسکا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ مصنفین کی بے علمی اور تعصب پر جو اُن کی تصانیف سے مترشح ہوتی ہے ہنستے ہیں اور اُن کی بیفائدہ صرف اوقات پر افسوس کرتے ہیں۔

سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مصنفوں کے شبہات کی تردید

اگرچہ ہمنے مسلمانوں کی روایتوں کا پورا پورا اور بتفصیل بیان کیا ہے تاہم نظر بہ مزید تحقیق اُس آگاہی کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو ہمکو اپنے نبی کی سوانح عمری لکھنے والے ذولیاقت عیسائی مصنفوں سے حاصل ہوئی ہے یعنی اے اسپرنگر ایم ڈی اور سر ولیم میور ایل ایل ڈی سی۔

— ڈاکٹر اسپرنگر نے مسلمانوں کی روایتوں اور راویوں کی نسبت بہت تھوڑا
بیان کیا ہے اور اُس تھوڑے ہی بیان سے اُن کے اس مضمون سے بہت کم واقفیت
ظاہر ہوتی ہے۔ یہانتک کہ انکی مثال ٹھیک اُس شخص کی سی ہے جو نہایت تاریکی
میں پڑا ہو اور نور کی حقیقت کی تلاش میں تعصب اور کم فہمی سے جھوٹے شہابوں سے
دھوکہ کہا کر راہ گم کر گیا ہو اور بے اصل چیزوں کی پیروی میں اصل چیز کو بھی ہاتھ سے کھو دیا
ہو۔ مگر ان کا ایک بیان قابل غور ہے وہ کہتے ہیں کہ کتب دینیات میں اہل سنت و
جماعت کے ہاں چھہ کتابیں سب سے معتبر ہیں یعنی صحیح بخاری۔ مسلم۔ سنن ابو داؤد
ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جو اکثر کتب سابق پر
مبنی ہیں جنکی سنیوں کے ہاں بہت قدر ہے۔ مثلاً (واضح ہو کہ بعض ناموں کی صحت
جو انگریزی میں لکھے ہوئے تھے نہیں ہو سکی) دارمی۔ دارقطنی۔ ابن عیینہ۔ اصمعی۔
برقانی۔ احمد سنی۔ بیہقی۔ حمیدی۔ خطابی۔ بغوی۔ رزین۔ جزری۔ ابن الاثیر مبارک
ابن جوزی۔ نودی۔

اب اول تو یہ اخیر کی چودہ کتابیں اُن میں سے جسقدر سے کہ ہم واقف ہیں پہلی چھ
کتابوں پر مبنی نہیں ہیں سوائے مشکوۃ کے جو بغوی کی ہے اور اکثر اُن میں کی غیر معتبر
اور غیر مستند ہیں اور اُن میں جو حدیثیں مذکور ہیں وہ اُن چھہ کتابوں میں نہیں ہیں۔
دوسرے یہ کہ کوئی حدیث ہو خواہ وہ پہلی قسم کی کتابوں میں ہو خواہ دوسری قسم کی
کتابوں میں نہ کسی مذہبی عقیدہ کی بناء قرار پاتی ہے نہ صحیح اور مستند تسلیم ہوتی ہے
جب تک کہ وہ اُن قواعد سے جو اوپر مذکور ہوئے صحیح نہ ثابت ہوئی ہو۔

سر ولیم میور نے کسقدر طوالت کے ساتھ اسلام کی روایتوں اور راویوں

کی نسبت بحث کی ہے مگر ہم بافسوس بیان کرتے ہیں کہ اُن کے طرز تحریر سے
صاف منکشف ہوتا ہے کہ قبل اسکے کہ ایک غیر متعصبانہ اور آزادانہ تحقیق اور جائزہ اور
منصفانہ دلیل سے کوئی نتیجہ مستخرج کریں ان کے دل میں یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ یہ سب
روایتیں جھوٹی اور لوگوں کی محض بناوٹیں اور ایجادیں ہیں اور اول ہی سے اس بات
کا قصد کرلیا ہے کہ ان سب روایتوں کو ایسا ہی ثابت کریں۔ وہ امر حق کی تحقیق کرنا
نہیں چاہتے گو وہ امر حق کچھ ہی کیوں نہو جسکی تحقیق ہر بے غرض مصنف کا اصلی منشاء
ہوتا ہے بلکہ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہونا چاہیے۔ اُن کے طرز استدلال ہی سے
اُنکی غرض ظاہر ہوجاتی ہے۔ وہ اس فقرہ سے مطلب کو آغاز کرکے کہ "اگلے مسلمانوں
کی عادتیں روایت کے رواج کی مؤید تھیں فرماتے ہیں کہ "اپنے نبی کے کاموں اور باتوں
سے زیادہ اور کس مضمون پر مسلمانان سابق سرگرمی سے بحث کرتے" اسکے بعد صاحب
موصوف یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ "ان روایات ہی نے امتداد زمانہ کی وجہ سے محمد صلعم
کو عجیب و غریب اوصاف سے متصف کردیا۔ اُن کے پیروؤں کے دل میں نادانستہ
یہ خیال گذرا کہ محمد صلعم کو انسانی طاقت سے بڑھکر قدرتیں حاصل ہیں" اسی مادہ سے بقدر
کثیر روایتیں وجود میں آئیں۔ جب کبھی ان بیانات کے امتحان کے لیے واقعات کا کوئی
اندازہ سردست موجود نہ ہوتا تو حافظہ کو قوت واہمہ کی بے روک کوششوں سے
مدد دی جاتی" "صحابہ کبار کی روایتوں کی تعظیم اور حرمت جو زمانہ مابعد میں لوگوں کو
تھی وہ بقول صاحب موصوف "امتداد ایام کا اثر تھا جو لوگوں کے دلوں میں اور
روایتوں پر خود بخود ہوا ہوگا"

اب کہ سر ولیم میور اسطرح پر استدلال کرتے ہیں تو یہ سوال پیش آتا ہے کہ دنیا میں

سب سے زیادہ نیک اور پرہیزگار شخص کا کیا حال ہوگا اگر اسکی ہر بات اور حرکت کو دغابازی
اور ریاکاری کی دہندلی اور خراب عینک سے دیکھیں اور اسکے جملہ کلمات اور افعال کی
غلط تاویلیں کریں اور جسقدر خراب معنی ہمارا تعصب اور حسد ایجاد کر سکے ان کے اوپر عائد
کریں۔

کیا حضرت موسیٰ کے تمام معجزات "انکے عصا کا سانپ کی شکل میں ہو جانا"
"انکا ید بیضا" "دریا کا خون کی مانند ہو جانا" "مینڈکوں کی وبا" اور اور معجزات جو انسے
مصر میں ظہور پذیر ہوئے تھے "بحر احمر میں بنی اسرائیل کے لیے رستہ کا کہل جانا"
"من و سلویٰ کا آسمان سے نازل ہونا" "پتھر کی منقش لوحوں کا ملنا جن پر خدا تعالیٰ نے اپنی
انگشت مبارک سے لکہا تھا خدا تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو تمام قوموں پر ترجیح دینا اور
انکو "میری منتخب قوم" کے خطابات سے سرفراز کرنا اور اسقدر برکتیں انکو عطا فرمانا اور
حضرت اسرائیل کو "میرا پہلونٹا" بیٹا کہکر ممتاز کرنا کیا ان سب باتوں کو دل لگی کے قصّے
اُس طرز استدلال کے طور پر جسکو سر ولیم میور نے اختیار کیا ہے نہیں کہہ سکتے۔
جن کو اُس نبی کے سرگرم پیروں یعنی بنی اسرائیل نے ایجاد اور وضع کیا ہو۔ جنہوں
نے بسبب "مشتکیانہ تعظیم" اور "شائقانہ تکریم" کے امتداد زمانہ میں اپنے نبی کو عجیب
و غریب اوصاف سے متصف کر دیا۔ کیا یہ بات بہی حضرت موسیٰ پر اسی طرح صادق
نہیں آسکتی ہے کہ ان کی وضع کی شان کو دہیان اور مراقبہ سے عروج حاصل ہوا
اور جسقدر دور زمانہ ان کے پیروں سے انکو کرتا گیا اس عجیب و غریب انسان کا نقشہ
جو آسمان کے فرشتوں (بلکہ خود خدا ہی سے) بے تکلف پیغام و سلام رکہتا تہا زیادہ
دہندلا لیکن زیادہ بڑا تناسب حاصل کرتا گیا۔ دل میں نادانستہ یہ خیال گذرا کہ انکو انسانی

طاقت سے زیادہ قدرتیں حاصل ہیں اور ایسے سامانوں سے جو انسان کے امکان سے باہر ہیں گھرے ہوئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ اور اُنکے بااعتقاد اور سرگرم متبعین کا اسوقت کیا حال ہوتا اگر ہر شخص اُن روایات کو محض بناوٹی ایجادیں سمجھکر مضحکہ میں ڈالدیتا جنمیں حضرت عیسیٰ کی کراماتی پیدایش اور حضرت عیسیٰ کا ازسرِنو زندہ ہونا اور اپنے مجروح ہات اپنے متبعین کو دکھلانا اور اُنکا آسمان پر چڑہ جانا اور اللہ تعالیٰ کے دست راست کی طرف بیٹھنا یعنی حسب قانون وحدت فی التثلیث کے اپنے ہی دست راست کیطرف بیٹھنا مذکور ہے۔

لیکن عقل وفہم تعظیم ہمکو اُن لوگوں کی احادیث اور افعال پر عیب رکھنے اور اُن کی بدترین تاویل کرنے سے مانع آتی ہے جنہوں نے تقویٰ اور نیک اعمال کی وجہ سے شہرت اور عظمت حاصل کی ہو اور اس امر سے بھی البتہ انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر مصنف کو لازم ہے کہ جب اوروں کی تحریرات اور تصنیفات کی چھان بین کا ارادہ کرے تو اپنے آپکو تعصب اور کم ظرفی سے پاک وصاف کرلے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور خلفا ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو محض خدا تعالے کی طرف مصروف کردیا تھا وہ امرحق کو مانتے تھے اور اس جہان فانی کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ وہ ایماندار صادق القول اور نیک طینت تھے اور ہمارے احادیث کے جمع کرنے والوں نے جنہوں نے بغرض کرا احادیث نبوی کا ایک مجموعہ ہوتے دور دراز کے سفر اختیار کئے تھے۔ اُنہوں نے حکام وقت کے ہات سے سخت تکلیفیں برداشت کی تھیں۔ اُن کو بے شمار دقتیں پیش آئیں اور ایسی ایسی مصیبتیں اور اذیتیں سہنی پڑیں جو بمشکل خیال میں آسکتی ہیں باایں ہمہ اُنہوں نے کبھی اپنے کام سے پہلوتہی نہیں کی اور اُن کو انجام تک پہنچایا جس سے صریح ثابت ہے کہ اُن کو دینی اور نیک نیت

وجہوں سے اس امر کی تحریک ہوئی تھی اور نہ ہم کسی طرح مجاز نہیں ہو سکتے کہ اُنکے افعال کو
ریاکاری اور فریب کی طرف منسوب کریں اور اُن کی تصنیفات کی اُس بے بنیاد بیان پر
کہ محض بناوٹی ایجادیں ہیں بیجا تحقیر کریں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "ترقی پذیر سلطنت کی احتیاجیں تو ان کے مجموعہ
سیاست کی افزایش کی خواہاں ہوئیں۔ جو چیز کہ پہلے عربوں کی سادہ وضعی اور محدود
نظام مدنی کے واسطے بخوبی کفایت کرتی تھی اُن کی اولاد کی روز افزوں احتیاجوں
کے واسطے غیر مکتفی ہو گئی"۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ اور اسی قسم کے اسباب قرآن مجید کے معدود
اور معرا مسائل کی توسیع اور اس کے اخلاق کے غیر مکمل مجموعہ کی تکمیل کے متقاضی ہوئے

اس بیان میں سر ولیم میور نے دو طرح پر غلطیاں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جامعین
حدیث کو ترقی سلطنت اور مجموعہ سیاست سے کچھ سروکار نہ تھا یہ لوگ محض دین کی
طرف متوجہ تھے۔ اُنہوں نے احادیث نبوی کو محض باغراض دینی جمع کیا تھا۔
اُن کی جمع کی ہوئی حدیثوں میں دین ہی کو بہت بڑی نسبت ہے یعنی انکا بیسواں
حصہ بھی اُمور سیاست سے متعلق نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا
کہ مسلمانوں نے امور متعلق سیاست کو الہامی سمجھا ہو۔ خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ میں ایسے اُمور میں صحابہ سے صلاح لیتے تھے اور اُس صلاح
کے مطابق کاربند ہوتے تھے۔ اُس زمانہ کے بعد بھی اُن روایتوں کو جو سیاست سے
متعلق تھیں کسی نے الہامی نہیں سمجھا چنانچہ اس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں قرآن
مجید اور نیز جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر چیز متعلق سیاست اور انتظام مدن
کو باستثناء چند اُصول عام کے بالکل فرمانرواؤں کی رائے پر چھوڑ دیا ہے اور صرف

یہ حکم دیا ہے کہ ذی فہم لوگوں سے مشورہ کر کے کام کریں جو زمانہ کے حالات اور ڈھنگ کے واسطے ضروری ہیں۔ پس مسلمانوں کو اور اُن کی اولاد کو اپنی روز افزوں احتیاجوں کے واسطے قرآن مجید کی تکمیل کے لیئے حدیثوں کے تلاش کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ ہاں بلاشبہہ مسلمانوں میں یہ خواہش تھی کہ ہر امر میں خواہ وہ دین سے متعلق ہو یا دنیا سے اُسی طرح پر کارروائی کریں جس طرح پر کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی تھی اور یہ اُس محبت اور عشق کا تقاضا تھا جو ہم مسلمان اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رکھتے ہیں اور اسی لیے ہر قسم کی احادیث کو جمع کرتے تھے۔ پس یہ عشق و محبت نہایت قابل ستایش تھی۔ مگر افسوس ہے کہ سر ولیم میور نے مسلمانوں کی اس عمدہ صفت کو بھی بدترین تاویل میں بیان کیا ہے۔

اس کے بعد سر ولیم میور صاحب یہ فقرہ لکھکر کہ "اولاً قرآن ہی چال چلن کا نافذ قانون تھا" یہ بیان کرتے ہیں کہ "بہ وہ اپنی غرض اصلی کے واسطے مکتفی نہوا اور اس نقص کی تلافی سنت یعنی پیغمبر صاحب کے احکام اور افعال سے کی گئی" اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "انھوں نے (یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) کبھی اپنے آپ کو خطا سے مبرا نہیں قرار دیا بجز اُس صورت کے جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القا ہوتا تھا۔ مگر اس نئے عقیدہ نے یہ بات تراش لی کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول و فعل میں ایک الٰہی اور غیر خاطی ہدایت منضم ہے۔"

ہم مسلمانوں کا معاملات دینی و دنیوی میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید کی کوشش کرنا خواہ وہ امور دین سے علاقہ رکھتے ہوں خواہ امور دنیا سے خواہ امور سیاست مدن سے اور خواہ امور متعلق عادت اور عبادت سے دونوں خیر ہے۔ اور اس بات کا اعتقا

کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کونسا قول اور فعل از روے وحی کے غیر قابل خطا کے تھا اور کونسے افعال صحابہ کے مشورہ سے کیے گئے تھے جنکو وحی سے کچھ تعلق نہ تھا دوسری چیز ہے۔ سر ولیم میور نے لوگوں کو دہوکے میں ڈالنے کے لیے خواہ خود غلطی میں پڑکر ہماری نسبت ناانصافی سے یہ اعتقاد منسوب کیا ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول و فعل میں ایک الٰہی اور غیر خاطی ہدایت منضم ہے۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ ہم مسلمان تمام قول و فعل اپنے پیغمبر کو اسی ادب اور عظمت سے دیکھتے ہیں جیسے کہ ایک نبی اولوالعزم کے اقوال و افعال ادب و عظمت کے مستحق ہیں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ روایتوں کی بناوٹ و اشاعت کا "کام عوام الناس کے فائدوں اور سلطنت کے ملکی حالات پر اسقدر موثر تھا کہ بطور خود لوگوں کی سرگرمی پر بالکل چھوڑ دینے کے قابل نہ تھا" اور اپنے بیان کی تائید میں ڈاکٹر اسپرنگر کے مندرجہ ذیل فقرہ کو نقل کرتے ہیں جو قسطلانی شرح بخاری سے انکو ہات لگا تھا اور وہ فقرہ یہ ہے "چونکہ پیغمبر صاحب کے ہر معتبر اور صحیح بیان کی جو دستیاب ہوسکے قلمبند کرنے کی ضرورت اشد تھی اس لیے خلیفہ عمر نے ایک گشتی حکم اس باب میں جاری کیا اور بالتخصیص ابوبکر بن محمد کو روایات کی جمع کرنے پر مامور کیا۔

اگر قسطلانی نے یہ مضمون لکھا ہے تو محض غلط ہے حضرت عمر حدیثوں کے جمع کرنے کے خود مخالف تھے جسکو سر ولیم میور نے بھی قبول کیا ہے اور جو عنقریب معلوم ہوگا۔ کسی خلیفہ یا کسی مسلمان حاکم نے اُن لوگوں کے کام میں جو بطور خود حدیثیں جمع کرتے تھے کبھی دخل نہیں دیا۔

ہم علانیہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ جنکا یہ بیان ہے کہ "خلیفہ عمر نے تمام احادیث موجودہ کے باقاعدہ جمع کرنے کا گشتی حکم جاری کیا تھا" ہمکو حدیث کی کوئی ایک کتاب بھی تمام کتب احادیث میں سے

ایسی نشان دیں جو کسی خلیفہ یا حاکم کے حکم سے جمع کی گئی ہو۔ بخلاف اسکے ہم عمداً وسے کہتے ہیں کہ یہ کل کتابیں بلا استثنا ایسے مقدس لوگوں نے مرتب کی تھیں جو اپنے زمانہ کے خلفاء کے دربار میں جانے سے بھی از حد پرہیز کرتے تھے۔ اس زمانہ کے خلفا جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ نہ تھے بلکہ سلاطین اور بادشاہ تھے کیونکہ سلسلہ خلافت کا جناب رسالت مآب کی وفات کے تیس برس بعد ختم ہو گیا تھا۔

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیہ میں نہایت ضعیف اور نہایت غیر مستند روایتیں واقدی سے نقل کرتے ہیں۔ اُن روایتوں میں اخیر روایت یہ ہے کہ خلیفہ عمر جانشین ابوبکر نے سنت کے قلمبند کرنیکا ارادہ کیا اور ایک مہینہ تک اُس باب میں اللہ جلشانہ سے دعا کی۔ لیکن آخرکار جب اس کام کے شروع کرنے پر آمادہ ہوئے تب یہ فرماکر باز رہے کہ "مجھکو ایک قوم کا ذکر یاد ہے جنہوں نے اسی قسم کی تحریرات قلمبند کی تھیں اور کتاب باری کو چھوڑکر انپر عمل کیا تھا۔

یہ روایت جس طور بیان میں واقدی نے نقل کی ہے وہ ایسی ہے جیسی کہ اس قسم کی روایتوں میں ایک افواہی باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ در اصل صرف اتنی بات ہے کہ حضرت عمرؓ احادیث کے جمع کرنے کے برخلاف تھے اور انکو یقین تھا کہ حدیثوں کا ٹھیک ٹھیک طور پر جمع ہونا نہایت مشکل ہے اور اُنکے جمع ہونے سے بلاشبہہ ایسی ہی خرابی پیدا ہوگی جیسی کہ یہود کے ہاں پیدا ہو گئی۔

اختلاف روایات کے اسباب یعنی انسان کے حافظہ کا عام ضعف۔ غلطیاں۔ مذہبی تعصب۔ حمایت اور نیز وہ تفرقہ اور فساد جو بعد شہادت حضرت عثمان کے اسلام میں پھیل گیا تھا سر ولیم میور نے بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "اسی صدی میں روایات نے جڑ پکڑی اور مستقل شکل حاصل کی۔ اختتام صدی پر روایات موجودہ کی باقاعدہ تلاش شروع ہوئی اور

باضابطہ لکھی گئیں۔ وہ نمونہ جو اُس وقت ڈھالا گیا تھا کم سے کم اپنی مخصوص ہیئت پر برابر چلا آیا۔

ہمکو اس مقام پر اختلاف روایات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم اُس کو اوپر بیان کر چکے ہیں۔ لیکن ہمکو اس بات کے دیکھنے سے نہایت تعجب آتا ہے کہ اگرچہ سر ولیم میور کے نزدیک قریب قریب تمام موجودہ روایات اسلام محض بناوٹی ہیں باایں ہمہ اُنہوں نے اپنے سب بیانات کو واقدی کی روایات پر مبنی کیا ہے جس میں ضعیف ترین روایات منقول ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ ان سب روایتوں کو ہمارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ تحقیق اور غیر متعصبانہ تصنیف کے مسلمہ قوانین کی رو سے اور نیز مطابق اپنے عقیدہ کے اُن کو لازم تھا کہ اول احادیث صحیحہ اور موضوعہ کی تحقیق اور تمیز کرتے اور پھر مذہب اسلام اور بانی اسلام کی نسبت معترض ہوتے۔ تمام عیسائی مصنفوں کی تصنیفات میں جنہوں نے دین اسلام کی نسبت لکھا ہے اسی امر ضروری کی کوتاہی پائی جاتی ہے مگر وہ اپنے عیبوں کو نہایت خوشگواری سے ہضم کر جاتے ہیں اور دوسروں کی نسبت عجیب و غریب پیرایہ میں نکتہ چینی کرنے کو موجود ہوتے ہیں۔

اگر سر ولیم میور کی محض یہ غرض ہے کہ روایات اسلام کا لغو اور غیر معتبر اور موضوع ہونا لوگوں کو معلوم ہو جاوے تب بھی مذہب اسلام کی کچھ بےحرمتی اور ذلت نہیں ہے۔ مسلمانوں نے اس امر کو کچھ چھپا نہیں رکھا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر کتابیں احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ میں تمیز کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں اور اُن کی صحت اور درجہ اعتبار کے جانچنے کے لیئے اصول و قواعد اور سخت امتحانات قرار دیئے گئے ہیں جھوٹی حدیثوں کے بنانے والے گنہگار ٹھیرائے گئے ہیں اور اسی قسم کی اور باتیں اسی غرض سے کام میں لائے گئی ہیں۔ ہم اس بات کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ اس باب میں یہود کے

مذہب کا حال بدتر اور عیسائی مذہب کا حال بدترین ہے۔ مذہب عیسوی میں موضوعہ کتابوں اور بیشمار رسالوں کی وجہ سے کتب دینی جو روزانہ ہر کلیسا میں مستعمل ہوتی تھیں بہت بڑھ گئی تھیں اور دیندار لوگوں کے باہم بے انتہا مناقشوں اور قضیوں کے باعث ہوگئی تھیں۔ جبکہ قسطنطین اعظم نے دین عیسوی قبول کیا تو منجملہ اور اغراض کے جن کے واسطے اُس نے مجلس نیس (نسیا) کو ۳۲۵ء میں جمع کیا تھا ایک یہ بھی غرض تھی کہ صحیح اور موضوع اناجیل میں تمیز کی جاوے۔

والٹیر لکھتا ہے کہ عیسائیان سابق اس بات سے مورد نفرین تھے کہ انہوں نے عیسٰے کے نام پر صنعت توشیح میں چند اشعار لکھکر ایک پرانے کاہنہ کی طرف منسوب کئے تھے اور حضرت عیسیٰ کی طرف سے بادشاہ اوڈیسا کے نام جعلی خطوط بنائے جس زمانہ میں کہ کسی ایسے بادشاہ کا وجود بھی نہ تھا۔ حضرت مریم کے خطوط۔ سینیکا کیجانب سے۔ پلوس کے نام کے خطوط۔ پلاط کے خطوط اور فعال مصنوعی اناجیل۔ جھوٹے معجزات۔ اور اور ہزاروں جعلسازیاں اور فریبوں کے الزامات بھی لگائے گئے تھے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کے بعد دو یا تین صدی کے اندر اس قسم کی کتابوں کی تعداد کثیر ہوگئی تھی۔

وہ اہم مسئلہ دربارہ الوہیت مسیح جس نے کہ کلیسائے نصاریٰ میں ہلچل ڈالدی تھی مجلس نیس میں جو روم کے بادشاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں منعقد کی تھی طے ہوا۔ اس مجلس میں اٹھارہ بشپ اور دو ہزار پادریوں نے حضرت مسیح کی الوہیت سے انکار کیا اور اسپر حجت کی لیکن سب سے سخت مباحثوں اور مناظروں کے بعد یہ بات قرار پائی کہ حضرت مسیح خدا کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ خدائے پدر سے پیدا ہوئے ہوئے ہیں

تعداد باقی رہ گئی تھیں جو محمد ... رہ گئی تھیں ... معتقدین کے تھا اور نو یسٹیرین (موحدین)
کہ حضرت مسیح ... ان دونوں کا جو حضرت مسیح کی الوہیت کے منکر تھے اور اسی بنا پر الزام
بدعتی ہونے کا جلاوطن کیا گیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان کو قسطنطنیہ میں پھر بلا لیا اور اپنے
عقیدہ کو قوت بخشنے میں کامیاب ہوا حتیٰ کہ تمام صوبجات روم میں انہوں نے رواج پایا
باوجود اس کے کہ اس کے سخت مخالف اتھاناسیوس نے جو فرقہ تثلیثیہ کا سرگروہ تھا از
حد کوشش کی۔ مسٹر گبن صاحب کی تاریخ رومیوں کے تمدن میں مرقوم ہے کہ پادریان کلیسا نے
اس امر کی تحقیق میں نہایت حیران اور شش و پنج ہو کر کہ توریت اور انجیل میں کون سے صحیفے
صحیح اور کون سے غیر صحیح ہیں ان سب کو بلا تمیز قربان گاہ پر رکھ دیا سنا ہے کہ
جو صحیفے ناقص تھے وہ زمین پر گر پڑے۔

دوسری مجلس سنہ ۳۸۱ء میں قسطنطنیہ میں منعقد ہوئی تھی جس میں ان امور کی جو روح القدس
کے بارہ میں مجلس نیقیہ نے غیر منفصل چھوڑ دیئے تھے تشریح کی گئی تھی اور اسی موقع پر یہ
عقیدہ قرار پایا کہ روح القدس بلا شک وہ رب ہے جو باپ سے نفاذ پاتا ہے اور باپ اور
بیٹے کے ساتھ باہم معبود ہونے کا اس نے احترام حاصل کیا ہے سنہ ۴۳۱ء میں تیسری عام مجلس
افسس میں منعقد ہوئی تھی جس میں فیصلہ پایا کہ حضرت مریم بیشک والدۃ اللہ تھیں۔ خلاصہ یہ کہ
حضرت عیسیٰ ... ان صدیوں میں کلیسائے روم اور یونان
کے مابین جو اختلافات و تفرقے واقع ہوئے اس کے بعد تیرہ صدیوں میں تخمیناً اکتیس خونریز
مناقشات کرسی پاپ کے حصول کے واسطے واقع ہوئے۔

سب ... ان ... اسباب کا ذکر کرکے جو خلیفہ مامون الرشید کی
متعصبانہ ... میں اپنی کارروائی کر رہے تھے یہ بیان کرکے کہ روایتوں کا

عام طور سے جمع ہونا ایسے ہی اسباب کی وجہ سے عمل میں آیا" یہ فرماتے ہیں کہ "خراب اور بے اصل مادہ کی کثرت خود مسلمانوں ہی کی چھان بین کے اندازہ سے قیاس کی جا سکتی ہے" انکا قول ہے کہ اس باب میں ڈاکٹر ویل کی رائے قابل اعتماد اور تعریف ہے۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ ایسے وقت میں روایات زبانی پر اعتماد کرنے نے جبکہ وہ حافظہ سے منتقل ہوتی آتی تھیں اور ہر روز نئے نئے اختلافات اسلام میں پیدا کرتی تھیں اختلاع اور بناوٹ کے لیئے ایک وسیع رستہ کھولدیا جبکہ کسی دینی یا دنیوی معاملہ کی حمایت کی ضرورت ہوتی تو اس سے سہل کوئی بات نہ تھی کہ پیغمبر صاحب کی کسی زبانی روایت کا حوالہ دیتے۔ اس قسم کی روایات کی اصلیت اور جس طور سے کہ محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے نام کو تمام دروغ اور بیہودہ ممکنات کی تائید میں بدنام کرتے تھے اس امر سے صاف صاف ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ بخاری نے جو علماء سے روایت حاصل کرنے کے واسطے ملکوں ملکوں پھرا تھا بہت سے برسوں کی چھان بین کے بعد اس بات پر قرار دیا کہ منجملہ چھ لاکھ روایات کے جنکا اُس زمانہ میں مروج ہونا تحقیق ہوا تھا صرف چار ہزار معتبر اور مستند تھیں اور اس منتخب تعداد میں سے یورپین محقق کم سے کم نصف کے خارج کرنے پر بلا وسواس مجبور ہوتا ہے۔ اُس زمانہ کے بالیاقت محققین کے تجربہ سے بھی یہی منکشف ہوتا ہے۔ اسی طرح ابو داود کی نسبت بھی سُنا گیا ہے کہ پانچ لاکھ روایتوں میں سے جو اُس نے جمع کی تھیں چار لاکھ چھیانوے ہزار کو خارج کر دیا اور صرف چار ہزار کو مستند قرار دیا۔"

اس جگہ ہم اس بات پر کہ تعداد روایات خارج شدہ کی کیا اصلیت ہے اور کس اصول پر خارج شدہ روائتیں خارج کی گئی تھیں اور آیا اُس سے اُن کل روایتوں خارج شدہ کا

موضوع ہونا لازم آتا ہے یا نہیں بحث کرنی نہیں چاہتے بلکہ ہم ڈاکٹر ویل اور سر ولیم میور دونوں کی رائے سے متفق ہو جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہم اس بات کا بھی افسوس کرتے ہیں کہ ڈاکٹر ویل کے اس بیان کے بموجب کاربند ہونے کے بجائے کہ "چار ہزار روایات منتخبہ بخاری ہیں سے یورپین محقق کم سے کم نصف کے خارج کرنے پر بلا وسواس مجبور ہوتا ہے" یورپین محققوں نے جن میں سر ولیم میور سب نمبر اول ہیں بخاری کی چار ہزار روایات پر بھی قناعت نہ کر کے اپنی تصنیفات کو واقدی۔ ہشامی۔ مولودنامہ معراج نامہ اور اور کتابوں پر جن میں بجز بیہودہ باتوں کے اور کچھ نہیں ہے اور جن کو خود مسلمانوں ہی نے خارج کر دیا ہے مبنی کرنے کی جانب مائل ہوئے ہیں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "جامعین نے گو کہ وہ غیر معتبر روایات کے اخراج میں بیدھڑک تھے روایات معتبر کی تمیز میں کسی عمدہ قانون کا برتاؤ نہیں کیا" اسکی تشریح وہ اگلے جملہ میں اس طرح پر کرتے ہیں کہ "مضمون روایت سے کچھ بحث نہ تھی بلکہ محض نام ہی جنکی طرف وہ روایت منسوب ہوتی تھی مسئلہ اعتبار کو حل کر دیتے تھے۔ اگر یہ نام الزام سے مبرا ہوتے تو روایت مستند قرار پاتی۔ کوئی بیہودگی کیسی ہی صریح کیوں نہو کسی روایت کو جو اس امتحان میں پوری ہوتی روایات مستندہ کے رتبہ سے خارج نہیں کر سکتی تھی"

سر ولیم میور کا یہ بیان ہمارے نزدیک بالکل صحیح ہے مگر اُنھوں نے اس موضوع سے جس پر جامعین حدیث نے حدیثوں کو جمع کیا غور نہیں کی۔ جس وقت کہ حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں اور اول اول اُن کے جمع ہونیکا کام شروع ہوا تو پہلا کام جامعین حدیث کا یہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہو صرف اُن کے راویوں کی معتبری تحقیق کر کے اُن حدیثوں کو قلمبند کر لیں بشرطیکہ بادی النظر میں کوئی ایسا امر جو اُس حدیث کی صحت میں مخل ہو موجود نہ ہو۔ دوسرا

کام اُن حدیثوں کی معتبری اور نامعتبری کا بلحاظ اُن کے مضامین کے تھا اسکا وقت اُن جامعین کو نہیں ملا تھا کیونکہ پہلا ہی کام جو اُنہوں نے کیا وہی نہایت سخت و مشکل تھا۔ اگرچہ پچھلے لوگوں کے دلوں میں اُن بزرگوں کی جنہوں نے حدیثوں کو باعتبار راویوں کے جمع کیا تھا۔ ایسا ادب اور ایسی عظمت جم گئی تھی کہ اکثروں نے اُس دوسرے کام کی نسبت جو باقی رہا تھا توجہ نہ کی لیکن بہت سے علما محققین ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اُس دوسرے فرض کو بھی ادا کیا ہے اور اُس کے لیئے قواعد بھی منضبط کئے ہیں اور اُصول حدیث کی کتابیں تصنیف کی ہیں اور بلحاظ مضامین حدیث کے حدیث کی معتبری اور نامعتبری قرار دینے کو فن درایت سے موسوم کیا ہے۔ قطع نظر اس کے اس وقت ہر ایک مسلمان کے اختیار میں ہے کہ بہ لحاظ اُصول درایت کے جس کتاب کی حدیث پر چاہے اُس کے معتبر اور نامعتبر ہونے کی بحث کرے اور جس کو نامعتبر سمجھے اُسکو نہ مانے۔

سر ولیم میور اپنے بیان کے ضمن میں راویوں کے ایماندار ہونے کو تسلیم کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُس کے یہ بھی کہتے ہیں کہ موضوع روایتیں معتبر روایتوں کے ساتھ مخلوط ہو گئی ہیں اور بغرض تمیز مابین صحیح اور موضوع روایتوں کے اس طرح پر لکھتے ہیں کہ "دو اُمور جن پر کسی روایت کے اعتبار کا غلبہ بالخصوص منحصر ہونا چاہیئے یہ معلوم ہوتے ہیں کہ آیا مسلمانوں میں بالعموم مضمون مروی کی جانب رعایت اور عدم غداری پائی جاتی تھی یا نہیں دوم یہ کہ آیا راویوں میں کسی خاص غرض تعصب یا کسی غرض کے آثار پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ اور سوم یہ کہ آیا راوی کو واقعات کے علم کا بذات خود موقع ملا تھا یا نہیں"

ان تین قواعد معینہ سر ولیم میور میں اخیر کے دو قواعد کے تسلیم کرنے میں ہمکو کچھہ کلام نہیں ہے کیونکہ یہ دو بھی منجملہ انہیں قواعد کے ہیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ قاعدۂ اول کی نسبت ہم حیران ہیں کہ بغیر زیادہ کسی تفصیل کے ہم اسکو اس بات کے لئے کہ آیا فلاں حدیث صحیح ہی یا غلط اور کس قدر صدق یا کذب اُس میں موجود ہے کس طرح پر قاعدہ قرار دیں۔

اس حیرانی کے رفع کرنے کو ہم نے اُس تفصیل کی طرف رجوع کی جو اُس کی نسبت سر ولیم میور نے تحریر فرمائی ہے۔ وہ مذکورۂ بالا امر پر دو طرح سے نظر ڈالتے ہیں یعنی زمانہ کے لحاظ سے اور مضمون کے لحاظ سے زمانہ کو وہ چند حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا حصہ اُس وقت تک شمار کرتے ہیں جب تک کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت شروع نہیں ہوئی تھی وہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کے اُس زمانہ کے حالات کے شاہد یا تو عمر میں اُن سے چھوٹے ہیں یا اُن کی برابر اسواسطے پیغمبر صاحب کی ولادت سے پیشتر کے واقعات یا اُن کی طفولیت کے حالات کے باب میں اُن کی شہادت معتبر نہیں ہے اور اُنکی نوجوانی کے سوانح بھی اُن میں سے بہت کم اشخاص سے مشاہدہ کیے ہونگے۔"

بظاہر یہ بیان لوگوں کے خیال میں صحیح معلوم ہوتا ہوگا لیکن اس میں غلطی یہ ہے کہ سر ولیم میور نے سب سے اول یہ فرض کر لیا ہے جیسا کہ اُنہوں نے خود لکھا ہے کہ روایت کی سب سے پہلی ترویج کا زمانہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد ہوا تھا" مگر اس رائے کے برخلاف محکم ترین دلائل موجود ہیں اور ثابت ہی کہ روایات کے بیان کرنے کی رسم جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں شروع ہوئی تھی۔ دوم یہ کہ صاحب موصوف نے اس بات کو ایک امر واقعی تسلیم کر لیا ہی کہ جملہ اصحاب اور وہ بھی جنہوں نے

جناب پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات میں وفات پائی تھی یا تو جناب پیغمبر خدا سے چھوٹے تھے۔ یا اُن کے ہم عمر تھے اور یہ امر تاریخی واقعہ کے برخلاف ہے اور صحابہ بھی بلحاظ عمر کے اتنے تو ضرور ہی تھے کہ جناب پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت سے ذرا پیشتر کے واقعات اور نیز اُن کے بچپن اور جوانی کے حالات کو بچشم خود مشاہدہ کیا ہو اور اُن کو صحیح صحیح یاد رکھکر اوروں سے بے کم وکاست نقل کیا ہو اور ایسے ہی لوگوں کے بیان کو ہم مستند قرار دیتے ہیں۔

علاوہ اس کے کسی واقعہ کی صدق کی تحقیق کو محض گواہان معائنہ کی موجودگی پر موقوف رکھنا شہادت کے قواعد معینہ سے جنکو تمام شائستہ اور مہذب قوموں نے تسلیم کر لیا ہے بالکل انحراف کرنا ہے۔ گواہان معائنہ کے سوا اور بھی چند اُمور ہیں جنکا عمل ایسا ہی مستحکم ہوتا ہے اور کسی واقعہ کے صدق یا کذب کو ضرور قائم کر دیتے ہیں۔ صرف اسقدر فرق ہے کہ ہر واقعہ جسکی نسبت کوئی معتبر گواہ معائنہ تصدیق کرے فی الفور تسلیم کر لیا جاتا ہے اور صورت ثانی میں تواتر اور کثرت راویوں کی اُس کی صحت کو تبلاتی ہیں۔ پس جناب پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کسی زمانہ کے واقعات کی تصدیق میں ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے کہ اُن مسلمہ قوانین کی شہادت کے موجب جو انسان کے قوائے عقلی نے بدون لحاظ کسی مذہب کے مرتب کئے ہیں گواہ کے بیان کے صدق کا امتحان کریں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "اگر کسی واقعہ کی جانب توجہ بالتخصیص مائل نہو تو اس کی نسبت کامل اور ٹھیک بیان کی اُمید رکھنی بے فائدہ ہوگی اور بہت سے برسوں کے گذرنے کے بعد ایسے گواہ سے زیادہ سے زیادہ یہ توقع ہو سکتی ہے کہ واقعات قابل الذکر کا عام طور پر بیان کر دے۔۔۔۔ اس اُصول کو صاحب موصوف جناب پیغمبر کی

سوانح عمری کے اس زمانہ تک جبکہ بقول اُن کے جناب پیغمبر خدا ایک فریق کے سرگروہ ہوگئے نہایت شد و مد سے استعمال کرتے ہیں اور اسکو اس زمانہ کے پیشتر تک وسعت دیتے ہیں جبکہ بقول ان کے آنحضرت نے علانیہ دعوی نبوت کیا تھا اور شرک سے ممانعت کی تھی اور اہالیان مکہ سے کھلم کھلا لڑائی اختیار کی تھی" اور اس بیان سے یہ نتیجہ پیدا کرتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا کے اُن حالات کا ٹھیک ٹھیک اور قرار واقعی دریافت ہونا جب تک کہ انہوں نے عام شہرت حاصل نہیں کی تھی غیر ممکن ہے۔

سر ولیم میور کے اس وضعی اُصول کو جو اُنہوں نے اپنی ذہانت سے اختراع کیا ہے ہم بلا وسواس مان لیتے اگر ہم اس تردد میں نہوتے کہ اگر یہہ اُصول مان لیا جاوے تو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی اُس سوانح عمری کی نسبت جو اُن کی شہرت حاصل کرنے سے پیشتر وقوع میں آئی تھی کیا کیا جاوے گا۔ کیا" اُن کی نسبت بھی کامل اور ٹھیک ٹھیک بیان کی اُمید رکھنی بے فائدہ ہوگی" اور کیا ان حالات کا ٹھیک ٹھیک اور قرار واقعی دریافت ہونا غیر ممکن ہوگا

بلکہ جناب پیغمبر خدا کے اس زمانہ کی سوانح عمری کی بہ نسبت حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے حالات قبل پیدایش اور وقت پیدایش اور اُن کے ایام طفولیت اور ایام جوانی کی سوانح عمری سے زیادہ تر غرض ہے۔ کیونکہ ہم جناب پیغمبر خدا کے کسی واقعہ قبل ولادت اور اُن کی کسی سوانح عمری ایام طفولیت کو ایسا نہیں پاتے جس کی صحت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صحت کا مدار ہو اور بلکہ آنحضرت کے تمام حالات زندگی میں ایک امر بھی ایسا نہیں دکھائی دیتا جسکی صحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے غیر مشہور زمانہ کے کسی واقعہ کی صحت پر موقوف ہو۔ مگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے

باب میں ایسا نہیں ہے۔ اُن دونوں انبیا علیہم السلام کی عمر کے تمام مشہور زمانہ کی اصلیت اُن کی عمر کے غیر مشہور زمانہ کی صحت پر منحصر ہے۔ ہمکو کس طرح اس امر کا یقین ہو سکتا ہے کہ وہ لامعلوم بچہ جس کو فرعون کی بیوی نے دریائے نیل میں ایک صندوق میں بہتا ہوا پایا تھا عمران کا حقیقی بیٹا تھا جس کو تمام دنیا حضرت موسیٰ کہتی ہے۔ اور ہم کو کس طرح اس بات کا یقین کلی ہو سکتا ہے کہ وہ بچہ جس کو ہم "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" اور عیسائی "ابن اللہ" کے خطابوں سے مخاطب کرتے ہیں اور جس کی نسبت یقین ہے کہ بن باپ کے پیدا ہوا تھا داؤد کی نسل میں سے تھا اور وہ وہی تھا جس کو اب عیسیٰ مسیح کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دونوں امر جو موسوی اور عیسوی مذہب کی بنیاد ہیں ایسے اسرار سے بھرے ہوئے ہیں جنکا ثابت کرنا ایسا محال اور ایسا غیر ممکن ہے جیسا کہ دنیا میں کسی چیز محال اور غیر ممکن کا ممکن ثابت کرنا ہے۔ اگر ہم سر ولیم میور صاحب کے اُصول مندرجۂ بالا کو صحیح تسلیم کرلیں تو ہم کو اندیشہ ہے کہ مبادا ہمارے مذہب کے حق میں مضر ہو کیونکہ ہم بھی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر اعتقاد کامل رکھتے ہیں۔ چونکہ اس خیال سے ہمارا دل تھرتا ہے اس لئے ہم سے یہ امید ہرگز کبھی نہیں چاہیئے کہ ہم ایسے ضرر رساں اُصول کو منظور کریں۔

ہمکو صرف اس زبانی بیان سے کہ سر ولیم میور کا اُصول غیر صحیح ہے تسکین نہیں ہوتی بلکہ ہم زیادہ بحث کرکے اُس سقم کو دریافت کرینگے جس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کی زندگی کے غیر مشہور زمانہ کے حالات کو صحیح ماننے میں حیرانی ہوتی ہے۔

یہ سقم جس کو ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں سر ولیم میور کے الفاظ "بت سے برسول

کے گذرنے کے بعد کے غیر مصرح ہونے سے واقع ہوا ہے اور ایسا کلام شہادت کے مسلمہ قوانین کے برخلاف ہے اُن کو بجائے اُن الفاظ کے اس طرح کہنا چاہیئے تھا کہ ایسے زمانہ کے انقضا کے بعد جو ایک جائز تحقیق اور نتیجہ کی صحت کے احتمال کو غیر ممکن کردے" لیکن جناب پیغمبر خدا کے غیر مشہور زمانہ حیات کو اس قدر عرصہ نہیں گذرا تھا زمانہ رواج روایت میں بہت سے آدمی زندہ موجود تھے جنہوں نے جناب پیغمبر خدا کی پیدائش اُن کا بچپن اُن کا لڑکپن اور اُن کی نوجوانی دیکھی تھی اور گو بقول سر ولیم میور کے "اُن کا حافظہ اور خیال پیغمبر صاحب کی زندگی کے حالات کو بالتخصیص ذہن نشین کرنے میں مصروف نہ تھا" تاہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ تمام چشم دیدہ باتوں کو بھول گئے ہوں۔

برخلاف اس کے جبکہ "ایک بیکس یتیم بچہ - ایک محض بے شرمابشندہ" ایک ایسا شخص جس کی نسبت تمام سکنائے مکہ میں سب سے کم یہ گمان ہو سکتا تھا کہ اُسکے پڑوسیوں کی آنکھیں اس کی طرف متوجہ ہوں" اور جبکہ ایسا غیر مشہور شخص ایسا عام چال وچلن اختیار کرے جو اپنی نوعیت میں نہایت جلیل القدر رہا اور جو اس کے خاندان اُس کے ہمسایوں اور اُس کے ہموطنوں پر بالعموم شاق ہو تو قیاس اس کا مقتضی ہے کہ ہر شخص جو اُس سے قرابت رکھتا ہوگا اُس کی زندگی کے غیر مشہور زمانہ کے حالات اور خفیہ طرز معاشرت اور افعال کی سخت چھان بین کریگا اور اُس کی خفیہ معاشرت کے ہر واقعہ کا اُسی طرح کے اُن واقعات سے مقابلہ کریگا۔ جو اُن سب کے روبرو واقع ہوئے ہوں اور جن کی نسبت وہ وہ سب معائنہ کے گواہ ہوں۔

سر ولیم میور آگے چلکر بیان کرتے ہیں کہ "اس سے ضرور یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ

جملہ صورتوں میں جن پر کوئی قاعدہ منجملہ قواعد متذکرہ صدر کے موثر ہوتا ہو صراحت ایک بڑی علامت بناوٹ کی ہوگی اور عیسائیوں کے لیئے فن تحقیق اور تدقیق کے اسی قسم کے قانون کا اختیار کرنا بہتر ہوگا کہ ہر روایت جس کی ابتدا واقعات مرویہ کی درحقیقت ہمعصر نہیں ہے حسب اندازہ صراحت بیان کے بیہودہ ہے۔ اس سے ہمارا (یعنی عیسائیونکا) بیہودہ قصوں کی ایک تعداد کثیر سے پیچھا چھوٹ جاویگا جن میں کہ گندہے ہوئے بیان اور سنجے ہوئے کلام کی جزوی علامات نقلی کل کی تازگی کے ساتھ موجود ہیں"

جبکہ ہمنے یہ ثابت کردیا ہے کہ سر ولیم میور کے مذکورہ بالا قواعد شہادت کے اصول مسلمہ کی رو سے سراسر غلط ہیں تو اسکے یہ معنی ہیں کہ جو نتیجہ اُن قواعد سے مستنبط کیا ہے کہ "صراحت ایک بڑی علامت بناوٹ کی ہوگی" وہ بھی غلط ہے اور جناب پیغمبر خدا کی زندگی کے زمانہ غیر مشہور پر ٹھیک ٹھیک صادق نہیں آتا ہے۔ اُنکا یہ بیان کہ "ہر روایت جسکی ابتدا واقعات مرویہ کے درحقیقت ہمعصر نہیں ہے حسب اندازہ صراحت بیان کے بیہودہ ہے" قانون شہادت کے خلاف ہے۔ اگر وہ اسطرح پر کہتے کہ "وہ روایت جسکا راوی۔ نہ یہ کہ جسکی ابتدا سے روایت۔ واقعات مرویہ کے درحقیقت ہمعصر نہیں ہے حسب اندازہ صراحت بیان بیہودہ ہے" تو گنجایش تھی۔

وہ نتیجہ جو سر ولیم میور نے عیسائیوں کے فن تحقیق و تدقیق کے قانون کو روایات اسلام پر مستعمل کرنے سے حاصل کیا ہے یہ ہے کہ "بیہودہ قصوں کی ایک تعداد کثیر سے انکا پیچھا چھوٹ جائے گا کہ جن میں گندہے ہوئے بیان اور سنجے ہوئے کلام کی علامتیں نقلی کل کی تازگی کے ساتھ موجود ہیں" لیکن ہمکو اس بات کے کہنے سے نہایت افسوس ہوتا ہے کہ صاحب موصوف نے اس استنباط میں بھی غلطی کی ہے

کیونکہ یہ استنباط بھی شہادت کے مسلمہ قوانین کے سراسر خلاف ہے جب کبھی کوئی ایسی روایت بیان کی جاتی ہے جس میں کہ تمام جزوی علامتیں کل کی تازگی کے ساتھ موجود ہوں اور جو استمداد زمانہ کی وجہ سے غیر ممکن معلوم ہوتی ہیں تو اس بنا پر جو شبہ پیدا ہوتا ہے راوی کی نسبت ہوتا ہے کہ اسکو کیونکر یہ تفصیل یاد رہی نہ مضمون روایت کی نسبت کیونکہ اسکا صحیح ہونا حیز امکان سے خارج نہیں ہے اور اسلئے اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جامعین روایات کو قواعد منضبطہ کے بموجب راوی کا چال چلن ہر طرح بے لوث ثابت ہو جاوے اور اُسکے حافظہ پر اعتماد ہو اور اُن واقعات کے یاد رہنے کا بھی امکان ہو تب مضمون روایت کو بھی صحیح تسلیم کرنے میں کچھ شک و شبہ نہیں رہتا۔

اسکے بعد سر ولیم میور دوسرے زمانہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یعنی وہ جداگانہ حصہ زمانہ کا جو محمد صلعم کے مشہور حصہ عمر اور فتح مکہ کے ما بین حائل ہوتا ہے" اُنکے کل بیان کا لب لباب یہ ہے کہ ہم اُن روایات کو معتبر تسلیم نہیں کر سکتے جن میں "بناوٹ کے افعال" "بے بنیاد اتہامات" اور مبالغہ آمیز الزامات جو محمد (صلعم) کے مخالفوں کی طرف عائد ہوتے ہیں منقول ہیں کیونکہ تمام کفار نے جو مکہ کے رہنے والے خواہ مدینہ کے رہنے والے تھے سب نے اسلام قبول کر لیا تھا اور تمام یہودی عیسائی اور مشرکین نکال دیئے گئے تھے اور اب کوئی ایسا شخص وہاں نہ رہا تھا جو ایکطرفہ بیان کی تردید کرتا اور چونکہ خود محمد صلعم مخالفوں پر لعنت کیا کرتے تھے تو کب ممکن تھا کہ کسی مسلمان کو اُنکی حمایت کی جرأت ہوتی اور اسی وجہ سے" اہل روایت بھی کفار سے نفرت کرتے تھے اور مورخین ہمیشہ" اس شہادت کی طرف جو اُنکے خلاف ہوتی تھی آنکھ لگائے رہتے تھے"

بغیر اسکے کہ ہم اس مقام پر بیان کو طول دیں یا یہ کہیں کہ صاحب موصوف کا بھی

قول اور انبیاء علیہم السلام اور اُنکے متبعین پر بھی صادق آتا ہے خصوصاً اُس زمانہ پر جب کہ
حضرت موسیٰ نے نہایت بیرحم لڑائیوں کے بعد تمام کفار کو نیست و نابود کر دیا تھا اور جب کہ
قسطنطین اعظم کے زور سے تمام لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ مگر ہم اس امر کو
اس کتاب کے پڑھنے والوں کی منصفانہ رائے پر چھوڑتے ہیں اور یہ سوال کرتے ہیں
کہ آیا یہ ممکن ہے کہ نیکی - ایمانداری - اور صداقت کے کل آثار یعنی قانون قدرت کے
وہ بیش بہا جوہر جو انسان کے قوائے اخلاق کا مادہ ہیں لاکھوں ذی فہم اشخاص کے
سینوں سے یک لخت محو ہو گئے ہوں اور وہ سب یکدل اور یک زبان ہو کر بدترین افعال
کی طرف مائل ہوئے ہوں یعنی دروغگوئی اور واقعات کی غلط بیانی کی طرف جو اُن سب کے
روبرو واقع ہوئے ہوں اور جنکو اُن سب نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہو۔ یہی امر یعنی اُن واقعات
کے گواہان معائنہ کی تعداد کا ہزاروں اور لاکھوں کو پہونچنا اُن واقعات کے غلط بیانی کے
عدم امکان پر دلالت کرتا ہے۔

ذاتی میلان پر غور کرنے کے وقت سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ راوی کی اس ہوس
نے کہ محمد صاحب کی صحبت میں بار پاوے کیونکہ اُنکے نام کے ساتھ شرافت و حرمت مربوط
تھی اور اُنکی دوستی حصول مدارج اور عزت کی باعث تھی اور اس ہوس نے کہ محمد صاحب
کے کسی فرضی الہام یا معجزہ سے علاقہ قریبہ حاصل کرے "کسواسطے کہ وحی میں مذکور ہونا
سب سے بڑی ممکن الحصول عزت شمار کیجاتی تھی خلاف فطرت واقعات کے اختراع یا مبالغہ
پر جرأت بڑہائی اور روایات کے مبالغہ غلط بیانی اور نیز ایجاد کی باعث ہوئی۔

جب کوئی مصنف ایسے میلان رائے اور تعصب کی وجہ سے بالکل طرفدار بنجاتے
تو اس میں کچھ چارہ نہیں۔ یہ کسطرح خیال میں آسکتا ہے کسی مذہب کے ابتدائی زمانہ کے

معتقدین جو اپنے مذہب پر سچا اعتقاد رکھتے ہوں اور جن کے دلوں کے مخفی سے مخفی کونوں میں بھی یہ اعتقاد ہو کہ پیغمبر خدا کی سنت کا اتباع ہماری نجات کا یقینی اور محفوظ رستہ ہے اور انکے احکام سے سرتابی کرنا ضلالت ابدی کا موجب ہے یہ کسطرح ممکن ہے کہ ایسے پاک اور پرہیزگار آدمی سب کے سب اپنے نبی کے فرمانے کو بالائے طاق رکھکر اور اپنی مقدس کتاب کے احکام اور نصائح سے آنکھ بند کرکے دروغگوئی - فریب دہی - اور ریاکاری میں یک لخت مبتلا ہو گئے ہوں - خلاصہ یہ کہ ہر طرح کی بد اعمالیاں اور گناہ اُن سے سرزد ہوے ہوں - بطور مثال کے کسی مذہب کو لو - ہندو مذہب کو - بودہ مذہب کو دیگر مشرکین کے مذہب کو یہودی مذہب کو - عیسوی مذہب کو معہ اُسکے بہت سے فرقوں کیتھلک - پروٹسٹنٹ - یونی ٹیرین - ٹرینٹیرین - ویزلینز - بپٹسٹ - جمپرز - مورمنز - وغیرہ کو تو تم اُن میں سے ہر مذہب کے ابتدائی زمانہ کے معتقدین میں نیکی - صداقت - ایمانداری - راست بازی - سرگرمی - راسخ الاعتقادی - اور جاں نثاری کی بو پاؤ گے اور اپنے نبی کے احکامات اور اپنے مذہب کے قوانین سے انحراف کرنے کے خیال ہی سے اُنکو خائف اور ہراساں پاؤ گے - ہمکو اپنے بیان کی تائید اور تصدیق کے لئے منجملہ ہزاروں مثالوں کے صرف ایک ہی مثال کافی ہوگی اور وہ یہ ہے کہ جبکہ زید ابن ثابت سے حضرت ابوبکر نے قرآن مجید کے اجزاے منتشرہ کو ایک جگہ جمع کرنے کا ارشاد کیا تو کچھہ عرصہ تک زید ابن ثابت خوف کے مارے عالم سکوت میں رہے اور پھر جب ہوش وحواس درست ہوے تو حضرت ابوبکر سے خوف اور غصہ اور بے صبری کے ملے ہوئے جوش سے استفسار کیا کہ ایسے کام کرنے کی جو خود پیغمبر خدا کی موجودگی میں نہیں کیا گیا آپ کیونکر جسارت کرتے ہیں - پھر یہ کسطرح ذہن میں آسکتا ہے کہ اُن لوگوں نے جو پیغمبر

خدا سے اسقدر خوف اور اُن کی اسقدر تعظیم کرتے تھے اور جو بجز صداقت کے اور کسی
چیز کو نہیں جانتے تھے فی الفور ایسی بُرائیوں کے اختیار کرنے سے اپنے آپ کو ذلیل
اور خوار کر دیا ہو اور ایسے گناہ عظیمہ اُن سے سرزد ہوتے ہوں -

اسی طرح کی متعصبانہ طبیعت سے سر ولیم میور آگے چلکر یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم
اس باب میں غیر مشتبہہ شہادت رکھتے ہیں کہ رعایت اور جانب داری نے روایت پر
ایک گہرا اور مستقل نقش کر دیا اس کے بعد صاحب موصوف روایات موضوعہ کے رواج
کے بہت سے اسباب کے ضمن میں یہ کہتے ہیں کہ "قومی میلان عموماً تمام اسلام میں پھیلا
ہوا ہے اس وجہ سے اور بھی زیادہ مضر ہے" اسی طرح "محمد صاحب کی توقیر اور اُن کو
عجیب وغریب اوصاف سے متصف کرنے کی خواہش" سر ولیم میور کے نزدیک تمام قصوں
کی ابتدا آنحضرت ہی سے ہوئی تھی - کیونکہ سر ولیم میور بموجب اپنے اعتقاد کے ذرا
بھی شک نہیں رکھتے کہ "اصلی واقعات ایک وہمناک خیال کی رنگ آمیزی سے اسطرح
آراستہ یا مبدل ہوگئے ہیں" اسکے بعد سر ولیم میور کہتے ہیں کہ "محمد صاحب کی توقیر کی
اسی عام خواہش کی طرف اُن مسلم معجزات کو بھی منسوب کرنا چاہئے جن سے کہ اُن کے
سب سے ابتدائی تاریخیں بھی مملو ہیں" اسکے بعد سر ولیم میور نے اپنی بے انتہا خفگی
اُن یہودی اور عیسائی عالموں پر ظاہر کی ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
اسلام کی بشارات کا ذکر کیا ہے - سر ولیم میور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ
کو بھی موضوع اور بے اصل اس وجہ سے بتلاتے ہیں کہ "پیغمبر اسلام کو حضرت اسمٰعیل کی
اولاد میں خیال کرنے کی خواہش اور شاید ثابت کرنے کی کوشش اُنکی حیات ہی میں شروع
ہوئی تھی" بعد اسکے وہ کہتے ہیں کہ دلیل خلف سے بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے یعنی

روایتیں جو عمدہ شہادت پر مبنی اور مسلم تہیں اسلئے کہ اوائل اسلام میں مشہور تہیں عموماً بے اعتبار یا بالکل خارج ہوگئیں کیونکہ اُن سے محمد صاحب کی تحقیر یا کسی فاسد عقیدہ کی تائید معلوم ہوئی"۔ پہر وہ کہتے ہیں کہ "اس معاملہ کی حالت کی وجہ سے اس مقام کو اسقدر کامل طور سے ثابت کرنا جیسا کہ مقامات گذشتہ کو ثابت کیا گیا غیر ممکن ہے کیونکہ اب ہمکو اُن روایتوں کا جو اوائل میں ترک کردی گئی تہیں کچہہ پتہ نہیں معلوم ہوتا۔

یہ خلاصہ ہے سر ولیم میور کے ایک طول طویل بیان کا جس سے صریح ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی محققانہ تحریر نہیں ہے بلکہ ایک مخالف مذہب کی تحریر ہے اور ایسے طرز میں لکہی گئی ہے جو ایک متعصب مخالف کے مناسب اور موزوں ہے جو اپنے بیانات اور اپنی زبان اور جائز تحقیق کی رعائت میں محتاط نہیں ہے اور جو اپنے مذہب کے سوا اور مذاہب کی باتوں پر اور بالخصوص اُس مذہب کی باتوں پر جس سے اُس کے مذہب کو کسی نہ کسی طرح مضرت پہنچی ہو نہایت حقارت اور بے اصل شبہہ کی نظر سے دیکہتا ہے۔ اگر ہمسے ایسے بے موقع اور غیر معتدل بیانات کی نظیر طلب کیجائے تو ہم اُن سخت اور کفر آمیز کلمات کا حوالہ دیں جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے مذہب کے بارہ میں استعمال کیا کرتے تہے۔

سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ "روایتیں جو عمدہ شہادت پر مبنی تہیں کیونکہ اوائل اسلام میں مشہور تہیں عموماً بے اعتبار یا کل خارج ہوگئیں کیونکہ اُن سے محمد صاحب کی تحقیر یا کسی فاسد عقیدہ کی تائید معلوم ہوئی"۔

مگر یہ کیسا غلط بیان ہے اور یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جس امر کو وہ خود اسقدر اعتماد اور گہمنڈ کے ساتہ نہایت صاف اور بے لاگ زبان میں بیان کرتے ہیں گویا کہ وہ

در حقیقت ایک مسلّم تاریخی واقعہ ہے اور شک و شبہ کی گنجایش نہیں رکھتا ہے اُس
کی نسبت کوئی سند نہیں پیش کرتے ہیں بلکہ نہایت دلجمعی سے اس معاملہ کو مشتبہ
کہکر دفعتاً طے کرتے ہیں کہ اس معاملہ کی حالت کی وجہ سے اس مقام کو مستند کامل طور
سے ثابت کرنا غیر ممکن ہے کیونکہ اب ہمکو اُن روایتوں کا جو اوائل میں ترتیب کردی گئی تھیں
کچھ پتہ معلوم نہیں ہوتا کیا واسطہ جیسے دلیل [illegible] ایک سبب کا اثر نہیں ہے سر ولیم میور کا
یہ بیان بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ تمام اتہامات اور تحقیر کے الفاظ جو مشرکین اور یہود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کیا کرتے تھے مسلمانوں کی کتابوں میں بلکہ قرآن مجید میں بھی
بیان ہوئے ہیں اور کوئی بات نہ خارج کی گئی ہے اور نہ مخفی کیگئی ہے۔ رہی یہ بات کہ مسلمانوں
کی روایات میں اختلافات واقع ہوئے تھے ہم تسلیم کرتے ہیں مگر ہم اُنکے اس تہتک آمیز اسباب
کی طرف منسوب ہونے سے جو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیے ہیں اعتماد کے ساتھ انکار کرتے
ہیں کیونکہ یہ اختلافات محض اُن وجہوں سے عارض ہوئے ہیں جن کا ہم ذکر کرچکے ہیں ۔

ہمکو اس بات کے دریافت ہونے سے کہ عیسائی مصنفوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم پر صرف غلط اور بیجا اتہامات ہی نہیں لگائے ہیں بلکہ بدون کسی وجہ کے اپنے دل
میں یہ سمجھکر خوش ہوئے ہیں کہ ہمارے پیغمبر کے نام پاک پر انہوں نے دھبہ ثابت کیا
ہے کچھ بھی تعجب اور ملال نہیں ہوا ہے کیونکہ بے اصل بات کچھ بھی تعجب اور ملال کے
لائق نہیں ہوتی مگر ان بے اصل خیالات کی بنا ڈاکٹر اسپرنگر ہی سے معلوم ہوتی ہے
جنہوں نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ایک جرنل یعنی ایک رسالہ میں [illegible]
کتاب [illegible] صحیح [illegible] مضمون پیش کی تھی۔ سر ولیم میور کی عمدہ تصنیفات اور
لیاقتوں کی قدر سے جو ہمارے دل میں ہیں [illegible]

وجہ سے ہمکو قوی اُمید ہوئی تھی کہ وہ ڈاکٹر اسپرنگر کے یکطرفہ بیانات اور الزامات کی کماحقہ ہوشگافی کرینگے اور ایک سنجیدہ تحقیقات او رمنصفانہ رائے سے رسول عرب کی معصومیت کی حمایت کرینگے مگر افسوس کہ وہ امید کیسی بے اثر نکلی۔

ڈاکٹر اسپرنگر سورہ "والنجم" کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ محمد صاحب نے قریش کے بتوں اور معبودوں کی نہایت تعریف کی اور اُنکو تسلیم کرلیا" اور جبکہ وہ سجدہ میں گئے قریش نے بھی سجدہ کرنے میں اُنکا اتباع کیا۔ اس تمام قصہ کی صحت کو وہ مصنف مواہب لدنیہ کے حوالہ پر مبنی کرتے ہیں"

سر ولیم میور اس مضمون پر یوں بحث کرتے ہیں کہ "بظاہر ایک خوب معتبر قصہ موجود ہے جس سے محمد صاحب کا کفار مکہ کے ساتھ ایک عارضی موافقت اور مصالحت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اپنے بیان کو واقدی اور طبری کے بیان پر مبنی کرتے ہیں اور خاصکر ایک دلچسپ عبارت پر جو اس قصہ کی اسناد کی تشریح میں مصنف مواہب لدنیہ نے لکھی ہے "جو اعتراضات و شکوک کو اسلام کی ضرر اور فساد عقیدہ کے خوف کی طرف منسوب کرتا ہے۔

مصنف مواہب لدنیہ نے اپنی کتاب میں اس مضمون پر تمام مختلف روایتوں اور علما کی رایونکو لکھدیا ہے اور اسلئے ہم اس مقام پر اس کتاب کی عبارت کا بجنسہ نقل کردینا کافی سمجھتے ہیں اور اُسی کے ساتھ اُسکی کامل تشریح بھی کرینگے اور اس غرض سے کہ مطلب سمجھنے میں آسانی ہو مواہب لدنیہ کی عبارت کو جداگانہ دفعات میں منقسم کرتے ہیں۔

اول۔ چند لوگ حبش سے کے ہجرت کرنے والوں میں سے آئے جبکہ رسول اللہ صلعم

وقدم نفر من مهاجرة الحبشة حين قرأ عليه السلام والنجم اذا هوى حتى بلغ افرأيتم اللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى القى الشيطان في امنيته اي في تلاوته تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى فلما ختم السورة سجد صلى الله عليه وسلم وسجد معه المشركون لتوهمهم انه ذكر آلهتهم بخير وفشى ذلك بالناس واظهره الشيطان حتى بلغ ارض الحبشة ومن بها من المسلمين عثمان ابن مظعون واصحابه وتحدثوا ان اهل مكة قد اسلموا كلهم وصلوا مع النبي صلى الله عليه وسلم وقد امن المسلمون بمكة فقفلوا سراعاً من الحبشة ۔

ولما تبين المشركين ذلك رجعوا الى اشد ما كانوا عليه ۔

نے یہ آیت پڑہی "والنجم اذا ھوی" "قسم ہے ستارہ کی جب نیچے کو آتا ہے" یہانتک کہ جب آنحضرت اس آیت پر پہونچے "افرأیتم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری" "کیا تم نے دیکہا لات اور عزی کو اور پہر منات کو جو تیسرا ہے" تو شیطان نے اُن کی تلاوت میں یہ الفاظ ڈالدیے "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی" "یہ بڑے بت ہیں اور اُنکی شفاعت کی اُمید ہے" پس جب آنحضرت نے سورۃ ختم کی تو سجدہ کیا۔ مشرکون نے بہی آپ کے ساتہ سجدہ کیا کیونکہ اُنکو یہ گمان ہوا تہا کہ رسول اللہ نے اُنکے خداؤں کو بہلائی سے یاد کیا۔ اور یہ بات لوگوں میں پہیل گئی اور شیطان نے اُسکو مشہور کیا۔ یہانتک کہ ملک حبش میں اور اُن مسلمانوں میں جو وہاں تہے یعنی عثمان بن مظعون اور اُن کے ساتہیوں میں یہ خبر عام ہوئی۔ اُن لوگوں نے آپسمیں گفتگو کی کہ مکے کے سب لوگ اسلام لاے اور آنحضرت کے ساتہ نماز پڑہی اور مسلمانوں کو مکہ میں امن ہوگیا۔ وہ لوگ جلدی جلدی حبش سے روانہ ہوے۔

اور جب مشرکین کو معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے تو پہلے سے زیادہ سختی پر قائم ہوے۔

سوم۔ قاضی عیاض نے "شفاء" میں اس قصہ پر اور اسکی اصل کے سست ہونے پر کافی وشافی گفتگو کی ہے لیکن اسکے بعض حصوں پر گرفت کی گئی ہے۔ جیسا کہ آتا ہے۔

وقد تکلم القاضی عیاض رحمه فی الشفاء علی هذه القصة و توهین اصلها بما یشفی ویکفی لکن تعقب فی بعض ما سیاتی۔

چہارم۔ امام فخر الدین رازی نے کہا ہے۔ جیسا کہ میں نے انکی تفسیر کا ملخص سمجھا ہے کہ یہ قصہ جھوٹ ہے اور گڑھا ہوا ہے۔ اسکا بیان کرنا جائز نہیں ہے خدا نے کہا ہے کہ "آنحضرت اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے۔ وہ نہیں ہے مگر وحی جو کہ وحی بھیجی گئی" اور خدا نے کہا "ہم تمکو پڑھا دینگے سو تم نہ بھولو گے"۔

وقال الامام فخر الدین الرازی فیما لخصته من تفسیره هذه القصة باطلة وموضوعة لا یجوز القول بها قال الله تعالی وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی وقال تعالی سنقرئك فلا تنسی۔

پنجم۔ بیہقی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے روایت کی رو سے۔ پھر بیہقی نے اسبات پر گفتگو کی ہے کہ اس قصہ کے راوی مطعون ہیں۔

وقال البیهقی هذه غیر ثابتة من جهة النقل ثم اخذ یتکلم فی ان رواة هذه القصة مطعونون۔

ششم۔ نیز بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے سورہ نجم پڑھی اور آپکے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور آدمی اور جن نے سجدہ کیا۔ اس روایت میں غرانیق کی حدیث

وایضا فقد روی البخاری فی صحیحه انه علیه السلام قرا سورة

النجم وسجد معه المسلمون
والمشركون والانس والجن وليس
فيه حديث الغرانيق بل روي
هذا الحديث من طرق كثيرة و
ليس فيها البتة حديث الغرانيق

نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث بہت سے طریقوں سے مروی
ہے مگر کسی میں غرانیق کی حدیث مذکور نہیں ہے۔

ہفتم۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو شخص سہوات کو جائز رکھے کہ رسول نے

ولاشك ان من جوز على الرسول
تعظيم الاوثان فقد كفر لان من معلوم
بالضرورة ان اعظم سعيه كان في نفي
الاوثان ولو جوزنا ذلك ارتفع الامان
عن شرعه وجوزنا في كل واحد من الاحكام
والشرايع ان يكون كذلك ويبطل قوله
تعالى يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك
من ربك وان لم تفعل فما بلغت
رسالته فانه لا فرق في العقل بين
النقصان في الوحي والزيادة فيه
فبهذه الوجوه عرفنا على سبيل الاجمال
ان هذه القصة موضوعة وقد قيل ان هذه
القصة من وضع الزنادقة لا اصل لها انتهى

بتوں کی تعظیم کی تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ تو بداہۃً معلوم
ہے کہ آنحضرت کی بڑی کوشش بتوں کا مٹانا تھا۔
اور اگر ہم سہوات کو جائز رکھیں تو شریعت پر کچھ اعتبار نہ رہیگا
اور ہم کو کل احکام و شریعتوں میں ایسا ہی جائز خیال کرنا لازم
آئیگا اور خدا کا یہ قول باطل ہو جائیگا کہ اے رسول خدا
کی طرف سے جو تجھ پر اتارا گیا ہے اسکو لوگوں کو پہونچا اور
اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اوس کی رسالت کو نہیں پہونچایا
کیونکہ کلام کے اعتبار سے وحی کے گھٹانے میں اور
زیادہ کر دینے میں کچھ فرق نہیں ہے۔ پس ان وجہوں
سے ہم نے اجمالاً جان لیا کہ یہ قصہ گڑھا ہوا ہے۔ اور کہا
گیا ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کے موضوعات سے ہے
جس کی کچھ اصل نہیں ہے۔

ہشتم۔ اور ایسا نہیں ہے بلکہ اُسکی ایک اصل ہے۔ کیونکہ اُسکو روایت کیا ہے ابن ابی حاتم وطبری وابن المنذر نے متعدد طریقوں سے شعبہ سے اُنہوں نے ابو بشر سے اُنہوں نے سعید بن جبیر سے اور اسی طرح ابن مردویہ اور بزار اور ابن اسحاق نے سیرت میں اور موسی ابن عقبہ نے مغازی میں اور ابو معشر نے سیرت میں جیسا کہ حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

ولیس کذلک بل لها اصل فقد اخرجه ابن ابی حاتم والطبری وابن المنذر من طرق عن شعبة عن ابی بشر عن سعید بن جبیر وکذا ابن مردویه والبزار وابن اسحق فی السیرة وموسی بن عقبة فی المغازی وابو معشر فی السیرة کما نبه علیه الحافظ عماد الدین ابن کثیر وغیره۔

نہم۔ لیکن کہا ہے کہ اُس کے سب طریقے مرسل ہیں اور یہ کہ وہ صحیح طور سے مسند نہیں کی گئی ہے۔ اور اسپر اعتراض کیا گیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لکن قال ان طرقها کلها مرسلة وانه لم یرها مسندة من وجه صحیح وهذا متعقب بما سیاتی۔

دہم۔ اور اسی طرح اُسکے اصل کے ثابت ہونے پر شیخ الاسلام اور حافظ ابو الفضل عسقلانی نے تنبیہ کی ہے سو کہا کہ روایت کیا ہے ابن ابی حاتم اور طبری اور ابن المنذر نے متعدد طریقوں سے شعبہ سے اُنہوں نے ابو بشر سے اُنہوں نے سعید بن جبیر سے کہا اُنہوں نے کہ پڑھا رسول اللہ صلعم نے مکہ

کذا نبه علی ثبوت اصلها شیخ الاسلام والحافظ ابو الفضل العسقلانی فقال اخرج ابن ابی حاتم والطبری وابن المنذر من

طرق عن شعبة عن ابی بشر عن سعید
بن جبیر قال قرأ رسول الله صلی
الله علیه وسلم بمکة والنجم فلما بلغ
افرأیتم اللات والعزی ومناة الثالثة
الاخری القی الشیطان علی لسانه
تلك الغرانیق العلی وان شفاعتهن
لترتجی فقال المشرکون ما ذکر
الهتنا بخیر قبل الیوم فسجد و
سجدوا فنزلت هذه الآیة وما
ارسلنا من قبلك من رسول ولا
نبی الا اذا تمنی القی الشیطان
فی امنیته الآیة۔

میں "والنجم" کو پس جب پہونچے اس آیت پر افرأیتم
اللات والعزی ومناة الثالثة الاخری شیطان
نے آنحضرت کی زبان پر یہ الفاظ ڈالدیئے "تلك الغرانیق
العلی وان شفاعتهن لترتجی" پس کہا مشرکوں نے
آج سے پہلے کبھی محمد نے ہمارے خداؤں کو بھلائی
سے یاد نہیں کیا تھا۔ پھر آنحضرت نے سجدہ کیا اور مشرکوں
نے بھی سجدہ کیا پس یہ آیت اتری وما ارسلنا من
قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی
الشیطن فی امنیته اخیر آیت تک

یازدہم۔ اور روایت کیا ہے اسکو بزار نے اور ابن مردویہ نے امیہ بن خالد کی روایت

واخرجه البزار وابن مردویه من
طریق امیة بن خالد عن شعبة
فقال فی اسناده عن سعید بن
جبیر عن ابن عباس فیما احسب
ثم ساق الحدیث وقال البزار
لا یروی متصلا الا بهذا الاسناد

سے امیہ نے شعبہ سے۔ پس کہا اسکے اسناد
جہانتک میں جانتا ہوں سعید بن جبیر کی روایت ابن
عباس سے ہے۔ پھر حدیث بیان کرنے لگے اور بزار
نے کہا۔ یہ حدیث اتصال کے ساتھ صرف اسی اسناد
مروی ہے۔ اسکے وصل کرنے میں امیہ بن خالد متفرد
ہے اور وہ مشہور ثقہ ہے۔

تفرد به وصدامية بن خالد وهو

ثقة مشهور

دوازدہم۔ اور کہا کہ یہ روایت کی گئی ہے کلبی کے طریقہ سے اُسنے ابو صالح

عربی	اردو
وقال البزار وروی هذا من طريق	سے اُسنے ابن عباس سے انتہیٰ - اور کلبی چھوڑ دیا گیا ہے
الكلبي عن ابي صالح عن ابن عباس	اسپر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔

انتهى والكلبي متروك لا يعتمد عليه

سیزدہم۔ اور اسی طرح اُسکو نحاس نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے

عربی	اردو
وكذا اخرجه النحاس بسند آخر فيه	جس میں واقدی ہے اور اُسکو ابن اسحاق نے کتاب
الواقدي وذكرها ابن اسحاق	سیرت میں تفصیلاً ذکر کیا ہے اور اُسکو محمد بن کعب سے
في السيرة مطولة واسندها عن محمد	اسناد کیا ہے اور اسی طرح ابن عقبہ نے مغازی میں
بن كعب وكذلك ابن عقبة في	ابن شہاب سے اُسنے زہری سے اور اسی طرح ابو معشر
مغازيه عن ابن شهاب عن الزهري	نے سیرت میں محمد بن کعب قرظی کے طریقہ سے و محمد
وكذا ابو معشر في السيرة عن محمد	بن قیس کے طریقہ سے - اور طبری اُسی کے طریقہ سے
ابن كعب القرظي ومحمد بن قيس	لایا ہے - اور ابن ابی حاتم لایا ہے اسباط کے طریقہ
واورده من طريقه الطبري وابن ابي	سے وہ سدی سے اور ابن مردویہ نے اُسکو روایت
حاتم من طريق اسباط عن السدي ورواه	کیا ہے طریقہ عباد بن صہیب سے وہ یحیی ابن کثیر سے
ابن مردويه من طريق عباد بن صهيب	وہ کلبی سے وہ ابو صالح سے اور ابو بکر ہذلی سے اور
عن يحيى بن كثير عن الكلبي عن ابي	ایوب سے وہ عکرمہ سے اور سلیمان تیمی سے اُن تین شخصوں نے
صالح ومن ابي بكر الهذلي وايوب	جنہوں نے ابن عباس سے روایت کیا - اور طبری اُس

عن عكرمة وسليمان التيمي عن
کو عوفی کے طریق سے لایا ہے اور وہ ابن عباس سے

من حدث ثلاثتهم عن ابن عباس
اور سب کا مطلب ایک ہی ہے اور وہ سب طریقے سوائے

واوردها الطبري من طريق العوفي
سعید بن جبیر کے طریقہ کے یا ضعیف ہیں یا منقطع ہیں

عن ابن عباس ومعناهم كلهم في ذلك
لیکن بہت سے طریقوں کا ہونا اسبات پر دلالت کرتا ہے

واحد وكلها سوى طريق سعيد بن
کہ قصہ کی کچھ اصل ہے۔

جبير اما ضعيف واما منقطع لكن
كثرة الطرق تدل على ان للقصة اصلا

چہارم۔ باوجود اسکے کہ اُسکے دو اور طریقے ہیں جو مرسل ہیں۔ اور اُنکے راوی صحیح

مع ان لها طريقين اخرين مرسلين رجا
کی شرط کے موافق ہیں۔ ایک تو وہ جسکو طبری نے

لهما على شرط الصحيح احدهما اخرجه
روایت کیا ہے یونس بن یزید کے طریقہ سے یونس

الطبري من طريق يونس ابن يزيد
نے ابن شہاب سے کہ حدیث بیان کی مجھسے ابوبکر

عن ابن شهاب حدثني ابو بكر ابن
بن عبد الرحمان بن الحرث نے بن ہشام سے اُسی

عبد الرحمن بن الحرث عن بن هشام
طرح ذکر کیا اور دوسرے وہ جسکو طبری نے روایت کیا

فذكر نحوه والثاني ما اخرجه ايضا من
معتمر بن سلیمان کے طریقہ سے اور حماد بن سلمہ کے طریقہ

طريق المعتمر ابن سليمان وحماد بن
سے دونوں نے داؤد بن ابی ہند سے داؤد نے

سلمة كلاهما عن داود بن ابي هند
عالیہ سے۔

عن العالية۔

پانزدہم۔ کہا حافظ ابن حجر نے جرأت کی ابن العربی نے اپنی عادت کے موافق پس کہا

قال الحافظ ابن حجر وقد تجرا ابن
کہ ذکر کیا طبری نے اس باب میں بہت سی روایتوں کو

اعرض بعد ذلك فقال ذكر الطبري
في ذلك روايات كثيرة لا اصل لها و
هو اطلاق مردود عليه وكذا قول القاضي
عياض هذا الحديث لم يخرجه اهل
الصحة ولا رواه ثقة بسند سليم
متصل مع ضعف نقلته واضطراب
رواياته وانقطاع اسانيده وكذا قوله
ومن حكيت عنه هذه القصة من
التابعين والمفسرين لم يسندها احد
منهم ولا رفعها الى صاحب واكثر
الطرق عنهم في ذلك ضعيفة واهية

جن کی کچھ اصل نہیں ہے" اور یہ مطلقاً حکم لگانا رد
کیا گیا ہے اور اسی طرح قاضی عیاض کا قول کہ "
اس حدیث کو صحت والوں نے نہیں روایت کیا
اور نہ کسی ثقہ نے کسی سند متصل صحیح سے روایت
کیا۔ اسکے ساتھ اسکی نقل کرنے والے ضعیف
ہیں اور اسکی روایتوں میں اضطراب ہے اور
اسکی سندیں منقطع ہیں" اور اسی طرح قاضی عیاض
کا یہ قول کہ تابعین ومفسرین میں سے جن سے اس
قصہ کی حکایت کی گئی ہے کسی نے اسکو سند کے
ساتھ نہیں بیان کیا اور نہ کسی نے اسکو کسی صحابی
کی طرف مرفوع کیا اور اکثر طریقے جو ان سے مروی
ہیں ضعیف اور واہی ہیں۔

شانزدہم۔ کہا کہ بزار نے بتا دیا کہ یہ حدیث کسی ایسے طریقہ سے مروی نہیں ہے

قال وقد تبين البزار انه لا يعرف
من طريق يجوز ذكره الا طريق
ابي بشر عن سعيد بن جبير مع الشك
الذي وقع في وصله واما الكلبي فلا
يجوز الرواية عنه لقوة ضعفه ثم
رده من طريق النظر بان ذلك

جسکا ذکر کرنا جائز ہو بجز اس طریقہ کے جو ابو بشر
نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے لیکن باینہمہ
اسکے وصل میں شک واقع ہوا ہے۔ لیکن کلبی تو
اس سے روایت کرنی جائز نہیں ہے بوجہ اسکے
نہایت ضعف کے۔ پھر اس حدیث کو عقلاً رد کیا ہے
کہ اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے

لو وقع لارتد کثیر ممن اسلم قال	حالانکہ یہ کہیں منقول نہیں ۔ انتہیٰ ۔
ولم ینقل ذلک انتہی ۔	

ہفتم ۔ اور یہ سب باتیں قواعد حدیث کے مطابق نہیں چل سکتیں کیونکہ جب حدیث

وجمیع ذلک لایتمشی علی القواعد	کے بہت سے طریقے ہوں اور اُنکے مخرج جداگانہ
فان الطرق اذا کثرت وتباینت	ہوں تو اس بات کی دلیل ہوگی کہ اسکی کچھ اصل ضرور
مخارجہا دل ذلک علی ان لہا اصلا	ہے ۔ اور ہمنے بیان کیا کہ تین سندیں اُن میں ہی
وقد ذکرنا ان ثلاثۃ اسانیدہا	صحیح کی شرط کے موافق ہیں ۔ اور وہ مرسل ہیں
علی شرط الصحیح وہی مراسیل	اُن کی مثل سے دلیل لاتے ہیں وہ لوگ جو مرسل
یحتج بمثلہا من یحتج بالمرسل وکذا	سے دلیل لاتے ہیں ۔ اور اسیطرح وہ لوگ ہی جو
من لا یحتج بہ لاعتضاد بعضہا	مرسل سے نہیں دلیل لاتے ۔ کیونکہ بعض طریقہ کو بعض
ببعض (مواہب)	سے تقویت ہوتی ہے ۔

اس قصہ کی نسبت مصنف مواہب لدنیہ نے جو طول طویل بیان کیا ہے وہ اس مقام پر ختم ہوتا ہے ۔ مگر مصنف مواہب لدنیہ نے اخیر کو جو یہ بات بیان کی ہے کہ روایت کے متعدد مخرج ہونے سے اس بات کی دلیل ہوسکتی ہے کہ اسکی کچھہ اصلیت ہے اور تین سندیں جنکا سلسلہ آنحضرت تک نہیں پہنچا صحیح تصور کرنے کے لائق ہیں اور جو لوگ کہ ایسی روایتوں کو جنکا سلسلہ آنحضرت تک نہ پہونچا ہو صحیح تصور نہیں کرتے وہ بھی اُسکے متعدد ہونے کے سبب اُسکو تسلیم کرینگے :: یہ بیان اسکا محض غلط ہے ۔ جو روایتیں کہ اس باب میں ہیں اور جو خود اُسنے بیان کی ہیں باہم مختلف ہیں اور روایات مختلفہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُسکے متعدد مخارج ہیں ۔ اور روایت مرسل یعنی جسکا سلسلہ آنحضرت

تک پہنچا ہو گو اُسکو متعدد لوگوں نے بیان کیا ہو قابل سند نہیں ہے جب تک کہ اُسکی
تائید کیلئے کوئی روایت مستند موجود نہو اور نیز وہ روایت قرآن مجید کے مخالف نہو
لیکن جبکہ کوئی روایت مثل روایت مذکورۂ بالا کے قرآن مجید کے احکام کے برخلاف
ہو اور جبکہ وہ جناب پیغمبر خدا کے اُن تمام حالات کے برخلاف ہو جو شرک کے مٹانے اور
خدائے واحد کی عبادت کرنے سے متعلق ہیں اور جبکہ وہ اسلام کے اصلی اصول
سے اتفاق نرکھتی ہو اور معہذا ایسی مختلف اور مشتبہ ہو جسکا مدار صرف اسبات پر ہو
کہ وہ الفاظ کہنے کے تھے اور کہنے والا بھی محقق نہوا ہو تو ایسی روایت ازروئے عقل
اور انصاف کے کس طرح اُن قواعد میں داخل ہو سکتی ہے جن میں اُس روایت کے
داخل کرنے کو مصنف مواہب لدنیہ نے کوشش کی ہے۔

وہ لوگ بھی جو اس روایت کے حامی ہیں اسبات کا صاف صاف اقرار کرتے ہیں
اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسکی تائید میں کوئی کافی ثبوت اور کوئی قابل اعتماد سند موجود
نہیں ہے اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ سر ولیم میور اسقدر اعتماد کے ساتھ کس بنا پر یہ بیان
فرماتے ہیں کہ "بظاہر ایک خوب مستند قصہ موجود ہے جس سے محمد صاحب کا مشرکین مکہ
کے ساتھ ایک عارضی موافقت اور مصالحت کر لینا ثابت ہوتا ہے"

اس روایت کی صحت کی نسبت رائے قائم کرنا اس کتاب کے پڑھنے والوں پر
چھوڑتے ہیں۔ خود مصنف مواہب لدنیہ نے جو روایتیں اسکی نسبت لکھی ہیں انہیں سے
اسکی صحت اور عدم صحت کا سراغ لگاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ فقرہ "تلك الغرانيق العلى
ان شفاعتهن لترتجى" ہرگز جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں نکلا تھا کیونکہ
خود مصنف مواہب لدنیہ نے لکھا ہے جیسا کہ فقرہ دوم میں ہمنے نقل کیا ہے کہ "جب

مشرکونکو یہ بات معلوم ہوئی کہ پیغمبر خدا نے یہ لفظ نہیں فرمائے تھے تو انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ دشمنی اختیار کی:

جناب پیغمبر خدا کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ گذرا ہے یعنی جب آنجناب مکہ میں تشریف رکھتے تھے کہ کفار مکہ آنحضرت کے ساتھ نہایت جفا اور بیرحمی سے پیش آتے تھے اور ہر طرح جو انکا وحشیانہ بغض ایجاد کرسکتا تھا آنحضرت کو ایذا اور تکلیف دیتے تھے۔ کفار مکہ جناب پیغمبر خدا کے وعظ میں خلل انداز ہونے کے کسی موقعہ کو ہاتھ سے نہیں دیتے تھے آنحضرت کو نماز پڑھتے وقت تنگ کرتے تھے اور جبکہ آنحضرت خدائے واحد کی حمد و ثنا بیان فرماتے تھے مشرکین بھی اپنے جھوٹے معبودوں کی تعریف کیا کرتے تھے پس مذکورہ بالا روایت سے جو منصفانہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ جب آنحضرت سورۂ نجم نماز میں پڑھ رہے تھے کفار مکہ حسب عادت مخل ہوئے اور اپنے بتوں کی تعریف کی یعنی جبکہ جناب پیغمبر خدا سورۂ نجم پڑھ رہے تھے اور اس آیت پر پہونچے "افرأیتم اللات والعزی ومنات الثالثۃ الاخری" تو مشرکین میں سے کسی نے اپنے بتوں کی تعریف کی غرض سے یہ جملہ کہا "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترجی" اور جبکہ جناب پیغمبر خدا نے سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی براہ برابری اپنے بتونکو سجدہ کیا۔ مشرکین میں اسبات کا اختلاف ہوا کہ وہ جملہ کسنے کہا۔ کچھہ عجب نہیں کہ مشرکین سمجھے ہوں کہ وہ جملہ پیغمبر خدا ہی نے فرمایا تھا۔ مگر اُن کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ پیغمبر خدا نے وہ جملہ نہیں کہا اور اسلئے آنحضرت سے زیادہ دشمنی پر مستعد ہوگئے۔ اسوقت کے مسلمان ہرگز یقین نہیں کرسکتے تھے کہ آنحضرت نے وہ جملہ فرمایا ہو اور کہنے والا بھی متحقق نہیں ہوا اسلئے انہوں نے کہا کہ شیطان نے کہا تھا بعد اسکے جب روایات کے بیان کرنے

اور نکلنے کی نوبت پہونچی تو مسلمان عالموں میں اختلاف ہوا - جو لوگ شیطان کے زیادہ معتقد تھے اور یہ بات پیش کرتے تھے کہ شیطان پیغمبروں کے کلام میں اسطرح اپنا کلام ملا دے سکتا ہے کہ پیغمبر ہی کی زبان سے نکلتا ہوا معلوم ہو انہوں نے کہا کہ پیغمبر ہی کی زبان سے وہ لفظ نکلے تھے - کیونکہ شیطان نے وہ لفظ ملا دئیے تھے - مگر دونوں فریق اشتباہ کو تسلیم نہیں کرتے کہ پیغمبر صاحب نے وہ لفظ کہے تھے - باینہمہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جناب رسول خدا کے اصحاب میں سے کسی نے ان الفاظ کا کسی نہج پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے نکلنا نہیں خیال کیا کیونکہ کوئی روایت ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ ان صحابہ میں سے جو اسوقت ایمان لا چکے تھے کسی نے اس بات کو بیان کیا ہو - بلکہ نہ کسی نے صحابہ میں سے اور نہ کسی نے کبار تابعین میں سے اسکو بیان کیا ہے یہی بے سروپا روایتیں ہیں جنکا ذکر طبری اور واقدی اور ابن اسحاق نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے -

جو کچھ ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ وہ جملہ مشرکین میں سے کسی نے کہا تھا اُس کی تشریح خود مواہب لدنیہ کی ایک روایت میں مندرج ہے جسکو ہم بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں -

اس روایت کا ترجمہ یہ ہے اور کہا گیا ہے کہ رسول اللہ جب اس آیت پر پہونچے -

وقیل انہ لما وصل الی قولہ ومناۃ الثالثۃ الاخری خشی المشرکون ان یاتی بعدہ بشیء من ذم الہتہم فبادروا الی ذلک الکلام فخلطوہ فی تلاوۃ النبی	ومناۃ الثالثۃ الاخری تو مشرکوں کو ڈر ہوا کہ اسکے بعد کچھ ایسی چیز نہ پڑھیں جس میں اُن کے خداوں کی مذمت بیان کریں - پس وہ لوگ فوراً یہ کلام کرنے لگے اور رسول اللہ کی تلاوت

صلعم علی عادتہم فی قولہم لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فیہ ونسب ذلك الى الشيطان لكونه الحامل لهم على ذلك او المراد بالشيطان شيطان الانس (مواهب)۔

میں ملا دیا اپنی اُس عادت کے موافق جیسا کہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اس قرآن کو سنو مت اور اُس میں گڑبڑ کر دو۔ اور یہ بات منسوب ہو گئی شیطان کی طرف۔ کیونکہ اُسنے اُن لوگونکو اسپر آمادہ کیا تھا یا شیطان سے مراد آدمیوں کی شیطان ہیں (یعنی شریر آدمی)۔

روایات کے معتبر قرار دینے کے لئے سر ولیم میور نے ایک اور قاعدہ ایجاد کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ "جب کسی روایت میں محمد صاحب کی تحقیر کے کلمات ہوں مثلاً بعد ہجرت کے اگر اُن کے متبعین میں سے کسی نے بے ادبی یا اُن کے دشمنوں نے گستاخی کی ہو یا کار خیر میں ناکام ہونا یا کسی واقعہ یا عقیدہ میں اصول اور منشار اسلام سے اختلاف اور انحراف پایا جاوے تو اُسکے تسلیم کرنے کو قوی دلیلیں ہیں کیونکہ یہ قیاس میں نہیں آتا کہ ایسی روایتیں اختراع کر لی جاویں یا مخترع ہو کر محمد صاحب کے متبعین میں رواج پا جاویں" درحقیقت کسی روایت کی صحت کے اثبات کا یہ ایک عجیب طرز ہے۔ کیا ہمکو اُن تمام روایات کو صحیح اور مستند مان لینا چاہیے جنکو مخالفین اسلام نے موضوع اور مخترع کیا تھا اور جنکو مسلمان عالموں نے اپنی کتابوں میں اس غرض سے نقل کیا ہے کہ انکی تردید کریں اور انکو موضوع اور بے اصل ثابت کریں یا وہ کسی غلطی کے سبب سے مسلمانوں میں رواج پا گئی تھیں اور جن کی نسبت علما نے تحقیق کی اور بتایا کہ یہ روایتیں ملحدوں اور کافروں کی پھیلائی ہوئی روایتیں ہیں۔ درحقیقت یہودیوں نے اور بالخصوص عیسائیوں نے اس قسم کی بیہودہ روایتیں اور قصے آنحضرت کی نسبت اور دین اسلام کی نسبت اس حاسدانہ ارادہ

تھے کہ مخالف مذہب اور اسکے بانی پر عیب لگانے اختراع کر لیتے تھے۔ پس انکا مذکورہ بلا وجوہات مسلمانوں کی کتابوں میں مذکور ہونا کوئی دلیل انکی صحت کی نہیں ہو سکتی۔

تعجب ہے کہ سر ولیم میور ان روایات کے معتبر ہونے کی یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ قیاس میں نہیں آتا کہ ایسی روایت اختراع کر لیجاتی یا مخترع ہو کر متبعین محمد صاحب میں مروج ہو سکتی۔ یہی ان کی دلیل اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ روایتیں جھوٹی اور مخالفین اسلام اور یہودیوں اور عیسائیوں کی مخترع ہیں۔

سر ولیم میور ایک اور نیا قاعدہ ایجاد کرتے ہیں اور اسکا نام "تلون آمیز اختراع" قرار دیتے ہیں اور اسکی مثالیں مفصلہ ذیل بیان کرتے ہیں کہ "مثلاً بعض گواہ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ محمد صاحب خضاب کیا کرتے تھے اور خضاب کی دوا کا نام بھی بتاتے ہیں۔ بعض صرف اسیقدر دعویٰ نہیں کرتے ہیں کہ ہمنے بچشم خود اس امر کو پیغمبر صاحب کی زندگی میں مشاہدہ کیا تھا بلکہ ان کی وفات کے بعد آپ کا بال جس پر کچھ رنگ محسوس ہوتا تھا دکھلا دیا تھا۔ اور اور گواہ جنکو ویسے ہی عمدہ ذریعے واقفیت کے حاصل تھے بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے کبھی خضاب نہیں کیا اور انکو خضاب کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ انکے سفید بال صرف تھوڑے سے تھے جو شمار میں آسکتے تھے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جناب پیغمبر خدا کے سفید بال بنہایت کم تھے کہ گنتی میں آسکتے تھے اور آنحضرت نے تمام عمر کبھی خضاب نہیں کیا۔ جو لوگ کہ ہمیشہ حاضر باش رہتے تھے انکا یہی بیان ہے۔ جو کہ سفید بال ہونے سے پہلے اکثر بال بھورے ہو جاتے ہیں تو ان لوگوں نے ان بھورے بالوں کو دیکھا خیال کیا خضاب کئے ہوئے ہیں اور انہوں نے آنحضرت کا خضاب کرنا بیان کیا اور اسی بھورے بال کو دکھا کر استدلال کیا۔

خضاب کی دوا کا ذکر کسی معتبر حدیث میں نہیں ہے بلکہ حدیث میں اس شے کا ذکر ہے جسکو پیغمبر خدا بروقت غسل کے اپنے سر پر ملتے تھے - پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان روایات کا اختلاف حالات مذکورہ بالا کے سبب قدرتی اسباب سے وقوع میں آ سکتا ہے انکو دیدہ و دانستہ عیارانہ بناوٹیں نہیں کہ سکتے اور نہ ان روایتوں اور نہ اسی قسم کی اور روایتونکو جنکا ذکر سر ولیم میور نے اپنی کتاب کے حاشیہ میں کیا ہے متناقض روایتیں کہ سکتے ہیں -

بعد اسکے سر ولیم میور اس قسم کی ایک اور مثال پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ خاتم نبوی کے باب میں جس میں کوئی جانب داری مطالب خاندانی یا عقیدہ کے مضر بھی نہ تھا متناقض روایتیں ہیں - ایک فریق کا قول ہے کہ اپنے مراسلات پر مہر لگانے کی ضرورت سے پیغمبر صاحب نے خالص چاندی کی ایک انگشتری بنوائی تھی - دوسرے فریق کا بیان ہے کہ خالد ابن سعید نے اپنے واسطے ایک لوہے کی انگوٹھی جسپر چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا بنوائی تھی اور محمد صاحب نے اس انگوٹھی کو پسند کر کے اپنے پاس رہنے دیا - ایک تیسری روایت ہے کہ اس انگشتری کو عمرو ابن سعد حبش سے لائے تھے اور چوتھی روایت ہے کہ معاذ ابن جبل نے اس مہر کو اپنے لئے یمن میں کھدوایا تھا - بعض روایتوں میں منقول ہے کہ محمد صاحب اس انگشتری کو سیدھے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے اور بعض میں لکھا ہے کہ الٹے ہاتھ میں - بعض روایات میں مندرج ہے کہ مہر کا نگینہ اندر کی طرف رکھا کرتے تھے اور بعض میں یہ ہے کہ باہر کی طرف کو - بعض روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مہر پر بجز صدق اللہ منقش تھا اور بعض سے واضح ہوتا ہے کہ بجز محمد رسول اللہ تھا - اب یہ سب روایتیں ایک ہی انگشتری کی طرف اشارہ کرتی ہیں کیونکر متواتر بیان کیگئی

سے کہ نئے مذہب اور اُسکے بانی پر عیب لگائیں اختراع کر لیئے تھے۔ پس اُنکا مذکورہ بالا وجوہات سے مسلمانوں کی کتابوں میں مذکور ہونا کوئی دلیل اُنکی صحت کی نہیں ہوسکتی۔

تعجّب ہے کہ سر ولیم میور اُن روایات کے معتبر ہونے کی یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ قیاس میں نہیں آتا کہ ایسی روایت اختراع کر لیجائے یا مخترع ہو کر متبعین محمد صاحب میں رواج پا سکے"۔ یہی اُن کی دلیل اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ روایتیں جھوٹی اور مخالفین اسلام اور یہودیوں اور عیسائیوں کی مخترع ہیں۔

سر ولیم میور ایک اور نیا قاعدہ ایجاد کرتے ہیں اور اُسکا نام "تلون آمیز اختراع" قرار دیتے ہیں اور اُسکی مثالیں اسطرح پر بیان کرتے ہیں کہ "مثلاً بیس گواہ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ محمد صاحب خضاب کیا کرتے تھے اور خضاب کی دوا کا نام بھی بتاتے ہیں۔ بعض حضر اسیقدر دعوی نہیں کرتے ہیں کہ ہمنے بچشم خود اس امر کو پیغمبر صاحب کی زندگی میں مشاہدہ کیا تھا بلکہ اُن کی وفات کے بعد آپ کا بال جس پر کہ رنگ محسوس ہوتا تھا دکھلا دیا تھا۔ اور بیس گواہ جنکو ایسے ہی عمدہ ذریعے واقفیت کے حاصل تھے بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے کبھی خضاب نہیں کیا اور اُنکو خضاب کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ اُنکے سفید بال اسقدر تھوڑے تھے کہ شمار میں آسکتے تھے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جناب پیغمبر خدا کے سفید بال نہایت کم تھے کہ گنتی میں آسکتے تھے اور آنحضرت نے تمام عمر کبھی خضاب نہیں کیا۔ جو لوگ کہ ہمیشہ حاضر باش رہتے تھے اُنکا بھی بیان ہے۔ چونکہ سفید بال ہونے سے پہلے اکثر بال بھورے ہو جاتے ہیں تو جن لوگوں نے اُن بھورے بالوں کو دیکھا خیال کیا خضاب کیئے ہوئے ہیں اور اُنہوں نے آنحضرت کا خضاب کرنا بیان کیا اور اُسی بھورے بال کو دکھا کر استدلال کیا۔

خضاب کی دوا کا ذکر کسی معتبر حدیث میں نہیں ہے بلکہ حدیث میں اُس شئے کا ذکر ہے جسکو پیغمبر خدا بروقت غسل کے اپنے سر پر ملتے تھے۔ پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان روایات کا اختلاف حالات مذکورہ بالا کے سبب قدرتی اسباب سے وقوع میں آسکتا ہے انکو دیدہ و دانستہ عیارانہ بناوٹیں نہیں کہہ سکتے اور نہ اُن روایتوں اور نہ اُسی قسم کی اور روایتوںکو جنکا ذکر سر ولیم میور نے اپنی کتاب کے حاشیہ میں کیا ہے متناقض روایتیں کہہ سکتے ہیں۔

بعد اسکے سر ولیم میور اس قسم کی ایک اور مثال پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "خاتم نبوی کے باب میں جس میں کوئی جانب داری مطالب خاندانی یا عقیدہ کے مضمر نہیں تھی متناقض روایتیں ہیں۔ ایک فریق کا قول ہے کہ اپنے مراسلات پر مہر لگانے کی ضرورت سے پیغمبر صاحب نے خالص چاندی کی ایک انگشتری بنوائی تھی۔ دوسرے فریق کا بیان ہے کہ خالد ابن سعید نے اپنے واسطے ایک لوہے کی انگوٹھی جسپر چاندی کا غول چڑھا ہوا تھا بنوائی تھی اور محمد صاحب نے اُس انگوٹھی کو پسند کر کے اپنے پاس رہنے دیا۔ ایک تیسری روایت ہے کہ اس انگشتری کو عمرو ابن سعد حبش سے لائے تھے اور چوتھی روایت ہے کہ معاذ ابن جبل نے اُس مہر کو اپنے لیے یمن میں کھدوایا تھا۔ بعض روایتوں میں منقول ہے کہ محمد صاحب اس انگشتری کو سیدھے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے اور بعض میں لکھا ہے کہ اُلٹے ہاتھ میں۔ بعض روایات میں مندرج ہے کہ مُہر کا رُخ اندر کی طرف رکھا کرتے تھے اور بعض میں یہ ہے کہ باہر کی طرف کو۔ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مُہر پر جملہ صادق اللہ منقش تھا اور بعض سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ محمد رسول اللہ تھا۔ اب یہ سب روایتیں ایک ہی انگشتری کی طرف اشارہ کرتی ہیں کیونکہ یہ صراحت بیان کیا گیا ہے

کہ محمد صاحب کی وفات کے بعد اُسی انگشتری کو ابو بکر اور عمر اور عثمان نے زیب انگشت کیا تھا اور عثمان کے ہاتھ سے چاہ غریس میں گر پڑی تھی - ایک روایت یہ بھی ہے کہ نہ تو پیغمبر صاحب نے اور نہ کبھی اُن کے خلفاے راشدین نے کوئی انگشتری پہنی تھی "

جس طبیعت سے اُن روایتوں کو بیان کیا ہے بلاشبہہ نہایت افسوس کے قابل ہے اور سر ولیم میور کی طبیعت سے نہایت بعید معلوم ہوتا ہے - یہ بیان سر ولیم میور کا کہ "یہ سب روایتیں ایک ہی انگشتری کی طرف اشارہ کرتی ہیں" محض غلط ہے اور جو دلیل اُسکے بیان کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ غلط ہے - کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ چاندی کے خول کی انگشتری کو کسی دیکھنے والے نے نری چاندی کی انگوٹھی خیال کی ہو؟ یا چاندی کی انگوٹھی علیحدہ اور خول والی انگوٹھی علیحدہ ہو - کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ معاذ ابن جبل والی انگوٹھی پر جملہ "صدق اللہ" اور جناب پیغمبر خدا کی بنوائی انگوٹھی پر جملہ "محمد رسول اللہ" کندہ ہو؟ کبھی آنحضرت نے انگوٹھی کو سیدھے ہاتھ میں پہنا ہو اور کبھی اُلٹے ہاتھ میں اور کبھی اس طرح پہنا ہو کہ مُہر کا رُخ اندر کی طرف ہو اور کبھی باہر کی طرف - اُس انگوٹھی کو آنحضرت اور خلفاے راشدین ہمیشہ اور ہر وقت پہنے نہیں رہتے تھے - جس شخص نے انکو ایسی حالت میں دیکھا اُسنے بیان کیا کہ کبھی انگوٹھی نہیں پہنی تھی - جو کہ سر ولیم میور نے غلطی سے یا دانستہ اُن سب روایتوں کو ایک ہی انگشتری سے متعلق کیا ہے اسلئے اپنی دلیل میں بلاتفصیل بیان کرتے ہیں کہ وہی انگشتری صحابہ تک پہونچی تھی حالانکہ وہ صرف وہ انگشتری تھی جسپر جملہ "محمد رسول اللہ" کندہ تھا - پس اُن روایتوں میں سے کوئی روایت بھی متناقص نہیں ہے - بڑے افسوس کی بات ہے کہ سر ولیم میور نے اپنے فرضی اور دلنشیں نقوش و خیالات کو اسقدر آزادی دیدی ہے کہ اُنکو حجت و برہان کی صراط مستقیم سے منحرف کر دیا ہے اور ہر شے متعلق باسلام کو گو کیسی ہی سادہ اور قرین قیاس کیوں نہو

شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے پر مائل کیا ہے اور اُسکو جعلسازی اور ایجاد اور اختراع وغیرہ ناموں سے بدنام کرتے ہیں سر ولیم میور کی تجربہ کاری سے بحیثیت ایک اعلیٰ درجہ کے عالم ہونے کے یقینی اُمید تھی کہ انکو اس بات سے مطلع کردیگی کہ محض بیانات جن کی تائید میں کوئی دلیل وثبوت نہو ہمیشہ اُسی مقصد کی خرابی کے باعث ہوتے ہیں جس کی حمایت کی اُن سے توقع کی گئی ہو۔

ہر صحیح دماغ اور ذی ہوش شخص کو اس بات کے معلوم ہونے سے ملال ہوگا کہ سر ولیم میور نے قواعدِ فنِ تصنیف سے اسقدر انحراف اختیار کیا ہے کہ دین اسلام پر الفاظ ذیل میں ایک بیجا اتہام عائد کرتے ہیں یعنی وہ فرماتے ہیں کہ "مقدس جھوٹ کی رسم اصول اسلام سے منحرف نہیں ہے۔ مروجہ دینیات اسلام کی رو سے فریب بعض حالتوں میں روا ہے خود پیغمبر صاحب نے اپنے احکام ونظیر سے اس عقیدہ کی ترغیب دی ہے کہ بعض مواقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے" اس عبارت کے حاشیہ میں وہ بیان کرتے ہیں کہ "مسلمانوں کے ہاں عام اعتقاد یہ ہے کہ چار موقعوں پر جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اول۔ کسی شخص کی جان بچانے کے واسطے۔ دوم۔ صلح اور اتفاق کرانے کے واسطے۔ سوم۔ عورت کی ترغیب دینے کے واسطے۔ چہارم۔ سفر یا مہم کے وقت میں"۔

ان کی مثالیں بھی صاحب موصوف لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "اول کی نسبت تو پیغمبر صاحب کی صریح منظوری موجود ہے۔ عمار ابن یاسر کو کفار مکّہ نے بہت اذیت پہنچائی اور اسلام سے انکار کرنے پر انہوں نے رہائی پائی۔ پیغمبر صاحب نے اس فعل کو پسند کیا اور فرمایا کہ "اگر وہ پھر ایسا کریں تو پھر اسی طرح انکار کر دینا"۔ (کاتب الواقدی صفحہ ۲۲۷ ½)۔ ایک اور روایت خاندان یاسر میں چلی آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرکین نے

عمار کو پکڑ لیا اور جب تک کہ اُن سے محمد صاحب کی مذمت اور اپنے معبودوں کی تعریف
نہ کرالی اُنکو نہ چھوڑا۔ جب وہ پیغمبر صاحب پاس آئے اور اُنہوں نے حال پوچھا تو کہا
کہ یا نبی اللہ بڑی خرابی کی بات ہوئی۔ جب تک کہ میں نے آپ کی مذمت اور اُن کے معبودوں
کی تعریف نہ کی مجھکو نہ چھوڑا۔ پیغمبر صاحب نے پوچھا کہ تو اپنے دل کا کیا حال پاتا ہے
تو جواب دیا کہ ایمان میں مستقل اور مطمئن ہے۔ اُسوقت محمد صاحب نے فرمایا کہ اگر وہ پھر
ایسا کریں تو تُو پھر بھی کہدینا۔ محمد صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ عمار کا جھوٹ ابوجہل کے سچ
سے بہتر ہے ؛

سر ولیم میور کی نکتہ چینی ہر ایک شخص کو تعجب میں ڈالتی ہوگی شیکسپیر کا قول ہے "
دیکھو کہ کسطرح ایک سادہ قصہ تمکو دہوکہ دیدے گا" اول تو اُن روایتوں کی جسکو
سر ولیم میور نے بیان کیا ہے معتبر سند درکار ہے دوسرے جن الفاظ میں صاحب
موصوف نے ان مضمونونکو بیان کیا ہے وہ درست اور ٹھیک نہیں ہیں یعنی زیادہ
تر عام اور غیر معین ہیں۔ سر ولیم میور اول موقع جھوٹ بولنے کے جواز کا "کسی کی جان
بچانا" بیان کرتے ہیں۔ اول تو یہی غلط ہے۔ کیونکہ بموجب اُن روایتوں کے جو اُنہوں
نے بیان کی ہیں اُن کو لازم تھا کہ "اپنی جان بچانا" لکھتے اور اس بے دھڑک اور پر جرأت
بیان کے بجائے سر ولیم میور کو لازم تھا کہ جملہ شرائط اور قیود اور مواقع کی جو صدق سے
اسطرح انحراف کرنے کو جائز ٹھراتے ہیں تصریح کر دیتے۔ جس فریبندہ اور معیوب پوشاک
میں سر ولیم میور نے اس مضمون کو ملبوس کیا ہے اگر وہ اُتار لیجائے تو وہ اصلی نتائج
جو بذریعہ جائز اور منصفانہ دلیل اور صحیح مقدمات سے مستنبط ہونگے یہ ہونگے کہ اگر کفار یا
کوئی اور بیرحم و جفا کار اشخاص جبر اور اذیت یا قتل کی دہمکی سے کسی ایسے آدمی سے

اُس شے کا انکار کرالیں جسکو کہ وہ اپنے دل سے اور ایمان سے برحق سمجھتا ہو اور جس کے اوپر وہ ایسی مصیبت میں بھی دلی اعتقاد رکھتا ہو تو ایسے حال میں اگر وہ اُس سے انکار کرے تو سزاے ارتداد کا ہرگز مستوجب نہیں ہے"

جبریہ مواعید سے انحراف کے جواز کی تصدیق فرانس اول بادشاہ فرانس کی مشہور ومعروف نظیر سے بھی ہوتی ہے یعنی اس بادشاہ کو چارلس خامس نے جنگ پاویا (۱۵۲۵ء) میں مقید کرکے ماڈرڈ کے پرذلت صلحنامہ کا بالجبر اقبال کراکے دستخط کرائے تھے۔ بادشاہ فرانس نے مخلصی پاتے ہی اپنے قول وقرار پر قائم رہنے سے بعذر اجبار انکار کیا اور پوپ کلیمنٹ سابع نے درحقیقت اُسکو اس جبریہ حلف سے بری کردیا۔

آدمی کے افعال کے جرم اور بےجرمی کا مدار نیت اور اختیار پر ہوتا ہے اور اسی بناپر تمام لوگ افعال کو نیک و بد قرار دیتے ہیں۔ کیا وہ کلمات اور حرکات جو کسی شخص سے بسبب اذیت اور قتل کی دہمکیوں کے لکھوا اور کرائیے گئے ہوں اُسی درجہ اور ویسی سزا کے مستوجب ہیں جیسے اُس شخص کے کلمات اور حرکات جو بلا اجبار و اکراہ اُس سے سرزد ہوئے ہوں۔

یہ اصول جس سے کہ اسلام کی پاکیزگی اور سچائی ظاہر ہوتی ہے اور جو محض ایک بےخطا اور قدرتی فطرت کا بےکم وکاست سچا نمونہ ہے اور جسکو سر ولیم میور نے البتہ اس قابل الاعتراض اور خراب صورت میں بیان کیا ہے قران مجید میں نہایت سادہ اور صریح طور پر بالفاظ ذیل بیان کیا گیا ہے کہ جس نے خدا کے ساتھ کفر کیا

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم۔

(سورۃ النحل آیت ۱۰۸)۔

بعد ایمان لانے کے۔ مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اُسکا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ لیکن جس نے کفر کے ساتھ سینہ کھولا پس اُنپر خدا کا غصہ ہے اور اُنپر بڑا عذاب ہے"۔

اس آیت پر فقہا نے غور کی ہے اور اُسکے حکم کا مقصد دو طرح پر قرار دیا۔ اول عزیمت۔ یعنی باوصف اذیتوں اور تکلیفوں اور قتل کے خوف کے جو کفار اُس پر روا رکھیں وہ ظاہرا بھی اُسی سچ پر قائم رہے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے۔ دوم رخصت یعنی ایسی حالت میں اُسکو اپنے بچانے کے لئے اجازت ہے کہ ظاہر میں اُس ایمان کا جسکی تصدیق اُسکے دل میں ہے بطور تقیہ کے انکار کرے اور دشمنوں کی ایذا سے نجات پاوے۔ البتہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ سر ولیم میور نے اس حقیقت کو اُس مقدس جھوٹ پر محمول کیا ہے جسکا رواج عیسائیوں میں تھا اور اسپر بھی ہمکو نہایت تعجب آتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے مدعا کو عجیب اختصار اور اقتصار کے ساتھ ادا کیا ہے یعنی اُن چند لفظوں میں کہ "کسی کی جان بچانے کے واسطے" جس کے بیان کے لئے قرآن مجید میں بھی باوجود اُسکی مشہور و معروف مختصر البیانی کے ایک پوری آیت درکار ہوئی ہے۔

دوسرا موقع جواز کذب کا بقول سر ولیم میور کے وہ ہے جبکہ کوئی شخص صلح و آشتی کرانا چاہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ امر روایت ذیل سے بخوبی ثابت ہے۔ اس روایت کا ترجمہ انگریزی زبان میں جو اُنہوں نے تحریر فرمایا ہے وہ حسب مندرجہ ذیل ہے۔

"وہ شخص جو دو شخصوں کے مابین صلح کرائے اور اُنکے رفع نزاع کے واسطے کلمات خیر کہے جھوٹا نہیں ہے گو وہ کلمات دروغ ہوں"۔

مگر یہ ترجمہ جو سر ولیم میور نے کیا ہے محض غلط ہے۔ اصل حدیث جو بخاری اور

مسلم میں ہے اور جسکو مشکوۃ میں بھی نقل کیا گیا ہے ہم بجنسہٖ اس مقام پر لکھتے ہیں۔

عن ام کلثوم قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس فیقول خیرا او ینمی خیرا (متفق علیہ مشکوۃ)	اسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "ام کلثوم نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے جھوٹا وہ شخص جو صلح کراوے درمیان آدمیوں کے پس کہے بھلائی اور پہنچاوے بھلائی"
قال القاضی البیضاوی ای یبلغ ما یسمعہ و یدع شرہ (کرمانی)۔	قاضی بیضاوی نے اسکی شرح اس طرح پر کی ہے کہ "پہونچاوے وہ باتیں جو سنتا ہیں اُسکو اور چھوڑ دے شر کی باتونکو"

سر ولیم میور کی عربی علمیت کو خیال کر کے ہمکو افسوس ہوتا ہے کہ بجاے اسکے کہ وہ خود اصل حدیث پر غور کرتے اور خود اُسکا صحیح ترجمہ لکھتے اُنہوں نے کپتان اے۔ این میتھیو کے غلط ترجمہ مشکوۃ کو اختیار کیا اور کپتان میتھیو نے دانستہ یا نادانستہ کیسی غلطی کی ہے کہ الفاظ "گو وہ کلمات دروغ ہوں" اپنے ترجمہ میں بڑھا دیئے ہیں اور وہ الفاظ حدیث میں نہیں ہیں۔

ہمارے مذہب میں اگر کوئی شخص کسی ماجرے کے حالات پورے پورے نہ بیان کرے اور قصداً کسی بدنیتی سے اُس ماجرے کی کوئی بات کہے اور کوئی بات نہ کہے اُس پر بھی کذاب کا اطلاق ہوتا ہے اسلیئے جناب پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اگر صلح کروانے کی حالت میں صرف اچھی ہی باتوں کا تذکرہ کرے تو وہ کذابوں میں داخل نہیں ہے۔ یعنی جو سزا کہ ایسے شخص کے لیئے ہے جس نے بدنیتی سے کچھہ باتونکو چھوڑ دیا ہے اُس سزا کا مستحق

نہین ہے۔"

تیسرا اور چوتھا موقع جس میں سر ولیم میور اسلام میں جھوٹ بولنا جائز قرار دیتے ہیں وہ یہ ہے "کسی عورت کو ترغیب دینے میں" اور "سفر یا مہم میں"۔ سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ "بلحاظ تیسرے موقع کے ہمارے پاس ایک افسوس آمیز نظیر موجود ہے کہ محمد صاحب نے ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں اپنی ازواج سے جھوٹے وعدے کرنے معیوب نہ سمجھے اور بلحاظ چوتھے موقع کے انکا معمول تھا کہ بوقت ترتیب مہمات (باستثناے مہم تبوک) اپنے مدعاے اصلی کو پوشیدہ رکھتے تھے اور کسی سمت غیر کی جانب روانگی کا عزم مشتہر کر دیتے تھے۔

سر ولیم میور نے تیسرے موقع کی جو نظیر پیش کی ہے وہ محض غلط ہے۔ کوئی صحیح روایت اس معاملہ میں قابل اعتبار موجود نہیں ہے اور حدیث کی معتبر کتابوں میں اُس کی بابت ایک لفظ بھی نہیں پایا جاتا۔ اور چونکہ بنیاد کے استحکام اور ضعف ہی سے اوپر کی عمارت کے استحکام اور ضعف کا حال کھل جاتا ہے پس کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہو سکتی جبکہ اس روایت کی صحت کا جسپر وہ مبنی ہو کافی ثبوت نہو۔

ترتیب مہمات کے وقت غیر سمت کے عزم کو مشتہر کرنے کی تائید میں بھی کوئی معتبر روایت نہیں ہے لیکن اگر ہم اُسکو صحیح بھی تسلیم کرلیں تو کیا سر ولیم میور قوانین جنگ سے بھی واقف نہیں ہیں جو اسپر نکتہ چینی کرتے ہیں؟ جب تک کہ کسی فریق سے عزم جنگ مشتہر نہیں کیا گیا ہے اُسوقت تک کوئی ایسا کام کرنا جس سے طرف ثانی کو دھوکا ہو بلاشبہ خلاف اخلاق اور خلاف صداقت کے ہے۔ لیکن جب جنگ کا اشتہار دیدیا جاوے تو اُسوقت کوئی ایسا حیلہ کرنا جس سے فریق ثانی مغلوب ہو صداقت کے خلاف نہیں ہے

تعجب یہ ہے کہ سر ولیم میور اُس الزام کو جو عیسائی مذہب پر قدیم سے چلا آتا ہے
مسلمانی مذہب پر عائد کرنا چاہتے ہیں۔ مقدس جھوٹ کا تو مسلمانوں کو خواب میں بھی خیال
نہیں آیا ہوگا کیونکہ اسکا تصور ہی اُس صدق حقیقی کی نقیض ہے جو قرآن مجید کا لُبّ لُباب
اور جوہر ہے اور اُسکی ہر سطر میں جلوہ نما ہے۔ برخلاف اسکے یہودیوں اور عیسائیوں
کے ان جیساکہ تاریخ سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے منجملہ ارکان مذہبی کے مقدس
جھوٹ بھی ایک رکن تھا اور ہمکو اسبات کے سننے سے تعجب آتا ہے کہ مقدس پال
حواری نے اُسکو بُرا بھی نہیں سمجھا تھا گناہ سمجھنا تو درکنار جیسے کہ خود عیسائی عالم اس امر
کو مقدس پال کے اس کلام سے ثابت کرتے ہیں جہاں اُنھوں نے فرمایا ہے کہ "اگر
میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی ظاہر ہوئی اور اُسکی بزرگی زیادہ ہوئی تو کسلیئے میں
گنہگار گنا جاتا ہوں" (پال کا خط رومیونکو باب ۳ ورس ۷)۔

اب ہم تاریخ کی کتابوں سے اُس مقدس جھوٹ کا ذکر کرتے ہیں جو عیسائی مذہب
میں مروج تھا۔ کتاب کرسچین ایتھولوجی ان ویلڈ میں مرقوم ہے کہ "کلیسیا کا وہ شریف
و راست باز فرزند یعنی موشیم جسکی سند اور مسلمہ صداقت میں پادریوں کو بھی کبھی کلام نہیں
ہوا ہے امر ذیل کی تصدیق کرتا ہے۔ پیروان افلاطون و فیثاغورث نے اس امر کو
ایک اصول قرار دیا تھا کہ صدق و پرہیزگاری کے مطالب کی ترقی کی غرض سے دھوکا
دینا اور نیز بروقت ضرورت جھوٹ کا استعمال کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے یہودیا
سکنائے مصر نے حضرت عیسیٰ کے آنے سے پیشتر اس اصول کو اُن سے (یعنی پیروان
افلاطون و فیثاغورث سے) سیکھا اور اخذ کیا تھا جیساکہ بیشمار تحریرات سابقہ سے بلاحجت
واعتراض ثابت ہے اور عیسائیونپر اس مضر غلطی نے ان دونوں ذریعوں سے اثر کیا

جیساکہ اُن بیشمار کتابوں سے جنکو نامی و گرامی اشخاص کی طرف اتہاماً منسوب کیا ہے ظاہر ہے
خلاصہ صدر صرف دوسری صدی کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ بیشمار اناجیل و خطوط وغیرہ حسب
بیان موشیم غلط موضوع ہوئی تہیں اور غلط منسوب کی گئی تہیں - مگر چوتہی صدی میں اس
مروجہ اصول میں کہ دینی مطالب کی ترقی کے واسطے دہوکا دینا اور جہوٹ بولنا نہایت
ثواب کا کام ہے بہت کم استثناء وقوع میں آئے ہیں - بلانڈل دوسری صدی کے ذکر
میں بیان کرتا ہے کہ خواہ مزوروں اور کذابوں کی اشد بیحیائی خواہ معتقدین کی قابل افسوس
سریع الاعتقادی کے لحاظ سے یہ ایک نہایت خراب زمانہ تہا اور مقدس جہوٹ میں اور
سب زمانوں سے سبقت لیگیا تہا کسوبن اس طرح پر شاکی ہے کہ مجہکو دین عیسوی کے
ابتدائی زمانہ میں اس بات کے دریافت ہونے سے رنج ہوا کہ بہت سے لوگ کلام ربانی کو
اپنے اختراعات سے مدد دینے سے ناموری سمجہتے تہے بدیں غرض کہ ہمارے نئے عقیدہ
کو عقلائے کفار گوش دل سے سنیں" (صفحہ ۸۰-۸۲)-

اسی کتاب میں یہ بہی بیان ہے" اور جب کبہی معلوم ہوتا تہا کہ انجیل ہر امر میں اہل دین کے
مطالب یا احکام ملکی کے اغراض کے جو اُن سے ساز رکہتے تہے موافق نہیں ہے تو ضروری
تحریفات کرلی جاتی تہیں اور طرح طرح کے مقدس جہوٹ اور جعلسازیاں کچہہ مروج ہی
نہ تہیں بلکہ بہت سے پادریوں نے اُنکو جائز قرار دیا تہا" (صفحہ ۵۲)-

اس کتاب میں ایک اور مقام پر یہ بیان ہے" اول کی تین صدیوں کے لحاظ سے
ہمکو اپنے دین کی صحیح تاریخ کا کچہہ علم نہیں بجز اُسکے جو نہایت خراب اور بگڑے ہوے
ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے کسواسطے کہ اُن اہل سیر کی روایتیں اور حکایتیں جو
اُس زمانہ میں گذرے تہے ذرا بہی اعتبار کے قابل نہیں ہیں یہ محض مقدس جہوٹ و جعلسازیاں

کی وجہ سے مشہور ہیں مگر ان موروثی کرتبوں اور ہنروں میں بھی یوسی بیس بشپ قیصریہ صدی آیندہ میں ان سے بھی سبقت لیگیا جسکا کلام حق کو چھانٹ چھونٹ کر دین کے عام مطالب سے موافق کر دینے میں کوئی ہمسر نہ تھا۔ وہ خود براہ فخر بیان کرتا ہے کہ جس سے ہمارے دین کی عظمت و نام آوری بڑھے مینے بیان کر دیا ہے اور جو اس کی تحقیر و تذلیل کی طرف مائل ہو مینے سب چھوڑ دیا ہے" (صفحہ ۹۹)۔

"متعدد اہل سیر کی تحریرات میں عدیم الامکان ریاضت اور عام سفلہ پن کی جو عیاشی و بدوضعی کی طرف مائل ہے ایک عجیب ملاوٹ پائی جاتی ہے۔ شہوات جسمانی اور خوف ایمانی کے مابین غلبہ حاصل کرنے کی صریح کوششیں اکثر قابل تضحیک معلوم ہوتی ہیں گو بعض ان میں کی لذات دیرینہ سے ثابت ہوئی ہوں لذات جدیدہ کی خواہش ان میں مستتر معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ صرف طبیعت انسانی کی ضعف کی وجہ ہے اور ہمکو صرف اسیوقت رنج امیز حیرت ہوتی ہے جبکہ وہ صفات ملکوتی کے حصول کا دعوی کرتے ہیں۔ انکے خام اور بیہودہ عقائد جو لاطینی زبان میں بیان ہیں پادریان کتھلک کے ہر وعظ و خطبہ میں مخلوط ہیں اور حواریان ذی الہام کے عقائد اور نیز حضرت مسیح کی ملفوظات کی نسبت زیادہ تر منقول ہوتے ہیں لیکن یہ امید ہے کہ ٹرٹیولین کے خیالات لاطائل "ڈی ہابی ٹیو میولیریس" اور سنٹ باسل کی "ڈی ویرا ورجی نے ٹے ٹی" نوجوان عورتونکو نہیں دکھلائی جائینگی۔ تمام بے اعتقاد مصنف جنہوں نے احکام الٰہی کا فلسفہ کی روسے امتحان کیا ہے دین عیسوی کو کفر بتا کر مضرت پہونچانے میں اسقدر ساعی نہیں ہوئے ہیں جسقدر کہ حضرات اہل سیر ہوئے ہیں۔ انہوں نے چشمہ آب ہی کو زہر ملا کر دیا ہے اور ان بے اعتقاد مصنفین نے اسکا پانی پینے سے لوگونکو باز رکھا ہے انکی سریع الاعتقادی

نے جو اسوجہ سے عارض ہوئی تھی کہ وہ طبائع و معاملات انسانی سے محض ناتجربہ کاری اور علوم طبعی سے بالکل ناواقفیت رکھتے تھے انجیل کی بیشتر نامہ تحریفات و تصرفات کی استعانت سے کلیسائے روم میں عجیب و غریب بیہودگیوں اور بدعتوں کا ایک جم غفیر شائع کردیا جنکو باوجود داد و فریاد عقل کے خوش اعتقادی اب بھی ہضم کر جاتی ہے۔ صرف اسیقدر مضرت اُن سے نہیں پہنچی ہے۔ اُنہوں نے اخلاق کی بنیاد کو کھوکلا کردیا۔ اُنہوں نے اس مقولہ کی (جسکو میں موشیم کے الفاظ میں لکھتا ہوں) تلقین کی کہ دہوکا دینا اور جھوٹ بولنا جبکہ اُن ذریعوں سے مطالب دین ترقی پذیر ہوں ثواب ہے۔ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس مطلق العنان اصول نے دروغگوئیوں اور جعلسازیوں کے چشمہ کا دہانا کھول دیا جسکا پانی ابتدائے دین عیسوی کی سرزمین پر مثل طوفان کے چھاگیا اور اُن فریبوں اور باطنی ذخیرونکو جو فی زماننا عیسائیان رومن کیتھلک کو انگشت نما اور بدنام کرتے ہیں رواج دیا۔ اہل سیر میں اول سے لیکر آخر تک سب سے بڑا خاصہ یہ پایا جاتا ہے کہ کفر آمیز سفلگی۔ سریع الاعتقادی تعصب اور فریب وہی کے حامی تھے۔ باایہمہ ایسے لوگوں کو جانشینان پطرس حواری نے پاک اور مقدس لوگونکی فہرست میں لکھا ہے"۔

سر ولیم میور کو مناسب تھا کہ اُن حالات پر خیال کرکے اسلام کی نسبت مقدس جھوٹ کے بیجا طور پر تہمت لگانے کی کوشش نہ فرماتے۔ اسلام سر تا پا صدق ہے۔ وہ نہایت درجہ کے صدق اور راستبازی کا دین ہے اور اسی حیثیت سے اور سب دینوں پر جنمیں کسی نہ کسیقدر جھوٹ کی آمیزش پائی جاتی ہے فوقیت کے دعوی کا مجاز ہے۔

تمت

الخطبة العاشرة

فی

القرآن وهو الهدى والفرقان

انه لقرآن كريم في كتاب مكنون لا يمسه الا المطهرون

قرآن جناب پیغمبر خدا پر کسطرح نازل ہوا

قرآن مجید جناب پیغمبر خدا پر حضرت موسے کی طرح پتھر کی تختیوں پر کہدا ہوا نازل نہیں ہوا تہا اور نہ اسباب کی ضرورت پڑی تھی کہ اُنکے ٹوٹ جانے کے سبب اُسکے ضائع ہونے کا خوف ہوا ہو اور پہر آنحضرت کے اصحاب کے لیئے اُسکی دوبارہ نقل پتھر کی تختیوں پر کہودنے کی ضرورت پڑی ہو۔ اُسکے نزول کی نسبت کوئی امر عجائبات سے ہوا نہ تہا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سینا کا پہاڑ تہا اور مسلمانوں کے

وانه لتنزيل رب العالمين نزل — دل پتھر کی لوحیں نہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ بیشک

به الروح الامين على قلبك لتكون — وہ اُتارا ہوا ہے عالموں کے پروردگار کا

من المنذرين بلسان عربي مبين — اُسکو اُتارا ہے روح الامین نے اوپر تیرے

وانہ لفی زبر الاولین (سورۂ شعراء) — دل سکے تاکہ تو ہو ڈرانے والوں میں سے (اُسکو اُتارا ہے) عربی زبان واضح میں اور بیشک وہ ہے اگلوں کے صحیفوں میں۔

حضرت عائشہ صدیقہ نزول وحی کی کیفیت اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے آنحضرت سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کیونکر آتی ہے۔ آپنے فرمایا کہ کبھی تو گھنٹہ کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھپر بہت سخت ہوتی ہے پس پھر مجھے منقطع ہو جاتی ہے اور مینے یاد رکھا جو کہا۔ اور کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں مجھسے کلام کرتا ہے پس میں یاد رکھتا ہوں جو کہتا ہے۔

عن عائشۃ ان الحارث بن ھشام سال رسول اللہ صلعم فقال یارسول اللہ کیف یاتیک الوحی فقال رسول اللہ صلعم احیانا یاتینی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشد علی فیفصم عنی وقد وعیت عنہ ما قال واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی مایقول

(متفق علیہ)۔

جو طریقہ نزول وحی کا اس حدیث میں رسول خدا نے بتایا اسمیں کوئی عجیب امر یا اسرار نہیں ہے لیکن بالفعل ہم اس مضمون کو اور وحی کی حقیقت کے بیان کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ جب پیغمبر خدا کی سوانح عمری کے اس مقام پر پہونچیں جبکہ آنحضرت پر اولاً وحی نازل ہوئی تھی اُسوقت ہم اُسکو شرح و بسط سے بیان کرینگے۔

وحی یعنی قرآن مجید جب نازل ہوتا تھا لکھا جاتا تھا یا نہیں

آنحضرت کے زمانہ سے پیشتر اور نیز آنحضرت کے زمانہ میں ملک عرب میں کوئی معین

یا باقاعدہ طریقہ تعلیم کا جاری نہیں تھا۔ عربوں میں صرف دو شاخیں علم کی تھیں یعنی قدرتی
فصاحت و بلاغت اور علم الانساب۔ اُنکی تحصیل کے لئے کسی مکتب یا مدرسہ میں تعلیم
پانے کی ضرورت نہ ہوئی وہ صرف ربانی تعلیم پر منحصر تھے اسیوجہ سے اُس زمانہ میں بیشمار
آدمی لکھنا اور پڑہنا نہیں جانتے تھے اور جو لوگ لکھنا اور پڑہنا جانتے تھے اُنکی تعداد نہایت
محدود تھی۔ پہلے یعنی جو لکھنا پڑہنا نہیں جانتے تھے پچھلوں کے مقابلہ میں اُمی کہلاتے
تھے اگرچہ ان دونوں قسموں کے لوگوں میں بہت ہی کم فرق تھا۔

اس میں کچھہ شک نہیں کہ آنحضرت صلعم کو لکھنا پڑہنا کچھہ نہیں آتا تھا نہ وہ خود کچھہ
لکھہ سکتے تھے اور نہ اورنکا لکھا پڑہ سکتے تھے اور اسی سبب سے آنحضرت کا لقب
امی ہو گیا تھا۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق بیشمار معتبر اور مستند روایات اور احادیث
سے ہوتی ہے اور اُسکے برخلاف ایک بھی ایسی روایت نہیں پائی جاتی جو کسیقدر بھی
معتبر ہو۔ درحقیقت اگر آنحضرت کو لکھنا پڑہنا آتا ہوتا تو اُنکے صحابہ رفقا و متبعین
اس امر میں کسی طرح سکوت اختیار نہ کرتے اور نہ اُنکی ازواج مطہرات اور اُنکے
عزیز و اقربا اور بالخصوص اُنکے چچا جنہوں نے اُنکو پالا تھا بیخبر نہیں رہ سکتے تھے۔
اور نہ ایسی جرأت ہو سکتی تھی کہ اپنے قبیلہ کے سامنے خلاف واقع اپنے آپ کو امی فرماتے
اور قرآن مجید میں بھی اسی لقب سے اپنے تئیں ظاہر کرتے۔ کیونکہ ایسی صورت میں
مخالفین کو اُسکی گرفت کا آسان موقع ہاتھ آجاتا اور عقائد اسلام کی تصدیق پر اُن کو
ہرگز یقین نہ آتا۔ قطع نظر اسکے ایک ایسی خفیف بات کے چھپانے سے جناب پیغمبر
خدا کو کیا فائدہ تھا۔ اُنکا لکھا پڑہا ہونا منصب نبوت کے کسیطرح مخالف نہ تھا اور نہ اُس
سے قرآن مجید کی شان اور اُسکے معجزہ میں اور بے مثل فصاحت و بلاغت میں کچھہ

کچھ فرق آسکتا تھا۔ کیونکہ حروف کے لکھ لینے یا پڑھ لینے سے کوئی انسان فصیح و بلیغ نہیں ہو سکتا خصوصاً ایسا فصیح و بلیغ جس کا مثل عرب کے بڑے بڑے فصحا میں سے کوئی بھی نہ تھا۔

اسلام کے مورخوں میں سے کسی کو اس بات کا انکار نہیں ہے کہ اُس زمانہ میں فن تحریر کا عرب میں رائج تھا اور کچھ لوگ لکھنا جانتے تھے اور اور ونکا لکھا ہوا پڑھ سکتے تھے۔ اُس زمانہ کے بڑے بڑے شاعر اپنے قصیدے ونکو کعبہ کے دروازوں اور دیوار پر آویزاں کرتے تھے چنانچہ قصائد سبعہ معلقہ اسی نام سے مسلمانوں میں معروف و مشہور ہیں۔ اُنکا قول صرف اسقدر ہے کہ فن تحریر کا رواج تھا مگر بہت کم لوگ اُسکو جانتے تھے اور بمقابلہ نہ جاننے والوں کے اُنکی تعداد بہت قلیل تھی۔

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وحی جو آنحضرت پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتی تھی دو قسم کی تھی۔ اول وہ تھی جس کے بجنسہ الفاظ پیغمبر خدا پر نازل ہوتے تھے اور بجنسہ وہی الفاظ پیغمبر خدا پڑھ سناتے تھے۔ دوسری وہ جسکا مطلب پیغمبر خدا پر القا ہوتا تھا اور پیغمبر خدا اپنے الفاظ میں اُسکو بیان فرماتے تھے۔ اول قسم کی وحی کو ہم اصطلاحاً وحی متلو یا قرآن یا کلام اللہ کہتے ہیں۔ اور دوسری قسم کی وحی کو وحی غیر متلو یا حدیث۔

جبکہ قرآن مجید کی کوئی آیت پیغمبر خدا پر نازل ہوتی تھی تو آنحضرت کسی کاتب کو بلواتے تھے اور بجنسہ وہی الفاظ جو بذریعہ وحی کے القا ہوتے تھے لکھوا دیتے تھے تاکہ لوگ بخوبی اُسکو یاد کریں اور وہ محفوظ رہیں۔ خود قرآن مجید کی کثیر آیتیں جیسے "الم ذلک الکتاب" اور آیت "لا یمسہ الا المطہرون" اسپر دلالت کرتے ہیں گو کہ پہلی آیت کی دوسری حقیقت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات نازلہ کے لکھ لینے کی رسم اوائل ایام نزول وحی سے اختیار کی گئی تھی کیونکہ یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آنحضرت کے مکہ سے ہجرت کرنے سے پیشتر یعنی اُس زمانہ میں جبکہ اسلام کا آغاز تھا اور ایک ضعف کی حالت میں تھا اُن معدود لوگوں کے پاس جو ایمان لے آئے تھے اُن وحیوں کی نقلیں موجود تھیں اور حضرت عمر کے خاندان میں بھی اُنکے مسلمان ہونے سے پہلے اُسکی ایک نقل تھی اسلئے کہ اُنکی بہن مسلمان ہو گئی تھیں۔

جب کوئی قرآن کی آیت ایسی نازل ہوتی تھی کہ اُسکے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہوتی تھی تو سمجھا جاتا تھا کہ نئی سورۃ شروع ہوئی ہے چنانچہ ابوداؤد نے ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم سورۃ کا علیحدہ ہونا نہیں جانتے تھے جب تک کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نازل ہو۔

عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلعم لایعرف فصل السورۃ حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (رواہ ابوداود)۔

پوری سورت وقت واحد میں نازل نہیں ہوتی تھی بلکہ بعض آیتیں کسی وقت اور بعض آیتیں کسیوقت نازل ہوتی تھیں اور اسیوجہ سے کسی سورت کی آیتیں بہ ترتیب لکھی نہیں جاتی تھیں بلکہ جدا جدا چمڑوں یا اونٹ کی ہڈیوں یا کھجور کی چھال پر لکھی جاتی تھیں۔

اسبات کے ثبوت میں کہ جو کچھ چمڑوں یا ہڈیوں یا کھجور کی چھال وغیرہ پر لکھا گیا تھا وہ بالکل محفوظ اور متعدد لوگوں کے قبضہ میں تھا۔ چار معتبر حدیثیں موجود ہیں۔

پہلی حدیث ابن عباس کی ہے جو بخاری میں منقول ہے "ابن عباس نے کہا کہ میں نے محکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمع کیا

عن ابن عباس قال جمعت المحکم فی

عہد رسول اللہ صلعم فقلت لہ وما المحکم قال المفصل (بخاری باب تعلیم الصبیان القرآن)۔

میں نے اُس سے کہا کہ محکم کیا۔ اُنہوں نے کہا مفصل"

دوسری حدیث قتادہ کی بھی بخاری میں موجود ہے قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس

حدثنا قتادہ قال سئلت انس بن مالکؓ من جمع القرآن علی عہد النبی صلعم قال اربعۃ کلہم من الانصار ابی بن کعب و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو زید (بخاری باب القراء)۔

بن مالک سے پوچھا کہ آنحضرت کے زمانہ میں قرآن کسنے جمع کیا کہا چار شخصوں نے جو چاروں انصار تھے۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت۔ ابو زید۔

تیسری حدیث انس کی بخاری میں موجود ہے انس کہتے ہیں کہ آنحضرت نے وفات کی اور

عن انس قال مات النبی صلعم ولم یجمع القرآن غیر اربعۃ ابو الدرداء و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو زید (بخاری باب القراء)۔

چار شخصوں کے سوا کسی نے قرآن نہیں جمع کیا۔ ابو الدرداء۔ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت۔ ابو زید۔

اور چوتھی وہ حدیث ہے جس میں بیان ہے کہ حضرت ابو بکر کی خلافت میں زید ابن ثابت نے جب قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنا چاہا تو قرآن مجید کی تمام آیتیں جو مختلف وقتوں میں نازل ہوئی تھیں اور مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں اور مختلف اشخاص کے قبضہ میں تھیں اُن سب کو منگا کر اکٹھا کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ تحریرات تھیں سب موجود اور محفوظ تھیں۔

سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کیونکر ہوئی اور کسنے کی

ہمکو واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور اُنکی ہدایت اور حکم کے موافق عمل میں آئی تھی جیسے کہ ابن عباس کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے ابن عباس نے حضرت عثمان سے کہا کس چیز نے تمکو آمادہ کیا انفال کی طرف کہ وہ مثانی میں سے ہے اور براءۃ کی طرف کہ وہ مائین میں سے ہے۔ تمہارے اس ارادہ کا پھر اُن دونوں کو ملا دیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا۔ اور اُن دونوں کو سبع طوال میں رکھا۔ اس بات پر تمکو کس چیز نے آمادہ کیا۔ عثمان نے کہا۔ حضرت پر بہت سی آیتوں والی سورتیں ایک مدت میں اترتی تہیں۔ اور جب آپ پر کچھ اُترتا تھا تو آپ اُن میں سے کسیکو جو لکھا کرتے تھے بلا کر فرماتے تھے کہ ان آیتونکو اُس سورۃ میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر کیا گیا ہے۔ اور انفال اُن میں سے ہے جو اول مدینہ میں اُتری۔ اور براءۃ سب سے اخیر میں اُتری۔ اور اُسکا قصہ اُسکے قصہ سے ملتا ہوا تھا۔ پہر آنحضرت کا انتقال ہوگیا اور آپ نے بتایا نہیں

وعن ابن عباس قال قلت لعثمان ما حملكم على ان عمدتم الى الانفال وهي من المثاني والى البراءة وهي من المائين فقرنتم بينهما ولم تكتبوا بسم الله الرحمن الرحيم ووضعتموها في السبع الطوال ما حملكم على ذلك قال عثمان كان رسول الله صلعم مما يأتي عليه الزمان ينزل عليه السور ذوات العدد وكان اذا انزل عليه شيء دعا بعض من كان يكتب فيقول ضعوا هؤلاء الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا وكانت الانفال من اوائل ما نزل بالمدينة وكانت براءة من آخر القرآن نزولا وكانت قصتها شبيهة بقصتها فقبض رسول الله صلعم ولم يبين لنا انها منها فمن

اجل ذلک قرنت بینهما ولم اکتب سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم ووضعتها فی السبع الطوال (رواہ احمد والترمذی والبو داود)

کہ وہ اُس سے ہے۔ پس اسیوجہ سے مینے اُن دونونکو ملادیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہیں لکہی اور اُن دونونکو سبع طوال میں رکہا۔

بخاری کی ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود نے ستر سورتیں خود آنحضرت کے منہہ سے سنکر یاد کرلی تہیں چنانچہ اُس میں لکہا ہے کہ عبد اللہ نے خطبہ پڑہا اور کہا کہ بخدا مینے آنحضرت کے مُنہہ سے کچہہ اوپر ستر سورتیں ہیں (یعنی سیکہیں)۔

عن شقیق بن سلمة قال خطبنا عبد اللہ فقال واللہ لقد اخذت من فی رسول اللہ صلعم بضعا وسبعین سورة (بخاری باب تالیف القرآن)

ایک اور روایت میں بخاری اُن لوگوں کے نام بیان کرتا ہے جنہوں نے قرآن مجید کو حفظ کرلیا تہا اور اُنکے نام یہ ہیں۔ عبد اللہ ابن مسعود۔ سلام۔ معاذ ابن جبل۔ ابی ابن کعب۔ اور ایک اور روایت میں آیا ہے کہ منجملہ مقتولین جنگ یمامہ کے جو پیغمبر خدا کی وفات کے تہوڑے ہی دن بعد ہوئی تہی ستر شخص ایسے شہید ہوے تہے جنکو قرآن مجید بالکل حفظ تہا۔

ان تمام روایتوں سے دو امر بخوبی ثابت ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ گو جناب پیغمبر خدا کی حیات میں قرآن مجید چمڑے وغیرہ پر کیسی ہی بے ترتیبی سے لکہا ہوا موجود ہو مگر جن لوگوں نے کہ پوری سورتیں یاد کرلی تہیں اُن میں آیتوں کی بالکل ترتیب تہی اور وہ ترتیب یقینی آنحضرت کی ہدایت اور حکم کے موافق تہی۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے کہ قرآن مجید کو ترتیب وار حفظ کرلیا تہا اُس سے یہ دلیل مستنبط ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی سورتونکی ترتیب بہی آنحضرت ہی کے فرمانے سے لوگونکو معلوم ہوگئی تہی۔

جناب پیغمبر خدا خود بھی قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور مسلمانونکو بھی اُسکے پڑھتے رہنے کی ہمیشہ ہدایت کرتے رہتے

اس مضمون کی نسبت ہمکو کچھہ زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف اُن معتبر اور مستند حدیثونکا نقل کر دینا کافی ہے جن سے امر مذکورہ کا ثبوت ہوتا ہے اور جن سے پایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے اور یاد رکھنے میں جس ترتیب سے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا تہا کسقدر لوگونکو توجہ تہی اور وہ حدیثیں یہ ہین۔

پہلی حدیث بخاری کی ہے۔ اُسمیں بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان سے روایت ہر

عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القران وعلمہ (رواہ البخاری)

کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں اچہا وہ شخص ہے جسنے قرآن سیکہا اور سکہایا۔

دوسری حدیث مسلم کی ہے کہ عقبۃ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن عقبۃ بن عامر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فی الصفۃ فقال ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان او العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم فقلنا یا رسول اللہ کلنا نحب ذلک قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم

باہر تشریف لاے اور ہملوگ صفہ میں تھے پس فرمایا کہ تم لوگوں میں سے کسکو یہ پسند ہے کہ ہر روز صبح کو بطحان یا عقیق جاے اور دو اونٹنیاں لاۓ بغیر اسکے کہ مرتکب جرم ہو یا قطع رحم کرے۔ ہم لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو ہم سب لوگ چاہتے ہیں۔ آپنے فرمایا کیا پس تم لوگ مسجد میں ہر صبح کو آکر دو آیتیں کتاب اللہ کی نہیں سیکہتے

اويقرا آيتين من كتاب الله خير له من ناقتين
وثلث خير له من ثلث واربع خير له من
اربع ومن اعدادهن من الابل (رواہ مسلم)

یا نہیں پڑھتے۔ جو دو اونٹنیوں سے اُسکے لئے بہتر ہیں اور تین تین سے بہتر ہیں اور چار چار سے بہتر ہیں۔ اور جتنی ہوں اُتنی اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔

تیسری حدیث مسلم اور بخاری دونوں کی ہے عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

عن عائشة قالت قال رسول الله صلعم
الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة
والذي يقرأ القرآن ويتتعتع فيه
وهو عليه شاق له اجران (متفق عليه)۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن کا ماہر ہو وہ پاکیزہ بزرگ نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اُس میں دقت اُٹھاتا ہے اور وہ اُسپر شاق ہے اُسکو دوہرا ثواب ہے۔

چوتھی حدیث بھی مسلم اور بخاری دونوں میں موجود ہے ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلعم
لا حسد الا على اثنين رجل آتاه الله
القرآن فهو يقوم به آناء الليل وآناء
النهار ورجل آتاه الله مالا فهو ينفق
منه آناء الليل وآناء النهار (متفق عليه)

صلعم نے فرمایا رشک کے قابل صرف دو شخص ہیں ایک وہ جسکو خدا نے قرآن دیا ہو (یعنی اُسکو قرآن پڑھنا آتا ہو) اور وہ برابر دن رات تلاوت کرتا رہے اور ایک وہ جسکو خدا نے مال دیا ہو اور وہ برابر دن رات خرچ کیا کرے (یعنی خیرات دیا کرے)۔

پانچویں حدیث کو بھی مسلم اور بخاری دونوں نے نقل کیا ہے ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ

عن ابي موسى قال قال صلعم مثل

آنحضرت نے فرمایا جو مسلمان قرآن پڑھتا ہے

المومن الذی یقرأ القرآن مثل الاترجۃ ریحھا طیب وطعمھا طیب ومثل المومن الذی لا یقرأ القرآن مثل التمرۃ لا ریح لھا وطعمھا حلو ومثل المنافق الذی لا یقرأ القرآن کمثل الحنظلۃ لیس لھا ریح وطعمھا مر ومثل المنافق الذی یقرأ القرآن مثل الریحانۃ ریحھا طیب وطعمھا مر (متفق علیہ)

اُسکی مثال ترنج کی سی ہے اُسکا مزہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی۔ اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا اُسکی مثال چھوارے کی سی ہے۔ خوشبو نہیں اور مزہ میٹھا ہے اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا اُسکی مثال اندراین کی ہے خوشبو کچھ نہیں اور مزہ کڑوا۔ اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اسکی مثال ریحانہ کی ہے خوشبو اچھی اور مزہ کڑوا۔

چھٹی حدیث کو ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم تعلموا القرآن فاقرؤوہ فان مثل القرآن لمن تعلمہ فقرأ وقام بہ کمثل جراب محشو مسکا تفوح ریحہ کل مکان ومثل من تعلمہ فرقد وھو فی جوفہ کمثل جراب اوکی علی مسک (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیکھو قرآن اور پڑھاؤ۔ کیونکہ جو شخص قرآن سیکھے اور پڑھے اور اُسپر قائم رہے اُسکے لئے قرآن ایسا ہے جیسے ایک کیسہ مشک سے بھرا ہوا۔ اُسکی خوشبو ہر جگہ پھیلتی ہے۔ اور جو شخص قرآن سیکھکر سو گیا ہو اور وہ اُس کے پیٹ میں ہو وہ مثل ایک کیسہ کے ہے جو مشک بھر کر بند کر دیا ہو۔

ساتویں حدیث کو بیہقی نے نقل کیا ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم ان ھذہ القلوب تصدأ کما یصدأ

وسلم نے فرمایا کہ دلونکو بھی مورچہ لگجاتا ہے جس طرح لوہے کو لگتا ہے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ پھر

الحدید اذا اصابہ الماء قیل یارسول الله وماجلاءھا قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن (رواہ البیھقی)۔

وہ صاف کیونکر ہو فرمایا موت کو بہت یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے سے۔

آٹھویں حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ممبر

عن عبد الله بن مسعود قال قال لی رسول الله صلعم علی المنبر اقراء علی قلت اقراء علیك وعلیك انزل قال انی احب ان اسمعہ من غیری فقراءت سورۃ النساء حتی اتیت الی ھذہ الایۃ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بك علی ھؤلاء شھیدا قال حسبك الاٰن فالتفت الیہ فاذا عیناہ تذرفان (متفق علیہ)۔

پر مجھسے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قرآن سناؤ مینے کہا آپ کے آگے میں پڑہوں اور آپ پر تو نازل ہوا ہے۔ آپنے فرمایا کہ مجھے یہ دلپسند ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ پس مینے سورہ نساء پڑہی یہانتک کہ میں اس آیت پر آیا "فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بك علی ھؤلاء شھیدا" (یعنی پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائینگے اور تجھکو ان سب گواہوں پر گواہ لائینگے) آپنے فرمایا اچہا پس مینے جو آنکھ اٹھاکر دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسو گرا رہی تہیں۔

نویں حدیث ابو داؤد میں بیان ہوئی ہے ابوسعید کہتے ہیں کہ میں ضعیف مہاجرول

عن ابی سعید الخدری قال جلست فی عصابۃ من ضعفاء المھاجرین و ان بعضھم لیستتر ببعض من العری وقارئ یقرأ علینا اذ جاء رسول الله

کے ایک گروہ میں بیٹھا تھا۔ اور اُن میں سے بعض بعض سے بوجہ عریانی چھپتے تھے۔ اور ایک قاری ہمپر قرآن پڑہتا تہا۔ اتنے میں رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور کھڑے ہوے۔ رسول اللہ صلعم جب کھڑے

صلعم فقام علینا فلما قام رسول الله
صلعم سکت القاری فسلم ثم قال
ما کنتم تصنعون قلنا کنا نستمع الی
کتاب الله تع فقال الحمد لله الذی جعل
من امتی من امرت ان اصبر نفسی
معهم قال فجلس وسطنا لیعدل
بنفسه فینا ثم قال بیده هکذا فتحلقوا
وبرزت وجوههم له فقال ابشروا
یا معشر صعالیك المهاجرین بالنور
التام یوم القیمة تدخلون الجنة
قبل اغنیاء الناس بنصف یوم وذلك
خمسمائة سنة (رواه ابو داود)

ہوئے تو قاری چپ ہو گیا۔ آپنے سلام کیا اور فرمایا
کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے۔ ہم لوگوں نے کہا خدا
کی کتاب سن رہے تھے۔ آپنے فرمایا خدا کا شکر ہے
جس نے میری امت میں سے ایسے لوگونکو کیا جن
کے ساتھ مجھے صبر کرنیکا حکم ہے۔ کہا ابو سعید خدری
نے کہ پھر آنحضرت ہم لوگوں کے بیچ میں بیٹھ گئے تاکہ
اپنے کو ہم لوگوں کی برابر کریں۔ پھر ہاتھ سے اشارہ
کیا کہ یوں پس لوگ گردا گرد بیٹھ گئے اور سب کا
منہہ آنحضرت کی طرف تھا پس فرمایا کہ اے مفلس
مہاجرین تمکو خوشخبری ہو نور کامل کی قیامت کے
دن۔ تم لوگ جنت میں مالداروں سے آدھے دن
پہلے جاؤگے اور یہ پانچسو برس کا ہوگا۔

نازل ہونا قرآن کا سات قرائتوں میں یا قرأت مختلفہ مین

اختلاف قرأت ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے سبب سے عیسائی مصنفوں کو نہایت دہوکا پڑا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی کتابوںمیں اختلاف قرأت ہے اسی طرح کا اختلاف قرأت قرآن مجید میں بھی ہے۔ حالانکہ وہ دونوں بالکل مختلف ہیں اور جو اسباب کہ عہد عتیق اور عہد جدید میں قرأت مختلفہ کے پیش آئے

ہیں اُس سے اور قرآن مجید کی قرأت سبعہ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر ہم قرآن مجید کی قرارت سبعہ یا اختلاف قرارت کو اُنہیں معنوں میں لیں جن معنوں میں کہ عیسائیوں نے لیا ہے تو بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ ہم مسلمانوں کے قرآن مجید میں اختلاف قرارت مطلق نہیں ہے۔

عہد عتیق اور عہد جدید میں جو اختلاف قرأت ہے اُسکی بنیاد اور اُسکے اسباب اور اُسکے نتایج ریورنڈ مسٹر ہارن نے یہ بیان کئے ہیں کہ "دو یا زائد قرأت مختلفہ میں صرف ایک ہی قرارت صحیح ہوسکتی ہے اور باقی یا تو کاتب کی عمداً تحریفات یا غلطیاں ہونگی" مگر قرآن مجید میں یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ تمام اختلاف قرارت اُس معنی میں جس میں کہ مسلمانوں نے اس اصطلاح کو قرار دیا ہے جسقدر قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں وہ سب صحیح اور سب درست ہیں گو ظاہر میں یہ امر کیسا ہی متناقض معلوم ہوتا ہو۔

ریورنڈ مسٹر ہارن نے عہد عتیق اور عہد جدید میں قرارت مختلفہ کے واقع ہونے کے یہ اسباب بیان کئے ہیں (۱) "ناقلوں کی چوک اور غلطیاں (۲) منقول عنہ میں سقم اور غلطیوں کا موجود ہونا (۳) کاتبوں کا بدون کسی کافی سند کے متن کی عبارت کی اصلاح کی خواہش کرنا (۴) قصداً تحریفات کا کرنا جو کسی فریق کے حصول مدعا کے واسطے کی گئی ہوں"۔ ان اسباب کو قرآن مجید کی اختلاف قرارت سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں جو اختلافِ قرأت ہیں اُنکے اسباب حسب تفصیل ذیل ہیں۔

اول۔ تمام قرآن مجید یا اُسکی سورتیں ایک وقت میں نازل نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ کوئی آیت کسی سورت کی کسیوقت میں اور کوئی آیت کسیوقت میں نازل ہوئی تھی۔ ایک سورت ابھی ختم ہونے نہیں پائی تھی کہ دوسری سورۃ نازل ہونی شروع ہوئی اور ایسی

چند آیتیں نازل ہوئیں جن کا مضمون اُس سورۃ کی آیتوں سے جو پہلے نازل ہو چکی تہیں محض مختلف تھا اور یہ سورۃ بہی نامکمل رہ کر ایک اور سورۃ نازل ہونی شروع ہو گئی اور اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔ تمام آیتیں جس طرح پر نازل ہوئیں علیحدہ علیحدہ چمڑوں کے ٹکڑوں پر اور بے ترتیبی سے لکہی ہوئی رہیں۔ اگرچہ پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تمام آیتوں اور سورتوں کی ترتیب لوگوں کو بتلا دی تہی تاہم تمام لوگوں کو جنکے پاس قرآن مجید کی آیتوں کی نقلیں منتشر حالت میں موجود تہیں اُن سب کو اُسکا علم نہیں ہوا تہا اس سبب سے آیتوں کو بہ ترتیب پڑہنے میں اختلاف واقع ہوا بعض لوگوں نے بعض آیتوں کو اُن آیتوں کیساتھ ملا کر پڑہا جن سے وہ ٹہیک طور پر علاقہ نہیں رکہتی تہیں۔

دوم۔ نقطوں کا اختلاف۔ قدیم تحریر میں جس کے نمونے اب بہی ہمارے پاس موجود ہیں نقطوں کے دینے کا بہت کم رواج تہا۔ فعل مضارع کے پہلے حرف "ی" غائب کے صیغہ پر اور حرف "ت" حاضر کے صیغہ پر آتی ہے لکہنے میں ان دونوں حرفوں کی ایک ہی صورت ہے صرف فرق یہ ہے کہ پہلے حرف کے نیچے دو نقطے ہوتے ہیں اور دوسرے حرف کے اوپر دو نقطے ہوتے ہیں۔ نقطوں کے لکہنے کا قدیم تحریر میں رواج نہونے سے کسی نے اُس حرف کو "ی" پڑہا اور کسی نے "ت" اور علماء نے اُسکو اختلاف قرارت قرار دیا۔

سوم۔ عرب کی مختلف قوموں میں جو مختلف قطاع میں رہتی تہیں مختلف لہجے تہے۔ اور ہر ایک قوم اپنے لہجے میں قرآن مجید کی آیتوں کو پڑہتی تہی اور اس اختلافِ لہجہ کو بہی علماء نے اختلاف قرارت میں داخل کیا ہے۔

چہارم۔ اعراب کا اختلاف۔ قدیم تحریر میں لفظوں پر اعراب دینے کا بہی دستور نہ تہا اور نہ اہل عرب کو کہ عربی خود اُنکی مادری زبان تہی اعراب دینے کی ضرورت تہی۔ مگر بعضی

دفعہ جملوں کے دو طرح پر ربط دینے سے اعراب میں اختلاف ہوجاتا ہے اس سبب سے لوگ بعض الفاظ کے اعراب میں اختلاف رکھتے تھے مثلاً وضو کی آیت میں جو لفظ "ارجلکم" واقع ہے بعضوں نے خیال کیا کہ اُسکا عطف "وجوھکم" پر ہے جو اُسی آیت میں واقع ہو اور اس سبب سے اُنہوں نے "ارجلکم" کے "ل" کو مفتوح پڑھا اور بعضوں نے اُسکا عطف "رؤسکم" پر خیال کیا اور "ارجلکم" کے "ل" کو مکسور پڑھا۔ اگرچہ ایسی مثالیں بہت کم ہیں مگر علماء نے اُسکو بھی اختلاف قرأت میں داخل کیا۔ حالانکہ درحقیقت یہ ایک بحث نحو کے قواعد سے متعلق ہے نہ اختلاف قرأت سے۔

پنجم۔ عربی زبان سے جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی مادہ کے افعال کے لیئے عربی زبان میں متعدد ابواب ہوتے ہیں اور ان ابواب سے ایک ہی مادہ کے مختلف طرح پر صیغے مشتق کیئے جاتے ہیں اور گو وہ لکھنے میں ایک ہی صورت کے ہوں مگر اُن کا تلفظ مختلف ہوجاتا ہے اس وجہ سے بعض لفظوں کو قرآن مجید کے کسی شخص نے کسی باب سے مشتق سمجھ کر کسی تلفظ سے پڑھا اور کسی نے دوسرے باب سے مشتق سمجھ کر کسی تلفظ سے پڑھا۔ عرب میں بعض قومیں اُن ابواب میں سے کسی باب کا استعمال کرتی تھیں اور بعض قومیں کسی باب کا۔ اور اسی سبب سے اُن الفاظ کے تلفظ میں اختلاف ہوجاتا تھا۔ اس قسم کا اختلاف بھی بہت ہی شاذونادر قرآن مجید میں ہے۔ علماء اسلام نے اُسکو بھی اختلاف قرأت میں داخل کیا حالانکہ وہ صرف عربی زبان کے قواعد صرف سے متعلق ہے۔

اس بیان سے واضح ہوگا کہ کتب عہد عتیق اور عہد جدید پر عیسائی عالموں نے جن معنے کر اختلاف قرارت کا اطلاق کیا ہے اور جو اسباب اُس کے بیان کیئے ہیں اُس سے اور قرآن مجید کے اختلاف قرارت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اگر اختلاف

قرأت کے وہی معنی قرار دیں جو عیسائی عالموں نے قرار دیئے ہیں تو اُس کا قرآن مجید کی نسبت استعمال کرنا صریح غلطی اور خطا ہے۔

جو اُمور کہ ہم نے اوپر بیان کیئے ہیں اُن کی توضیح کے لیئے ہم چند حدیثوں کو اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

عن جابر قال خرج علینا رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ونحن نقراء القران وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرؤا فکل حسن وسیجیء اقوام یقیمونه کما یقام القدح یتعجلونه ولا یتاجلونه (رواه ابی داؤد والبیهقی فی شعب الایمان)

پہلی حدیث ابو داؤد اور بیہقی کی ہے اُس نے جابر سے بیان کیا ہے کہ جابر کہتے ہیں کہ آنحضرت ہم لوگوں کے سامنے تشریف لائے اور ہم لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم میں عربی و عجمی دونوں قسم کے لوگ تھے پس فرمایا کہ پڑھو سب اچھا ہے۔ اور آئندہ ایسی قومیں آئینگی کہ اُس کو سیاٹے سے پڑھینگی تیر کے سیاٹے کی مانند جلدی کرینگی اور ٹھہر کر نہ پڑھینگی۔

عن ابی بن کعب قال لقی رسول الله صلی الله علیه واله وسلم جبرئیل فقال یا جبرئیل انی بعثت الی امة امیین منهم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریة والرجل الذی لم یقراء کتابا قط قال یا محمد صلی الله علیه وآله وسلم ان القران انزل علی سبعة احرف (رواه الترمذی)

دوسری حدیث ترمذی کی ہے اُس نے ابی ابن کعب سے بیان کیا ہے ابی بن کعب نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرئیل سے ملے پس فرمایا کہ اے جبرئیل میں مبعوث ہوا ایک جاہل امت کی طرف جس میں بوڑھے اور بوڑھیاں اور لڑکا اور لڑکی اور ایسے آدمی ہیں جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ جبرئیل نے کہا اے محمد قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔

عن ابن عباس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم قال اقرانی جبرئیل علی حرف فراجعتہ فلم ازل استزیدہ ویزیدنی حتی انتہی الی سبعۃ احرف قال ابن شہاب بلغنی تلک السبعۃ الاحرف انما ھی فی الامر یکون واحدا لا یختلف فی حلال ولاحرام (متفق علیہ)

تیسری حدیث بخاری اور مسلم کی ہے ان دونوں نے ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجکو جبرئیل نے قرآن پڑہایا ایک حرف پر پہر میں نے اسنے دوہرا کر پڑہوایا پس میں برابر زیادہ پڑہواتا رہا اور وہ زیادہ کرتے گئے یہانتک کہ سات حرف (یعنی قرأۃ) تک پہنچے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجکو یہ ساتوں حرف معلوم ہوے سو مطلب ایک ہی رہتا ہے کسی حلال وحرام میں اُن سے اختلاف نہیں پڑتا۔

عن عمر بن الخطاب رضہ قال سمعت ھشام بن حکیم بن حزام یقرء سورۃ الفرقان علی غیر ما اقراءھا وکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اقرانیہا فکدت ان اعجل علیہ ثم امہلتہ حتی انصرف ثم لببتہ بردائہ فجئت بہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فقلت یا رسول اللّٰہ انی سمعت ھذا یقراء سورۃ الفرقان

چوتھی حدیث بخاری ومسلم کی ہے اُن دونوں نے حضرت عمر سے بیان کیا ہے۔ عمر بن خطاب نے کہا کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو سورہ فرقان پڑہتے سنا خلاف اُس کے جس طرح میں پڑہتا ہوں۔ اور مجکو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پڑہایا تہا پس قریب تہا کہ میں اُنپر جلدی کروں پہر میں نے انکو چہوڑ دیا یہانتک کہ وہ پہر کر چلے پہر میں اُنکو چادر پکڑ کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لایا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلعم میں نے انکو سورۂ فرقان اور طرح سے پڑہتے سنا۔ اُس طرح سے نہیں جس طرح آپنے مجکو پڑہایا تہا۔ رسول اللہ

علی غیرما اقرانیہا فقال رسول اللہ	صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اُن کو چھوڑدو کہ پڑھیں
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارسلہ اقراء	پس اُنہوں نے اُسی طرح پڑھا جیسا میں اُنسے سُن چکا تھا
فقراء القرآءۃ التی سمعتہ یقراء فقال	پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی طرح
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	اُتری ہے۔پھر مجھ سے کہا پڑھو۔میں نے پڑھا تو فرمایا کہ
ھکذا انزلت ثم قال لی اقراء فقرأت	اُسی طرح اُتری ہے۔قرآن سات حرفوں پر اُترا جسطرح
فقال ھکذا انزلت ان القرآن انزل	آسان ہو پڑھو۔

علی سبعۃ احرف فاقرأو ما تیسر منہ (متفق علیہ واللفظ لمسلم)۔

پانچویں حدیث بخاری کی ہے انہوں نے ابن مسعود سے بیان کیا ہے کہ ابن مسعود

عن ابن مسعود قال سمعت رجلا	کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا
فقرء وسمعت النبی صلی اللہ علیہ و	اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُسکے خلاف پڑھتے
آلہ وسلم یقراء خلافہا فجئت بہ النبی	سنا پس میں اُسکو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاخبرتہ فعرفت	اور اس بات کی اطلاع کی۔پس میں نے حضرت کے چہرہ
فی وجھہ الکراھۃ فقال کلا کما محسن	پر ناگواری دیکھی پھر آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک
فلا تختلفوا فان من کان قبلکم اختلفوا	پڑھتے ہو سو اختلاف مت کرو۔تم سے پہلوں نے
فھلکوا (رواہ البخاری)۔	اختلاف کیا تو ہلاک ہوئے۔

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا اُس سے ہر شخص کو معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن مجید کے اختلاف قرات اور توریت اور انجیل کے اختلاف قرات میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ اختلاف قرات جسکو ہم نے مداول میں داخل کیا ہے یعنی آیتوں کا آگے پیچھے اور الٹ پلٹ پڑھنا وہ اختلاف حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت میں قریب قریب معدوم ہو گیا تھا۔جبکہ زید ابن ثابت نے

قرآن مجید کے مختلف حصوں کو ایک جگہ جمع کردیا تھا اور جب حضرت عثمان کی خلافت کے عہد میں جنہوں نے زید ابن ثابت کے جمع کیئے ہوئے قرآن مجید کی نقلیں مسلمانوں میں تقسیم کردی تھیں اُس اختلاف کا نام ونشان ہی باقی نہیں رہا تھا۔

حاضر اور غائب کے صیغوں کا اختلاف جو صرف "ی" اور "ت" کے نقطوں کے سبب سے تھا وہ باقی رہا۔ موجودہ قرآنوں میں جنمیں اختلاف قراءت بھی لکھا جاتا ہی نہایت احتیاط سے حاشیہ پر اُن اختلافات کو لکھدیا جاتا ہے مگر قرآن مجید کے پڑہنے والوں کو ظاہر ہے کہ وہ اختلافات نہایت قلیل اور شاذونادر ہیں اور معہذا اُسنے اصلی مطلب اور احکام قرآن مجید میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔

تلفظ کا اختلاف بھی قریب قریب معدوم ہوگیا ہے۔ کیونکہ قریش کے تلفظ کو سند قرار دینے میں کوششیں کامیاب ہوئی ہیں۔ قریش ہی کے لہجہ اور زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا اور اُسی لہجہ اور زبان میں جناب پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُسکو پڑہا کرتے تھے لیکن جو کہ اس زبان میں بعض حروف ایسے ہیں جن کا تلفظ اور قوموں سے ادا نہیں ہوسکتا اس سبب سے اس اختلاف سے بالکل پیچھا نہیں چھوٹا مثلاً اگر ہم کسی ایک عجمی اور کسی بدو اور کسی تربیت یافتہ عرب کو قرآن پڑہتے ہوئے سنیں تو فوراً پہچان لینگے کہ یہ اختلاف اب بھی موجود ہی مگر یہ اختلاف صرف قرآن مجید کے پڑہنے میں محسوس ہوگا نہ اسکے املا میں اور اسی لیئے وہ اختلاف ضبط تحریر میں نہیں آسکتا اُسکا اندازہ کرنیکو اُن لوگوں سے قرآن مجید کے سننے کی ضرورت ہی۔

اعراب کا اختلاف بھی چند مقام میں جو بلحاظ قواعد صرف و نحو کے وقوع میں آیا ہی ابتک موجود ہی۔ اور اُسی قسم کے قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھ بھی دیا جاتا ہے اور قرآن مجید کی تفسیروں میں اُس کی نسبت ہر ایک امر کی تشریح کی جاتی ہے۔ ابواب کے اختلاف سے جو صیغوں میں تلفظ کا اختلاف ہی

وہ بھی بعض بعض جگہ موجود ہی - اُس کی بھی تصریح اُسی قسم کے قرآن مجید کے حاشیوں پر کیجاتی ہی اور تفسیروں میں اُن پر پوری بحث ہی -

مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ان اختلافات سے قرآن مجید کے اصلی معنی اور مقصد میں کچھ اثر واقع نہیں ہوتا اور جو الزام کہ عیسائیوں پر اپنی کتابوں میں تحریف کرنیکا ہے اُس قسم کا الزام مسلمانوں پر قرآن کی آیات میں تصرف کرنے اور کمی و بیشی کرنیکا یا اپنی کتاب مقدس میں قصداً غلط اصلاحیں کرنے کا یا کسی فریق کے مدعا کے حاصل کرنے کے لیئے تحریف کرنیکا یا کسی آیت کو چھپا ڈالنے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا - علم ادب کی ایک شاخ ہے جو بالتخصیص قرآن مجید کی عبارت پڑھنے سے علاقہ رکھتی ہے اور جسکا نام علم تجوید ہے اُسپر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں اور علماء نے شرح و بسط سے اُسکی شرحیں کی ہیں -

قرآن مجید میں آیات ناسخ و منسوخ ہونے کا بیان

عیسائی عالموں نے الفاظ ناسخ و منسوخ کے معنے سمجھنے میں جسکا اطلاق علمائے اسلام نے بطور اصطلاح کے آیات قرآنی پر کیا ہی بہت بڑی غلطی کی ہے - اُنھوں نے غلطی سے یہ سمجھا ہی کہ ناسخ آیتوں نے منسوخ آیتوں کو اسوجہ سے کہ اُنمیں کچھ نقص یا کسی قسم کا اشتباہ تھا بیکار کر دیا ہی - مگر اُنکا یہ خیال بالکل غلط ہی کیونکہ علمائے اسلام نے جو دینیات کے مسائل کے محقق ہیں اُن معنوں سے جو عیسائی عالم سمجھتے ہیں مختلف معنی قرار دیئے ہیں - مسلمانوں کا اسبات پر ایمان رکھنا ایک مذہبی فرض ہی کہ خدا تعالے علیم اور علام الغیوب ہی یعنی اُسکو ماضی اور حال اور استقبال کا یکساں علم ہے پس اگر ناسخ و منسوخ کے یہ معنی سمجھے جاویں کہ اللہ تعالے نے ایک اپنے حکم سابق کو کسی حکم مابعد سے بدیں وجہ کہ اُس پہلے حکم میں کچھ نقصان تھا منسوخ کر دیا تو اُسکے یہ معنی ہونگے

کہ حکم سابق کے وقت خدا تعالے کی صفت علم کامل میں کچھ نقصان تھا اور ایسا عقیدہ اسلام کی روسے کفر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ علمائے اسلام نے جن معنوں میں لفظ ناسخ و منسوخ کو استعمال کیا ہے اُسکا مطلب نہیں ہے جو عیسائی عالم سمجھتے ہیں۔

ناسخ و منسوخ کا لفظ اصطلاحاً دو چیزوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ ایک نبی سابق کی ایسی شریعت پر جو دوسرے نبی کی شریعت سے تبدیل ہو گئی ہو۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کی شریعت سے پہلے ایک مرد اپنی زوجہ کی حیات میں اُس کی بہن یعنی اپنی سالی سے شادی کرسکتا تھا حضرت موسیٰؑ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی زوجہ کی زندگی میں اُسکی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا لیکن اُس کے مرنے کے بعد کرسکتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے مرد کو کامل اختیار دیا تھا کہ جب چاہے اپنی زوجہ کو طلاق دیدے اور گھر سے باہر نکالدے اس حکم کو بقول عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ نے تبدیل کر دیا اور حکم دیا کہ مرد اپنی زوجہ کو کسی صورت سے طلاق نہیں دیسکتا جب تک کہ اُس نے کسی سے زنا نہ کیا ہو۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی طلاق دینے کو مرد کے اختیار میں رکھا لیکن اُسپر یہ قید لگائی کہ اگر بغیر کسی اشد ضرورت اور معقول وجہ کے ایسا کرے تو وہ ایک گناہ کا مرتکب ہوگا۔

الفاظ ناسخ و منسوخ کا استعمال جو علمائے اسلام نے شریعت انبیائے سابقین کی نسبت کیا ہے اور جسکا یہ مقصود ہے کہ ناسخ سے وہ شریعت مراد ہے جو شریعت نبی سابق کو غیر واجب العمل کردے اور منسوخ سے وہ شریعت سابق مراد ہے جو غیر واجب العمل ہو گئی ہو۔ ان معنوں میں تو قرآن مجید کی آیتوں پر لفظ منسوخ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن مجید کے بعد کوئی ایسی شریعت نازل نہیں ہوئی اور نہ نازل ہوگی جو شریعت اسلام کو غیر واجب العمل کردے۔ مگر ہم انبیائے سابقین کی شریعت کے منسوخ ہونے پر زیادہ بحث نہیں کرینگے بلکہ صرف اس مختصر بیان پر ختم کریں گے

کہ علمائے اسلام نے شریعت انبیائے سابقین پر بھی ناسخ و منسوخ ہونے کا اطلاق اُن معنوں میں نہیں کیا ہے جو عیسائی خیال کرتے ہیں۔

جو کچھ کہ ہم نے اوپر بیان کیا اُس سے ظاہر ہوگا کہ قرآن مجید کی وہ آیت جسکو ہم ذیل میں لکھتے ہیں قرآن مجید کی ایک آیت کے دوسری آیت کے منسوخ ہونے سے کچھ علاقہ نہیں ہے اور نہ اُس سے اس بات پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت قرآن مجید کی دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے۔ کیونکہ اُس آیت میں جو کچھ بیان ہے وہ انبیائے سابقین کی شریعت کے ناسخ و منسوخ ہونے سے متعلق ہے نہ قرآن مجید کی ایک آیت سے کے دوسری آیت سے اور وہ آیت یہ ہے۔

ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب	اہل کتاب جو کافر ہوئے اور مشرکین یہ نہیں چاہتے کہ تمپر
ولا المشرکین ان ینزل علیکم من	تمہارے خدا کی طرف سے کوئی بھلائی اُترے۔ اور خدا
خیر من ربکم واللہ یختص برحمتہ	خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسکو چاہتا ہے اور
من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم	خدا بڑی فضیلت والا ہے۔ ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں
ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر	یا بھلا دیتے ہیں تو اُس سے اچھی لاتے ہیں یا اُس کی برابر
منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ	کیا تو یہ نہیں جانتا کہ خدا ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔
علی کل شیئ قدیر۔ (سورۂ بقر آیت ۹۹-۱۰۰)	

مذکورہ بالا آیتوں سے کوئی ذی فہم شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اُن سے قرآن مجید کی ایک آیت کا قرآن مجید کی دوسری آیت سے منسوخ ہونا پایا جاتا ہے بلکہ صاف اُس میں اہل کتاب کا ذکر ہے اور اہل کتاب جو اس بات کے مخالف تھے کہ اُن کی شریعت کے برخلاف کوئی حکم ہو اُس کی نسبت خدا نے فرمایا کہ ہم جس آیت یعنی حکم شریعت اہل کتاب کو منسوخ

کرتے یا بھلاتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُسی کے مانند حکم بھیجدیتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس آیت سے کسی طرح یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے بلکہ اُس کو صریح شریعت اہل کتاب یا رسوم مشرکین سے علاقہ ہے جن کی طرف خاص اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جن کی شریعت کے احکام میں شریعت محمدی سے کسی قدر کمی وبیشی ہوگئی ہے۔

دوسرے ناسخ ومنسوخ کی اصطلاح کا اطلاق علمار نے قرآن مجید کی آیتوں اور احادیث نبوی پر بھی کیا ہے۔ لیکن نہ اُن معنوں میں جو عیسائی سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی میں ایسے احکام ہیں جو امر واحد سے علاقہ رکھتے ہیں مگر وہ احکام مختلف حالات اور مواقع پر صادر ہوئے ہیں اور جبکہ وہ حالت باقی نہیں رہتی تو وہ حکم جو اُس حالت سے متعلق تھا غیر واجب التعمیل ہوجاتا ہے اور دوسرا حکم جو حالت تبدیل شدہ سے مناسب ہو صادر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں علماے اسلام حکم اول پر منسوخ اور حکم ثانی پر ناسخ کا اطلاق کرتے ہیں۔ مگر اسکے یہ معنی کسی طرح نہیں ہوسکتے کہ حکم اول میں کسی قسم کا نقص تھا بلکہ وہ حالت خاص جس کے واسطے وہ حکم مناسب تھا باقی نہیں رہی اس لیئے وہ حکم بھی واجب التعمیل نہیں رہا لیکن درحقیقت منسوخ نہیں ہوا کیونکہ اگر احیاناً وہی حالت پھر ظہور پذیر ہو تو وہی پہلا حکم واجب التعمیل ہوگا۔ اور دوسرا حکم واجب التعمیل نہ رہیگا۔

مثلاً جب شراب پینے کی امتناع کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت نے سبز رنگ کے پیالوں کے استعمال کا بھی جو عرب میں بالتخصیص شراب پینے کے لیئے مخصوص تھے منع فرمایا۔ مگر جب شراب پینے کی امتناع کا حکم عموماً سب لوگوں کو معلوم ہوگیا اور اسکا رواج بھی اُٹھ گیا اُسوقت آنحضرت نے سبز رنگ کے پیالوں کے استعمال کی اجازت دیدی۔ اسی قسم کی ایک بحث

مثال ہے کہ جب تک مسلمان مکہ میں رہے جہاں کفار قریش کی حکومت تھی اور مسلمان انکی محکوم تھے اُسوقت تک اُنکو اپنے حکام کے ہات سے ہر قسم کی تکلیفوں اور سختیوں کو صبر اور استقلال کے ساتھ برداشت کرنیکا حکم رہا لیکن جبکہ مسلمان اُنکی عملداری کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلے گئے تو اُسوقت جہاد کرنے کے احکام صادر ہوئے۔ ان دونوں مثالوں میں علمائے اسلام نے اصطلاحاً حکم اول کو منسوخ اور حکم ثانی کو ناسخ سمجھا ہے۔ لیکن اگر پہلی صورتیں پھر پیش آویں تو وہی پہلے حکم واجب التعمیل ہونگے۔

مختلف اُمور میں بعض احکام شریعت حضرت موسے کے ایسے تھے کہ جب تک خاص احکام ان کی نسبت آنحضرت پر نازل نہیں ہوئے آنحضرت نے اُنہیں حکموں پر عمل کیا مگر جب خاص حکم نازل ہوئے تو اُنکے مطابق کاربند ہوئے اور علماء نے اُن احکام موسوی کو بھی منسوخ اور اُن احکام خاص پر ناسخ کا اطلاق کیا۔ ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ الفاظ صرف اصطلاحیں ہیں جو علماء نے مقرر کی ہیں۔ محققین علمائے اسلام کا عقیدہ ہے کہ الفاظ ناسخ و منسوخ اپنے اصلی اور لغوی معنوں میں قرآن مجید کی نسبت مستعمل نہیں ہوئے ہیں۔

جعفر کی حدیث میں جو یہ روایت ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ" میرا کلام قرآن مجید کو منسوخ نہیں کرتا ہے مگر قرآن مجید کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور قرآن مجید کی ایک آیت ایک آیت کو منسوخ کرتی ہے"۔ اور ابن عمر کی حدیث میں جو یہ روایت ہے کہ" میرا ایک کلام میرے دوسرے کلام کو منسوخ کرتا ہے جس طرح کہ قرآن کی بعض آیتیں قرآن کی بعض آیتوں کو منسوخ کرتی ہیں"۔ ان حدیثوں کی معتبر سند نہیں ہے اسلیئے تسلیم کے قابل نہیں ہیں۔

اس باب میں ابن ماجہ کی حدیث نہایت صحیح اور معتبر ہے جو ان دونوں حدیثوں کے برخلاف ہے اور جسنے اُن لوگوں کی رائے کی جو قرآن مجید کی ایک آیت سے دوسری آیت کے

منسوخ ہونے کے قائل ہیں بخوبی تردید ہوتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

عن عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قوما یتدارؤن فی القرآن فقال انما ھلک من کان قبلکم بھذا ضربوا کتاب اللہ بعضہ ببعض وانما نزل کتاب اللہ یصدق بعضہ بعضا فلا تکذبوا بعضہ ببعض فما علمتم منہ فقولوا بہ وما جھلتم فکلوہ الی عالمہ (رواہ احمد و ابن ماجۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قوم کو سُنا کہ قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں پس فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اسی سے ہوئے خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے لڑایا (یعنی رد کیا) اور خدا کی کتاب تو اسلیئے اُتری ہے کہ بعض سے بعض کی تصدیق ہو۔ پس بعض کی بعض سے تکذیب مت کرو۔ اُس میں سے جو جانو وہ کہو اور جو نہ جانو اُسکو اُسکے واقف کار پر چھوڑ دو۔

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی کسی آیت کی ناسخ ہے نہ کوئی آیت منسوخ ہے۔

مگر عالموں کا یہ اختلاف محض لفظی بحث پر مبنی ہے کیونکہ دونوں فریق یعنی وہ لوگ جو ناسخ و منسوخ ہونے کے قائل ہیں اور جو لوگ اُسکے قائل نہیں ہیں دونوں کے مباحثوں سے ایک ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس لیے ہم اس مقام پر اُن پہلی دو حدیثوں کے نامعتبر اور غیر مستند ہونے پر بحث کرنی بے فائدہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ دونوں فریقوں کا بہ لحاظ حقیقت حال کے ایک ہی عقیدہ ہے۔

ایک زمانہ کے بعد جبکہ فقہائے اسلام نے قرآن مجید سے اوامر اور نواہی کا استنباط شروع کیا اور کتب فقہ کا تالیف ہونا شروع ہو گیا تو اُنھوں نے الفاظ ناسخ و منسوخ کو اور بھی زیادہ وسیع اصطلاح میں استعمال کرنا شروع کیا جسپر نہ تو اُن الفاظ کے لغوی اور لفظی

معنی کا اور نہ اُن معنوں کا جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں ٹھیک ٹھیک اطلاق ہو سکتا ہے مثلاً انہوں نے دیکھا کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں کسی معاملہ کی نسبت ایک عام حکم ہے اور پھر کوئی خاص آیت انکو ایسی ملی کہ جس سے اُس عام حکم میں کسی حالت میں استثنا پایا جاتا تھا تو اُنہوں نے اس خیال سے کہ وہ پہلی آیت اپنی عمومیت پر باقی نہیں رہی اُسکو منسوخ اور دوسری آیت کو اُسکا ناسخ قرار دیا حالانکہ یہ صرف ایک فرضی اصطلاح ہے چنانچہ ہم ایک مثال سے اس امر کی زیادہ تر تشریح اور توضیح کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ایک یہ آیت ہے کہ۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم (سورہ بقر آیت ۲۴۲)	اور جو لوگ تم میں سے وفات پاتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیاں۔ وصیت کر جاویں اپنی بیبیوں کیلئے فائدہ دینا ایک برس تک بن نکالے۔ پس اگر نکل جاویں پس نہیں گناہ ہے تم پر اُس چیز میں کہ کریں وہ اپنے حق میں کچھ بہتری اور اللہ غالب دانا ہے۔

اس آیت کے صاف اور سیدھے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اپنے مرنے کے بعد ازواج چھوڑ جاویں اُنکے ایک برس کے نان ونفقہ کے لیے وصیت کر جاویں تاکہ عورت (جو کہ اس جہان میں اپنے تمام حوائج ضروری میں اپنے خاوند کی محتاج ہوتی ہے) اپنے رنج اور مایوسی کے ایام میں خاوند کے مرجانے سے مصیبت اور تکلیف میں نہ پڑے۔ ہمارے فقہا نے بیان کیا کہ اس آیت سے تین حکم نکلتے ہیں (۱) شوہر پر واجب ہے کہ زوجہ کے سال بھر کے نان ونفقہ کی وصیت کر جاوے (۲) زوجہ شوہر متوفی کی جائداد میں سے ایک سال سے زیادہ کے نان ونفقہ کی مستحق نہیں ہے (۳) زوجہ شوہر کی وفات کی تاریخ سے سال بھر تک

کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔

جب کہ فقہانے اپنی ذہانت سے یہ قرار دیا کہ اس آیت سے یہ تین مسئلے نکلتے ہیں تو اُنکو ایک اور آیت نظر پڑی جو ذیل میں مندرج ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا	اور جو لوگ تم میں سے وفات پاتے ہیں اور بیبیاں
یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا	چھوڑ جاتے ہیں۔ تو انتظار کرائیں (یہ عورتیں) اپنی
فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما	جانوں کو چار مہینے اور دس دن۔ پس جب پہنچیں
فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بما	اپنی مدت کو پس تم پر کچھ گناہ نہیں ہی اُس چیز میں کہ
تعلمون خبیر ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ	وہ اپنے حق میں بھلائی سے کوئی بات کریں اور خدا
من خطبة النساء او اکننتم فی انفسکم	اُس چیز سے خبر رکھتا ہی جو تم کرتے ہو اور نہیں گناہ
علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا	ہے تم پر اس بات میں کہ اشارةً تمنے عورتوں سے پیغام
تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا	نکاح کیا ہو یا تمنے اپنے دلمیں چھپا رکھا ہو۔ خدا جانتا ہے
معروفا (سورہ بقر آیت ۲۳۴ و ۲۳۵)	کہ تم اُنکو یاد کروگے مگر اُنسے خفیۃً عدہ مت کرلو بجز

اسکے کہ اچھی بات کہو۔

اس آیت میں نھیں فقہانے اُس میعاد کی تصریح اور تعیین پائی جس میں عورت کو شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کرنا نہیں چاہیے اور اُنہوں نے سمجھا کہ یہ تعیین میعاد پہلی آیت کے تیسرے حکم سے جو اُنہوں نے ازخود اپنی ذہانت سے قرار دے لیا تھا مختلف ہی تو اُنہوں نے پہلی آیت کے تیسرے حکم کو بہ لفظ منسوخ تعبیر کیا اور پچھلی آیت کو اُسکا ناسخ قرار دیا۔

اُس کے بعد انکو ایک اور آیت نظر پڑی جو ذیل میں مندرج ہے۔

ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان	اور اُنکے لیے چوتھائی حصہ ہی تمہارے ترکہ میں سے

کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد اگر تمہارے کوئی اولاد ہو پس اگر کوئی ہو تو اُنکے لیئے
وصیۃ توصون بھا او دین (سورۂ نساء آیت) آٹھواں ہو تمہارے ترکہ میں سے بعد وصیت کے جو تم نے کی ہو یا قرضہ ہو
اس آیت سے اُنھوں نے یہ دیکھا کہ بیوہ عورت کے لیئے اس آیت میں صاف صاف
معین حصہ شوہر کے ترکہ میں سے معین ہے تو اُنھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ پہلی آیت سے جو اُنھوں
نے پہلا اور دوسرا حکم استخراج کیا تھا وہ دونوں حکم بھی اس آیت سے منسوخ ہو گئے اور
یہ آیت اُن کی ناسخ ہے۔

ہر سمجھدار آدمی یہ بات جانتا ہے کہ مذہب اسلام میں فقہاء کا ایسا درجہ نہیں ہے جیسا
کہ عیسائی مذہب میں پوپ کا درجہ ہے جسکو عیسائی خطا اور نسیان سے مبرا سمجھتے ہیں۔
مسلمانوں کے مذہب میں قرآن مجید ہر شخص کی دسترس میں ہے اور ہر شخص کو اُس میں حق
بات تلاش کرنیکا اختیار ہے۔ ہر مسلمان اس بات کا مجاز ہے کہ اگر وہ چاہے تو مذکورۂ بالا تینوں
مسئلوں کو جو فقہائے مذکورۂ بالا آیت سے اخذ کیئے ہیں اور جو درحقیقت ایک مسئلہ بھی
اُن مسئلوں میں سے اُس آیت سے اخذ نہیں ہو سکتا نہ مانے اور صاف کہدے کہ اُن
آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ایک دوسرے کی ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔ پس کسی آیت کو ناسخ
اور کسی کو منسوخ قرار دینا صرف فقہا کی رائے ہے جو اُنھوں نے اپنے مسائل کے استنباط کے
طریقہ کی تسہیل کے لیئے اختیار کی ہے مگر اُس سے یہ بات کہ درحقیقت قرآن میں ناسخ و منسوخ
ہے لازم نہیں آتی۔

مگر افسوس یہ ہے کہ عیسائی عالموں نے جو سمجھا ہے آئیں دانستہ یا نادانستہ غلطی کی ہے
مشہور و معروف مورخ گبن اور ہمارے زمانہ کے بڑے عالم سر ولیم میور نے ناسخ و منسوخ کی
اصطلاحوں کے صحیح اور اصلی معنوں سے جن میں ہمارے فقہائے انکو مستعمل کیا تھا ناواقفیت

کی وجہ سے صریح مغالطہ کھایا ہے اور وہ خیالات بیان کئے ہیں جنکو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں

گبن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "مرضی الٰہی کے دائمی اور کامل انداز کے بجائے آیات قرآن (مجید) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سمجھ کے مطابق مرتب ہوئی تھیں۔ ہر وحی انکی حکمت عملی یا خواہش کے مناسب ہے اور آیتوں کا تناقض اس وسیع قول سے کہ کسی پہلی آیت میں کسی پچھلی آیت سے تبدیل یا ترمیم ہوگئی ہے رفع ہوگیا ہے"۔

سر ولیم میور۔ اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتے ہیں کہ "اگرچہ تنسیخ کا آسان عقیدہ قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے مگر مسلمان اس اجتماع ضدین کی تطبیق کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں تاہم بہ مجبوری اُن کو معترف ہونا پڑا ہے کہ قرآن میں کم سے کم دو سو پچیس آیتیں منسوخ ہیں"۔

اس خطبہ کے شروع میں ہمنے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کی وحی نازل ہوتی تھی۔ اول وحی متلو یعنی کلام اللہ۔ دوم وحی غیر متلو یعنی حدیث۔ یہ ممکن ہے کہ بعض شخصوں نے غلطی سے دوسری قسم کی وحی کو پہلی قسم کی وحی سمجھا ہو۔ اور انکو قرآن مجید میں نہ پاکر یہ گمان کیا ہو کہ بعض آیتیں منسوخ ہوگئی ہیں اور جو کہ اُنکے پڑھنے کی اجازت نہ تھی اسلیئے قرآن مجید میں مندرج نہوئیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسا خیال جسکو ہوا خود اس کی غلطی ہے۔ علاوہ اسکے اسبات کے فرض کر لینے کے لیئے کہ کوئی آیت ایسی تھی جس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی اور اس لیئے قرآن مجید سے خارج رکھی گئی تھی کوئی سند نہیں ہے۔ چنانچہ ہم اس امر کی نسبت اس خطبہ کے اخیر میں پوری بحث کرینگے۔

کیا جناب پیغمبر خدا قرآن مجید کی کوئی آیت بھول گئے تھے

ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ جناب پیغمبر خدا کو تمام قرآن من اولہ الی الآخرہ جو نازل ہوا تھا یاد تھا اور کبھی کوئی آیت آنحضرت نہیں بھولے نہ آپ کے دل سے محو ہوئی اور تمام آیتیں جو

آپ پر نازل ہوتی تھیں آپ کاتبوں سے لکھوا دیتے تھے۔ اس کی سند میں قرآن مجید کی
ایک آیت کا اور بخاری کی ایک حدیث کا لکھ دینا کافی ہے۔ قرآن کی آیت یہ ہے کہ "ہم
سنقرئك فلا تنسیٰ الا ما شاء الله (سورۂ سبح اسم آیت ۶) تجکو پڑھا وینگے سو تو نہ بھولیگا مگر جو خدا چاہے۔
بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر اس طرح پر کی ہے (ہم تجکو پڑھا وینگے) جبرئیل کی زبان
(سنقرئك) علی لسان جبرئیل وسنجعلك سے یا تجکو قاری کرینگے قرأت کے الہام سے (پس
قارئا بالهام القرأة (فلا تنسیٰ) اصلامن تو نہ بھولیگا) ہرگز حافظہ کی قرأت سے باوجود اسکے
قوة الحفظ مع انك امی لیکون ذلك آیة کہ تو ان پڑھ ہے تاکہ یہ ایک نشانی ہو دوسری تیرے
اخر مے لك (الا ما شاء الله) نسیانه بان نسخ لیئے۔ (مگر جو خدا چاہے) اُسکا بھلا دینا اس طرح پر کہ
تلاوته وقیل المراد به القلة والندرة لما روی اُس کی تلاوت منسوخ کردی اور کہا گیا ہے کہ اس
انه علیه السلام اسقط آیة فی الصلوة سے مراد کم ہونا اور نادر ہونا ہے اسلئے کہ روایت
فحسب ابی رض انها نسخت فساله فقال ہے کہ آنحضرت نے ایک آیت نماز میں چھوڑ دی۔
نسیتها او نفی النسیان راسا فان القلة پس ابی رض نے سمجھا کہ وہ منسوخ ہو گئی سو حضرت
تستعمل للنفی (بیضاوی) سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں بھول گیا۔ یا بھولنے
کی مطلقاً نفی مراد ہے۔ کیونکہ قلت کا لفظ نفی کے لیئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

بیضاوی نے اول تو یہ لکھا ہے کہ "فلا تنسیٰ" سے یہ مطلب ہے کہ پیغمبر صاحب قرآن کو
ہرگز نہیں بھولنے کے۔ "الا ما شاء الله" کے لفظ میں اُسنے تین رائیں قائم کی ہیں۔ ایک یہ کہ
منسوخ شدہ آیت کو بھول جاوینگے۔ یہ صرف اُس کی رائے ہے قرآن مجید سے اسپر کوئی نص
نہیں ہے۔ دوسری رائے اُسنے ایک حدیث پر قائم کی ہے کہ آپ ایک آیت پڑھنی بھول گئے تھے
اگر ہم اُس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیں تو بھی اُس سے بھول جانا کسی آیت کا یعنی دل سے محو

ہوجانا ثابت نہیں ہوسکتا۔ تیسری رائے اُس کی نسیان سے قطعی انکار کی ہے۔ یہ رائے صحیح ہے گو کہ جو وجہ اُس نے لکھی ہے وہ خود اُسکے دل کی پیدا کی ہوئی ہے جسکے لیئے کوئی دلیل نہیں ہے۔

قرآن مجید کا طرز بیان یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے قادر مطلق ہونے کے اظہار کے لیئے ہر ایک حکم اور ہر ایک امر کے ساتھ جملہ استثنائیہ فرماتا ہے مگر اُس سے درحقیقت یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ واقع بھی ہوگا بلکہ اُس سے محض اظہار قدرت مراد ہوتا ہے اس کی سیکڑوں مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ پس اس مقام پر بھی جملہ استثنائیہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی آیت کو بھول گئے تھے یا بھول جاویں گے۔ بلکہ صرف اظہار قدرت کے لیئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم قرآن کا کوئی جزو نہیں بھولوگے لیکن جسکو کہ خدا چاہے۔ زمخشری جو علم عربیت کا بہت بڑا عالم ہے یہی بات لکھتا ہے کہ اس جملہ سے استثناء مراد نہیں ہے اور اُس کی مثال اس طرح پر دی ہے۔ کہ مثلاً کوئی شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ جو کچھ میری ملکیت میں ہے اُس میں تو بھی شریک ہے مگر جو خدا چاہے۔ تو اس طرح کہنے سے کسی چیز کا استثناء کرنا شریعت سے مقصود نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس مقام پر بھی جملہ استثنائیہ سے کسی آیت کا استثنےٰ کرنا مقصود نہیں ہے۔

فی الکشاف کما تقول لصاحبك انت سهيمي فيما املك الا ما شاء الله لايقصد استثناء شيء (کشاف)

بخاری میں اسی کے متعلق دو حدیثیں حضرت عائشہؓ سے مذکور ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں پڑھتے سنا پس کہا کہ خدا اسپر رحم کرے مجکو یہ آیتیں اُس سورہ سے یاد دلائیں۔

عن عائشة سمع النبی صلعم رجلا يقرأ فی المسجد فقال يرحمه الله لقد اذكرنی كذا وكذا اٰية من سورة كذا (بخاری باب نسيان القرآن)

عن عائشۃ قالت سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یقرا فی سورۃ باللیل فقال یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا وکذا ایۃ کنت انسیتھا من سورۃ کذا (بخاری باب نسیان القران)۔	دوسری حدیث یہ ہو کہ حضرت عائشہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو ایک سورۃ پڑھتے سنی رات کو پس فرمایا کہ خدا اسپر رحم کرے مجکو فلاں فلاں آیتیں یاد دلائیں جنکو میں فلاں سورۃ سے بھول گیا تھا۔

اول توان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مسجد میں ہوا تھا اور اس بات پر یقین نہیں ہو سکتا کہ حضرت عائشہ خود موجود تھیں۔ کیونکہ اسکا کوئی اشارہ اُن حدیثوں میں نہیں ہو اور اس لیئے یہ حدیثیں قابل استدلال نہیں۔ دوسری وجہ ان حدیثوں کے قابل استدلال نہونے کی یہ ہے کہ اُن میں سے کسی میں نہیں بیان کیا کہ وہ آیت کونسی تھی جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھول گئے تھے اور نہ یہ بیان کیا ہے کہ کس سورت کی وہ آیت تھی۔ قطع نظر اسکے مسلمان جو نسیان سے انکار کرتے ہیں اُسکا یہ مقصد ہو کہ کوئی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے محو نہیں ہو گئی تھی کہ ہمیشہ کیواسطے معدوم ہو گئی ہو۔ اگر اُس نسیان کو جو اُن حدیثوں میں مذکور ہے تسلیم بھی کر لیں تو اسکا نتیجہ صرف اتنا ہے کہ جسوقت اُس شخص نے وہ آیت پڑہی اُسوقت آنحضرت کو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُسکا خیال نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ خوب یاد دلایا۔ یہ امر بمقتضائے بشریت ہو سکتا ہے کیونکہ ہم بشریت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبرا نہیں کرتے ہیں۔ اُس آیت کا یاد آجانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے وہ آیت محو نہیں ہوئی تھی۔

قرآن مجید حضرت ابو بکر کی خلافت میں کسطرح جمع ہوا

قرآن مجید کے جمع ہونے کا صحیح اور کامل بیان حضرت ابو بکر کی خلافت میں بخاری کی ایک صحیح اور معتبر حدیث میں مذکور ہے جسکو ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے۔

عربی	اردو
عن زید ابن ثابت قال ارسل الی	زید بن ثابت کہتے ہیں کہ مجکو ابو بکر نے اہل یمامہ کے
ابو بکر رضہ عند مقتل اهل الیمامة	قتل کے زمانہ میں بلا بھیجا۔ عمر بن خطاب بھی وہاں
فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابو بکر	موجود تھے ابو بکر نے کہا کہ عمر میرے پاس آئے اور کہا
ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر	کہ یمامہ کے دن قرآن کے قاری کثرت سے قتل ہوگئے
یوم الیمامة بقراء القرآن وانی اخشی	اور میں ڈرتا ہوں کہ اور موقعوں میں بھی قاری کثرت سے
ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذهب	مقتول ہوں تو قرآن بہت سا جاتا رہیگا۔ اور میری
کثیر من القرآن وانی اری ان تامر	یہ رائے ہوتی ہے کہ تم قرآن کے جمع کرنیکا حکم کرو۔ میں نے
بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئا	عمر سے کہا تم وہ کام کیونکر کروگے جسکو رسول اللہ صلی اللہ
لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم	علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمر نے کہا خدا کی قسم یہ عمدہ
قال عمر هذا والله خیر فلم یزل عمر	بات ہے۔ عمر اسی طرح مجھ سے اصرار کرتے رہے یہانتک
یراجعنی حتی شرح الله صدری لذلک	کہ خدا نے میرا سینہ اسکے لیے کھولدیا اور میں نے بھی
ورأیت فی ذلک الذی رأی عمر قال	اس کام میں وہ فائدہ دیکھا جو عمر نے سوچا تھا۔ زید کہتے
زید قال ابو بکر انک رجل شاب عاقل	ہیں کہ ابو بکر نے کہا تم جوان عاقل آدمی ہو تم پر ہم بدگمانی
لا نتهمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول الله	نہیں کرسکتے۔ اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
صلی الله علیه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه	لیئے وحی لکھا کرتے تھے پس قرآن کی جستجو کرکے اسکو جمع کرو

فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال	سو خدا کی قسم اگر کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کو کہتے تو مجھپر
ما کان اثقل علی مما امرنی بہ من	اتنا گراں نہوتا جتنا کہ قرآن کے جمع کرنیکا حکم گراں معلوم
جمع القرآن قال قلت لابی بکر کیف	ہوا میں نے ابوبکر سے کہا تم لوگ وہ کام کیونکر کروگے
تفعلون شیأ لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ	جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ ابوبکر
علیہ وسلم قال ھو واللہ خیر فلم یزل ابوبکر	نے کہا خدا کی قسم یہ اچھا کام ہے۔ ابوبکر اسی طرح اصرار
یراجعنی حتی شرح اللہ صدری للذی	کرتے رہے یہانتک کہ خدا نے میرا سینہ اس کے لیے
شرح لہ صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القرآن	کھولدیا جسکے لیے ابوبکر وعمر کو خیال دلایا تھا پس میں
اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال	قرآن کو تلاش کرکے جمع کرنے لگا ہڈیوں اور سفید پتھر
حتی وجدت اخر سورۃ التوبۃ مع	کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے یہانتک
ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع	کہ سورہ توبہ کا اخیر میں نے ابوخزیمہ انصاری کے پاس
احد غیرہ " لقد جاءکم رسول من انفسکم	پایا اور کسی کے پاس نہیں پایا " لقد جاءکم رسول من
عزیز علیہ ما عنتم " حتی خاتمۃ براءۃ وکانت	انفسکم عزیز علیہ ما عنتم " سے براءۃ کے اخیر تک اور
الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ	سب قرآن ابوبکر کے پاس تھے یہاں تک کہ خدا نے
ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر	انکو وفات دی۔ پھر عمر کے پاس تھے انکی زندگی تک
(رواہ البخاری)	پھر حفصہ کے پاس جو عمر کی بیٹی تہیں۔

مذکورہ بالا احادیث سے تین امر کی قرار واقعی تصریح ہوتی ہے۔ اول حضرت عمر کے اس کہنے سے کہ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری قتل ہوگئے ہیں اور مجھکو اندیشہ ہے کہ اگر اور مقاموں میں سخت لڑائی ہو اور قرآن کے قاری بہت مارے جاویں تو اکثر حصہ قرآن کا ضائع ہو جاویگا۔ اس قول سے پایا جاتا ہے کہ اسوقت تک بہت سے قاری جن کو قرآن مجید

جسقدر کہ آنحضرت پر نازل ہوا تھا بخوبی یاد تھا موجود تھے۔

دوم۔ ہمکو بدرجہ یقین ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو قرآن مجید حفظ یاد تھا۔

سوم۔ اس میں کچھ شبہ نہیں رہتا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں تھی جو تلاش کے بعد چمڑے یا ہڈیوں یا اور کسی چیز پر لکھی ہوئی نہ ملی ہو۔

ان تمام بیانوں سے جو اوپر مذکور ہوئے اور نیز عبد العزیز بن رفیع کی حدیث سے جسکو ہم ابھی نقل کرینگے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ زید ابن ثابت نے کل قرآن مجید کو بے کم و کاست جمع کر لیا تھا اور یہ قرآن جو بالفعل ہمارے ہاتوں میں موجود ہے بجنسہ وہی ہے۔ کوئی چیز اس میں چھوٹی ہوئی نہیں ہے۔

عن عبد العزیز بن رفیع قال دخلت انا وشداد بن معقل علی ابن عباس فقال لہ شداد بن معقل اترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم من شئ قال ما ترک الا ما بین الدفتین قال ودخلنا علی محمد بن الحنفیة فسالنا فقال ما ترک الا ما بین الدفتین (بخاری)

عبد العزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں اور شداد بن معقل ابن عباس کے پاس گئے۔ شداد نے اُنسے کہا کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کچھ چھوڑا۔ ابن عباس نے کہا کچھ نہیں چھوڑا مگر دو دفتیوں کے درمیان ہیں (یعنی قران) کہا اور گئے ہم محمد بن حنفیہ کے پاس اور اُنسے بھی پوچھا اُنھوں نے کہا کچھ نہیں چھوڑا مگر دو دفتیوں کے درمیان میں۔

حضرت عثمان جامع الناس علی القرآن کی خلافت میں قرآن مجید کی نقلوں کا تقسیم ہونا

وہی قرآن جسکو زید بن ثابت نے جمع کیا تھا۔ حضرت عثمان کی خلافت تک مصحف کا چلا آتا تھا

حضرت عثمان نے اپنی خلافت میں اُس کی متعدد نقلیں مختلف ممالک میں بھیجیں۔ چنانچہ یہ امر
نہایت تفصیل کے ساتھ بخاری کی حدیث میں مذکور ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

حذیفہ بن یمامہ عثمان کے پاس آئے اور وہ عراق — عن انس بن مالك ان حذيفة بن اليمان
والوں کے ساتھ اہل شام سے لڑتے تھے آرمینیہ و — قدم على عثمان وكان يغازي اهل الشام في
آذربیجان کی فتح میں۔ تو حذیفہ کو اُن لوگوں کا قراءۃ — فتح آرمينية وآذربيجان مع اهل العراق
قرآن میں مختلف ہونا رنجیدہ ہوا۔ حذیفہ نے عثمان سے — فافزع حذيفة اختلافهم في القراءة فقال
کہا اے امیر المومنین اس اُمت کی خبر لو قبل اسکے — حذيفة لعثمان يا امير المومنين ادرك
کہ قرآن میں مختلف ہو جس طرح یہود و نصاریٰ مختلف ہوئے — هذه الامة قبل ان يختلفوا في الكتاب اختلاف
عثمان نے حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ صحیفے ہمارے پاس — اليهود والنصارى فارسل عثمان الى حفصة
بھیجدو۔ ہم نقل کرکے واپس بھیجدینگے۔ حفصہ نے عثمان — ان ارسلي الينا بالصحف ننسخها في المصاحف
کے پاس وہ صحیفے بھیجدیئے۔ عثمان نے زید بن ثابت — ثم نردها اليك فارسلت بها حفصة الى
وعبداللہ بن الزبیر و سعد بن العاص و عبدالرحمن بن — عثمان فامر زيد ابن ثابت وعبد الله ابن
الحارث بن ہشام کو حکم دیا سو ان لوگوں نے اُن کو — الزبير وسعد بن العاص وعبد الرحمن بن
مصحفوں میں نقل کیا۔ اور عثمان نے تین قریشی گروہوں — الحارث بن هشام فنسخوها في المصاحف
سے کہا کہ جب تم لوگ اور زید بن ثابت قرآن کی کسی چیز — وقال عثمان للرهط القرشيين الثلثة اذا
میں اختلاف کرو (اور ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کی — اختلفتم انتم وزيد ابن ثابت في شيء من
کسی عربیت کے متعلق اختلاف کرو دیکھو باب نزول — القرآن (وفي حديث "في عربية من عربية القرآن"
القرآن بلسان قریش) تو اسکو قریش کی زبان میں لکھو — باب نزل القرآن بلسان قريش فاكتبوه
کیونکہ قرآن انہیں کی زبان میں اترا ہے۔ پس اُن — بلسان قريش فانما نزل بلسانهم

ففعلوا حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی حفصة وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواه من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق قال ابن شهاب واخبرنی خارجة بن زید بن ثابت انه سمع زید بن ثابت قال فقدت آیة من الاحزاب حین نسخنا المصحف وقد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم یقرأ بها فالتمسناها فوجدناها مع خزیمة بن ثابت الانصاری من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیه فالحقناها فی سورتها فی المصحف (رواہ البخاری)

لوگوں نے ایسا ہی کیا یہانتک کہ جب صحیفوں کو مصحفوں میں نقل کر لیا تو عثمان نے صحیفے حفصہ کے پاس واپس بھیج دیئے۔ اور جو قرآن کے نسخے نقل ہوئے اُنکو ملک کے ہر ایک حصہ میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اُنکے سوا جو کچھ کہ کسی صحیفہ یا مصحف میں ہو سب جلا دیا جائے ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجکو خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی کہ انہوں نے زید بن ثابت سے سُنا وہ کہتے تھے کہ میں نے "احزاب" کی ایک آیت نہیں پائی قرآن کی نقل کرتے وقت۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُسکو پڑھتے سنا تھا۔ پس ہم نے اُس کی جستجو کی پس خزیمہ بن ثابت انصاری کو پایا یہ آیت یعنی "من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ" پس اُسکو اُسکی سورۃ میں مصحف میں ملا دیا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ جملہ "اختلافهم فی القراءة" سے وہی اختلاف قراءۃ مراد ہے جسکا بیان شرح و بسط سے اوپر ہو چکا ہے اور جملہ "فی عربیة من عربیة القرآن" جسکو ہم نے خطوط ہلالی میں لکھا ہے اور جو ایک اور حدیث کا ٹکڑا ہے اس مطلب کو زیادہ تر واضح کرتا ہے۔ حضرت عثمان کی خلافت میں جو نقلیں ہوئی تھیں وہ بالکل مطابق اصل کے تھیں اور ان میں کسی طرح تغیر و تبدل یا کمی و بیشی نہیں کی گئی تھی۔ لہجہ یا صیغوں کے لفظوں کا جو اختلاف عرب کی زبانوں میں تھا اُسکا بھی کچھ نشان نہ تھا۔

زید بن ثابت کی پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ توبہ کا اخیر حصہ خذیمۃ الانصاری کے پاس سے ملا تھا لیکن اس روایت مین بیان ہے کہ سورہ احزاب کی ایک آیت خزیمۃ الانصاری کے پاس سے نکلی تھی - ان دونوں بیانوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ جس زمانہ مین زید ابن ثابت نے قرآن کو جمع کیا تھا - اُس زمانہ میں سورۂ توبہ کا آخری حصہ بھی خزیمہ کے پاس سے ملا ہوگا اور سورہ احزاب کی آیت بھی اُنہیں کے پاس نکلی ہوگی - اس اخیر کی روایت سے یہہ سمجھنا کہ احزاب کی آیت بروقت نقل کرنے قرآن کی دستیاب ہوئی تھی یہ غلطی ہے کیونکہ یہہ ذکر بھی اس روایت میں اُسی وقت کا ہے جبکہ حضرت ابوبکر کے وقت میں زید ابن ثابت نے قرآن جمع کیا تھا - اور اگر فرض کریں کہ یہہ ذکر اُس وقت کا ہے جبکہ قرآن کی نقلیں ہوتی تہیں تو بھی ممکن ہے کہ اُس جمع کیے ہوئے قرآن میں سے وہ آیت کسی طرح خراب ہوگئی ہو اور پھر تلاش سے خزیمہ کے پاس ملی ہو - یا ابن شہاب کو یا حضرت انس کو اس روایت کے بیان کرنے میں کچھ اشتباہ واقع ہوا ہو -

قرآن مجید کا اپنے طرز میں کامل ہونا اُسکے الہامی الاصل ہونیکو ثابت کرتا ہے

اس موقع پر ہم بشپ مڈلٹن کے بیان کو جو ایک عالم اور فاضل آدمی تھا نظر انداز نہیں کرسکتے وہ بیان کرتا ہے "کہ یونانی توریت اور انجیل سے بالکل جہالت اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے اور جملہ عیوب سے جن کا کسی زبان میں پایا جانا ممکن ہے بھری ہوئی ہیں - مگر ہمکو از روے فطرت کے خود بخود یہہ توقع ہوتی ہے کہ الہامی زبان کا سلیس اور لطیف عمدہ پر اثر ہونا چاہیئے اور اُسکا عام کلام کی قوت اور اثر سے بھی متجاوز ہونا ضرور ہے - کیونکہ اللہ تعالی کے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہوسکتی جس میں کسی قسم کا نقص ہو - خلاصہ یہہ ہے کہ ہمکو افلاطون کی سی لطافت اور سسرو کی سی

بلاغت کا متوقع ہونا چاہیئے"۔

اب چونکہ قرآن مجید اپنی طرز میں کامل ہے اسواسطے اُسکا الہامی الاصل ہونا لازم آتا ہے۔ اور اسی طرح سے اسکا الہامی الاصل ہونا اُسکے کامل النوع ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انسان سے جو خود ضعیف البنیان اور مرکب من الخطاء والنسیان ہے کوئی کامل اور بے عیب شے پیدا نہیں ہوسکتی۔ اسی امر کی نسبت قرآن مجید کی مندرجۂ ذیل آیتیں دعوی کرتی ہیں۔

پہلی آیت یہہ ہے خدا فرماتا ہے کہ" اور اگر تم شک میں ہو اُس چیز سے جو ہم نے اپنے بندے پر اُتاری پس لاؤ اُس کی سی ایک سورۃ اور بلاؤ اپنے گواہوں کو خدا کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پس اگر نکرو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو بچو اُس آگ سے جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جو کافروں کے لئے طیار کی گئی ہے۔	وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین (سورۃ بقر آیت ۲۱ و ۲۲)
دوسری آیت یہہ ہے خدا فرماتا ہے کہ" کہدے کہ اگر تمام انسان اور جن اسبات پر اتفاق کریں کہ اس قرآن کا مثل لائیں تو نہ لاسکینگے گو ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔	قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۹۰)

ان آیتوں کا مقصد ومدعا وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ انسان ضعیف البنیان کی بنائی ہوئی کوئی چیز کامل النوع نہیں ہوسکتی بلکہ صرف اللہ تعالے ہی جو خود ذات کامل ہے ہرشی کامل النوع کا مخرج ہے اور یہہ امر اس بات پر غور کرنے سے اور بھی زیادہ واضح اور غیر مشتبہ ہوجاتا ہے کہ قدرت کی سب سے زیادہ سادہ اور سب سے کم پیچیدہ اشیا میں سے ایک چیز کی بھی کسی مصنوعی شے نے ہمسری نہیں کی ہے سبقت لیجانا تو درکنار۔

اگرچہ یہ بات ممکن ہے کہ انسان کوئی ایسی چیز بناوے جو اور مصنوعی چیزوں کے وسیع دائرہ میں یکتائی کا دعوی کرے اور باوجود اسکے کہ اور اشخاص اُس کی خوبی تک پہنچنے کے لیئے بہت کچھ جدوجہد کریں اور اُس تک نہ پہنچ سکیں تاہم اُسکو کامل النوع کہنا ٹھیک اور جائز نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی خوبی چار چیزوں سے ثابت ہوتی ہے۔

(۱) اُسکے نہایت صاف اور شستہ دل پر اثر کرنے والی اور رجھانیوالی فصاحت و بلاغت سے۔

(۲) اُس کے اُصول متعلق بہ دینیات سے۔

(۳) اُس کے اخلاقی اُصول سے۔

(۴) قانون سیاست اور انتظام مدن کے اُصول سے جو اسمیں مندرج ہیں۔ ان چار چیزوں میں سے پہلی چیز تو محض اہل عرب سے متعلق تھی کیونکہ قرآن مجید اُنہیں کی زبان میں نازل ہوا تھا اور وہی دعوی بے مثلی کر رہے تھے باقی تین چیزیں تمام جہان کی طرف خطاب کی گئی تھیں اور ہم اپنے مخالفوں اور حریفوں کے روبرو جرأت اور اعتماد سے دعوی کرتے ہیں کہ کسی غیر الہامی شخص نے اُسکا مثل نہ تو پیدا کیا ہے اور نہ کوئی قیامت تک پیدا کر سکیگا۔

جو اُصول کہ ہم نے اوپر بیان کیئے اُنسے مشہور مورخ گبن محض ناواقف تھا اور اسی ناواقفی کے سبب سے اُسنے مغالطہ کھایا ہے جہاں اُسنے یہ بیان کیا ہے کہ "پیغمبر خدا حرارت مذہبی یا جوش کیحالت میں اپنی رسالت کی صداقت کو اپنے قرآن کی خوبی پر منحصر کرتے ہیں اور انسان اور ملائک دونوں کو اپنے قرآن کے ایک صفحہ کی بھی خوبیوں کے برابری کرنے کے لیئے قسم دلاتے ہیں اور جوش سے دعوی کرتے ہیں کہ ایسا بے نظیر کلام صرف اللہ تعالےٰ ہی کا ہو سکتا ہے۔ یہ دلیل نہایت استحکام کے ساتھ ایک سرگرم عرب کی طرف خطاب کی گئی ہے جسکا دماغ ایمان اور کیفیت کیواسطے موزوں ہے اور جسکا کان سُریلی آوازوں سے مسرت اندوز ہوتا ہے اور

جس کی بے علمی انسانی ذہانت کے ایجادوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ طرز بیان کی فصاحت اور بلاغت ترجمہ کے ذریعہ سے یورپ کے کافروں تک نہیں پہنچ سکتی وہ اُسکے قصے اور احکام اور بیان کی اُس بے انتہا ناموزوں بے ربطی کو جس سے کسی قسم کا تصور و خیال بہت کم پیدا ہوتا ہے جو کبھی تو خاک پر غلطاں ہوتا ہے اور کبھی بادلوں کے پار ہو جاتا ہے نہایت بے صبری کیساتھ پڑھتے ہیں" مگر ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی بے مثل فصاحت و بلاغت کا دعویٰ محض اہل عرب کیواسطے مخصوص تھا نہ اور ملک کے لوگوں کے لیئے۔ اسلیئے مسٹر گبن کا بیان کچھ اُس دعوی کے مخالف نہیں ہو سکتا۔

پھر بھی مصنف بیان کرتا ہے کہ "اگر قرآن کی تحریر استعداد انسانی سے متجاوز ہے تو ہومر کی ایلیڈ اور ڈی موستھینز کی فلپکس کس برتر عقل کیطرف منسوب کرنی چاہیئے" مگر ہم کسی ایسی مصنوعی شے کے وجود کے امکان کا اوپر اقرار کر چکے ہیں جس کی خوبی سے کوئی اور چیز ہمسری نہ کر سکے اور جو اُسی نوع کی اور مصنوعی اشیاء کے تمام دائرے میں ہمیشہ دعوی یکتائی کرتی رہے بایں ہمہ یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی نوع میں کامل ہو۔

یہی مورخ پھر بیان کرتا ہے کہ "اوصاف الٰہی کا بیان رسول عرب کی قوت مدرکہ کو عزاز بخشتا ہے۔ لیکن اُن کے بلند ترین خیالات صحیفہ ایوب کی ذی شان سادگی کے سامنے جو اُسی ملک میں اور اسی زبان میں بہت مدت پہلے لکھا گیا تھا پست ہیں۔

ہم مسٹر گبن کے اُس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مسٹر گبن میں قرآن مجید اور صحیفہ ایوب کے باہمی تفوق کی نسبت کے حکم دینے کا مادہ نہیں ہے۔ لیکن ہم بدون خوف اعتراض کے کہہ سکتے ہیں کہ نہایت ذی علم عربی دانوں نے قرآن مجید کو بلحاظ فصاحت و بلاغت کے بےمثل قرار دیا ہے اور اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی تحریر اُس سے سبقت نہیں لے گئی اور نہ لیجا سکے گی

بسیدسا بڑا شاعر قرآن مجید کی سورۂ بقر کی چند آیتوں کو سنکر متحیر ہوگیا اور اُس کی بلاغت کا انسانی قوت سے برتر ہونے کا اقرار کیا اور آنحضرت کی رسالت کو قبول کرلیا۔

چند اور عیسائی عالموں نے بھی اسی کے مؤید رائیں قرآن مجید کی نسبت لکھی ہیں جنکو ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

مسٹر کارلائل کا بیان ہے کہ "میرے نزدیک قرآن مجید میں سچائی کا جوہر اُس کے تمام معانی میں موجود ہے جس نے کہ اُسکو وحشی عربوں کی نظروں میں بیش بہا کردیا تھا۔ سب سے اخیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے اخیر جو عمدگیاں ہیں وہ اپنے میں رکھتا ہے اور ہر قسم کے اوصاف کا بانی ہے بلکہ درحقیقت ہر قسم کے وصف کی بنا صرف اُسی سے ہو سکتی ہے"

مسٹر گاڈفری ہگنز لکھتے ہیں کہ "حضرت مسیح کی انجیل کی طرح قرآن مجید غریب آدمی کا دوست اور غمخوار ہے۔ بڑے آدمیوں اور دولتمند آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہ مذمت کی گئی ہے وہ آدمیوں کی باعتبار مدارج کے توقیر نہیں کرتا ہے۔ یہ امر اُسکے مصنف کی لازوال نیک نامی کا موجب ہی (خواہ وہ محمد عرب کے نامی پیغمبر ہوں یا اُسکے تیسرے خلیفہ عثمان) (واضح ہو کہ گاڈفری ہگنز کا یہ اعتقاد تھا کہ قرآن حضرت عثمان کا تصنیف کیا ہوا ہے) کہ اُس میں ایسا ایک بھی کوئی حکم نہیں بتلایا جا سکتا ہے جس میں پولیٹکل خوشامد و رواداری کی طرف ذرا سا بھی میل ہو اور جس طرح کہ ویسٹ منسٹر ریویو نے منصفانہ رائے دی ہے کہ اگر کسی خود مختار مشرقی حاکم کو کوئی چیز کبھی روک سکتی ہو تو وہ غالباً قرآن مجید کی ایک بے تکلف آیت کسی باجرأت مظلوم کی زبانی ہوگی

ایک اور مصنف نے کوارٹرلی ریویو میں قرآن مجید کی نسبت یہ مضمون لکھا ہے کہ "اُن تبدیلات مضامین میں جو مثل برق کے تیز و طرار ہیں اس کتاب کی ایک نہایت بڑی خوبصورتی پائی جاتی ہے اور گیتھ کا یہ قول بجا ہے کہ جسقدر ہم اُسکے قریب پہونچتے ہیں یعنی اُسیر زیادہ غور

کرتے ہیں وہ ہمیشہ دور کھینچتی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر
متعجب کرتی ہے اور آخرکار فرحت آمیز تحیر میں ڈالدیتی ہے"

وہی مصنف ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "شادی اور غم محبت اور بہادری اور جوش کے
وہ عظیم الشان اظہارات جنکی محض ضعیف آوازہاے بازگشت اب ہمارے کانوں پر اثر کرتی ہیں
محمد کے وقت میں پوری پوری آواز رکھتے تھے اور محمد کو سب سے زیادہ نامی اور گرامی لوگوں سے کچھ
ہمسری ہی کرنی نہیں پڑی تھی بلکہ اُنپر فوقیت حاصل کرنی تھی اور اپنے کلام کو اپنی رسالت کی
علامت اور دلیل گردانا پڑا تھا"

ایک اور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے کہ "ہم دفعتاً از راہ ترجیح اس عجیب کتاب کی ماہیت
کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان اور
روم کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کر لی اور جسقدر زمانہ کہ روم کو اپنی فتوحات حاصل کرنے
میں درکار ہوا تھا اسکا دسواں حصہ بھی اُنکو نہ لگا۔ ایسی کتاب جس کی اعانت سے جملہ بنی سام
میں یہی لوگ بہ حیثیت سلاطین یورپ میں آے تھے جہاں کہ اہل فنیشیا تاجروں کی حیثیت سے
اور یہود پناہ گیروں یا قیدیوں کی طرح پر آئے تھے۔ یہی لوگ معہ ان پناہ گیروں کے یورپ کو
انسانیت کی روشنی دکھلانے کے واسطے آئے تھے۔ یہی لوگ جبکہ تاریکی محیط ہو رہی تھی یونان
کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب اور اہل مشرق کو فلسفہ۔ طب۔ ہیئت اور نظم
لکھنے کا خوشنما اور دلچسپ فن سکھلانے اور علوم جدیدہ کے بانی مبانی ہوئے تھے۔ اور ہم لوگوں
کو غرناطہ کی تباہی کے دن پر ہمیشہ کیواسطے رولانے کو آئے تھے۔

مسٹر سیل اس طرح پر لکھتے ہیں کہ "یہ بات علی العموم مسلم ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں
جو جملہ اقوام عرب میں شریف ترین اور مہذب ترین قوم ہے انتہا کی لطیف اور پاکیزہ زبان میں

لکھا گیا ہے لیکن اور زبانوں کی بھی کسیقدر آمیزش ہے گو وہ آمیزش بہت ہی قلیل ہے۔ وہ لاکلام عربی زبان کا نمونہ ہے اور زیادہ پکے عقیدے کے لوگوں کا یہ قول ہے اور نیز اس کتاب سے بھی ثابت ہے کہ کوئی انسان اسکا مثل نہیں لکھسکتا (گو بعض فرقوں کی مختلف رائے ہے) اور اسی واسطے اُسکو لازوال معجزہ قرار دیا ہے جو مردہ کے زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے اور تمام دنیا کو اپنی ربانی الاصل ہونے کا ثبوت دینے کے لیئے اکیلا کافی ہے اور خود محمدؐ نے بھی اپنی رسالت کے ثبوت کے لیے اسی معجزہ کی طرف رجوع کیا تھا اور بڑے بڑے فصحائے عرب کو (جہاں کہ اُس زمانہ میں اس قسم کے ہزارہا آدمی موجود تھے جنکا محض یہ شغل اور حوصلہ تھا کہ طرز تحریر اور عبارت آرائی کی لطافت میں لائق اور فائق ہو جاویں) علانیہ کہلا بھیجا تھا کہ اسکے مقابلہ کی ایک سورۃ ہی بنا دو۔ اس بات کے اظہار کے واسطے کہ اس کتاب کی خوبی تحریر کی اُن ذی لیاقت لوگوں نے درحقیقت تعریف و توصیف کی تھی جنکا اس کام میں مبصر ہونا مسلم ہے منجملہ بے شمار مثالوں کے ایک مثال کو بیان کرتا ہوں۔ لبید ابن ربیعہ کا ایک قصیدہ جو محمدؐ کے زمانہ میں سب سے بڑے زبان آوروں میں تھا خانہ کعبہ کے دروازہ پر چسپاں تھا (یہ رتبہ نہایت اعلی تصنیف کیواسطے مرعی تھا) اور کسی شاعر کو اُسکے مقابلہ میں کسی اپنی تصنیفات کو پیش کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن جبکہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد قرآن کی دوسری سورۃ کی آیتیں اُس کے مقابلہ میں لگائی گئیں تو خود لبید (جو اُس زمانہ میں مشرکین میں سے تھا) شروع ہی کی آیت پڑھکر بحر تحیر میں غرق ہوا اور فی الفور مذہب اسلام قبول کر لیا اور بیان کیا کہ ایسے الفاظ صرف نبی ہی کی زبان سے برآمد ہو سکتے ہیں۔ قرآن کا طرز تحریر عموماً خوشنما اور رواں ہے بالخصوص اُس جگہ جہاں کہ وہ پیغمبرانہ وضع اور توریتی جملوں کو نقل کرتا ہے۔ وہ مختصر اور بعض مقامات میں مبہم ہے اور مشرقی ڈھنگ کے موافق پُرحیرت صنعتوں سے مرصع اور روشن اور پرمعنی جملوں سے مزین ہے اور اکثر جگہ اور علی الخصوص

اُس مقام پر جہاں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و اوصاف کا بیان ہے نہایت عالی درجہ اور رفیع الشان ہے

سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مورخوں کی غلطیاں نسبت قرآن مجید کے

عیسائی عالموں نے قرآن مجید کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اگرچہ وہ صریحاً لغو اور بیہودہ ہے تاہم اُس پر نظر ڈالنے اور اُن غلطیوں کو بیان کرنے سے درگذر نہیں کی جاسکتی۔

مسلمان بادشاہوں یا عالموں کو تو خدا نے توفیق نہیں دی کہ قرآن مجید کو خود دوسری زبانوں میں ترجمہ کرتے اور مختلف ملکوں میں شائع کرتے۔ یورپ کی زبان میں جس قدر اُسکے ترجمے ہوئے وہ غیر مذہب کے لوگوں یعنی عیسائیوں نے کئے۔ ابتدا میں جس طرح پر بذریعہ ان ترجموں کے قرآن مجید کا رواج یورپ میں ہوا اُسکا بیان گاڈفری ہگنز نے عمدہ طرح پر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "اگر عبرانی توریت کا ترجمہ اس طرح پر شائع ہوتا کہ ہر لفظ قابل تبدیل متین اور شائستہ معنی سے ذلیل اور غیر مہذب معنی میں بدل دیا جاتا اور ہر آیت پر جسکا مضمون کسی جوڑ توڑ اور نا قابل برداشت غلط ترجموں اور غلط تاویلوں کے ساتھ مصنف پر معیوب معنی پہنانے کا ذریعہ بنایا جاتا اور ایک بقدر اور خراب شرح اُسکے ساتھ لگی ہوئی تو اُس ذریعہ کا کسیقدر تصور بندہ سکتا ہے جس کی وساطت سے یورپ میں قرآن مجید کی اشاعت ہوئی۔"

تاہم بعض عیسائی مصنفوں کے جیسے کہ مسٹر سیل ہیں شکر گذار ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کے انگریزی میں ترجمہ کرنے میں بہت کوشش کی ہے۔ اگر اُس میں کہیں غلطی ہے تو مفسرین کی صحیح اور غلط تفسیر میں تمیز نہ کرنے کے سبب سے ہے جو درحقیقت مسٹر سیل کے لئے ایک نہایت مشکل کام تھا۔

مگر ان عیسائی عالموں پر تعجب ہوتا ہے جنہوں نے عجیب عجیب خیالات اور ایسے خیالات

جنکی کچھ بنیاد نہیں معلوم ہوتی قرآن مجید کی نسبت ظاہر کئے ہیں ہمفری پریڈو ڈین آف نارو چ نے لکھا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کو سکھاتے تھے کہ اس کتاب (یعنی قرآن) کا اصلی مسودہ آسمانی دفتر میں رکھا ہوا ہے اور جبرئیل میرے پاس ایک ایک سورۃ کی نقل جس کی لوگوں میں شائع کرنے کی حسب موقع ضرورت ہوا کرتی ہے لایا کرتے ہیں۔

یہ بیان ایک ایسا بیہودہ بیان ہے جس کی تردید لکھنی بھی بے فائدہ ہے جب کبھی مسلمانوں کی نظر سے ایسا بیان گذرتا ہے تو وہ متعجب اور متحیر رہ جاتے ہیں کہ یہ کہاں سے اور کیونکر لکھا گیا ہے مشہور مورخ مسٹر گبن نے اسی طرح کی جہالت کی باتیں لکھنے میں کچھ تامل نہیں کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "وجود قرآن بقول آنحضرت کے یا اُنکے متبعین کے غیر مخلوق اور ابدی ذات الٰہی میں موجود ہے اور نور کے قلم سے لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہے۔ اُسکی ایک نقل کاغذ پر لکھی ہوئی ریشم اور جواہرات کی جلد میں حضرت جبرئیل فلک اول پر لے آئے تھے۔

لوح محفوظ کا نام مسٹر گبن نے انگریزی ترجمہ میں دیکھ لیا اور اُس کی حقیقت کچھ بھی نہیں سمجھی اور یہ بات کہ قرآن مجید مخلوق ہے یا غیر مخلوق ایک فلسفی مسئلہ ہے جسکے سمجھنے تک مسٹر گبن کا خیال بھی نہیں پہنچا۔

ڈین پریڈو کی نادرست مگر دلچسپ ایجادیں جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں کچھ کم تعجب انگیز اور تحیر آمیز نہیں ہیں۔ انکا بیان ہے کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) پاس کاغذ پر لکھی ہوئی پوری نقل قرآن مجید کی لائی گئی تھی اور اُنہوں نے اُسکو ایک صندوق میں رکھا تھا جسکا نام صندوق رسالت تھا اور ابوبکر نے جو اُنکے جانشین ہوے سب سے اول اُسکو جمع کیا کیونکہ جب مسیلمہ نے انہیں کی طرح اخیر زمانہ میں نبوت کا دعوی کیا تھا تو ایسی ہی کامیابی کی اُمید میں اسی طرح اُسنے ایک قرآن مرتب کیا اور اُس کی ایک کتاب بنا کر اپنے متبعین میں شائع کی۔ اُسوقت ابوبکر نے

محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قرآن کو بھی اسی طرح مشتہر کرنا ضروری سمجھا۔

یہ چند مثالیں منجملہ اُن سیکڑوں بیہودہ باتوں کے ہیں جو عیسائی مصنفوں کی جملہ تحریرات میں اسلام کی نسبت پائی جاتی ہیں۔ سر ولیم میور نے ایک معقول قاعدہ مصنفی کا برتا ہے اور اپنے استدلالات میں مسلمانوں کی دینیات سے کسقدر واقفیت ظاہر کی ہے لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ اُنھوں نے بحث کیواسطے صرف اُن روایتوں کو منتخب کیا ہے جنکو خود مسلمان بھی سب سے زیادہ ضعیف سب سے زیادہ مشکوک اور سب سے زیادہ ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں یا اُنکے مطلب اور مقصد میں مختلف الرائے ہیں۔

اُنھوں نے اوّلاً اپنی تمام لیاقتوں کو اس بات کے ثابت کرنے میں صرف کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں نوشت وخواند عرب میں معدوم نہ تھی اور "وحی بالعموم کھجور کے پتوں یا چمڑے یا پتھروں یا اور ایسی بے جوڑ اشیا پر جو سر دست دستیاب ہوتیں۔ لکھ لیجایا کرتی تھی"۔ مگر اس امر سے ہم نے خود اقرار کیا ہے اور کسی مسلمان کو اس سے کبھی انکار نہیں ہوا بلکہ اسکو تو ہم قرآن مجید کے لفظ بلفظ محفوظ ہونے کا جیساکہ پیغمبر خدا پر نازل ہوا تھا سب سے قوی دلیل خیال کرتے ہیں۔

سر ولیم میور آیات کے منسوخ ہونے کی نسبت کسی قدر طوالت کے ساتھ بحث کرتے ہیں جو کہ حسب قاعدہ اسلام درست نہیں ہے اور اُس کی تائید میں کوئی شہادت بھی نہیں ہے مثلاً انکا بیان ہے کہ "اکثر حصہ قرآن کا صرف عارضی مدعا تھا جو ایسے حالات کی وجہ سے عارضی ہوا تھا جس کی عظمت بہت جلد جاتی رہی اور یہ امر مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ آیا پیغمبر صاحب کا منشا اس قسم کی آیات سے اُن کی عام عظمت یا اُن کی ترویج تھی یا نہیں۔ قرینہ اسکو نہیں چاہتا کہ اُن حصول کے نگاہ رکھنے کی اُنھوں نے کوشش کی ہو"۔

یہ غلطی جو سر ولیم میور کو ہوئی اکثر عیسائی مصنفوں کو لفظ منسوخ کے معنی نہ سمجھنے کے سبب سے غلط سمجھنے سے ہوئی ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ لفظ منسوخ کے جو معنی عیسائی مصنف سمجھے ہیں اُن معنوں میں قرآن مجید کی مطلق کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اور اگر اُس لفظ کے وہ معنی لیئے جاویں جس میں مسلمان فقیہوں نے اُس لفظ کو اصطلاحاً استعمال کیا ہے تب کوئی آیت عارضی مدعا کی قرآن مجید میں موجود نہ تھی اور سب دائمی ترویج مقصود تھی۔

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیہ میں مارکسی اور ویلیں سے مندرجہ ذیل روایتیں نقل کرتے ہیں "ایک روایت ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ایک آیت کو لکھ لیا اور صبح کو اُسکو کاغذ پر سے اُڑا ہوا پایا جس کی نسبت پیغمبر صاحب نے بیان کیا کہ وہ آسمان پر اُڑ گئی۔ اسکے بعد کی روایتوں میں اس واقعہ میں یہ معجزہ نما مضمون اور اضافہ کر دیا گیا کہ اُس آیت کا اُڑ جانا بہت سے مسلمانوں کے قرآنوں میں آن واحد میں واقع ہوا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت جس کے راوی کا بھی نام معلوم نہیں گرو شیں کے کبوتر کی مانند ایک صریح ایجاد ہے اور ہم اس بات سے خوش ہیں کہ سر ولیم میور نے بھی کہا ہے کہ اس روایت کی کچھ اصلیت نہیں ہے اور "بلا شک بناوٹ ہے"۔

سر ولیم میور نے ایک نئی اصطلاح "وحی کامل" کی مسلمانوں کے مذہب میں قائم کی ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے محاورہ کے موافق ہے اور پھر اُس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ "وحی کامل سے میری مراد بلاشک اُس وحی سے ہے جو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اخیر زمانہ میں موجود اور مروج تھی علاوہ اُسکے جو شاید ضائع یا غارت یا غیر مستعمل ہو گئی ہو"

اس اصطلاح سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں۔ شاید "آیات محکم" کا ترجمہ سر ولیم میور نے "وحی کامل" کیا ہو لیکن آیات محکم" کے وہ معنی نہیں ہیں جو سر ولیم میور نے بیان کئے ہیں لیکن اگر ہم سر ولیم میور کی

اصلاح کو تسلیم کریں تو وحی کامل کا اطلاق اُن سب وحیوں پر ہوگا جو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں اور ہم اس بات کا یقین دلاتے ہیں اور آگے چلکر ثابت بھی کرینگے کہ کبھی کوئی وحی ضایع یا غارت یا غیر مستعمل نہیں ہوئی ہے۔

قرآن مجید کی ترتیب کی نسبت سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ "قرآن جس طرح کہ ہمارے زمانہ تک چلا آتا ہے اپنے مختلف حصوں کی ترتیب اور بندش میں مضمون یا وقت کی کسی معقول ترتیب اور نظام کا پابند نہیں ہے۔ اور یہ قیاس میں نہیں آتا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُسکے ہمیشہ اسی تسلسل میں پڑھنے کے واسطے فرمایا ہے ہو۔ مضامین کی ابتر ملاوٹ زمانہ اور معنی کے لحاظ سے جا بجا بے ربطی کسی جزو کا جو مدینہ میں نازل ہوا ہو بعض اوقات اُس آیت سے پیشتر واقع ہونا جو بہت عرصہ پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہو۔ کسی احکام کا ایسے احکام کے پیچھے ملحق ہونا جو اُس کی تنسیخ یا ترمیم کرتا ہو۔ یا کسی دلیل کا دفعتاً ایسے فقرہ کے حائل ہو جانے سے منقطع ہو جانا جو اُسکے مقصد کے موافق نہو یہ سب باتیں ہمکو اس امر کے یقین سے باز رکھتی ہیں کہ ترتیب موجودہ یا درحقیقت کوئی کامل ترتیب محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات میں مستعمل اور مروج تھی۔

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن مجید کی ترتیب اُس طرز میں جس میں کہ قرآن مجید ہے ایسی باقاعدہ ہے اور بلحاظ معنے کے اپنی طرز خاص میں ایسی منظوم ہے کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں ہے۔ بہت سی کتابیں محض اس علاقہ کی تشریح کی غرض سے تصنیف ہوئی ہیں جو سب سورتوں اور آیتوں کے مابین موجود ہے۔ قرآن مجید کی عبارت ایسی موجز اور مختصر ہے کہ دو آیتوں کے علاقہ باہمی کی جنکے معنے بادی النظر میں ایک دوسرے سے بیگانہ معلوم ہوتے ہیں کسی قدر تشریح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور اُن لوگوں کو جو اُس سے ناواقف ہوتے ہیں" گو سمجھنے والی اور

سامعہ خراش - ابتر - خام - بے سری - مکرر بیانی - طول کلام - اُلجھاوٹ - نہایت خام اور مہمل" جیسا کہ سر ولیم میور نے بیان کیا ہے معلوم ہوتی ہے -

اس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ قرآن مجید کسی مصنف کی تصنیف کی ہوئی کتاب نہیں ہے وہ خدا کا کلام ہے اور بجنسہ وہی الفاظ لکھ دیئے گئے ہیں - کلام جب مخاطبین سے کیا جاتا ہے تو بہت سے اُمور مخاطبین کے ذہن میں موجود ہوتے ہیں اور متکلم اپنے کلام سے انکو محذوف رکھتا ہے مگر جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے وہ ایسا نہیں کرتا - عیسائی مصنف اس باریکی پر خیال نہیں کرتے اور نہ شان نزول آیتوں کی اُن کی ذہن میں ہوتی ہے - اسلیئے اُن کو آیات کے ربط میں مشکل پڑتی ہے مگر مسلمانوں کو ایسا نہیں ہوتا -

ہم افسوس سے بیان کرتے ہیں کہ سر ولیم میور کے اعتراضات اسقدر عام ہیں کہ جواب کے قابل نہیں ہیں - اگر وہ کسی مخصوص آیتوں کا نشان دیتے جن میں اُنکے نزدیک زمانہ اور معنی کے اعتبار سے جابجا بے ربطی ہو یا اُن براہین کا جو اُنکے نزدیک دفعتاً کسی ایسے فقرہ کے حائل ہو جانے سے منقطع ہو گئے ہوں جو اُن کے مدعا سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو اُسوقت ہم یقیناً جناب موصوف کی دقتوں کو حل کر دیتے اور آیات کے واقعی علاقہ باہمی کا نشان دینے کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتے - بہ لحاظ سر ولیم میور کے اُس بیان کے "جو کسی احکام کے پیچھے کسی ایسے احکام کے ملحق ہونے کے باب میں ہے جو اُس کی ترمیم یا تنسیخ کرتا ہو" بارہا ہم لکھ چکے ہیں کہ اُن اصلی معنوں کی ناواقفیت جن میں کہ علماء اسلام نے اصطلاحات ناسخ و منسوخ کو در اصل استعمال کیا تھا ایسے لئیق مصنف کے قلم سے ایسا بیان نکلا ہے -

حضرت ابو بکر کے عہد خلافت میں قرآن مجید کے یکجا جمع ہونے کے طریقہ کو بیان کر کے سر ولیم میور حضرت عثمانؓ کی خلافت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "اصلی جلد جو

پہلی دفعہ مرتب ہوئی حفصہ کے گھر میں دستیاب ہوئی اور ایک پر غور نظر ثانی عمل میں آئی۔ اگر زید اور اُنکے ساتھیوں میں کوئی اختلاف پایا گیا تو ساتھیوں کی رائے کو ترجیح دی گئی اس وجہ سے کہ محاورۂ قریش سے واقف تھے اور اس نئے مجموعہ کی اس طرح سے مکی زبان میں تطبیق کر دی جس میں کہ پیغمبر صاحب نے اپنے الہامات کو بیان کیا تھا۔

سر ولیم میور نے جو کچھ کہ بیان کیا ہے اُس کا مخرج دریافت کرنے میں ہم نہایت حیران ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں تو کسی کتاب میں ایسی حدیث یا کوئی روایت نہیں ہے۔ مذکورۂ بالا بیان میں تین جملے علانیہ اعتراض کے قابل ہیں۔ (۱) نظر ثانی (۲) اس طرح سے تطبیق کر دی (۳) نیا مجموعہ۔ کسی قسم کی روایت سے ہمکو ثابت نہیں ہوتا کہ زید کے جمع کئے ہوئے قرآن مجید پر کبھی نظر ثانی ہوئی ہو۔ جس حدیث میں کہ اس امر کا تذکرہ ہے اور جسکا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اُس میں یہ الفاظ ہیں "تنسخوھا فی المصاحف" یعنی اُنہوں نے اُس کی چند نقلیں کر لیں مگر اُس میں پر غور نظر ثانی کا کچھ ذکر نہیں۔

اس حدیث میں یہ عبارت بھی ہے کہ "اذا اختلفتم انتم وزید ابن ثابت فی شئ من القرآن" یعنے جبکہ تم میں اور زید ابن ثابت میں قرآن مجید کے اندر کسی چیز میں اختلاف واقع ہو۔ اگرچہ وہ چیز جس میں کہ اُنکو اختلاف واقع ہو بہت سے احتمالات کی گنجایش رکھتی ہے لیکن ہم اُسکے بعد ہی اُس کی تشریح پاتے ہیں جہاں کہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ "فاکتبوہ بلسان قریش" یعنی اُس کو قریش کی زبان میں لکھو۔ اب یہ صریح ظاہر ہے کہ وہ چیز اختلاف تلفظ کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ بخاری کی حدیث سے جو نقل کی گئی ہے یہ امر اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے جس میں مذکور ہے کہ "فی عربیۃ من عربیۃ القرآن" یعنی اگر تمکو قرآن کی عربیت کی کسی عربیت میں اختلاف ہو۔ ان لفظوں سے زیادہ تر تلفظ اور مد اور ادغام اور نون ہائے تنوین سے علاقہ

معلوم ہوتا ہے جو عربی عبارت کے پڑھنے میں مختلف قومیں عرب کی استعمال کرتی ہیں۔ اس جملہ کے کہ "اس طرح سے کی زبان سے تطبیق کردی" یہ معنی ہیں کہ کچھ اختلاف واقع ہوا تھا اور جامعین نے اسکو بدلدیا۔ مگر حدیث سے یہ بات نہیں پائی جاتی۔ بیشک جامعین کو کہا گیا تھا کہ اگر کچھ اختلاف تم میں ہو تو قریش کے محاورہ میں لکھو لیکن اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ درحقیقت اُن میں اختلاف واقع ہوا تھا پس سرولیم کا یہ کہنا کہ "انھوں نے مکی زبان سے تطبیق کردی" صحیح نہیں ہے۔

ہم نہیں جانتے کہ سرولیم میور نے لفظ "نیا مجموعہ" کس بنا پر استعمال کیا ہے۔ اور کس جگہ سے اُنکو یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ اس امر کی نسبت وہ اپنی کتاب کے حاشیہ میں اس طرح پر تحریر فرماتے ہیں کہ "اس معاملہ کی خرابی اور ناموزونیت سے بچنے کے واسطے کہا گیا ہے کہ قرآن اپنے بیرونی لباس کے لحاظ سے زبان عربی کی سات مختلف زبانوں میں نازل ہوا تھا یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ خود محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی اس قسم کے خیال کے بانی اور موید ہوئے ہوں بدیں غرض کہ ایک ہی آیت قرآنی کی مختلف الالفاظی کی دقت رفع ہو جائے۔ یہ عبارت ایک ایسی طرز اور تعصب سے لکھی گئی ہے جس پر ہم افسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر جو تقوی۔ نیکی۔ صداقت۔ صاف باطنی۔ راست بازی کے واسطے ممتاز ہوں۔ دغا۔ فریب۔ اور ریاکاری کا الزام لگانا برہان جائز کے معینہ قوانین اور اخلاق اور تہذیب کے مسلم اُصول کے خلاف ہے۔ ہم اس امر کو اس کتاب کے پڑھنے والوں کی رائے پر چھوڑتے ہیں اور اسپر زیادہ بحث نہیں کرتے کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ لوگ جو سچے پاکباز اور تقوی شعار ہیں گو وہ کسی مذہب اور ملت کے کیوں نہ ہوں ویسی ہی تعظیم اور تکریم کے مستحق ہیں جیسیکہ خود اپنے ہاں کے بزرگ اور مقدس لوگ۔ معہذا کیا سرولیم میور اس بات سے ناواقف ہیں کہ عربی زبان میں الفاظ کو مد اور بغیر مد اور ادغام اور بغیر ادغام اور با نون تنوین اور بغیر نون تنوین پڑھنے سے جو عرب کی

مختلف قوم کے مختلف طریقے تنے تلفظ میں کس قدر فرق ہو جاتا ہے لیکن درحقیقت لفظ میں یا معنی میں کچھ نہیں ہوتا۔ یا لفظ کا ایک ہی مادہ مختلف صورت سے بلا تبدیل اصلی مادہ لفظ او معنی کے پڑھا جا سکتا ہے جیسیکہ سورۂ الحمد میں لفظ "مالک" کا ہے قدیم تحریر میں اُس کی یہ صورت ہے "ملک" یہ لفظ ملک بھی پڑھا جاتا ہے ملاک بھی پڑھا جا سکتا ہے لام کی تشدید سے۔ اور مالک بھی پڑھا جا سکتا ہے پس اگر اس لفظ کو کسی عرب نے کسی طرح پڑھا ہو باوصف اختلاف تلفظ کے کوئی تبدیل مادہ لفظ یا معنی میں نہیں ہے لیکن قریش کی زبان میں مالک کا لفظ جاری تھا اُسکا قائم رکھنا کون سے اعتراض کا مقام ہے۔

سر ولیم میور نے جو کچھ لکھا وہ مقتضا اُس مقصد کا تھا جس مقصد سے اُنھوں نے کتاب لکھی ہے مگر سب سے زیادہ سچی بات جو اُنکے قلم سے نکلی ہے وہ یہ ہے کہ "دنیا میں غالباً کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جو بارہ سو برس تک ایسے خالص متن کے ساتھ رہی ہو" اور ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ تک ایسی رہیگی اور اس امر کی تصدیق اُس پیشین گوئی سے ہوتی ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے۔ خدا فرماتا ہے "انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون" یعنی تحقیق ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم بالتحقیق اُس کی حفاظت کرینگے۔

سر ولیم میور اپنے بیانات کے اثنا میں فرماتے ہیں کہ "اگر ابو بکر کے قرآن کا متن خالص ہوتا تو ایسی جلدی وہ کیونکر خراب ہو جاتا اور اپنے اختلافات کی وجہ سے ایک کامل نظر ثانی کا محتاج ہوتا" ہم نہایت صاف طور سے اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابو بکر کا قرآن نہ خراب ہوا تھا اور نہ وہ کسی نظر ثانی کا محتاج ہوا تھا اور نہ اُس میں نظر ثانی کی گئی تھی بلکہ صرف اُسکی نقلیں کی گئی تھیں۔

قرآن مجید میں اختلاف کے اسباب جو سر ولیم میور نے بیان کئے ہیں وہ صحت سے بالکل معرا ہیں۔ ہم قرأت مختلفہ کے ذیل میں جسقدر کہ اس مضمون کی نسبت بیان کرنا ممکن تھا شرح و

بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

سر ولیم میور آگے چلکر بیان فرماتے ہیں کہ "لیکن جبکہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید جس حیثیت سے کہ اسکو پیغمبر صاحب نے چھوڑا تھا اب بجنسہ ویسا ہی موجود ہے۔ اس دعوی کے واسطے کہ خود پیغمبر صاحب ہی نے بعض آیات کو جو ایک مرتبہ وحی ظاہر کی گئی ہوں بعد کو تبدیل یا خارج نہ کر دیا ہو کوئی دلیل نہیں ہے"۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ جب تک یہ بات ثابت نہو کہ درحقیقت بعض آیتیں ایسی تھیں کہ پیغمبر خدا نے انکو خارج کر دیا تھا اسوقت تک بلاشبہ یہ بات کہ جس حیثیت سے قرآن پیغمبر صاحب نے چھوڑا تھا بجنسہ ویسا ہی موجود ہے جیسا کہ حدیث عبد العزیز سے اوپر بیان ہو چکا ہے اور تمام وحی قرآنی جو آنحضرت پر نازل ہوئی تھیں قرآن مجید میں موجود ہیں اس بات کی کافی دلیل ہے کہ پیغمبر خدا نے نہ کسی آیت کو تبدیل کیا ہے اور نہ کسی آیت کو خارج کیا ہے۔ مگر ہم کسی جگہ وعدہ کر چکے ہیں کہ اس مضمون پر کسیقدر طوالت کے ساتھ بحث کرینگے پس اس جگہ اس وعدہ کو پورا کرتے ہیں۔

سر ولیم میور اپنے مذکورہ بالا دعوی کی تصدیق پر مندرجہ ذیل سندیں پیش کرتے ہیں اور اُن بیانات کو کاتب الواقدی سے نقل کرتے ہیں کہ "عمر نے اُبی ابن کعب کی تعریف کی اور فرمایا کہ وہ قرآن مجید کا سب سے کامل قاری ہے ہم بہ تحقیق بعض آیات کو جو اُبی کے پڑھنے میں شامل ہیں چھوڑ دیا کرتے ہیں کیونکہ اُبی کہا کرتا ہے کہ میں نے پیغمبر صاحب کو یوں فرماتے سنا ہے اور میں ایک لفظ بھی جو پیغمبر صاحب نے قرآن مجید میں درج کیا ہے نہیں چھوڑتا ہوں مگر اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کے وہ حصے اُبی کی عدم موجودگی میں نازل ہوئے تھے جو بعض آیتوں کو جنکو وہ پڑھتا ہے تنسیخ یا ترمیم کرتے ہیں۔

سرولیم میور نے جیسا کہ اُنکی تمام تحریر سے پایا جاتا ہے اس مضمون کو توڑ مروڑ دیا ہے اور جو کچھ اُنھوں نے بیان کیا ہے اُس اصل حدیث کے مضمون سے جو حضرت عمر سے منقول ہے سراسر خلاف ہے اور اس عبارت کا کہ "بعض آیات کو جو اُبی کے پڑہنے میں شامل ہیں چھوڑ دیا کرتے تہیں" اُس حدیث میں پتہ بہی نہیں ہے۔ ہم اُس حدیث کو بجنسہ بے کم وکاست ذیل میں مندرج کرتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے

حدثنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیی قال حدثنا سفیان عن حبیب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال عمر اقرانا ابی و اقضانا علی وانا لندع من قول ابی وذلک ان ابیا یقول لا ادع شیئا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد قال اللہ تعالی ما ننسخ من آیۃ او ننسہا (بخاری کتاب التفسیر)۔	ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے کہا ہم لوگوں میں اُبی بڑے قاری ہیں اور علی بڑے قاضی ہیں اور ہم لوگ اُبی کا قول چھوڑ دیتے ہیں اور وہ یہ بات ہے کہ اُبی کہتے ہیں میں کوئی چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن چکا ہوں نہ چھوڑوں گا۔ اور حالانکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے "ما ننسخ من آیۃ او ننسہا"۔

اُس حدیث سے ظاہر ہے کہ کسی جگہ اُس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر بعض آیات قرآنی کو جن کو اُبی پڑہا کرتے تہے چھوڑ دیا کرتے تہے۔ یہ حدیث قرآن مجید سے احکامات استخراج کرنے سے متعلق ہے۔ ابی قرآن مجید کی ہر ایک آیت سے جو حکم مستخرج ہوتا تہا استخراج کرتے تہے اور جملہ احکامات مستخرجہ کو صحیح خیال کرتے تہے۔ اُنکی رائے یہ تہی کہ ظواہر آیات سے جو معنی یا احکام نکلتے ہوں اُنکے استخراج میں دوسری آیت پر نظر رکھنا ضرور نہیں جیسیکہ اہل ظواہر کا مذہب ہے لیکن حضرت علی مرتضی کی رائے اسکے برخلاف معلوم ہوتی ہے۔ اسپر حضرت عمر نے کہا کہ اُبی سب سے عمدہ قرآن پڑہنے والا ہے اور حضرت علی ہم میں سب سے بڑے قاضی ہیں یعنی سب سے بہتر

حکم دینے والے ہیں۔ اور ہم سب سے زیادہ قرآن مجید سے احکام وقوانین مستخرج کرسکتے ہیں اسواسطے ہم چھوڑ دیتے ہیں اُبی کے قول کو یعنی جو اُبی نے قران سے حکم کا استخراج کیا ہے اسکو چھوڑ دیتے ہیں اور حضرت علی سے اتفاق کرتے ہیں۔ ہماری اس تشریح کی تصدیق خود اسی حدیث کے اس جملے سے ہوتی ہے کہ "اقضانا علی" کیونکہ اگر یہ حدیث محض قرات مختلفہ سے متعلق ہو تو یہ جملہ اُس کے بقیہ حصہ سے کچھ علاقہ نہ رکھیگا۔

ہمارے اس بیان کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ بخاری نے جو مسلمانوں کے ہاں نہایت نامی اور مقدس اور مستند محدثین میں سے ہیں اس حدیث کو اُس مقام پر بیان کیا ہے جہاں کہ وہ احکامات ناسخ ومنسوخ سے بحث کرتا ہے نہ اس جگہ جہاں کہ اُسنے قرات مختلفہ کا بیان کیا ہے۔ مگر بخاری نے اسی حدیث کو کسی قدر ترمیم شدہ صورت میں اس مقام پر بھی بیان کیا ہے جہاں کہ اُسنے قاریوں کے باہمی اختلاف پر بحث کی ہے چنانچہ اس حدیث کو بھی ہم نقل کرتے ہیں اور اس بات پر بھی بحث کرینگے کہ ان دونوں حدیثوں میں سے کونسی حدیث صحیح ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

حدثنا صدقۃ بن الفضل قال اخبرنا یحیٰی	ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے کہا
عن سفین عن حبیب ابی ثابت عن سعید	علی ہم لوگوں میں سب سے بڑے قاضی ہیں اور اُبی ہم
بن جبیر عن ابن عباس قال قال عمر علی اقضانا	لوگوں میں سب سے بڑے قاری ہیں اور ہم لوگ اُبی
واُبی اقرانا وانا لندع من لحن اُبی واُبی یقول	کی قرات کو چھوڑ دیتے ہیں اور اُبی کہتے ہیں کہ میں نے
اخذتہ من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مونھ سے
فلا اترکہ لشی قال اللہ تعالی ما ننسخ من ایۃ	لیا ہے پس اُسکو کسی طرح نہ چھوڑوں گا۔ اللہ تعالی
اوننسہا نات بخیر منہا او مثلہا (بخاری باب القراۃ)	نے فرمایا ما ننسخ من آیۃ اوننسہا نات بخیر منہا او مثلہا

(یعنی جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اُس سے اچھی یا اُس کی برابر لاتے ہیں)

اس حدیث میں وہ لفظ جس کا ترجمہ ہم نے قرات کیا ہے" لحن" ہے مگر جو کہ قرآن مجید اور اُس کی آیتوں کا ایک ہی لحن ہے اس لیے آیات قرآنی کی تلاوت پر بھی لحن کا اطلاق ہوتا ہے

یہ پچھلی حدیث دو وجہ سے مشکوک ہے۔ اول یہ کہ گو اس حدیث کے اور نیز حدیث سابق دونوں کے راوی ایک ہیں مگر پہلی میں لفظ" قول" اور دوسری میں لفظ" لحن" مستعمل ہوا ہے اس لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ صدقہ ابن فضل اس حدیث کے راوی نے لفظ" لحن" کو بجائے" قول" کے براہ غلطی استعمال کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں دو جملے ہیں ایک" علی اقضانا" اور دوسرا،" ماننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منہا" او مثلھا"۔ ان دونوں جملوں کو قرآن کی قرأت مخصوص سے قابل قیاس کوئی علاقہ نہیں ہے اسواسطے ہماری رائے ہے کہ صدقہ نے پہلی حدیث کے سمجھنے میں اور اس دوسری حدیث کے بیان کرنے میں علانیہ غلطی کی ہے لیکن ہم بغرض اختتام بحث تھوڑی دیر کے لیئے فرض کر لیتے ہیں کہ یہ پچھلی حدیث بھی صحیح ہے تو اس سے زیادہ اُسکے اور کچھ معنی نہیں ہو سکتے کہ حضرت عمر نے حضرت علی مرتضیٰ کے لحن کو اُبی کے لحن پر ترجیح دی۔ بہرکیف سر ولیم میور نے براہ زبردستی اس سے یہ نتیجہ مستنبط کیا ہے کہ" حضرت عمر نے کہا کہ ہم بالتحقیق بعض آیات کو جو اُبی کے پڑھنے میں شامل ہیں چھوڑ دیا کرتے ہیں"

سر ولیم میور واقدی سے ایک اور روایت نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ" ابن عباس نے کہا کہ مجکو عبداللہ ابن مسعود کا پڑھنا پسند ہے کیونکہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر رمضان میں ایک مرتبہ قرآن جبرئیل سے پڑھوایا کرتے تھے اور اپنی وفات کی سال میں اُسکو دو مرتبہ پڑھوایا تھا اور عبداللہ دونوں مرتبہ حاضر تھے اور جو چیز کہ منسوخ ہوئی تھی اور جس چیز میں ترمیم ہوئی تھی اُسکو مشاہدہ کیا تھا"

اس روایت کے اخیر حصہ کی کوئی معتبر سند نہیں ہے اور نہ ہم اسکو کسی مستند اور صحیح حدیث میں پاتے ہیں اور اگر بالفرض وہ واقدی میں موجود بھی ہو جس میں کہ ہمکو ہمیشہ شک رہیگا تب بھی وہ اعتبار کی مستحق نہیں ہے کیونکہ تمام نامعتبر اور بے سند روایتیں جو واقدی میں ہیں ٹام مور کے قصہ لالہ رخ سے کچھ زیادہ اعتبار کی مستحق نہیں ہیں۔ اور اگر ہم صرف بغرض اتمام حجت اُس کی اصلیت تسلیم کرلیں تو بھی سر ولیم میور کا فرض کیا ہوا یہ عقیدہ کہ "قرآن مجید میں شاید بعض ایسی آیتیں نہ موجود ہوں جو ایک زمانہ میں نازل ہوئی ہوں مگر بعد کو منسوخ یا ترمیم ہوگئی ہوں" کیونکر ثابت ہوتا ہے۔ باقی رہی یہ آیت کہ "ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا" اسپر ہم پہلے بحث کرچکے ہیں اور بتاچکے ہیں کہ وہ شریعت یہود سے علاقہ رکھتی ہے نہ آیات قرآن سے۔

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیوں کے ضمن میں بعض روایات کو قرآن مجید کی آیتوں کے اخراج یا عدم اندراج کی تمثیلات کے طور پر نقل کرتے ہیں

اول بیر معونہ کی روایت کو لکھا ہے کہ "بیر معونہ پر ستر مسلمانوں کے شہید ہونے پر محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ تعالی کی وساطت سے ان لوگوں کے پیغام کے پہونچنیکا دعوی کیا جسکو مختلف راویوں کے (کسی قدر اختلاف کے ساتھ) اس طرح پر نقل کیا ہے" بلغوا قومنا عنا انا لقینا ربنا فرضی عنا و رضینا عنہ" (کاتب الواقدی) تمام مسلمان اسکو کچھ مدت تک آیت قرآنی کے طور پر پڑھتے رہے اسکے بعد یہ منسوخ یا خارج کردی گئی۔

اول تو اس روایت کی صحت ہی میں کلام اور انکار ہے۔ مزید برآں سر ولیم میور کا یہ فرضی بیان کہ "تمام مسلمان اسکو کچھ مدت تک آیت قرآنی کے طور پر پڑھتے رہے اس کے بعد یہ منسوخ یا خارج کردی گئی" محض بے بنیاد ہے اور کسی معتبر اور مستند روایت میں پایا نہیں جاتا

اور اگر بالفرض ہم اُسکو صحیح تصور کرلیں تو اسکا نتیجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی غلطی سے وحی غیر متلو یعنی حدیث کو وحی متلو یعنی قرآن سمجھا تھا اور درحقیقت وہ قرآن کی آیت نہ تھی۔

دوسری روایت سر ولیم میور نے متعلق احکام زنا کے بیان کی ہے کہ "عمر کی نسبت کہا گیا ہے کہ اپنی خلافت میں اہل مدینہ سے اس طرح گفتگو کی: اے لوگو اس بات کی احتیاط رکھو کہ اُس آیت کو نہ بھول جاؤ جو زنا کی نسبت سنگساری کا حکم دیتی ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم دو سزاؤں کو یعنی بیاہے اور بے بیاہے اشخاص کے زناکاری کی بابت کتاب اللہ میں نہیں پاتے ہیں تو اُسکا میں یہ جواب دیتا ہوں کہ میں نے پیغمبر صاحب کو زنا کی پاداش میں سنگسار کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اسی پر ہم نے اُنکے بعد عملدرآمد کیا ہے اور واللہ اگر یہ امر مانع نہ ہوتا کہ لوگ کہینگے کہ عمر نے ایک نئی بات قرآن میں درج کردی تو میں نے اُسکو قرآن میں درج کردیا ہوتا کیونکہ میں نے بہ تحقیق اس آیت کو پڑھا ہے کہ "والشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة"

(کاتب الواقدی اور ویلیس)

اول تو اس بیان میں جو واقدی نے لکھا ہے اصلی حدیث کی غلط بیانی اور غلط نمائی ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ فقرہ کہ "والشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة" اصل حدیث میں نہیں ہے اور نہ اس بات کی کوئی سند ہے کہ کبھی مسلمانوں نے اُسکو قرآنی آیت سمجھا ہو دوسرا اس فقرہ کی عبارت ایسی ناقص اور خراب ہے کہ قطع نظر عربوں سے کوئی ادنی درجہ کا عربی داں بھی اُسکو نہیں کہہ سکتا کہ وہ خدا کا کلام ہو۔ مگر ہم اس امر کو ابتدا سے بیان کرینگے اور اس بیان کے اثنا میں اصلی حدیث کو بھی نقل کرینگے جس سے ثابت ہوگا کہ عربی فقرہ مذکورہ بالا اس میں نہیں ہے۔

قرآن مجید میں زنا کی سزا یہ ہے۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو زنا کریں تو اُنپر چار گواہ لاؤ

والّٰتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفاهن الموت او یجعل الله لهن سبیلا (سورۂ نساء آیت ۱۹)

پس اگر وہ گواہی دیں تو اُن کو گھروں میں روک رکھو یہاں تک کہ وہ اپنی موت سے مریں یا خدا اُن کے لیئے کوئی راہ نکالے۔

دوسری آیت جس میں زنا کی سزا کی تفصیل ہے وہ یہ ہے۔

الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مایة جلدة (سورۂ نور آیت ۲) زانیہ اور زانی ہر ایک کو اُن میں سے سو کوڑے مارو

بعد اسکے پیغمبر خدا نے زنا کے باب میں اس طرح فرمایا جو ذیل کی روایت میں بیان ہوا ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال ... قال خذوا عنی قد جعل الله لهن سبیلا الثیب بالثیب والبکر بالبکر الثیب جلد مائة ثم رجم بالحجارة والبکر جلد مائة ثم نفی سنة (مسلم باب حد الزنا)۔

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ کہا لو مجھ سے۔ خدا نے اُنکے لیئے رستہ نکالا ثیب ثیب کے ساتھ اور باکرہ باکرہ کے ساتھ ثیب کو سو کوڑے مارے جاوینگے پھر سنگسار کیا جاتا ہے۔ اور باکرہ کو سو کوڑے مارے جائینگے پھر ایک برس جلاوطن کر دینا ہے۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ خود پیغمبر صاحب نے یہودی مرد اور عورت کو جو زناکاری کے مجرم قرار پائے تھے یہودی شریعت کے موافق سنگسار کرنے کی اجازت دی تھی اور اگر یہ بھی تسلیم کریں کہ یہودی کے سوا اور کسی کو بھی آنحضرت نے سنگسار کیا تھا تو بھی اس بات کا ثابت کرنا غیر ممکن ہے کہ بعد نزول اُس آیت کے جس میں زنا کی سزا کا حکم ہے آنحضرت نے ایسا حکم دیا ہو۔ اسی طرح مسلم کی اُس حدیث کی نسبت جو اوپر مذکور ہے ثابت کرنا مشکل ہے کہ وہ حدیث سورۂ نور کی آیت کے بعد کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد زنا کی سزا کی نسبت اختلاف رائے ہو جکا ہونا ضرور تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آیتوں اور ایک حدیث کی بنا پر جو اوپر

مذکور ہوئیں تین مختلف رائیں پیدا ہوئیں۔

اول۔ سورہ نسا کی آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ انکو اپنے مکانوں سے باہر نہ جانے دو یہانتک کہ موت انکو ٹھکانے لگائے یا اللہ تعالیٰ اُن کے واسطے کوئی سبیل نکالدے۔ اس آیت کے اخیر لفظوں سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ وہ سبیل یہی ہے جو مسلم کی حدیث میں بیان ہوئی ہو کہ بیاہے ہوئے اشخاص کو بجرم زنا سو دُرّے لگانے چاہئیں اور سنگسار کرنا چاہیئے اور کوارے شخصوں کو سو دُرّے لگانے چاہئیں اور ایک سال کیواسطے جلاوطن کردینا چاہیئے۔ کچھ عجب نہیں ہے کہ لوگوں نے اس حکم کو ایک جزو قرآن سمجھا ہو۔

دوم۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ سورہ نسا کی آیت سورہ نور کی آیت سے منسوخ ہوگئی ہے اور زنا کی سزا خواہ اسکا مرتکب کوئی بیاہا ہو اشخص ہو خواہ کوارا سو دُرّے قرار پائے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلم کی حدیث کی کچھ وقعت نہیں کی اور اُس کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ یہ محقق نہیں ہے کہ وہ قول آنحضرت کا جو مسلم کی حدیث میں ہے سورہ نور کی آیت کے بعد کا ہے (۲) یہ کہ جب تک کسی امر میں کوئی خاص حکم نازل نہیں ہوتا تھا تو آنحضرت یہود کی شریعت کے موافق عمل فرمایا کرتے تھے اور اس لیئے مسلم کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہو سکتی۔

سوم۔ بعض لوگ اس بات کو تو تسلیم کرتے تھے کہ سورہ نسا کی آیت تو سورہ نور کی آیت سے منسوخ ہوگئی ہے مگر چونکہ سورہ نسا کی آیت میں کوئی قطعی سزا مذکور نہیں ہو اس لیئے مسلم کی حدیث میں جو سزا ہے وہ بیاہے ہوئے شخصوں کے لیئے سزا ہے اور سورہ نور کی آیت میں جو سزا ہے وہ کوارے لوگوں کے لیئے سزا ہے۔ دومی کی بھی اسی قسم کی رائے معلوم ہوتی ہے۔

یہ اختلاف رائے آج تک چلا آتا ہے کیونکہ معتزلی اور خارجی جو مسلمانوں کے دو بڑے

فرقے ہیں اور معتزلی فرقے کے لوگ عربیت میں بہت بڑا عالی درجہ رکھتے ہیں اب بھی یہی کہتے ہیں کہ زنا کی سزا سنگسار کرنا نہیں ہے اور اس خطبہ کے راقم کی بھی گو وہ ان دونوں فرقوں سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا ہے بلکہ سنی مذہب کی بھی یہی رائے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر وہ رائے رکھتے تھے جبکا ہم نے تیسری قسم میں بیان کیا ہے اور اسیلئے جبکہ وہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو اکثر اشخاص کے سامنے یہی بیان کیا اور شاید اپنی تمام سلطنت میں یہی حکم دیا ہو۔

واقدی نے اس حدیث کو زیادہ افراط و تفریط کے ساتھ لکھا ہے اور سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں اسکو بجنسہ نقل کیا ہے۔ اصل حدیث جو مسلم میں منقول ہے ہم ذیل میں معہ ترجمہ کے لکھتے ہیں۔

قال عمر بن الخطاب وهو جالس على منبر رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان الله بعث محمدا صلى الله عليه وآله وسلم بالحق انزل عليه الكتاب فكان مما انزل الله عليه آية الرجم قرأناها ووعيناها وعقلناها فرجم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ورجمنا بعده فاخشى ان طال بالناس زمان ان يقول قائل ما نجد الرجم في كتاب الله تعالى فيضلوا بترك فريضة انزلها الله وان الرجم في كتاب الله حق

عمر بن الخطابؓ نے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھے تھے یہ کہا کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق بھیجا۔ انپر مقرر کئے ہوئے حکم اتارے سو ان چیزوں میں سے جو انپر اللہ نے اتاریں رجم کا حکم تھا۔ ہم نے اسکو پڑھا اور متعین کیا اور خیال کیا۔ سو رجم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور ہم نے انکے بعد رجم کیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ زیادہ زمانہ گذر جانے پر کوئی کہنے والا کہے کہ ہم رجم کو خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام میں نہیں پاتے ہیں تو گمراہ ہونگے اس فرض کے چھوڑنے سے جسکو خدا نے اتارا اور رجم حق ہی خدا کے

علی من زنا اذا احصن من الرجال
والنساء اذا قامت البینة او کان
الحبل او الاعتراف (مسلم باب
حد الزنا)۔

اما قوله صلی الله علیه وآله وسلم فقد
جعل الله لهن سبیلا فاشارة الی قول
الله تعالیٰ فامسکوهن فی البیوت حتی
یتوفاهن الموت او یجعل الله لهن سبیلا
فبین النبی صلی الله علیه وآله وسلم هذا هو
ذلك السبیل واختلف العلماء فی هذه
الآیة فقیل هی محکمة وهذا الحدیث
مفسر لها وقیل منسوخة بالآیة التی فی
اول سورة النور وقیل ان آیة النور
فی البکرین وهذه الآیة فی الثیبین
(نووی)

قوله فکان مما انزل الله علیه آیة الرجم
قراناها ووعیناها وعقلناها اراد به
آیة الرجم "الشیخ والشیخة اذا زنیا
فارجموهما البتة" (نووی)

مقرر کیئے ہوئے حکم میں اُس شخص پر جسنے زنا کیا ہو اور
بیاہا ہوا ہو۔ مردوں اور عورتوں میں سے جب دلیل
قائم ہو جاوے یا حمل رہ گیا ہو یا خود انکو اقرار ہو۔
(مسلم باب حد الزنا)

لیکن آنحضرت کا قول کہ "خدا نے اُنکے لیئے رستہ نکالا"
اللہ کے اس قول کی طرف فامسکوهن فی البیوت
حتی یتوفاهن الموت او یجعل الله لهن سبیلا" یعنے
پس انکو روک رکھو گھروں میں یہاں تک کہ موت انکو
اُٹھالے یا خدا اُنکے لیئے رستہ نکالے۔ اشارہ ہے پس
نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس رستہ کا بیان کردیا
اور عالم لوگ مختلف ہوئے ہیں۔ اس حکم میں پس کہا گیا
کہ وہ محکم ہے اور یہ حدیث اُسکی مفسر ہے۔ اور کہا گیا کہ
وہ منسوخ ہے اُس حکم سے جو سورۂ نور کے اول میں ہے
اور کہا گیا کہ "نور" کا حکم باکرہ کے باب میں ہے اور یہ
حکم ثیبہ کے باب میں ہے۔ (نووی)

حضرت عمر کا یہ قول کہ "اُن چیزوں میں سے جو خدا نے
اُنپر اُتاریں رجم کا حکم تھا ہم نے اُسکو پڑھا اور متعین کیا اور
خیال کیا" اُس سے مراد رجم کا یہ حکم ہے "الشیخ والشیخة
اذا زنیا فارجموهما البتة" (یعنی جب بوڑھا اور بوڑھی

زنا کریں تو انکو ضرور سنگسار کرو) (نووی) اور صحابہ نے جو اس حکم کا لکھنا چھوڑ دیا تو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ منسوخ قرآن میں نہیں لکھا جاتا (نووی) حضرت عمر کا یہ قول کہ "میں ڈرتا ہوں کہ جب زیادہ زمانہ گذر جاوے تو کوئی کہنے والا کہے کہ ہم رجم کو خدا کے مقرر کئے ہوئے حکم میں نہیں پاتے پس لوگ گمراہ ہونگے ایک فرض کے چھوڑنے سے" یہ ڈر جو حضرت عمر کو تھا خارجیوں اور اُنکے موافقوں سے اُس کا ثبوت بھی ہو گیا (نووی)	وفی ترك الصحابة كتابة هذه الآية دلالة ظاهرة ان المنسوخ لا يكتب فی المصحف (نووی) قوله فاخشى ان طال بالناس زمان ان يقول قايل ما نجد الرجم فی كتاب الله فيضلوا بترك فريضة هذا الذی خشية قد وقع من الخوارج ومن وافقهم — (نووی)
اور اجماع کیا ہے عالموں نے اسپر کہ جو زانی بکر ہو اُسکو کوڑے پٹنا واجب ہے اور بیاہا ہوا اور ثیب ہو اسکو سنگسار کرنا واجب ہے- اور اس امر میں اہل قبلہ میں سے ایک شخص نے بھی اختلاف نہیں کیا سوائے اُسکے کہ قاضی عیاض وغیرہ نے خارجیوں اور بعض معتزلہ سے جیسے نظام اور اُسکے متبعین سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ لوگ رجم کے قایل نہیں ہیں- (نووی)	واجمع العلماء علی وجوب جلد الزانی البكر مائة ورجم المحصن وهو الثيب ولم يخالف فی هذا احد من اهل القبلة الا ما حكی القاضی عياض وغيره عن الخوارج وبعض المعتزلة كالنظام واصحابه فانهم لم يقولوا بالرجم (نووی)

اس ترجمہ میں ہم نے لفظ "آیت" اور "کتاب" کے ترجمہ میں "حکم" کا لفظ مستعمل کیا ہے ہم اس باب میں بہت سی مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ یہ الفاظ خود قرآن مجید اور احادیث میں ان معنوں میں مستعمل ہوئے ہیں مگر ہمارا مخالف اس ترجمہ پر معترض ہونیکا مجاز ہے اور

کہ سکتا ہے کہ الفاظ "آیت"، اور "کتاب" ہی کیوں نہ نقل کئے اسلیے ہم دوسرا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں جس میں "آیت"، کا ترجمہ "آیت"، اور "کتاب" کا ترجمہ "قرآن" کیا ہے۔ اس ترجمہ کے پڑھنے والوں پر ظاہر ہوگا کہ اگر اس طرح پر ترجمہ کیا جاوے تو حدیث کیسی مہمل اور بےمعنی ہو جاتی ہے۔

دوسرا ترجمہ

عمر بن الخطابؓ نے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھے تھے یہ کہا کہ اللہ نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برحق بھیجا انپر قرآن اُتارا۔ سو اُن چیزوں میں سے جو انپر اللہ نے اتاریں رجم کی آیت تھی۔ ہم نے اُسکو پڑھا اور متعین کیا اور خیال کیا۔ سو رجم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور ہم نے اُنکے بعد رجم کیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ زیادہ زمانہ گذر جانے پر کوئی کہنے والا کہے کہ ہم رجم کو قرآن میں نہیں پاتے پس تو گمراہ ہونگے اُس فرض کے چھوڑنے سے جسکو خدا نے اُتارا اور رجم حق ہے قرآن میں اُس شخص پر جس نے زنا کیا ہو اور بیاہا ہوا ہو۔ مردوں اور عورتوں میں سے جب دلیل قائم ہو جائے یا حمل رہ گیا ہو یا خود انکو اقرار ہو۔ (مسلم)

کیا اس حدیث کے یہ دو فقرے کہ "ہم قرآن میں رجم کا حکم نہیں پاتے" اور یہ فقرہ کہ "بیشک رجم قرآن میں ہے" ایک دوسرے کے نقیض نہیں ہیں؟

اس لفظی بحث کو چھوڑ کر اب ہم اصل مطلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ عبارت جسکو سر ولیم میور واقدی سے نقل کرنا بیان کرتے ہیں کہ "اور واللہ اگر یہ اندیشہ نہوتا کہ لوگ کہوینگے کہ عمر نے ایک نئی چیز قرآن میں درج کر دی تو میں اسکو قرآن مجید میں درج کر دیتا کیونکہ بہ تحقیق میں نے اس آیت کو سنا ہے، والشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ"۔

اپنی تصنیفات کا حجم بڑھانے کی نیت سے اور نیز اپنی کامل آگہی کی غرض سے ہمارے مفسرین اور اہل سیر نے تمام مہمل اور بیہودہ افسانوں کو جو عوام الناس میں مشہور تھے بکمال آرزو جمع کرکے اپنی کتابوں میں درج کرلیا ہے اور ہم اس کتاب کے پڑھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ تمام محققین مسلمان اُنکو محض مہمل تصور کرتے ہیں اور اسلام انکو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

نووی مسلم کی شرح میں لکھتا ہے کہ لفظ "حکم" سے جس کی طرف اس عبارت میں اشارہ ہے منجملہ اُن احکامات کے جو پیغمبر خدا پر نازل ہوئے تھے آیت رجم ہی تھی اور ہم نے اُس آیت کو دیکھا پڑھا اور سمجھا تھا اور وہ آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ ہو۔ اسکے بعد نووی یہ بیان کرتا ہے کہ چونکہ آیت مذکورہ کا قرآن مجید میں کہیں پتہ نہیں ہے اس لیے تیقن کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیات منسوخ شدہ قرآن مجید میں درج نہیں کی گئی تھیں۔ مگر ہر ذی فہم شخص سمجھتا ہے کہ نووی کا یہ بیان نہ تو کوئی حدیث نبوی ہے اور نہ کوئی حکم مذہبی ہے بلکہ ایک مفسر کی محض راے ہے۔ معہذا یہ راے بھی تسکین بخش نہیں ہے کیونکہ اُسپر یہ اعتراض عائد ہوتے ہیں۔ (۱) یہ کہ نووی نے اس امر کے ثبوت کی کوشش بھی نہیں کی کہ آیت مذکورہ درحقیقت قرانی آیت تھی۔ (۲) یہ کہ وہ اسبات کی بھی کوئی دلیل نہیں پیش کرتا کہ حضرت عمر کی مراد اسی آیت سے تھی۔ (۳) اُسنے اُن دونوں باتوں کو بلا دلیل غلطی سے صحیح تصور کرکے یہ نتیجہ باطل مستنبط کیا ہے کہ آیات منسوخ شدہ قرآن مجید میں درج نہیں ہوتی تھیں۔ افسوس ہے کہ ہماری اکثر کتب سیر و تفاسیر ایسی ہی روایات اور احادیث سے مملو ہیں جو مفروضات باطل پر مبنی ہیں اور بجز مصنف ہی کے قیاسات کے اور کسی چیز سے اُن کی تائید نہیں ہوتی۔ عیسائی مصنف اُن کی تحقیق سے ناواقف ہوتے ہیں اور اُن کو صحیح

حدیثیں تصور کر لیتے ہیں اور بکمال شوق اسلام کی نسبت بے اصل الزامات اُنپر مبنی کرتے ہیں۔
اس مقام پر ہمکو اس امر سے کہ رجم کا حکم اسلام میں ہے یا نہیں زیادہ بحث نہیں ہے۔ بحث صرف
اسقدر ہے کہ جسکو آیت رجم کہا جاتا ہے وہ کبھی قرآن کی آیت نہیں تھی اور نہ کبھی قرآن مجید سے
خارج کی گئی تھی۔

آیتوں کے اخراج اور عدم اندراج کی بابت سر ولیم میور نے تیسری مثال مارکسی کی نقل
کی ہوئی روایت بیان کی ہے جو سونے کی گھاٹی کے باب میں تھی اور جو قرآن میں مندرج ہونے
سے رہ گئی ہے۔ چوتھی تمثیل میں وہ عبداللہ ابن مسعود کے اس قصہ کو پیش کرتے ہیں جسمیں کہ اُنہوں نے
بیان کیا ہے کہ میں نے رات کو اپنے ورقوں میں سے ایک آیت کو غایب پایا۔ پانچویں تمثیل
میں اُس آیت کا ذکر کرتے ہیں جو مکہ کے معبودان مجازی کے بارہ میں تھی لیکن ہم اُن کے نہایت
شکرگذار ہیں کہ اُنہوں نے خود یہ بات لکھکر کہ یہ سب روایتیں غلط اور موضوع ہیں اس
جھگڑے کو چکا دیا ہے۔ پس ہمکو مردے کے مارنے کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔

تمت

الخطبة الثامنة

فی

احوال بیت اللہ الحرام والسوانح اللتی مضت فیہا قبل الاسلام

ان اول بیت وضع للناس ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین

عرب کے ملک میں جو نہایت قدیم روایت اُس زمانہ سے جبکہ قرآن مجید کا ذکر بھی نہ تھا برابر چلی آتی ہے اور جسکو عرب کی تمام قومیں بغیر کسی شبہ اور اختلاف کے پشت و پشت مانتی چلی آتی ہیں اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ نے بنایا تھا اور اُن کے بیٹے حضرت اسمعیل اُن کے شریک تھے۔

قرآن مجید میں اس گھر کے بننے کی جو خبر آئی ہے وہ بھی اسیقدر ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہو کہ

اذیرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (سورۂ بقر آیت ۱۲۱)	جبکہ ابراہیم اور اسمعیلؑ نے اس گھر کی بنیادیں اُٹھائیں تو اُنھوں نے یہ دعا مانگی کہ اے ہمارے پروردگار اس گھر کو ہم سے قبول کر بے شک تو اس دعا کو سنتا اور دلی نیت کو جانتا ہے ؏

اس دعا سے جو اُسکے بنانے والوں نے کی اور قرآن مجید کی اور بہت سی آیتوں سے جو اسکے بعد ہیں بخوبی ظاہر ہے کہ یہ خدا کے واسطے یعنی اُس کی عبادت کے لیئے بنایا گیا تھا

جیسیکہ اس زمانہ میں لوگ مسجد بناتے ہیں۔

قرآن مجید میں کعبہ کو بالتصریح مسجد کہا گیا ہے۔ ایک جگہ خدا نے فرمایا ہے کہ

ان المشرکین نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا (سورۂ توبہ آیت ۲۸) — مشرک ناپاک عقیدہ کے ہیں وہ اس برس کے بعد سے اس بزرگ مسجد (یعنی کعبہ) کے پاس نہ اویں۔

لقد صدق الله رسوله الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله (سورۂ فتح آیت ۲۷) — اور ایک اور جگہ خدا نے فرمایا کہ " خدا نے اپنے رسول کو یہ سچا خواب دکھایا بالکل ٹھیک کہ بے شک تم داخل ہو گے اس بزرگ مسجد (یعنی کعبہ) میں انشاء اللہ۔

جس زمانہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اُس زمانہ میں کعبہ کے گرد وہ مکانات نہیں تھے جو اب ہیں اور جو حرم کہلاتے ہیں اور جنکا مطلب یہ ہے کہ مسجد داخل حد حرم ہے لیکن خاص کعبہ وہ مسجد ہے جس کو حضرت ابراہیم نے بنایا اور اُسی خاص عمارت کو قرآن مجید میں مسجد الحرام کہا ہے۔

قرآن مجید میں کوئی خاص زمانہ کعبہ کی تعمیر کا نہیں بتایا ہے صرف دو صفتیں اُسکی بیان ہوئی ہیں ایک " بیت العتیق " یعنے نہایت پُرانا قدیم گھر دوسرے " اول بیت وضع للناس " یعنی سب سے پہلا گھر جو آدمیوں کے لیے خدا کی عبادت کرنے کو بنایا گیا۔ جس قاعدہ پر حال کے زمانہ کے مورخ پُرانے زمانہ کا حساب لگاتے ہیں اُس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی سنہ کی بیالیسویں صدی میں یعنی حضرت عیسٰی سے اُنیسویں صدی ماقبل میں کعبہ بنا تھا پس اگر اسی حساب کو صحیح مانا جاوے تو بھی ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں جہانتک کہ اُسکا حال معلوم ہوا ہے کعبہ سے پہلے کوئی گھر خدا کی عبادت کے لیئے نہیں بنایا گیا تھا۔ بلکہ سب سے اول کعبہ بنا تھا۔

ہم صرف عرب کی روایت اور قرآن مجید کی آیت ہی کو اس بات کے ثبوت کے لیئے کہ کعبہ حضرت ابراہیم کا بنایا ہوا ہے پیش کرنے پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے بلکہ اُسکے ثبوت کیلئے

ایسی دلیلیں بھی ہیں جو واقعی ایک حقیقت ہیں اور جنکو اُن لوگوں نے لکھا ہے جنکو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہ تھا۔ چنانچہ امر مذکورہ کا ثبوت مفصلۂ ذیل مقدمات کے ملانے اور اُنسے نتیجہ نکالنے سے بخوبی حاصل ہوتا ہے۔

مقدمہ اوّل ابراہیم نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو اسی نواح میں یعنی حجاز میں بسایا جہاں اب کعبہ ہے

ہم اسکے ثبوت کے لیئے ایسی مذہبی یا تاریخی روایتوں پر جو متنازعہ فیہا ہیں یا جنکے الفاظ کے معنی یا مصداق پر بحث ہی توجہ کرنا نہیں چاہتے بلکہ ایسے واقعات پر استدلال کرتے ہیں جو سبکو تسلیم ہیں یا جو جغرافیہ کی تحقیقات سے ثابت ہوے ہیں اور اُنکو ایسے لوگوں نے تحقیق کیا ہے جنکو اسلام سے کچھ تعلق نہ تھا۔

یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے (۱) نبایوث، (۲) قیدار، (۳) ادبئیل (۴) مبسلم (۵) مشماع، (۶) دوماہ، (۷) مسا، (۸) حدر (۹) تیما (۱۰) یطور، (۱۱) نافیس، (۱۲) قیدماہ۔ اور یہ سب حجاز میں آباد تھے جہاں مکّہ ہے۔

پہلا بیٹا حضرت اسمٰعیل کا نبایوث عرب کے شمالی مغربی حصہ میں آباد ہوا۔ ریورنڈ گاڈری پی کاری ایم اے نے اپنے نقشہ میں اُس کا نشان ۲۰ و ۳۰ درجہ عرض شمالی اور ۳۰ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا ہے۔

دوسرا بیٹا حضرت اسمٰعیل کا قیدار نبایوث کے پاس جنوب کی طرف حجاز میں آباد ہوا ریورنڈ مسٹر فاسٹر کہتے ہیں کہ اشعیاہ نبی کے بیان سے ہی صاف صاف قیدار کا مسکن حجاز ثابت ہوتا ہے جس میں مکہ و مدینہ بھی شامل ہیں اور زیادہ ثبوت اسکا حال کے جغرافیہ میں شہر الحذر

اور نیت سے پایا جاتا ہے جو اصل میں القیدار اور نبایات ہیں اہل عرب کی یہ روایت کہ قیدار اور
اُس کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اُس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ عہد عتیق میں قیدار
کا مسکن عرب کے اسی حصہ میں یعنی حجاز میں بیان ہوا ہے دوسرے یہ کہ یہ بات بخوبی ثابت
ہے کہ پورینیس اور بطلیموس اور پلینی اعظم کے زمانوں میں یہ قومیں حجاز کی باشندہ تھیں گیڈری
یعنی قیدری دری یعنی مخفف قیدری اور گدرونائی یعنی قیداری کدریتی یعنی قیدری چنانچہ
اسکا ذکر ہسٹری جغرافیہ جلد اول صفحہ ۲۴۰ میں مندرج ہے پس بخوبی ثابت ہو کہ قیدار حجاز میں آباد تھا
ریورنڈ گاڈری پی کاری نے اپنے نقشہ میں قیدار کی آبادی کا نشان ۲۶ و ۲۷ درجہ
عرض شمالی و ۳۷ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان لگایا ہے۔

تیسرا۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا ادبئیل ہے بموجب سند جوزیفس کے ادبئیل بھی اپنے اُن
دونوں بھائیوں کے ہمسایہ میں آباد ہوا تھا۔

چوتھا۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا مبسام ہے مگر اُس کی سکونت کے مقام کا پتہ نہیں ملتا۔

پانچواں۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا مشماع ہے ریورنڈ مسٹر فاسٹر کا یہ قیاس صحیح ہو کہ عبرانی
میں جسکو مشماع لکھا ہے اسی کو یونانی ترجمہ سبٹواجنٹ میں مسما اور جوزیفس نے مسماس بطلیموس
نے مسمیز لکھا ہے اور عرب میں اُسی کی اولاد بنی مسما کہلاتی ہے۔ پس کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا
قریب نجد کے اولاً آباد ہوا تھا۔

چھٹا۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا دوماہ تھا مشرقی اور مغربی جغرافیہ داں قبول کرتے ہیں کہ یہ
بیٹا تہامہ میں آباد ہوا تھا۔

ساتواں۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا مساتھا ریورنڈ مسٹر فاسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہ بیٹا مسوپو
ٹمیا میں آباد ہوا اگر یہ صحیح نہیں ہے کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا جب حجاز سے نکلا تو یمن میں آباد ہوا

اور یمن کے کھنڈرات میں اب تک مسا کا نام قائم ہے۔ ریورنڈ گاٹری پی کاری نے اپنے نقشہ میں اس مقام کا نشان ۱۲ درجہ اور ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۴ درجہ اور ۳۰ دقیقہ طول شرقی میں قائم کیا ہے۔

آٹھواں۔ بیٹا حضرت سمٰعیل کا حدر تھا اور عہد عتیق میں حداد بھی اُسکا نام ہے یمن میں شہر حدیدہ اب تک اسی کا مقام تبلار رہا ہے اور قوم حدیدہ جو یمن کی ایک قوم ہے اُسی کے نام کو یاد دلاتی ہے زہیری مورخ کا بھی یہی قول ہے اور ریورنڈ مسٹر فاسٹر بھی اُسی کو تسلیم کرتے ہیں۔

نواں۔ بیٹا حضرت سمٰعیل کا تیما تھا اُن کی سکونت کا مقام نجد تھا اور بعد رفتہ رفتہ خلیج فارس تک پہنچگئے۔

دسواں۔ بیٹا حضرت سمٰعیل کا یطور ہے ریورنڈ مسٹر فاسٹر بیان کرتے ہیں کہ اسکا مسکن جدور میں تھا جو جبل کسیرنی کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق میں واقع ہے۔

گیارھواں۔ بیٹا حضرت سمٰعیل کا نافیش تھا ریورنڈ مسٹر فاسٹر توریت اور جوزیفس کی سند سے لکھتے ہیں کہ عربیا ڈزرٹا میں اُن کی نسل اسی نام سے آباد تھی۔

بارھواں۔ بیٹا حضرت سمٰعیل کا قیدماہ تھا انھوں نے بھی یمن میں سکونت اختیار کی تھی غرض کہ اہل جغرافیہ کی تحقیقاتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سمٰعیل اور اُن کی اولاد کا مسکن حجاز تھا

مقدمہ دوم حجر اسود اور قربانی کی رسم کو اور کعبہ کا بیت اللہ نام ہونے کو خاص ابراہیم سے تعلق ہے

خود حضرت ابراہیم اور تمام اُن کی اولاد میں یہ رواج تھا کہ خدا کی عبادت کی جگہ پر بطور ایک نشان کے لمبا بن گھڑا پتھر کھڑا کر لیتے تھے اور اُسکو مذبح یعنی قربانی گاہ اور بیت اللہ

قرار دیتے تھے اور وہاں خدا کی عبادت بجالاتے تھے اور اُسکے نام پر قربانی کرتے تھے پس کعبہ میں اسی رسم کا برابر جاری چلا آنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس معبد کی اصل ابراہیم سے ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ پتھر اور قربانی اور بیت اللہ نام رکھنے کی رسم ابراہیم سے چلی آتی ہے۔ توریت مقدس سے جس کی قدامت میں کوئی شبہ نہیں کر سکتا ثابت ہوتی ہے۔

کتاب پیدایش باب ۱۲ ورس ۷ میں لکھا ہے کہ "تب خداوند نے ابراہام کو دکھلائی دیکر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دونگا اور اُسنے وہاں خداوند کے لیئے جو اُسپر ظاہر ہوا ایک مذبح بنایا"۔ اور اسی باب کی آٹھویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پھر وہاں سے ابراہیم نے کوچ کیا اور آگے جاکر پھر ایک مذبح بنایا اور خدا کے نام سے یعنی خدا کے گھر کے نام سے اُسکو موسوم کیا۔

اسی کتاب کے تیرھویں باب کی آٹھویں آیت میں ہے کہ بلوطستان ممری میں جو جبران میں ہے ابراہیم جا رہا اور وہاں خداوند کے لیے ایک مذبح بنایا۔

ان تینوں آیتوں سے ثابت ہے کہ خدا کے لئے مذبح تعمیر کرنا اور خدا کے نام سے اُسکو پکارنا اور وہاں خدا کے نام پر قربانی کرنا حضرت ابراہیم کا طریقہ تھا۔

یہ طریقہ اُن کی اولاد میں بھی جاری تھا چنانچہ کتاب پیدایش باب ۲۶ ورس ۲۵ میں لکھا ہے کہ بیرشبع میں اسحاق پسر ابراہیم کو خدا دکھلائی دیا اور اُسنے وہاں مذبح بنایا اور خدا کے نام سے اُسکو موسوم کیا۔

اب ہمکو یہ بتانا رہا کہ یہ مذبح کس طرح بنایا جاتا تھا اس کی تفصیل بھی توریت مقدس میں موجود ہے۔

کتاب خروج باب ۲۰ میں لکھا ہے کہ اگر میرے لیئے پتھر کا مذبح بناوے تو تراشے ہوئے پتھر کا مت بنائیو کیونکہ اگر تو اُسکو اوزار لگا دیگا تو اُسے ناپاک کریگا۔

اور اسی کتاب کے باب ۲۴ ورس ۴ میں لکھا ہے کہ اور موسیٰ نے خداوند کی ساری باتیں لکھیں اور صبح کو سویرے اُٹھا اور پہاڑ کے تلے ایک مذبح بنایا اور اسرائیل کے بارہ سبطوں کے موافق بارہ ستون بنائے گئے۔

اور کتاب پیدایش باب ۲۸ ورس ۱۸ و ۱۹ و ۲۲ میں لکھا ہے کہ "یعقوب صبح سویرے اُٹھا اور اس پتھر کو جسے اُسنے اپنا تکیہ کیا تھا لیکے ستون کی مانند کھڑا کیا اور اُسکے سر پر تیل ڈالا۔

اور اُس مقام کا نام بیت ایل (یعنے بیت اللہ خدا کا گھر) رکھا۔

اور کہا کہ "یہ پتھر جو میں نے ستون کی مانند کھڑا کیا خدا کا گھر یعنی بیت اللہ ہوگا۔

ان آیتوں سے بخوبی ثابت ہی کہ ابراہیم اور اُس کی اولاد کا یہ طریقہ تھا کہ خدا کی عبادت کے لیے مذبح ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر کر بناتے تھے کبھی اُس کے ساتھ کوئی مکان بھی بنا دیتے اور کبھی پتھر کھڑا کرنے کے بعد بناتے تھے اور اُسکو بیت اللہ کہتے تھے۔

بالکل یہی حالت کعبہ کی اور حجر اسود کی ہے جو ایک بن گھڑا لنبا پتھر ہے۔ پہلے صرف حجر اسود کھڑا کیا تھا پھر جب وہاں کعبہ بنایا تو اُسکے کونہ میں اُسکو لگا دیا۔

توریت میں صرف بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات بیان ہوئے ہیں اور بنی اسمٰعیل کا اُس میں ذکر نہیں ہی مگر ملکی روایتوں یا جاہلیت کے اشعار میں اُنکا ذکر پایا جاتا ہے۔ ارزقی کی کتاب اخبار مکہ سے پایا جاتا ہے کہ بن گھڑا پتھر کھڑا کر کر خدا کی عبادت گاہ بنانا صرف بنی اسرائیل ہی میں نہ تھا بلکہ بنی اسمٰعیل میں بھی بکثرت رائج تھا۔

ان بنی اسمعیل وجرھم من ساکنی مکۃ ضاقت علیھم مکۃ فتفسحوا فی البلاد والتمسوا المعاش لیزعمون ان اوّل	چنانچہ اُسنے لکھا ہے کہ "بنی اسمٰعیل و جرہم جو مکہ میں رہتے تھے وہاں رہنے کی اُنکو گنجایش نہوئی تو وہ ملک میں نکلے اور معاش کی تلاش میں پڑے پس لوگ خیال کرتے ہیں کہ

ما کانت عبادۃ الحجارۃ فی بنی اسمٰعیل	اول پتھر کا پوجنا بنی اسمٰعیل میں اس طرح شروع ہوا کہ
انہ کان لا یظعن من مکۃ ظاعن منھم	جب اُن میں سے کوئی مکہ سے جاتا تو حرم کے پتھروں
الا احتملوا معھم من حجارۃ الحرم تعظیما	میں سے ایک پتھر اٹھا لیتا حرم کو بزرگ سمجھکر اور مکہ اور
للحرم وصبابۃ بمکۃ وبالکعبۃ حیث ما حلوا	کعبہ کے شوق میں جہاں اُترتے تو اُس پتھر کو رکھ لیتے
وضعوہ وطافوا بہ کالطواف بالکعبۃ حتیٰ	اور اُسکے گرد مثل کعبہ کے طواف کرتے پھر اسکی یہاں تک
سلخ ذالک بھولی ان کانوا یعبدون ما	نوبت پہنچگئی کہ جو پتھر اچھا دیکھتے اور جو حرم کا پتھر عجیب اور
استحسنوا من الحجارۃ واعجبھم من حجارۃ	اچھا معلوم ہوتا اس کی عبادت کرتے اسی طرح پشتوں
الحرم خاصۃ حتیٰ خلفت الخلوف بعد الخلوف	پر پشتیں گذر گئیں اور بھول گئے جو بات پہلی تھی اور ابراہیمؑ
ونسوا ما کانوا علیہ استبدلوا بدین ابراہیم	اور اسمٰعیل کے دین کو بدلدیا اور بتوں کو پوجنے لگے۔

واسمٰعیل وغیرہ فعبدوا الاوثان (صفحہ ۲)

مسلمانوں کی کتابوں میں اس پتھر کی نسبت نہایت قصہ آمیز روائتیں لکھی ہیں اور ترمذی اور ابن ماجہ و دارمی میں بھی چند عجیب عجیب روائتیں آئی ہیں جیساکہ یہ پتھر نہایت پرانا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ منسوب ہونے سے قدیمی ہونے پر تقدس اور زیادہ ہو گیا ہے ویسی ہی لوگوں نے اس کی نسبت جیساکہ پرانی باتوں کی نسبت دستور ہے قصہ آمیز اور تعجب انگیز روائتیں بنالیں ہیں۔ قرآن مجید میں اس پتھر کا مطلق ذکر نہیں ہے اگر درحقیقت وہ ایسا ہی ہوتا جیساکہ روائتوں کے بنانے والوں نے بیان کیا ہے تو ممکن نہ تھا کہ باوجودیکہ قرآن مجید میں کعبہ کے بننے کا ذکر ہے اور اس پتھر کا ذکر نہ کیا جاتا۔ جس قدر روائتیں اس پتھر کی نسبت آئی ہیں سب مجروح اور مرجوح ہیں اور کسی کی سند قابل اعتبار کے نہیں ہے اور نہ اُنکا سلسلہ درستی اور صحت سے رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے مگر اُن روائتوں کا خلاصہ بیان کرنا

خصوصاً اُنکا جو ترمذی و ابن ماجہ و دارمی میں ہیں خالی از لطف نہوگا۔

روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ یہہ پتھر حضرت جبریل بہشت سے لاے تہے اور وہ اوّل اول
دودھ کی مانند سفید تہا لیکن انسان کے گناہوں نے اُسے سیاہ کر دیا" ایک روایت کا یہہ
مضمون ہے کہ وہ بہشت میں کے جواہرات میں کا ایک لعل بے بہا ہے خدا نے اُسکی چمک دمک
لے لی ہے اگر نہ لیتا تو تمام دنیا ایک سرے سے دوسرے سرے تک منور ہوجاتی" ایک اور روایت
میں ہے کہ "قیامت کے دن اس پتھر کے دو آنکھیں اور ایک زبان ہوگی جنکے ذریعہ سے وہ اُنکو
پہچان لیگا اور اُنکے نام بتا دیگا جنہوں نے اس دنیا میں اسکو بوسہ دیا ہے" ایک لامذہب نے اس
روایت کو سُنکر کہا کہ جب دنیا میں اُس کی آنکھیں نہیں ہیں تو قیامت میں آنکھیں ملنے سے وہ کیونکر
شناخت کریگا۔ ایک احمق مسلمان نے جواب دیا کہ خدا کی قدرت سے۔ لامذہب بولا کہ تو پھر
آنکھیں دینے کی کیا ضرورت ہے۔ بالفرض اگر کوئی ان روایتوں کو صحیح تسلیم کرے تو اُنکے الفاظ کے
لغوی معنی نہیں لیے جاینگے بلکہ اُن کو بطور استعارہ قرار دیا جاویگا اور اس صورت میں اُن کا
مقصود یہ ہوگا کہ کسی آدمی کے افعال جو اُسنے دنیا میں کیے ہیں قیامت میں پوشیدہ نہیں رہینگے
اس قسم کے مضامین کو استعارہ میں بیان کرنے سے مقصود یہہ ہوتا ہے کہ عام لوگ اُسکو بآسانی
سمجھ لیتے ہیں جیسکہ کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے ہاتھ گواہی دینگے کہ اُنسے اُن سے
کیا کیا ہے اور اُس کی زبان اُن سب باتوں کو بیان کریگی جو اُسکے ہونٹوں سے نکلی ہیں اور جس
زمین پر وہ اترا اترا کر غرور و تکبر کی چال سے چلا تہا وہ اُس کی گواہی دیگی ان سب روایتوں کا
مطلب یہہ ہے کہ انسان کی زندگی کا ہر ایک کام خدا سے مخفی نہ رہیگا اگرچہ اب بھی مخفی نہیں ہے۔ مگر
اصل بات یہہ ہے کہ ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں اور ان موضوع روایتوں نے ایسی خرابی
ڈالدی ہے کہ اصلی اور صحیح بات بھی تاریکی میں پڑ گئی ہے۔ مگر ازرقی نے ایک روایت کتاب اخبار مکہ

میں لکھی ہے اگر اُسکے زوائد اور مبالغہ آمیز باتوں سے جو اُس میں شامل ہیں قطع نظر کی جاوے تو اُس سے اصلیت اُس کی کسی قدر معلوم ہوتی ہے بعد ایک قصہ بیان کرنے کے اُسمیں لکھا ہی

وکان اللہ عزوجل استودع الرکن ابا قبیس حین غرق اللہ الارض زمن نوح وقال اذا رایت خلیلی مبنی بیتی فاخرجہ لہ الخ (کتاب اخبار مکۃ صفحہ ۲۲)

کہ حجر اسود کو اللہ تعالے نے طوفان نوح کے زمانہ میں ابو قبیس پہاڑ کو سپرد کر دیا تھا اور اسکو سمجھا دیا تھا کہ جب تو میرے خالص دوست یعنی ابراہیم کو دیکھے کہ وہ میرا گھر بناتا ہے تو اس پتھر کو نکال دیجیو۔

ہر ایک شخص اس روایت سے سمجھ سکتا ہے کہ صحیح بات صرف اسقدر ہے کہ یہ پتھر جبل ابو قبیس میں کا جو مکہ کے پاس ہے ایک پتھر ہے حضرت ابراہیم نے مثل اپنی عادت اور طریقہ کے اول اس پتھر کو بطور مذبح کے کھڑا کیا جب اُنکی اولاد یہاں مستقل رہنے لگی تو اُنھوں نے مکان ذبح بھی بنایا اور اُس پتھر کو اُسکے کونہ میں لگا دیا۔

اسی کتاب میں یہہ بھی ایک ٹھیک روایت لکھی ہے کہ " وہ دو دفعہ آتش زدگی میں جلنے

وانما شدۃ سوادہ لانہ اصابہ الحریق مرۃ بعد مرۃ فی الجاھلیۃ والاسلام فاما حریقہ فی الجاھلیۃ فانہ ذھبت امرأۃ فی زمن قریش تجمر الکعبۃ فاحترقت الکعبۃ واحترق الرکن الاسود واسود وتوھنت الکعبۃ فکان ھو الذی ھاج قریشا علی ھدمھا وبناءھا واما حریقہ فی الاسلام ففی عصر ابن الزبیر ایام حاصرۃ الحصین بن نمیر الکندی احترقت الکعبۃ واحترق الرکن فتفلق بثلاث فلق حتی شعبہ ابن الزبیر بالفضۃ فسوادہ لذالک (صفحہ ۳۲)

کے سبب سے اسقدر کالا ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے زمانہ میں ایک عورت کے ہات سے کعبہ کے پردہ میں خوشبو جلاتے وقت آگ لگ گئی تھی جس کے سبب سے کعبہ اور حجر اسود دونوں جل گئے تھے اور حجر اسود کالا ہو گیا تھا۔ اور ایک دفعہ زمانہ اسلام میں ابن زبیر کے وقت میں کعبہ میں آگ لگی تھی اور حجر اسود جلکر تین ٹکڑے ہو گیا تھا اور ابن زبیر نے اُسکے گرد چاندی کا حلقہ چڑہا دیا تھا۔

یہ پتھر جو کعبہ کے کونہ میں لگایا گیا تھا اُس سے مقصود اُس پتھر کی پرستش نہ تھی بلکہ صرف اسلیئے لگایا گیا تھا کہ کعبہ کا طواف (جسکی حقیقت ہم بیان کرینگے) شروع ہونے اور ختم ہونیکی نشانی ہو چنانچہ کتاب اخبار مکہ ازرقی میں لکھا ہے کہ جب ابراہیم کو حکم ہوا کہ خدا کا گھر بناوے اور جب وہ بناتے بناتے وہاں پہنچے جہاں اب حجر اسود ہے تو انہوں نے اسمٰعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ وہ لوگوں کے لیئے ایک نشانی ہو اور اُسی سے طواف شروع کیا کریں وہ ایک پتھر لائے ابراہیم نے اُسکو پسند نہیں کیا پھر ابراہیم کو یہ پتھر مل گیا پھر ابراہیم نے (اسمٰعیل کے اس سوال کے جواب میں کہ یہ پتھر کہاں سے آیا) کہا کہ اُسنے دیا جسنے تیرے پتھر کے بھروسہ پر مجھے نہیں کہا۔

حدثنی جدی قال حدثنا سفیان بن عیینة عن مجاهد عن الشعبی قال لما امر ابراهیم ان یبنی البیت وانتهی الی موضع الحجر قال لاسمٰعیل ائتنی بحجر لیکون علما للناس یبتدؤن منه الطواف فاتاه بحجر فلم یرضه فاتی ابراهیم بهذا الحجر ثم قال اتانی به من لم یکلنی علی حجرك (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۲۹)

مقتدر باللہ ابو الفضل جعفر ابن معتضد کے عہد میں جو ۲۹۵ھ ہجری میں خلیفہ ہوا تھا قرامطہ حجر اسود کو کعبہ سے اکھاڑ کر لے گئے تھے مدت بعد لاکر پھر رکھدیا۔

مقدمہ سوم کعبہ بلاشبہ بیت العتیق ہے

ملکی اور مذہبی روایتوں کے سوا غیر مذہب مورخوں کی تحقیقات سے بھی کعبہ کا نہایت قدیم زمانہ سے موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مسٹر گبن جیسا کہ وہ نہایت مشہور مؤرخ ہے ویسا ہی نہایت بڑا عالم اور فلسفی ہے اُسنے اپنی تاریخ میں کعبہ کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ کعبہ کی صحیح قدامت سنہ عیسوی سے پہلے کی ہے۔ ساحل بحر احمر کے ذکر میں ڈایوڈورس یونانی مؤرخ نے تھمیوڈ

اور سیبین کے بیان میں ایک مشہور و معروف معبد (یعنی کعبہ) کا ذکر کیا ہے جسکے اعلی درجہ کی تقدس کی تمام اہل عرب تعظیم کرتے تھے'' اگر ڈایوڈورس کے زمانہ میں کعبہ ایک مشہور و معروف معبد تھا جسکے اعلی درجہ کے تقدس کی تمام عرب تعظیم کرتے تھے تو ہمکو اس کی اصلیت کو درحقیقت ایک نہایت قدیم زمانہ (ابراہیم کے زمانہ) سے منسوب کرنا چاہیئے۔

سر ولیم میور صاحب اسپر ایک معترضانہ تقریر لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''جو کچھ ڈایوڈورس نے لکھا ہے اس سے عرب کی اس روایت کی صحت پر کہ کعبہ اور اس کے تمام مراسم کی اصلیت ابراہیم و اسمعیل سے ہے کیونکر قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب کی یہہ روایت مسلمانوں کی بنائی ہوئی نہ تھی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے بہت مدت پہلے اہل مکہ کی عام رای تھی ورنہ قرآن میں بطور ایک حقیقت مسلمہ کے اسکا ذکر نہوتا اور نہ بعض مقامات کے نام جو کعبہ کے گرد واقع ہیں ابراہیم و اسمعیل سے متعلق کیئے جاتے جیسا کہ وہ متعلق کیئے گئے ہیں''۔

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ سر ولیم میور نے بلا شبہہ یہاں غلطی کی ہے جو کچھ ڈایوڈورس نے لکھا ہے اس سے عرب کی اس قدیم روایت کی صحت کا ثبوت ہوتا ہے اسبات سے کہ مذہب اسلام سے بیشتر اہل عرب تسلیم کرتے تھے کہ کعبہ کو اور ان تمام مراسم کو جو کعبہ سے علاقہ رکھتی ہیں ابراہیم سے تعلق ہے اس کی اصلیت و صحت نہایت مضبوطی سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر ایسا نہوتا تو کیا وجہ تھی کہ اہل عرب نے اور بنی جرہم نے اور تمام مختلف عرب کی قوموں نے اس کو ابراہیم و اسمعیل سے منسوب کیا تھا۔ عرب ایک بت پرست قوم تھی اور ابراہیم بت شکنی میں ایک مشہور شخص تھا اسلیئے ضرور تھا کہ تمام عرب کی قومیں ابراہیم و اسمعیل سے نفرت کرتیں اور کبھی اپنے معبد کو ابراہیم یا اسمعیل سے منسوب نہ کرتیں باوجود اس مغائرت و منافرت کے تمام عرب کی قوموں کا اسبات کو تسلیم کرنا کہ کعبہ کو اور اس کے مراسم کو ابراہیم و اسمعیل سے تعلق ہے علانیہ اس کی صحت و

اصلیت کی دلیل ہے نہ اُسکے برخلاف جیساکہ سر ولیم میور نے تصور کیا ہے' اس روایت کا اسلام کے زمانہ سے پیشتر بطور حقیقت مسلمہ کے تسلیم ہوتا چلا آنا ہمارے لیئے دلیل ہے نہ ہمارے مخالف کے لیئے۔

مقدمہ چہارم سر ولیم میور کے اعتراضوں کی تردید

سر ولیم میور نے اپنی کتاب مسمی لیف آف محمد میں بلا کسی دلیل اور بغیر کسی ثبوت کے ان تمام واقعات سے جنسے کسی مورخ نے انکار نہیں کیا انکار کیا ہے اور ایک خیالی اور فرضی بات کو جو اُن کے دل میں آئی حقیقت واقعہ قرار دیا ہے جن کی تردید ہم کرنا چاہتے ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور نے اپنے خیال کی فرضی سچائی قائم کرنے کو جو فی نفسہ سچ نہیں ہے حسب تفصیل ذیل وجوہات قائم کی ہیں۔

اول۔ اُنھوں نے یہ بات فرض کر لی ہے کہ مکہ کے قریب اسمٰعیل کا آباد ہونا اور یہ بات کہ یقطان اہل عرب کے مورث اعلیٰ تھے سب بناوٹ اور قصہ ہے اور ہر قسم کی تواریخی سچائی اور احتمال سے مبرا ہے۔

لیکن اس بات کے کہنے سے پہلے سر ولیم میور پر فرض تھا کہ یہ بات بیان کرتے کہ اہل عرب کو اگر وہ نسل میں اور رسومات میں اور مذہب میں یقطان اور اسمٰعیل سے بالکل مختلف تھے تو اس بناوٹ کی کیا ضرورت پیش آئی تھی اور کیوں تمام ملک اور تمام قبیلے جو آپس میں نہایت دشمن اور سخت عداوت رکھتے تھے اور روزانہ جنگیاں اور باہمی لڑائیاں کرتے تھے اس ایک بات پر متفق ہو گئے تھے۔

عرب کی تمام تاریخوں سے جنکو عیسائی مورخوں نے بھی تسلیم کیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ یقطان عرب کا مورث اعلیٰ تھا ان تمام باتوں کی کس طرح سر ولیم میور تردید کرتے ہیں کیونکہ ایسے

اور سبئین کے بیان میں ایک مشہور و معروف معبد (یعنی کعبہ) کا ذکر کیا ہے جسکے اعلیٰ درجہ کی تقدس کی تمام اہل عرب تعظیم کرتے تھے" اگر ڈایوڈورس کے زمانہ میں کعبہ ایک مشہور معروف معبد تھا جسکے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام عرب تعظیم کرتے تھے تو ہمکو اس کی اصلیت کو درحقیقت ایک نہایت قدیم زمانہ (ابراہیم کے زمانہ) سے منسوب کرنا چاہیئے۔

سر ولیم میور صاحب اسپر ایک معترضانہ تقریر لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "جو کچھ ڈایوڈورس نے لکھا ہے اُس سے عرب کی اس روایت کی صحت پر کہ کعبہ اور اُس کے تمام مراسم کی اصلیت ابراہیم و اسمٰعیل سے ہے کیونکر قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب کی یہہ روایت مسلمانوں کی بنائی ہوئی نہ تھی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ سے بہت مدت پہلے اہل مکہ کی عام رای تھی ورنہ قرآن میں بطور ایک حقیقت مسلمہ کے اسکا ذکر نہوتا اور نہ بعض مقامات کے نام جو کعبہ کے گرد واقع ہیں ابراہیم و اسمٰعیل سے متعلق کئے جاتے جیسا کہ وہ متعلق کیئے گئے ہیں"۔

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ سر ولیم میور نے بلاشبہہ یہاں غلطی کی ہے جو کچھ ڈایوڈورس نے لکھا ہے اُس سے عرب کی اُس قدیم روایت کی صحت کا ثبوت ہوتا ہے اسبات سے کہ مذہب اسلام سے پیشتر اہل عرب تسلیم کرتے تھے کہ کعبہ کو اور اُن تمام مراسم کو جو کعبہ سے علاقہ رکھتی ہیں ابراہیم سے تعلق ہے اُس کی اصلیت و صحت نہایت مضبوطی سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر ایسا نہوتا تو کیا وجہ تھی کہ اہل عرب نے اور بنی جرہم نے اور تمام مختلف عرب کی قوموں نے اُسکو ابراہیم اور اسمٰعیل سے منسوب کیا تھا۔ عرب ایک بت پرست قوم تھی اور ابراہیم بت شکنی میں ایک مشہور شخص تھا اسلیئے ضرور تھا کہ تمام عرب کی قومیں ابراہیم و اسمٰعیل سے نفرت کرتیں اور کبھی اپنے معبد کو ابراہیم یا اسمٰعیل سے منسوب نہ کرتیں باوجود اس مغائرت و منافرت کے تمام عرب کی قوموں کا اسبات کو تسلیم کرنا کہ کعبہ کو اور اُس کے مراسم کو ابراہیم و اسمٰعیل سے تعلق ہے علانیہ اُس کی صحت و

اصلیت کی دلیل ہے نہ اُسکے برخلاف جیسا کہ سر ولیم میور نے تصور کیا ہے' اس روایت کا اسلام کے زمانہ سے پیشتر بطور حقیقت مسلمہ کے تسلیم ہوتا چلا آنا ہمارے لیئے دلیل ہے نہ ہمارے مخالف کے لیئے۔

مقدمہ چہارم سر ولیم میور کے اعتراضوں کی تردید

سر ولیم میور نے اپنی کتاب مسمی لیف آف محمد میں بلا کسی دلیل اور بغیر کسی ثبوت کے ان تمام واقعات سے جنسے کسی مورخ نے انکار نہیں کیا انکار کیا ہے اور ایک خیالی اور فرضی بات کو جو اُن کے دل میں آئی حقیقت واقعہ قرار دیا ہے جن کی تردید ہم کرنا چاہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور نے اپنے خیال کی فرضی سچائی قائم کرنے کو جو فی نفسہ سچ نہیں ہے حسب تفصیل ذیل وجوہات قائم کی ہیں۔

اول۔ اُنھوں نے یہ بات فرض کر لی ہے کہ مکہ کے قریب اسمٰعیل کا آباد ہونا اور یہ بات کہ یقطان اہل عرب کے مورث اعلیٰ تھے سب بناوٹ اور قصہ ہے اور ہر قسم کی تواریخی سچائی اور احتمال سے مبرا ہے۔

لیکن اس بات کے کہنے سے پہلے سر ولیم میور پر فرض تھا کہ یہ بات بیان کرتے کہ اہل عرب کو اگر وہ نسل میں اور رسومات میں اور مذہب میں یقطان اور اسمٰعیل سے بالکل مختلف تھے تو اس بناوٹ کی کیا ضرورت پیش آئی تھی اور کیوں تمام ملک اور تمام قبیلے جو آپس میں نہایت دشمن اور سخت عداوت رکھتے تھے اور روزمرہ جنگیاں اور باہمی لڑائیاں کرتے تھے اس ایک بات پر متفق ہو گئے تھے۔

عرب کی تمام تاریخوں سے جنکو عیسائی مورخوں نے بھی تسلیم کیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ یقطان عرب کا مورث اعلیٰ تھا ان تمام باتوں کی کس طرح سر ولیم میور تردید کرتے ہیں کیونکہ ایسے

موقع پر بمقابل ثبوت کے صرف انکار کر دینا کافی نہیں ہے۔

یونانی مورخ اہل جغرافیہ حجاز میں اسمعیل کی اولاد کی سکونت کا نشان بتاتے ہیں یعنی یونانی مورخوں نے حجاز کی اُن قوموں کا ذکر کیا ہے جو اسمٰعیل کے بیٹوں کے نام سے موسوم تھیں۔ ان سب واقعی باتوں کو سر ولیم میور کس طرح معدوم کرتے ہیں۔

دوم وہ فرماتے ہیں مگر صرف ازراہ خود پسندی کہ "اس عقیدہ باطل کے اصلی اجزا میں کسی بات کا ایسا کوئی نشان نہیں ہے کہ جو حضرت ابراہیم سے متعلق ہو حجر اسود کا بوسہ دینا کعبہ کے گرد طواف کرنا، مکہ اور عرفات اور منا میں رسمیات کا ادا کرنا اور مقدس مہینوں اور مقدس ملک کی تعظیم کرنا ان سب باتوں کو حضرت ابراہیم سے یا اُن خیالات اور اصول سے کسی طرح کا تعلق نہیں ہے جو غالباً انکی اولاد کو اُن سے پہنچیں یہ باتیں یا تو ٹھیک ٹھیک مختص المقام تھیں یا اُن کو بُت پرستی کے اُس اصول سے جو جزیرہ عرب کے جنوب میں جاری تھی تعلق تھا اور وہاں سے بنی جرہم یا بنی قطورہ یا ازدایت یا کوئی اور قوم جو یمن سے نقل مکان کر کے مکہ میں آباد ہوئی تھی اپنے ساتھ لائی تھی۔

مگر ہمکو افسوس ہے کہ سر ولیم میور نے بنی ابراہیم یا بنی اسرائیل کی تمام رسمیات سے جو اُن کے ہاں جاری تھیں یکلخت چشم پوشی کر لی ہے ورنہ وہ دیکھتے کہ اُن رسمیات میں اور بنی اسرائیل کی رسمیات میں بالکل اتحاد پایا جاتا ہے۔

حجر اسود وہی مذبح ہے جسکو خدا کے حکم سے ابراہیم - اسحاق - یعقوب اور موسیٰ بناتے تھے (دیکھو کتاب پیدائش باب ۱۲ ورس ۷ و ۸ باب ۱۳ ورس ۱۸ و باب ۲۶ ورس ۲۵ و باب ۲۸ ورس ۱۸ و ۱۹ و ۲۲ کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۵ و باب ۲۴ ورس ۴)

بوسہ کے خاص فعل کی نسبت ہم جُدا لکھیں گے اس مقام پر جو سر ولیم میور نے اُسکا ذکر کیا

اُس سے ایک عام مقصد بیان کرنا معلوم ہوتا ہے یعنی پتھر کی تعظیم۔ مگر اُنھون نے ان پتھرون کی اُس تعظیم کو فراموش کر دیا جو ابراہیم اسحاق و یعقوب و موسیٰ کرتے تھے۔ یہ سب بزرگ ایسے پتھرون کو مقدس جانتے تھے خدا کے نام سے اُن کی تعظیم کرتے تھے یعقوب نے اُس پر تیل ڈالا (دیکھو پیدایش باب ۲۸ ورس ۱۹) جو اُس زمانہ کے دستور کے موافق غایۃ الغایۃ تعظیم پرستش کے قریب تھی۔ یعقوب نے کہا کہ یہہ جگہہ خانۂ خدا ہوگی (دیکھو کتاب پیدایش باب ۲۸ ورس ۲۲) خدا نے منع کیا کہ اس گھر کے اوپر مت چڑھو تا کہ تمہاری شرمگاہ اُسکے اوپر ننگی نہو جاوے (دیکھو کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۶) پس اَب کونسا دقیقہ تعظیم کا باقی رہ گیا ہے جو اس قسم کے پتھروں کی نسبت بنی ابراہیم میں جاری تھا جس کے سبب سر ولیم میور حجر اسود کی اس خفیف تعظیم کو (اگر وہ ہو بھی) بنی ابراہیم کی رسم سے جدا کر کر عرب کے بُت پرستوں کی رسم بتاتے ہیں۔

ایک گھر کا خدا کے واسطے بنانا اور بیت اللہ اُسکا نام رکھنا جیسے کہ کعبہ ہے اگر ابراہیم کی رسومات سے نہ تصور کیا جاوے تو وہ کون تھا (یعنی موسیٰ) جسنے بمقام گبعون بیابان میں خدا کا گھر بنایا (دیکھو کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۴ و کتاب اول تاریخ الایام باب ۲۱ ورس ۲۹) اور وہ کون تھا (یعنی داؤد) جسنے خرمنگاہ ارنان یبوسی کو خدا کا گھر بنانے کو مول لیا اور پتھر و لکڑی و لوہا و پیتل اُسکے بنانے کو جمع کیا (دیکھو کتاب اول تاریخ الایام باب ۲۲) اور وہ کون تھا (یعنی سلیمان) جسنے بعد کو خرمنگاہ ارنان یبوسی میں نہایت عالیشان مکان بنایا جسکو خدا کا گھر اور بیت المقدس نام ملا (دیکھو کتاب تاریخ ایام دوم باب ۴)

پس کعبہ کی بنا کو اور اُسکو خدا کا گھر قرار دینے کو ابراہیم کی طرف منسوب نہ کرنا بلکہ عرب کے بُت پرستوں کی رسم بتانا نہایت تعجب کی بات ہے۔

مکہ میں خاص کعبہ کے ساتھ جو رسم ادا کی جاتی ہے وہ صرف طواف ہے (جسکی حقیقت ہم بیان کرینگے) سر ولیم میور کو اس رسم کی نسبت ابراہیمی رسم ہونے سے انکار کرنا اُسوقت مناسب تھا جبکہ اولاً وہ کسی تاریخ یا توریت مقدس سے یہ بات ثابت کر لیتے کہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب جو مذبح اور بیت اللہ بناتے تھے اُن میں وہ کیا کیا کرتے تھے اسواسطے کہ توریت سے موسیٰ کے وقت سے پیشتر صرف خدا کے نام یا عبادت کے لیے اُن گھروں کا بننا تو معلوم ہوتا ہے مگر اُس سے عبادت کا طریقہ نہیں معلوم ہوتا اور ہمکو اس بات کے یقین کرنے کی بھی وجہ ہے کہ اُس زمانہ میں خدا کی عبادت کا طریقہ یہی تھا جو طواف کی صورت میں پایا جاتا ہے اور اسمعیل کی اولاد نے اپنے دادا کے اُسی طریقہ کو اور اُسی ہیئت کو ابتک قائم رکھا ہے ـ

ہمکو امید ہے کہ سر ولیم میور اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ حج خانہ کعبہ کا نہیں ہوتا حج کو خانہ کعبہ سے کچھ تعلق نہیں ہے پس یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مسلمانوں کے مذہب میں خانہ کعبہ کا حج ہوتا ہے ـ

عرفات ایک ایسی چیز ہے جو خاص ابراہیم اور اُنکی اولاد سے علاقہ رکھتی ہے ہزاروں جگہ توریت میں آیا ہے کہ خدا ابراہیم کو مرئی ہوا خدا اسحاق کو مرئی ہوا خدا یعقوب کو مرئی ہوا خدا موسیٰ کو مرئی ہوا پس ٹھیک یہی معنی عرفات کے ہیں جس پہاڑ پر جو قریب مکہ کے ہے خدا ابراہیم و اسمٰعیل کو مرئی ہوا اُس پہاڑ کا نام جبل عرفات ہے معلوم نہیں کہ سر ولیم نے جبل عرفات کو کیا سمجھا جو اُسکی نسبت کہا کہ اُسکو ابراہیمی رسوم یا حالات سے کچھ تعلق نہیں ہے ـ

عرفات ایک ایسی چیز ہے جو تمام دنیا کے بُت پرستوں سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتی یہ خاص امر ابراہیم کی نسل میں مروج تھا اس مقام پر ہم اسکے مطلب پر کہ خدا کیونکر دکھائی

ہو سکتا ہو بحث نہیں کرنا چاہتے اور نہ ان الفاظ کے مطلب و مراد سے بحث منظور ہے
بلکہ یہاں صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہو کہ عرفات کا استعمال بجز خاندان ابراہیم کے دنیا کے
اور کسی خاندان یا مذہب میں نتھا اور اس لئے عرفات یا جبل عرفات کے نام سے اس کا
خاص تعلق ابراہیم سے ثابت ہوتا ہے -

یہی مقام ہے جہاں حاضر ہونے کو حج کہتے ہیں ؤہان کوئی چیز نہیں ہے پہاڑ تلے کا
میدان ہو اُس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور خدا کی یاد کرتے ہیں اُسکی تسبیح کرتے ہیں اُس
قدوس کو قدوس قدوس کہکر یاد کرتے ہیں اُس حج میں صرف خطبہ پڑہا جاتا ہو جس میں
خدا کی تعریف ہوتی ہے اور خدا کے احکام سنائے جاتے ہیں ٹھیک اُسیطرح جس طرح کہ
موسیٰ نے کوہ سینا کی تلہٹی میں سنائے تھے پس غور کرنا چاہیئے کہ اس رسم کی اصلیت بت پرستی
سے پائی جاتی ہے یا خاص ابراہیم سے -

منا کا مقام صرف قربانی کے لئے ہو وہاں بجز قربانی کے اور کوئی رسم نہیں ہوتی -
تمام توریت قربانی کی رسم سے بھری پڑی ہو جہاں بیت اللہ بنایا تھا وہاں قربانی ہوتی
تھی اور اسی قربانی کے سبب سے بیت اللہ مذبح کے نام سے پکارا جاتا تھا منا اور خانہ کعبہ
نہایت قریب ہو اور اسلیئے قربانی نذر کرنے کے لیئے وہ مقام قرار دیا گیا تھا - ہاں ابراہیم
اور یعقوب و اسحاق و موسیٰ اور داؤد اور سلیمان کی قربانی اور مذہب اسلام کی قربانی میں
یہ فرق ہے کہ اُس قربانی میں جانور کو مار کر اُسکی لاش کو آگ میں جلا دیتے تھے اس خیال سے
کہ خدا کو اسکی خوشبو یعنی چراند پسند آتی تھی مذہب اسلام میں وہ قربانی غریب محتاج لوگوں کو
تقسیم کیجاتی ہے تاکہ وہ بھوک کی سختی سے محفوظ رہیں پس اگر اسی امر کے سبب
سر ولیم میور نے منا کے رسومات کو بُت پرستی کی رسم تصور کیا ہے تو کچھ افسوس کی

بات نہیں ہے کیونکہ ہر ذی عقل اُس پہلی قربانی سے اس پچھلی قربانی کو نہایت عمدہ اور بہتر سمجھتا ہوگا (اس امر کی تحقیق کہ مذہب اسلام میں قربانی کیا چیز ہے ہم جداگانہ لکھیں گے۔

کسی مُلک کو مذہب اسلام نے مقدس نہیں ٹھہرایا بلکہ مقدس جگہ کو جو خاص خدا کی پرستش کو مقدس ہاتھوں سے بنائی گئی تھی مقدس ٹھہرایا ہے یہ بھی ابراہیم ہی کا طریقہ تھا اور برابر اوسکی اولاد میں چلا آتا تھا جہاں وہ خانہ خدا یا مذبح بناتے تھے اُسکو مقدس ٹھہراتے تھے موسیٰ کو خدا نے کہا کہ سینا پہاڑ کے لئے حد ٹھہرا اور اُسکو مقدس کر (کتاب خروج باب ۱۹ ورس ۲۳) وہ کون تھا (یعنی خدا) جسنے کہا کہ مقام مقدس مرا احترام نمائید (سفر لویان باب ۲۶ ورس ۲) اسی طرح بیت المقدس کو مقدس ٹھہرایا خانہ کعبہ کے لیئے بھی جب سے وہ بنا ایک حد ٹھہرائی گئی جو حرم کہلاتی ہے اور اُس کو اُس مقدس نام کے ادب کے لیئے جسکی نام پر وہ پاک جگہ بنائی گئی مقدس ٹھہرایا تھا یہ بھی ایک نہایت عمدہ ثبوت اس بات کا ہی کہ بیت اللہ کو اور حرم کو مقدس ٹھہرانا خاص ابراہیم سے تعلق رکھتا ہے نہ بُت پرستوں کی رسم سے۔

ہاں سر ولیم میور کی ایک بات کو میں تسلیم کرونگا کہ رجب اور ذیقعدہ اور ذیحجہ اور محرم کے چار مہینوں کا مقدس ٹھہرانا زمانۂ جاہلیت کی رسم تھی اُن کو مقدس اس مراد سے ٹھہرایا تھا کہ اُن مہینوں میں زمانۂ جاہلیت کے عرب لڑائی نہیں لڑتے تھے۔

عرب کی قومیں نہایت مفسد اور خانہ جنگ تھیں برسوں تک آپس میں لڑائی جاری رہتی تھی اور اُن چار مہینوں میں عام قوموں کو مکہ میں آنا اور حج کرنا اور کعبہ کے بُتوں کو پوجنا ہوتا تھا پس اُن سب قوموں نے آپس میں عہد کرلیا تھا کہ ان دنوں میں لڑائی موقوف رہیگی پس یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے ان مہینوں کا اشہر حرم نام رکھا تھا مگر سر ولیم میور نے جو غلطی کی ہے وہ یہہ ہے کہ مذہب اسلام نے بھی اُن کو مقدس مانا ہے حالانکہ

مذہب اسلام نے انکی تقدیس کو رد کر دیا ہے اور کوئی مہینا مسلمانی مذہب میں مقدس نہیں رہا ہے اسلام نے کہا کہ چار مہینے جو مقدس ٹھہرائے گئے ہیں اُنمیں تم لڑائی کی ابتدا مت کرو لیکن اگر کافر لڑیں تو لڑو۔

خدا تعالیٰ سورہ توبہ میں فرماتا ہے کہ گنتی مہینوں کی اللہ کے نزدیک برس کے بارہ مہینے ہیں خدا کے مقرر کئے ہوئے حکم میں جب سے کہ آسمان و زمین پیدا کیا (یعنی لوند کے مہینہ کا اُس میں حساب نہیں ہے) اُنہی میں سے چار مہینے وہ ہیں جن کو اہل عرب شہر حرم کہتے ہیں۔ یہی ٹھیک حساب ہے اب خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن چار مہینوں پر کچھ حصر نہیں ہے بلکہ تم اُن بارہ کے بارہ مہینوں میں آپس میں لڑو اور تمام کافروں سے لڑو جس طرح کہ وہ تم سے لڑیں۔ پس یہ آیت اسبات کی دلیل ہے کہ مذہب اسلام میں اشہر حرم نہیں مانے جاتے بلکہ بارہ کے بارہ مہینے ایک سے ہیں۔

ان عدۃ الشہور عند اللہ اثنا عشر شہرًا فی کتاب اللہ یوم خلق السموٰت والارض منہا اربعۃ حرم ذلک الدین القیم فلا تظلموا فیہن انفسکم وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ (سورۃ توبہ)

ضمیر فیہن کی اثنا عشر شہرًا کی طرف راجع ہے نہ اربعۃ کیطرف۔

سوم وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے خاص طریقے سیبین ازم اور بت پرستی اور پتھر کی پرستش تھی اور ان سب کو مکّہ کے مذہب سے بڑا تعلق تھا"۔

ہمکو اس بات کے قبول کرنے میں کچھ تامل نہیں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو طریقے مکّہ میں جاری تھے اُن میں بہت کچھ رسومات بت پرستی کی شامل ہو گئی تھیں۔ سیبین ازم یعنی صابئین کا مذہب بھی اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہا تھا اُس میں ہزاروں باتیں کفر و شرک اور کواکب کی پرستش کی داخل ہو گئی تھیں اور وہ بگڑا ہوا مذہب اور بت پرستی آپس میں مل کر

زمانہ جاہلیت میں اُسنے نہایت عجیب صورت پیدا کی تھی۔ مگر جو خاص باتیں ابراہیم کے
مذہب کی اُنمیں پائی جاتی تھیں اُنکو بھی سر ولیم میور بُت پرستی سے منسوب فرماتے ہیں۔
یہی اُن کی غلطی ہے۔ خانہ کعبہ کو اور ابراہیمی اور اسمعیلی نماز کے طریقہ کو جسکو اب طواف کعبہ
کہتے ہیں (اور جسکی اصل ہم بیان کرینگے) سیبین ازم یا بُت پرستی سے کچھ تعلق نہ تھا۔
پتھر یا حجر اسود کی پرستش جسکو سر ولیم میور خاص عرب کا دستور بیان کرتے ہین (اگر در حقیقت
وہ پتھر کی پرستش ہی ہو) خاص ابراہیم کا طریقہ تھا جیسا کہ ہم ابھی ثابت کرتے ہین۔ یہ طریقہ
خاص ابراہیم سے پیدا ہوا اور یعقوب و اسحق اور اسمعیل و موسیٰ نے اُسکی پیروی کی جو بن گھڑے
اور ننگے پتھرون کو ستون کی مانند کھڑا کرتے تھے اور اُن پر تیل چڑھاتے تھے۔ خواہ یون کہو
کہ مہادیو کی پنڈی کی طرح اُن پتھروں کی پرستش کرتے تھے۔ غرضکہ جو کچھ اُنکی نسبت کہو ہم تسلیم
کرلیں گے مگر یہ بات کہ وہ طریقہ ابراہیمی نہ تھا بلکہ خاص عرب کے بُت پرستوں کا طریقہ تھا
جیسا کہ سر ولیم میور بیان کرتے ہیں تسلیم نہین ہوسکتا کیونکہ اسکی غلطی علانیہ ثابت ہے۔

ان تمام قابل افسوس قیاسات اور فرضی قصوں کے بعد سر ولیم میور نے مکّہ کی ابتدا
اور مکّہ کے مذہب کی ایک فرضی تاریخ بیان کی ہے اور ہر ایک بات کو بلا دلیل اور بغیر ثبوت
کے فرض کرلینے کے بعد سر ولیم میور بالطبع (جو درحقیقت ایسا ہی ہونا ضرور تھا) اپنے عالی
دماغ اور تر و تازہ موج زن ذہن کے ایجادات کو عرب کی واقعی تاریخ سے مطابق کرنا ناممکن
پاتے ہین مگر جس طرح کہ سر ولیم میور کا خیال بہت بلند اور فکر بہت تیز ہے اُسکی بہ نسبت اُنکی
قلم تیز رفتار کی جولانی بھی کچھ کم نہیں ہے۔ بس وہ ایک لمحہ میں اپنے خیال کو جولانی دیکر اپنے
قلم کے چند اشاروں سے تمام ناممکن باتوں پر غالب آتے ہین۔ مگر جو کہ اُن کے قلم سے نکلی
ہوئی وہ باتین نہ تواریخی واقعات ہین اور نہ عرب کی مختص المقام روایتین اور نہ کتاب مقدس

کی سچی باتین بلکہ صرف سر ولیم میور کے عجیب و غریب کام کرنے والے خیال کی ایجاد ہین ہیں۔ اور کسی قسم کی معتبر سند اور ہر ایک قسم کی تائید اور تصدیق سے مبرا ہیں اس وجہ سے ہم اُن کو اپنے اس خطبہ میں ذکر کرنا محض بیفائدہ سمجھتے ہیں۔

تعمیر ابراہیم

پُرانی باتوں کے ساتھ ہمیشہ قصے و کہانیاں لوگ ملا دیتے ہیں اُنکو مقدس و متبرک بنانے کو ایسے ایسے واقعات اُنکے ساتھ منسوب کرتے ہیں جنکی کچھ بھی اصل نہیں ہوتی مذہب اسلام میں بھی لوگوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ مکہ کی نسبت جو حالات روایتوں میں مذکور ہیں اُنکا بھی یہی حال ہے قرآن مجید میں بہت تھوڑے لفظ ہیں اور نہایت مختصر اُنکا مطلب ہے کہ ابراہیم نے خدا کی عبادت کے لیے مسجد بنائی اور خدا سے دُعا کی کہ تو اُسکو اپنے مبارک نام پر قبول کر۔ مگر مورخین نے اُسپر وہ حاشیے چڑھائے اور وہ واقعات لگائے کہ نعوذ باللہ خدا کو بھی معلوم نہ تھے۔ پس ایک منصف شخص کا یہ کام نہیں ہے کہ اُن جھوٹی باتوں کو جنکو ہم خود جھوٹا کہتے ہیں مذہب اسلام قرار دے اور پھر اُسپر اعتراضات کی بنا قائم کرے کیونکہ وہ تو بناے فاسد علی الفاسد ہے اور نہ اُس شخص کو جسکے دل میں اسلام کی جانب سے کچھہ شبہہ پیدا ہو یہ مناسب ہے کہ اُن جھوٹی روایتوں سے ڈگمگاوے کیونکہ وہ تو خود جھوٹی ہیں مگر جو واقعات کہ مبالغہ آمیز تقدس کے ساتھ بیان ہوتے ہیں اُن میں اصلی واقعات بھی شامل ہوتے ہیں اسلیئے ہر عقلمند و منصف کو لازم ہے کہ اُن اصلی واقعات کو اُن جھوٹی باتوں سے تا المقدور چھانٹ لے اور پھر اُسپر جو وہ چاہے اپنی راے قائم کرے۔

تمام روایتین جو مکہ کی نسبت کتابوں میں مندرج ہیں سب کی سب نا معتبر و غیر مستند

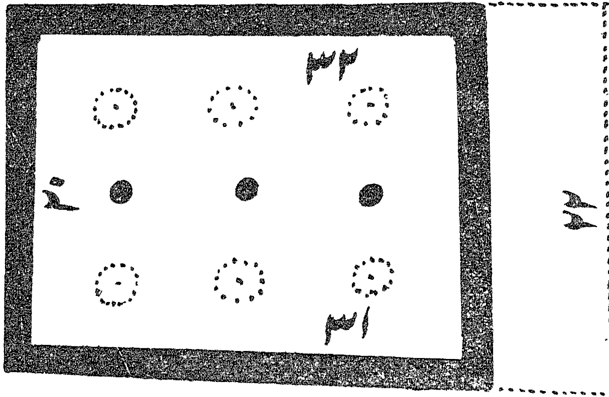
ومشتبہ ہیں اور اُن میں سچی اصلی بات کے ساتھ بہت کچھ جھوٹ اور قصے و کہانیاں شامل کر دیے ہیں - مگر جسقدر کہ سچ ہے وہ اُن سے بخوبی ممیز ہو سکتا ہے - چنانچہ ہم اس خطبہ میں بیان اُسیقدر تحریر پر اکتفا کریں گے جسقدر کہ ہمارے نزدیک سچ ہے -

حضرت ابراہیم نے بیت اللہ بنانے کو پہاڑ کی گھاٹی مین جہاں اس قسم کی عمارتیں بنانیکو بالطبع جگہ پسند کیجاتی ہے جگہ پسند کی اور زیادہ تر پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ چشمہ زمزم کے نہایت قریب تھی وہاں اُنہوں نے حضرت اسمعیل کی شرکت سے کعبہ یعنی مسجد بنائی کتابوں میں اُسکا ارتفاع نو گز اور ایک طرف کا عرض بیس اور ایک طرف کا بائیس اور ایک طرف کا طول اکتیس اور ایک طرف کا بتیس لکھا ہے اگرچہ یہ پیمایش صحیح ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نیک زمانہ میں پیمایش کے آلات نہ تھے اور قائمے زاویے نہیں نکل سکتے تھے غالبًا اسی وجہ سے ہر مقابل کے ضلعے مساوی نہیں بن سکے -

فبنا البیت وجعل طوله فی السماء تسعة اذرع وعرضه فی الارض اثنین وثلاثین ذراعا من الرکن الاسود الی الرکن الشامی الذی عند الحجر من وجهه وجعل عرض ما بین الرکن الشامی الی الرکن الغربی الذی فیه الحجر اثنین وعشرین ذراعا وجعل طول ظهرها من الرکن الغربی الی الرکن الیمانی احد وثلاثین ذراعا وجعل عرض شقها الیمانی من الرکن الاسود الی الرکن الیمانی عشرین ذراعا - (کتاب اخبار مکہ ازرقی صفحہ ۳۱)

جو پیمایش کہ مذکور ہوئی ہے اسکے مطابق ہم اس مقام پر نقشہ کعبہ کا ثبت کرتے ہیں جس سے اوسکی قطع بخوبی معلوم ہوگی - دایین طرف جو حصہ نقطوں سے گھرا ہوا ہے حضرت ابراہیم کے وقت میں وہ بھی کعبہ میں داخل تھا - قریش نے تعمیر کے وقت اُسقدر چھوڑ دیا تھا کعبہ کے اندر جو چھ نقطہ وار نشان ہیں وہ اُن ستونوں کے ہیں جو قریش نے

بناتے تھے۔ وہ اب نہیں ہیں بعوض اُسکے عبداللہ ابن زبیر نے تین ستون بنائے ہیں
جنکے سیاہ نشان بیچ میں بنے ہوئے ہیں۔ غرضکہ جسقدر سیاہ سیاہ ہی وہ اب موجود کعبہ ہے



تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانہ میں صرف دیواریں ہی دیواریں تھیں
چھت نہیں تھی اور دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا اور اُس میں نہ کواڑ چڑھے تھے نہ کُنڈی
لگی تھی اور بلاشبہ اُس زمانہ کی حالت ایسی تھی کہ اُس سے زیادہ تعمیر مکان میں گو وہ خدا
ہی کا گھر بنایا گیا ہو اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس عمارت کے ایک بیرونی گوشہ پر طواف
کے شمار کرنے کو جس سے اُسکی ابتدا اور انتہا معلوم ہوسکے ایک لمبا پتھر لگا دیا جو حجر اسود کے
نام سے مشہور ہے۔ اور جسکی قیاس کرنے کی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ پتھر غالباً اُسی قسم کا
پتھر ہے جیساکہ ابراہیم خدا کی عبادت کے لئے کھڑا کر لیا کرتے تھے جسکو مذبح یا قربانی گاہ
یا آلٹر کہتے ہیں۔ اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں کھودا تھا جسکو خزانہ کعبہ کہتے تھے اور
جو کچھ نذر و نیاز کعبہ میں آتی تھی وہ اُس میں رکھدیتے تھے تاکہ چوری سے محفوظ رہے۔

تعمیر بنی جرہم

کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت اسمٰعیل اُسکے محافظ رہے جب اُن کا انتقال ہوا تو بنی جرہم کو

اس مین مداخلت ہوئی کیونکہ وہ ان کے قریب رشتہ دار تھے اور بنی اسمعیل کے خیر خواہ و محافظ تھے - مضاض ابن عمر جرہمی جو نانا اسمعیل کے بیٹے کا تھا اس نے اپنے ہاتھ میں سب اختیار لے لیا بنی جرہم کے اختیار کے زمانہ میں پہاڑی نالہ آیا اور کعبہ مین پانی چڑھ گیا اور کعبہ ڈھے گیا جس کو بنی جرہم نے انہیں بنیادوں پر جو ابراہیم نے بنائی تھیں اور اسی صورت پر پھر بنا لیا اس کی بلندی زمین سے نو ذرعہ تھی -

قالوا وتوفی اسمعیل ودفن فی الحجر وکانت امه قد دفنت فی الحجر ایضا وترک ولده امن عاتبه ابنة مضاض ابن عمرو الجرهمی فقام مضاض بامر ولد اسمعیل وکلفهم لاهم بنو بنته فلم یزل امر جرهم یعظم بمکة ویستفحل حتی ولوا البیت وکانوا ولاته وحجابه وولاة الاحکام بمکة فجاء السیل فدخل البیت فانهدم فاعادته جرهم علی بناء ابراهیم وکان طوله فی السماء تسعة اذرع (کتاب اخبار مکة صفحہ ۴۸)

ہمکو کسی تاریخ سے اس تعمیر کا زمانہ نہیں معلوم ہوا اور اسی سبب سے ہم کوئی زمانہ اسکی تعمیر کا قرار نہیں دے سکتے -

تعمیر عمالیق

عرب میں جو لوگ آباد ہوئے وہ تین ناموں سے مشہور ہیں - ایک عرب البائدہ - ایک عرب العاربہ - اور ایک عرب المستعربہ - عرب البائدہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جن میں عاد و ثمود اور جرہم الاولی اور عمالیق اولی تھے - وہ قومیں برباد ہو گئیں اور تاریخ کی کتابوں میں ان کا بہت کم حال ملتا ہے اور یہ سب قومیں ابراہیم سے اور بناء کعبہ سے پہلے تھیں -

عرب العاربہ کی وہ قومیں ہیں جنکی نسل یقطان یا قحطان سے چلی ہے اور تمام قبائل عرب اسی نسل میں ہیں - حمیر بھی انہیں کا ایک قبیلہ ہے اور بنی حمیر میں بھی ایک قبیلہ

عمالیق کے نام سے تھا جو مکہ میں بستا تھا۔ اس پچھلی قوم نے بنی جرہم پر غلبہ پالیا تھا اور کعبہ کی مختار ہوگئی تھی اُس زمانہ میں اس قوم عمالیق ثانی نے کعبہ کو پھر بنایا جو غالباً پہاڑوں کے نالے چڑھ آنے سے ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔

بعض مورخوں نے ان دونوں قوموں میں تمیز نہیں کی اور عرب البائدہ میں جو قوم عمالیق تھی اُس کی نسبت تعمیر کعبہ کو خیال کیا اور جوکہ وہ قوم بنی جرہم سے پہلے تھی اس لیئے لکھدیا کہ عمالیق نے قبل بنی جرہم کے تعمیر کعبہ کی تھی حالانکہ اُس زمانہ میں نہ ابراہیم تھے نہ کعبہ تھا۔

مورخوں کی اس غلطی میں پڑنے کا سبب اُن کا ایک اور غلط خیال بھی ہے۔ مسلمانوں میں بہت سی ایسی روایتیں جو دیو و پری کے قصے سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں موجود ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ کعبہ پہلے عرش کے نیچے چار ستون کے چھپر کی طرح بنایا گیا تھا۔ اُسکے ستون زبرجد کے تھے اور یاقوتِ احمر کی پچی کاری سے ڈھنکے ہوئے تھے اُس گھر کا نام بیت المعمور ہوا پھر خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین پر اسی کے مقابل اتنا ہی بڑا اور اسی شکل کا گھر بناؤ اُنہوں نے بنایا اور وہ اُس جگہ بنایا تھا جہاں اب کعبہ ہے مگر افسوس ہے کہ وہ فرشتے اچھے انجینیر نہ تھے حضرت آدم کے پیدا ہوتے ہوتے وہ گھر نہ رہا تھا کہ حضرت آدم کو پھر بنانا پڑا مگر نوح کے طوفان نے پھر اُسکو ڈھادیا تب نوح نے بنایا پھر اسی طرح ٹوٹتا ڈھتا رہا۔ یہ سب جھوٹی روایتیں قرآن مجید کے ایک لفظ "عتیق" کی بنا پر بنالی گئی ہیں جن میں سے ایک جگہ کی بھی کچھ اصل نہیں ہے۔ اسی قسم کی جھوٹی روایتیں ہیں جنھوں نے اسلام کی سچائی کو چھپادیا اور ہر سمجھدار کے دل میں جب وہ غور کرتا ہے اسلام کی طرف سے شبہ ڈالدیا ہے مگر اُنکو سمجھنا چاہیئے

کہ اسلام مشتبہ نہیں ہے بلکہ اس قسم کی روایتیں مشتبہ اور جھوٹی ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ بہت سے سادہ لوح مسلمان اور ناداں مورخ ان روایتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جبکہ اُنہوں نے قدامت مکہ ایسی پرانی فرض کرلی جو آدم سے بھی پرانی ہے تو اب اُن کو اس بات کے کہنے میں کہ جرہم سے پہلے عمالیق نے تعمیر کی تھی کچھ باک نہیں رہا۔

ایک فرانسیسی مورخ نے اپنی کتاب موسومہ "ڈای کراٹیکن ڈراسیٹ مکہ" میں حضرت علی کی روایت سے لکھا ہے کہ پہلے بنی جرہم نے اور اُسکے بعد عمالیق نے (یعنی عمالیق ثانی نے) کعبہ کی تعمیر کی۔

عمالیق ثانی کے تعمیر کا زمانہ بھی نہیں معلوم ہوسکتا لیکن اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی سے ایک صدی پیشتر وہ لوگ مکہ پر قابض تھے اسلیئے کہ جذیمہ پادشاہ دوم خاندان حیرہ کی ایک نہایت سخت لڑائی عمالیق سے ہوئی تھی جس میں عمالیقوں نے شکست فاش پائی تھی اور یہ واقعہ سنہ عیسوی سے تخمیناً سو برس پیشتر ہوا تھا۔

تعمیر قصی

ایک مدت بعد پھر کعبہ میں کچھ نقصان آگیا اور بجز اُس کے کہ سیلاب سے نقصان پھونچا ہو جو اب بھی کبھی آجاتا ہے اور کوئی سبب نقصان کا معلوم نہیں ہوتا۔ اُس وقت قصی ابن کلاب نے اُسکو بنایا۔ اگرچہ اس تعمیر کا زمانہ بھی ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم ہے مگر جو کہ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ قصی چھ پشت پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھا اس لیئے غالباً یہہ تعمیر دو سو برس پیشتر آنحضرت صلعم کی ولادت سے ہوئی تھی۔

تعمیر قریش

رسول خدا صلعم پیدا ہو چکے تھے اور آپ کا سن شریف تخمیناً بارہ چودہ برس کا ہوگا یعنی

فلما احترقت الکعبة توهنت
جدرانها من کل جانب و تصدعت
وکانت الخوف والاربعة مظلة
والسیول متواترة و لمکة
سیول عوارم فجاء سیل عظیم
علی تلك الحال فدخل الکعبة
وصدع جدرانها واخافهم
ففزعت من ذلك قریش
فزعاً شدیداً وهابوا
هدمها وخشوا ان مسوها
ان ینزل علیهم العذاب
(کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۷)
فبیناهم علی ذلك ینظرون
ویتشاورون اذا اقبلت سفینة
الروم حتی اذا کانت بالشعیبة
وهی یومئذ ساحل مکة قبل جدة
انکسرت فسمعت بها قریش

تیسری دھائی یا قبل سال انتہائے نبوت میں کعبہ
کے غلاف میں آگ لگی اور کعبہ کی دیواریں
آتش زدگی کے سبب بودی ہوگئیں اور کہیں
جگہہ سے پھٹ بھی گئیں - اسی عرصہ میں پہاڑی
نالوں کی جنھیں عرب سیل عوارم کہتے ہیں
کثرت ہوئی اور ایک نالہ نہایت زور و شور سے
آیا اور خانہ خدا پانی سے بھر گیا اور دیواریں
پھٹ گئیں اور گرنے کو ہوئیں تب قریش نے
اُس کے بنانے کی فکر کی -

معلوم ہوتا ہے کہ قریش فن تعمیر عمارت سے
بہت کم واقف تھے اور وہ اس فکر میں تھے کہ
اُسکو کون بناوے اور کیونکر بنا دیں - اس درمیان
میں رومیوں کا جو اُس زمانہ میں عیسائی اور
رومن کیتھلک مذہب کے تھے ایک جہاز بندرگاہ
مکہ میں آیا اُس زمانہ میں جدہ بندرگاہ نہ تھا
بلکہ شعیب بندرگاہ تھا اور وہاں وہ جہاز ٹوٹ گیا
جب قریش نے یہ بات سنی تو وہاں گئے اور اُس کی

فرکبوا الیہا فاشتروا خشبہا واذنوا
لاھلہا ان یدخلوا مکۃ فیبیعون ما معہم
من متاعہم ان لا یعشروھم ....
فکان فی السفینۃ رومی نجار بناء
یسمی باقوم فلما قدموا بالخشب مکۃ
قالوا لو بنینا بیت ربنا فاجمعوا لذلک
وتعاونوا علیہ وترافدوا فی النفقۃ
(کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۷)
فنقلوا الحجارۃ و رسول اللہ یومئذ
غلام لم ینزل علیہ الوحی ینقل معہم
الحجارۃ علی رقبتہ (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۷)
فلما اجتمع لہم ما یریدون من الحجارۃ والخشب
وما یحتاجون الیہ عدوا الی ھدمھا ..
فھابت قریش ھدمہ وقالوا من یبدأ
فیھدمہ فقال الولید بن المغیرۃ انا
ابدءکم فی ھدمہ انا شیخ کبیر فان
اصابنی امر کان قد دنا اجلی وان کان
غیر ذلک لم یرزانی فعلا البیت
وفی یدہ عتلۃ یھدمہ بہا

لکڑی مول لیلی اور جہاز والوں کی خاطر داری کی
اور کہا کہ تم مکہ میں آؤ اور اپنا اسباب بیچ لو ہم تم سے
محصول بھی نہیں لینے کے - اُس جہاز میں ایک
عیسائی رومن کیتھلک انجنیر بھی تھا اور باقوم اُسکا
نام تھا اس سے خواہش کی کہ وہ خدا کے گھر کو
بناوے - پس لوگوں نے اُس کام میں مدد کی
اور اخراجات جمع کرنے کی تدبیر شروع کی -
سب لوگ ملکر پتھر ڈھوتے تھے اور رسول خدا صلعم
کی اُس زمانہ میں اگرچہ تھوڑی عمر تھی مگر آنحضرت
بھی پتھر ڈھونے میں شریک تھے -
جبکہ پتھر و لکڑی سب جمع ہو گئی تو اُنہوں نے
کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کیا مگر سب وہم و وسواس
میں گرفتار تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر ڈھا دینگے تو
خدا جانے کیا آفت آویگی - ولید ابن مغیرہ نے
اپنا دل کڑا کیا اور کہا میں ڈھانا شروع کرتا
ہوں - میں بڈھا تو ہو ہی لیا ہوں اگر کچھ آفت
آویگی تو مرنے کو تو ہو ہی رہا ہوں - چنانچہ
ولید ابن مغیرہ کعبہ کی دیوار پر چڑھا اور کُدال سے
ڈھانا شروع کیا پھر سب ڈھانے لگے اور

فهدمت قريش معه حتى بلغوا الاساس
الاول الذى رفع عليه ابرهيم واسمعيل
القواعد من البيت (كتاب اخبار مكه
صفحه ۱۰۸ و ۱۰۹)
فلما اجمعوا ما اخرجوا من النفقة قلت
النفقة ان تبلغ لهم عمارة البيت كله
فتشاوروا فى ذلك فاجمع رايهم على
ان يقصروا عن القواعد ويحجروا ما
يقدرون عليه من بناء البيت ويتركوا
بقيته فى الحجر عليه جدار مدار يطوف
الناس من وراءه ففعلوا ذلك وبنوا
فى بطن الكعبة اساسا يبنون عليه من
شق الحجر وتركوا من وراءه من بناء البيت فى
الحجر ستة اذرع وشبرا فبنوا على ذلك (كتاب اخبار مكه)
فلما وضعوا ايديهم فى بناءها قالوا ارفعوا
بابها من الارض واكبسوها حتى لا تدخلها
السيول ولا ترقا الا بسلم ولا يدخلها الا
من اردتم ان كرهتم احدا دفعتموه
ففعلوا ذلك (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۰۹)

نیاد تک جس پر سے حضرت ابراہیم نے چنائی
شروع کی تھی برابر کردیا جب ڈھا چکے تو معلوم
ہوا کہ جو کچھ سامان اُنہوں نے جمع کیا ہے وہ
اس سب کے بنانے کو کافی نہیں ہے۔ قریش
نے کعبہ کی عمارت کو بہ نسبت سابق کے دو چند
مرتفع بنایا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
پتھر و مصالح وغیرہ کی کچھ کمی نہ تھی غالباً
لکڑی اس قدر نہ تھی جس سے کُل کعبہ کی
چھت بن سکے اسلئے اُنہوں نے اُس کو
چھوٹا کر کے بنایا چھ درعہ اور ایک بالشت
زمین حجر کی طرف چھوڑ دی اور اُس طرف
عرض میں ایک جدید بنیاد کھود کر دیوار چُن لی
جو اب ہمارے نقشہ میں سیاہ بنی ہوئی ہے
اُنہوں نے کعبہ کو چار درعہ اور ایک بالشت
کرسی دیدی اور اُس قدر کرسی پر دروازہ بنایا
تاکہ نالے کا پانی پھر اندر نہ گھسے اور کوئی
شخص بغیر سیڑھی کے نہ چڑھ سکے اور یہ
حکمت سے جس کو چاہیں نہ جانے دیں جاہلیت
کے زمانہ میں کعبہ کے اندر جانیکو دخل کہتے ہیں

حتی انتھوا الی موضع الرکن فاختلفوا
فی وضعه وکثر الکلام فیه وتنافسوا
فی ذلك ... فقال ابو امیة بن
المغیرة یا قوم انما اردنا البر
ولم نرد الشر فلا تحاسدوا و
لا تنافسوا فانکم اذا اختلفتم
تشتت امورکم وطمع فیکم
غیرکم ولکن حکموا بینکم اول
من یطلع علیکم من هذا الفج
قالوا رضینا و سلمنا فطلع
رسول الله صلعم قالوا ھذا
الامین قد رضینا فحکموہ
فبسط رداءہ ثم وضع فیه
الرکن فدعا من کل
ربع رجلا فاخذوا باطراف
الثوب ... فرفع القوم
الرکن و قام النبی
صلعم علی الجدار ثم وضعه بیدہ
(کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰)

جب بناتے بناتے وہاں پہونچے جہاں حجر اسود لگانا
تھا تو آپس میں جھگڑا اور تکرار ہوئی - ایک قبیلہ کہتا
تھا کہ ہم کھڑا کریں گے دوسرا کہتا تھا کہ ہم کھڑا
کرینگے بڑی خیر ہوئی کہ ابو امیہ بن المغیرہ کی سمجھانے
سے سب لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو سب سے
پہلے اس رستے سے آوے وہی فیصلہ کیلئے حکم بنا جاوے
ان سب کی خوش قسمتی یہ ہوئی کہ محمد رسول اللہ صلعم سامنے
سے تشریف لائے اگرچہ حضرت کی عمر چھوٹی تھی مگر
سب آمین آمین کہکر چلا اٹھے -
آنحضرت نے بتائید روح القدس وہ فیصلہ فرمایا
کہ سب متحیر ہو گئے آپ نے رداے مبارک بچھائی اور
حجر اسود کو اسمیں رکھا اور سب قوموں کے سرداروں کو
کہا کہ سب ملکر چادر پکڑ کر اٹھاویں اور وہاں تک لیجلیں
جہاں لگانا ہے سب نے اسی طرح ملکر اٹھایا اور جب رکن کو
پاس لائے تو آنحضرت نے اسکو وہاں رکھدیا متقدمین و
متاخرین علماء اس واقعہ کو واقعہ قبل بعثت کہتے ہیں مگر میں ان
لفظوں سے متفق نہیں ہوں کیونکہ میرا اعتقاد یہ ہے
کہ آنحضرت صلعم وقت ولادت سے ہی مبعوث تھے
(النبی نبی ولو کان فی بطن امه)

فبنوا حتى رفعوا اربعة اذرع وشبرًا ثم كبسوها
ووضعوا بابها مرتفعا على هذا الذرع .. فقال لهم
يا قوم الرومي أتحبون ان تجعلوا سقفها مكبسا
او مسطحا فقالوا بل ابن بيت ربنا مسطحا قال
فبنوه مسطحا وجعلوا فيه ست دعائم في صفين
في كل صف ثلاث دعائم .. وجعلوا ارتفاعها
من خارجها من الارض الى اعلاها ثمانية عشر
ذراعا وكانت قبل ذلك تسعة اذرع فزادت
قريش في ارتفاعها في السماء تسعة اذرع اخر
وجعلوا ميزابها يسكب في الحجر وجعلوا درجا من
خشب في بطنها في الركن الشامي يصعد منها الى
ظهرها (كتاب اخبار مكه صفحه ١١٠)

جبکہ یہ تنازع رفع ہوگیا تو تعمیر شروع ہوئی جتنا کہ کعبہ پہلے زمین سے بلند تھا قریش نے اوس سے دوگنا بلند کردیا یعنی زمین سے اٹھارہ درعا اور پہلے صرف نوہی درعہ تھا جب دیواریں بن چکیں تو باقوم نے پوچھا کہ اسکی چھت کیسی بناؤں۔ بنگلہ نما یا چورس سب نے کہا کہ ہمارے خدا کے گھر کی چھت چورس بناؤ تب باقوم نے اسکی عوض میں چھ ستون کھڑے کیے اور چورس چھت بنا دی غالبًا اسقدر لمبی لکڑی نہیں تھی کہ پورا شہتیر پڑ جاتا اسی سبب سے بیچ میں ستون بنانیکی ضرورت ہوئی اور شاید اسی وجہ سے باقوم نے بنگلہ نما بنانی چاہی ہوگی تا کہ قینچی پڑ جاوے اور بیچ میں ستون بنانے نہ پڑیں۔ اسکی چھت کا پرنالا اسجگہ میں ڈالا جو چھوڑ دی گئی تھی اور کعبہ کے اندر ایک کاٹھ کی سیڑھی چھت تک بنائی اور چھت میں یک روشندان تھا جس سے کعبہ کے اندر اوجالا بھی رہے اور اس میں سے جب ضرورت ہو کعبہ کی چھت پر چڑھ جاویں۔

تعمیر عبداللہ ابن زبیر

معاویہ ابن ابی سفیان کے بعد جب یزید نے اپنے تئیں اپنے باپ کا جانشین کیا تو عبداللہ ابن زبیر نے اس سے بیعت میں یعنی اسکو خلیفہ تسلیم کرنے میں تامل کیا۔ اسپر حصین ابن نمیر یزید کیطرف سے فوج لیکر مکہ پر چڑھ گیا اور کئی دن تک عبداللہ ابن زبیر سے لڑائی ہوتی رہی۔ عبداللہ ابن زبیر کے سب لوگ کعبہ کے گرد خیموں میں پڑے ہوئے تھے اور حصین بن نمیر ابوقبیس پہاڑ پر سے گوپھن میں پتھر مارتا تھا اور غلاف کعبہ اوس کے صدمہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا اتفاق سے ایک خیمہ میں آگ

لگ گئی ہوا تیز چل رہی تھی کعبہ میں بھی جا لگی اور تمام کعبہ جل گیا۔ اُسکی دیواروں میں کاٹھ
لگا ہوا تھا اُسکے جلنے سے تمام دیواروں کے پتھر ایسے ہوگئے کہ کبوتر کے بیٹھنے سے
بھی گر پڑتے تھے اور کئی جگہ سے دیواریں شق ہوگئیں۔ یہ واقعہ تیسری ربیع الاول سنہ ۶۴ھ
کو ہوا اسکے دس گیارہ دن کے بعد یزید مر گیا۔ جب یہ خبر مکّہ میں پہونچی تو ابن زبیر نے حصین بن
نمیر سے کہا کہ دیکھو کعبہ بھی جل گیا امیر بھی مر گیا پھر ہم سے کیوں لڑتے ہو کیا معلوم کہ
نیا خلیفہ کیا کریگا اسپر حصین بن نمیر معہ اپنے لشکر کے پانچویں ربیع الثانی سنہ ۶۴ ہجری کو
مکہ سے شام کو چلا گیا تب ابن زبیر نے مکّہ کے ذی وجاہت اور شریف لوگوں کو
بلایا اور کعبہ کے ڈھانے میں مشورہ کیا۔
بہت وہمی اور وسواسی باتیں جو ایسے موقع
پر ہوتی ہیں ہوئیں آخر کار ابن زبیر نے کعبہ کے
ڈھانے کا حکم دیا مگر کسیکو ڈھانا شروع کرنے کی
بوجہ توہم و وسواس وخوف کے جرأت نہوئی
تو خود ابن زبیر کدال لیکر چڑھ گئے اور ڈھانا
شروع کردیا۔
جب لوگوں نے دیکھا کہ ابن زبیر پر کچھ آفت
نہیں پڑی تو اوروں کو بھی جرأت ہوئی۔
اور سب چڑھ گئے اور ڈھانے لگے جمادی
الاول سنہ ۶۴ ہجری تک سب کعبہ ڈھا دیا گیا
مگر ابن عباس اپنے خوف یا وہم یا کعبہ کا

فلما ادبر جيش حصين ابن نمير وكان خروجه
من مكة لخمس ليال خلون من ربيع الآخر
سنة اربع وستين دعا ابن الزبير
وجوه الناس واشرافهم وشاورهم
في هدم الكعبة (كتاب اخبار مكة صفحه ۱۴۰)
فامر ابن الزبير بهدمها فما اجترء احد
على ذلك فلما راى ذلك علاها هو بنفسه
ياخذ المعول وجعل يهدمها ويرمي
بحجارتها فلما راءوه انه لم يصبه شيء اجترءوا
فصعدوا يهدمونها (كتاب اخبار مكة صفحه ۱۴۱)
وكان هدمها يوم السبت نصف من جمادى
الآخرة سنة اربع وستين ولم يقرب

ابن عباس مكة حين هدمت الكعبة حتى فرغ
منها وارسل الى ابن الزبير لا تدع الناس
بغير قبلة انصب لهم حول الكعبة الخشب
واجعل عليها الستور حتى يطوف الناس من
ورائها ويصلون اليها ففعل ذلك ابن الزبير
(كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۲)
فلما هدم ابن الزبير الكعبة وسواها بالارض
كشف عن اساس ابراهيم فوجده داخلا
في الحجر نحوا من ستة اذرع وشبر (كتاب
اخبار مكه صفحه ۱۴۲)
ثم وضع البناء على ذلك الاساس ووضع
حذاء الباب باب الكعبة على مدماك
على الشاذروان اللاصق بالارض وجعل
الباب الآخر بازاءه في ظهر الكعبة مقابلته
(كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۳)
قالوا وكانت الكعبة يوم هدمها ابن الزبير
ثمانية عشر ذراعا في السماء فلما ان بلغ ابن
الزبير بالبناء ثمانية عشر ذراعا قصرت
بحال الزيادة التي زاده من الحجر فيها

منہدم کرنا خلاف طبع ہونے کے سبب مکہ میں
نہ آئے ابن زبیر نے بموجب فہمائش ابن عباس کے
کعبہ کے چاروں طرف تختہ بطور دیوار کے
کھڑا کر دیا۔ اور کپڑے سے منڈھ دیا اور اندر
اندر کام ہوا کیا لوگ اس تختہ کی دیوار کے گرد
طواف کیا کئے اور نماز پڑھا کئے۔ جبکہ کعبہ بالکل
ڈھی کر زمین کے برابر ہو گیا اور حضرت ابراہیم کے
ہاتھ کی بنیاد رکھی ہوئی نکل آئی تو ضرور بالطبع
ابن زبیر کو رغبت ہوئی ہو گی کہ کل تعمیر ابراہیمی
تعمیر کی جاوے اور جسقدر کہ قریش نے بسبب نا
میسر ہونے سامان کے چھوڑ دیا تھا وہ بھی
تعمیر میں شامل کیا جاوے چنانچہ ابن زبیر نے
ایسا ہی کیا اور کل بنیاد ابراہیم پر تعمیر کعبہ شروع
ہوئی۔ ایک نہایت عمدہ تجویز جو ابن زبیر نے
کی تھی وہ یہ تھی کہ کعبہ کے دو دروازہ رکھے
جاویں ایک جانب شرق جو قدیم سے تھا
اور دوسرا جانب غرب تاکہ جو لوگ شرقی دروازہ
سے کعبہ میں داخل ہوں وہ غربی دروازہ سے
نکل جاویں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا

لگ گئی ہوا تیز چل رہی تھی کعبہ میں بھی جا لگی اور تمام کعبہ جل گیا۔ اُسکی دیواروں میں کاٹھ
لگا ہوا تھا اُسکے جلنے سے تمام دیواروں کے پتھر ایسے ہوگئے کہ کبوتر کے بیٹھنے سے
بھی گر پڑتے تھے اور کئی جگہ سے دیواریں شق ہوگئیں۔ یہ واقعہ تیسری ربیع الاول سنہ ۶۴ھ
کو ہوا اسکے دس گیارہ دن کے بعد یزید مر گیا۔ جب یہ خبر مکہ میں پہونچی تو ابن زبیر نے حصین بن
نمیر سے کہا کہ دیکھو کعبہ بھی جل گیا امیر بھی مر گیا پھر ہم سے کیوں لڑتے ہو کیا معلوم کہ
نیا خلیفہ کیا کریگا اسپر حصین بن نمیر معہ اپنے لشکر کے پانچویں ربیع الثانی سنہ ۶۴ ہجری کو
مکہ سے شام کو چلا گیا تب ابن زبیر نے مکہ کے ذی وجاہت اور شریف لوگوں کو
بلایا اور کعبہ کے ڈھانے میں مشورہ کیا۔
بہت وہمی اور وسواسی باتیں جو ایسے موقع
پر ہوتی ہیں ہوئیں آخر کار ابن زبیر نے کعبہ کے
ڈھانے کا حکم دیا مگر کسیکو ڈھانا شروع کرنے کی
بوجہ توہم و وسواس و خوف کے جرأت نہوئی
تو خود ابن زبیر کدال لیکر چڑھ گئے اور ڈھانا
شروع کردیا۔
جب لوگوں نے دیکھا کہ ابن زبیر پر کچھ آفت
نہیں پڑی تو اوروں کو بھی جرأت ہوئی۔
اور سب چڑھ گئے اور ڈھانے لگے جمادی
الاول سنہ ۶۴ ہجری تک سب کعبہ ڈھا دیا گیا
مگر ابن عباس اپنے خوف یا وہم یا کعبہ کا

فلما ادبر جيش حصين بن نمير وكان خروجه
من مكة لخمس ليال خلون من ربيع الآخر
سنة اربع وستين دعا ابن الزبير
وجوه الناس واشرافهم وشاورهم
في هدم الكعبة (كتاب اخبار مكة صفحه ۱۴۰)
فامر ابن الزبير بهدمها فما اجترء احد
على ذلك فلما رای ذلك علاها هو بنفسه
يأخذ المعول وجعل يهدمها ويرمي
بحجارتها فلما راؤه انه لم يصبه شيء اجترءوا
فصعدوا يهدمونها (كتاب اخبار مكة صفحه ۱۴۱)
وكان هدمها يوم السبت نصف من جمادى
الآخرة سنة اربع وستين ولم يقرب

ابن عباس مكة حين هدمت الكعبة حتى فرغ
منها وارسل الى ابن الزبير لا تدع الناس
بغير قبلة انصب لهم حول الكعبة الخشب
واجعل عليها الستور حتى يطوف الناس من
ورائها ويصلون اليها ففعل ذلك ابن الزبير
(كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۲)

فلما هدم ابن الزبير الكعبة وسواها بالارض
كشف عن اساس ابراهيم فوجده داخلا
في الحجر نحوا من ستة اذرع وشبر (كتاب
اخبار مكه صفحه ۱۴۲)

ثم وضع البناء على ذلك الاساس ووضع
حذاء الباب باب الكعبة على مدماك
على الشاذروان اللاصق بالارض وجعل
الباب الآخر بازاءه في ظهر الكعبة مقابلة
(كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۳)

قالوا و كانت الكعبة يوم هدمها ابن الزبير
ثمانية عشر ذراعا في السماء فلما ان بلغ ابن
الزبير بالبناء ثمانية عشر ذراعا قصرت
بحال الزيادة التي زاده من الحجر فيها

منہدم کرنا خلاف طبع ہونے کے سبب مکہ میں
نہ آئے ابن زبیر نے بموجب فہمایش ابن عباس کے
کعبہ کے چاروں طرف تختہ بطور دیوار کے
کھڑا کر دیا۔ اور کپڑے سے منڈھ دیا اور اندر
اندر کام ہوا کیا لوگ اس تختہ کی دیوار کے گرد
طواف کیا کیئے اور نماز پڑھا کیئے۔ جبکہ کعبہ بالکل
ڈھے کر زمین کے برابر ہو گیا اور حضرت ابراہیم کے
ہاتھ کی بنیاد رکھی ہوئی نکل آئی تو ضرور بالطبع
ابن زبیر کو رغبت ہوئی ہوگی کہ کل تعمیر ابراہیمی
تعمیر کی جاوے اور جسقدر کہ قریش نے بسبب نہ
میسر ہونے سامان کے چھوڑ دیا تھا وہ بھی
تعمیر میں شامل کیا جاوے چنانچہ ابن زبیر نے
ایسا ہی کیا اور کل بنیاد ابراہیم پر تعمیر کعبہ شروع
ہوئی۔ ایک نہایت عمدہ تجویز جو ابن زبیر نے
کی تھی وہ یہ تھی کہ کعبہ کے دو دروازہ رکھے
جاویں ایک جانب شرق جو قدیم سے تھا
اور دوسرا جانب غرب تاکہ جو لوگ شرقی دروازہ
سے کعبہ میں داخل ہوں وہ غربی دروازہ سے
نکل جاویں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا

واستسمج ذلك اذ صارت عريضة لاطول
لها فقال قد كانت قبل قريش تسعة اذرع
حتى زادت قريش فيها تسعة اذرع طولا
في السماء فانا ازيد تسعة اذرع اخرى فبناها
سبعة وعشرين ذراعا في السماء وهي سبعة
وعشرون مدماكا وعرض جدارها ذراعان
وجعل فيها ثلث دعائم وكانت قريش في
الجاهلية جعلت فيها ست دعائم (كتاب
اخبار مكه صفحه ۱۲۴)

امر ابن الزبير ابنه عباد بن عبد الله بن
الزبير وجبير بن شيبة بن عثمان ان
يجعلوا الركن في ثوب وقال لهم ابن الزبير
اذا دخلت في الصلوة صلوة الظهر
فاحملوه واجعلوه في موضعه فانا اطول
الصلوة فاذا فرغتم فكبروا حتى اخفف
صلوتي وكان ذلك في حر شديد فلما
اقيمت الصلوة كبر ابن الزبير وصلى بهم
ركعة خرج عباد بالركن من دار الندوة
وهو يحمله ومعه جبير بن شيبة بن عثمان

اور جو کرسی قریش نے با قوم کی صلاح سے
دی تھی وہ بھی موقوف کردی اور زمین پر
دروازوں کو قائم کیا مگر بلندی اُسکی قریش
کی بلندی سے بھی نو درعہ بڑھا دی یعنی
ستائیس درعہ کردی اور بلا شبہہ جبکہ کعبہ
لنبا ہوگیا تھا تو اُسکا اسقدر اونچا کرنا بھی
نہایت ضرور تھا قریش نے کعبہ کے اندر
چھ ستون قائم کیئے تھے چھت پاٹنے کو
ابن زبیر نے صرف تین ستون بنائے غالباً
ان کو بہ نسبت قریش کے لکڑی لمبی مل گئی تھی

حجر اسود رکھے جانے کا ایک عجیب حال

کتابوں میں لکھا ہے جسکی کچھ وجہ ہمارے
خیال میں نہیں آتی ابن زبیر نے لوگوں کو
ایک دھوکہ میں رکھا اور اپنے بیٹے عباد اور
جبیر ابن شیبہ کو سمجھا دیا کہ جب میں نماز پڑھانے
کھڑا ہونگا تو بڑی لمبی نماز پڑھاؤں گا
اُس وقت تم حجر اسود کو جو دار ندوہ میں
قریب کعبہ کے رکھا ہوا ہے ایک کپڑے میں
لپیٹ کر لے آنا اور جو جگہہ اُسکے کھڑا کرنے کی

ودار الند وة يومئذ قريبة من الكعبة	وہاں کھڑا کر دینا جب کھڑا کر چکو تو پکار کر اللہ اکبر
فجز قابه الصفوف حتى ادخلاه فى الستارة	کہنا پس میں نماز کو ختم کر دونگا چنانچہ انہوں نے
دون البناء وكان الذى وضعه فى موضعه	ایسا ہی کیا کہ جب ابن زبیر نماز پڑھانے کو کھڑے
هذا عباد بن عبد الله بن الزبير و اعانه	ہوئے اور ایک رکعت پڑھا چکے تو عباد اور
عليه جبير بن شيبة فلما اقروه فى موضعه	جبیر حجر اسود کو کپڑے میں لپیٹ کر دار ندوہ
وطرق عليه الحجران كبر وانخفف ابن الزبير	میں سے لے آئے جماعتوں کو چیر کر تخنوب
صلوته وتسامع الناس بذلك (كتاب	کی دیوار کے اندر لے گئے اور ان دونوں نے
اخبار مكه صفحه ۱۴۳ و ۱۴۴)	حجر اسود کو اسکی معین جگہ میں کھڑا کر دیا

اور پھر پکار کر اللہ اکبر کہا تب ابن زبیر نے اپنی نماز ختم کی اس بات پر لوگوں نے بہت کانا پھوسی کی اور بعض لوگ علانیہ ناراض ہوئے - مگر ہم نہیں سمجھتے کہ ابن زبیر کو ایسا کرنے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں ایسا دھوکہ دینے کی ضرورت ہوئی تھی - حقیقت میں کوئی اور بات ہوئی ہوگی لوگوں نے اپنے قیاسات اُسپر لگائے اور انہیں قیاسات کو بطور واقعہ کے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اپنی روایتوں میں بیان کیا - بہر حال کچھ ہی ہوا خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ حجر اسود کھڑا ہو گیا -

تعمیر حجاج بن یوسف

عبد اللہ ابن زبیر کی حکومت مکہ میں بہت جلد ختم ہونے والی تھی اور تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ اس بناء کو بہت زیادہ قیام نہ ہوگا چنانچہ عبد الملک ابن مروان جب خلیفہ ہوا تو اُس نے حجاج کو مع فوج کے عبد اللہ ابن زبیر کے مقابلہ کے لئے بھیجا اس لڑائی میں عبد اللہ ابن زبیر مارے گئے اور حجاج مکہ میں چلا آیا تب

اس نے عبدالملک کو لکھا کہ کعبہ میں ابن زبیر نے ایسی چیزیں بنا دی ہیں جو پہلے نہ تھیں

حتی قتل ابن الزبیر رحمہ اللہ ودخل الحجاج
مکۃ فکتب الی عبد الملک ابن مروان
ان ابن الزبیر زاد فی البیت ما لیس منہ
واحدث فیہ بابا آخر فکتب الیہ عبد الملک
ابن مروان ان سد بابہا الغربی الذی کان
فتح ابن الزبیر واہدم ما کان زاد فیہا
من الحجر واکبسہا بہ علی ما کانت علیہ فہدم
الحجاج منہا سبعۃ اذرع وشبرا مما یلی الحجر
وبناہا علی اساس قریش الذی کانت استقصرت
علیہ وکبسہا بما ہدم منہا وسد الباب الذی
فی ظہرہا وترک سایرہا لم یحرک منہ شیئاً
فکل شئ فیہا الیوم بناء ابن الزبیر الا الجدار
الذی فی الحجر فانہ بناء الحجاج وسد الباب
الذی فی ظہرہا وما تحت عتبۃ الباب
الشرقی الذی یدخل منہ الیوم الی الارض
اربعۃ اذرع وشبر وکل ہذا بناء الحجاج
والدرجۃ التی فی بطنہا الیوم والبابان الذان
علیہا الیوم ہما ایضاً من عمل الحجاج دکتاب

اور ایک نیا دروازہ بھی بنایا ہے عبدالملک
نے لکھا کہ اس دروازہ کو بند کردو اور جسقدر
ابن زبیر نے زیادہ بنا دیا ہے وہ سب توڑ دو
چنانچہ حجاج نے چھ ذراع اور ایک بالشت
کعبہ کو توڑ دیا اور قریش کی بنیاد پر وہاں
دیوار بنا دی اور وہ نیا دروازہ بھی بند کر دیا
اور باقی سب چیزیں بدستور بنی رکھی اب کعبہ کی
جو عمارت ہے وہ ابن زبیر کی بنائی ہوئی
ہے صرف وہ دیوار جو حجر کی جانب ہے
اور غربی دروازہ کا تیغہ اور شرقی دروازہ
کی چار ذرعہ ایک بالشت اونچائی اور کعبہ کے
اندر کی سیڑھی اور اس کے دونوں روشندان
حجاج کے بنائے ہوئے ہیں۔
مورخ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن زبیر
نے کعبہ کی تعمیر میں جو کچھ نیا بنایا تھا وہ
رسول خدا صلعم کی ایک حدیث کے مطابق
تھا جس کا ذکر آنحضرت صلعم نے حضرت
عائشہ سے کیا تھا چنانچہ حجاج جب کعبہ کو

اخبار مکہ صفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶)

فلما فرغ الحجاج من هذا كله وفد بعد ذلك
الحارث بن عبد الله ابن ربيعة المخزومي على
عبد الملك ابن مروان فقال له عبد الملك
ما اظن ابا خبيب يعني ابن الزبير سمع من
عايشة ماكان يزعم انه سمع منها في امر
الكعبة فقال الحارث انا سمعته من عايشة
قال سمعتها تقول ماذا قال سمعتها تقول
قال لي رسول الله صلعم ان قومك استقصروا
في بناء البيت ولولا حداثة عهد قومك بالكفر
اعدت فيه ما تركوا منه - وقال رسول
الله صلعم جعلت لها بابين موضوعين
على الارض بابا شرقيا يدخل الناس منه
وبابا غربيا يخرج الناس منه - قال عبد
الملك بن مروان انت سمعتها تقول هذا
قال نعم يا امير المؤمنين انا سمعت هذا
منها قال فجعلت ينكت منكسا بقضيب في يده
ساعة طويلة ثم قال وددت والله اني (تمام)
تركت ابن الزبير وما تحمل من ذلك (کتاب اخبار مکہ)

توڑ توڑا کر قریش کی تعمیر کے مطابق کر چکے تو
حارث ابن عبد اللہ عبد الملک کے پاس گئے
ان سے عبد الملک نے پوچھا کہ ابن زبیر نے
کوئی بات کعبہ کی نسبت حضرت عائشہ
سے سُنی تھی حارث بن عبد اللہ نے کہا
کہ میں نے خود حضرت عائشہ سے سُنا ہے
کہ اُن سے رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا
کہ تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر میں کمی کر دی
اگر تیری قوم کا زمانہ کفر کے زمانہ سے نیا
بدلا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ اُنہوں نے چھوڑ دیا ہے
میں پھر کعبہ میں ملا دیتا - رسول خدا صلعم نے
یہ بھی فرمایا کہ اُس میں دو دروازے بنا دیتا
ایک شرقی دروازہ جس میں سے لوگ اندر
جاتے اور ایک غربی دروازہ جس سے لوگ
باہر نکل جاتے - عبد الملک نے پوچھا کہ تم نے
خود یہ بات سُنی ہے اُنہوں نے کہا کہ ہاں
اے امیر المومنین میں نے خود یہ بات سُنی
ہے عبد الملک یہ سنکر ہاتھ کی لکڑی پر
سر ٹیک کے بڑی دیر تک سوچ میں گئے

اور پھر کہا کہ بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ مَیں نے ابن زبیر کے برخلاف کیا۔

یہ زمانہ جب کہ اس حدیث کا چرچا ہوا ایسے فتنہ و فساد کا زمانہ تھا کہ روایت کی صحت پر بہت کم یقین ہوتا تھا خلافت میں سخت سے سخت واقعات گذر چکے تھے حضرت امام حسین کی نسبت واقعہ کربلا ہو چکا تھا مدینہ منورہ میں قتل ہو چکا تھا مکہ معظمہ میں محاربات ہو چکے تھی اور عبد اللہ ابن زبیر قتل ہو چکے تھے اور ہر ایک واقعہ کے ساتھ ایک جدا فرقہ قایم ہو گیا تھا جو ایک کا طرفدار اور دوسرے کا مخالف تھا۔

بے شک ہمارا دل اور غالباً ہر ایک کا دل اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوگا کہ کعبہ بنائے ابراہیم پر بنایا جاتا اور دو دروازے اُسمیں بنانے بھی نہایت عمدہ اور مفید کام تھا مگر یہ بات کہ آنحضرت نے ایسا فرمایا تھا اُسکی صحت پر یقین نہیں ہو سکتا۔ اول تو اس معاملہ میں حضرت عایشہ کو مخاطب کرنے اور اُس فعل کو جو ایّام جاہلیت میں ہوا تھا خاص حضرت عایشہ کی قوم کا فعل قرار دینے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ وہ فعل تمام قوم قریش نے بمجبوری کیا تھا جس میں خود آنحضرت صلعم بھی شامل تھے۔ دوسرے یہ کہ بعد فتح مکہ تمام قریش اسلام لے آئے تھے اور رسول خدا صلعم کے ادنیٰ اشارہ پر جان دینے کو موجود تھے خانہ کعبہ کے تمام بتوں کو جن کی پرستش اُن کے باپ دادا نے صدہا سال تک کی تھی توڑ ڈالا تھا اور نکال کر پھینکدیا تھا پس کعبہ کو برابر کر دینے اور حضرت ابراہیم کی بنیاد پر پورا بنادینے میں کون سی مشکل تھی جو آنحضرت صلعم فرماتے "لولا حداثة عهد قومك بالکفر اعدت فیه ما ترکوا منه"۔ پس یہ حدیث کسی طرح صحیح اور قابل وثوق نہیں ہو سکتی بلکہ اس بات سے کہ رسول خدا صلعم نے بناء ابراہیم سے جسقدر زمین خانہ کعبہ کی تعمیر سے خارج رہ گئی تھی اُسکی کچھ پرواہ نہیں فرمائی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی کوئی خاص وضع

یا اُسکے لئے کوئی خاص قطع مقصود اور مدار علیہ تھی بلکہ صرف وہ ایک مسجد تھی جو حضرت ابراہیم نے بنائی تھی جب وہ ڈھی گئی اور دوبارہ بنائی گئی تو جسطرح جیسے بن گئی بن گئی یہ کچھ ضرور نہ تھا کہ بعد بن جانے کی خواہ نخواہ پھر توڑ کر اُسی قدر بنائی جاتی جس قدر کہ حضرت ابراہیم نے بنائی تھی جیسے کہ عبدالملک بن مروان نے اپنی نادانی یا حضرت عبداللہ ابن زبیر کی عداوت سے اس بنی ہوئی عمارت کو پھر توڑ کر ویسا ہی کردیا جیسا قریش نے ایام جاہلیت میں بنایا تھا۔

غلاف کعبہ

حضرت ابراہیم کے وقت میں اور اوسکے بعد کعبہ کی دیواریں ویسی ہی دکھائی دیتی تھیں جیسے کہ بنی تھیں مگر سنہ عیسوی سے چھہ سو برس پیشتر اسعد حمیری نے کعبہ کی دیواروں پر غلاف چڑہایا اسنے خواب میں دیکھا کہ وہ کعبہ کو کپڑا پہنا رہا ہے جب جاگا تو اُسنے انطاع کا غلاف چڑہایا مگر پھر اُسنے وہی خواب دیکھا تب اُسنے یمن کے کپڑے کا جو عمدہ ہوتا تھا غلاف چڑہا دیا تب سے کعبہ پر غلاف چڑھانے کی رسم جاری ہوگئی اور جس کے

وکان ہو (ای اسعد الحمیری وہو تبع) اول من کسا الکعبۃ .. اری فی النوم انہ یکسوھا فکساھا الانطاع ثم اری ان یکسوھا فکساھا الوصایل ثیاب حبرۃ من عصب الیمن وجعل لھا بابا یغلق (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۷۳ و ۱۷۴)

قبضہ اقتدار میں کعبہ رہتا آیا وہ ہر سال پرانے غلاف پر نیا چڑہاتا گیا تھا اور اس سبب سے مختلف قسم کا بہت سا کپڑا کعبہ کی دیواروں پر چڑہ گیا تھا اور اسی توبرتو کپڑے کے سبب کئی دفعہ آگ لگ گئی تھی اور خانہ کعبہ جل گیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے وقت تک پرانے غلاف پر نیا غلاف چڑھانے کا دستور تھا اور اسی سبب سے اُنکے عہد

میں بھی کعبہ میں آگ لگ گئی تھی اسکے بعد سے پرانے غلاف پر نیا غلاف چڑہانے کی رسم جاتی رہی بلکہ
ہر سال پرانا غلاف اتار کر نیا غلاف چڑہایا جاتا ہے اور کعبہ کے خادم پرانے غلاف کے ٹکڑے ٹکڑے
کر کر بطور تبرک کے تقسیم کرتے ہیں اور حاجی ان ٹکڑوں کو نہایت شوق سے لاتے ہیں اور اسمیں سے
ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر اپنے دوستوں کو دیتے ہیں - اکثر مسلمان جنکے پاس یہہ ٹکڑے ہوتے ہیں
اپنے ساتھہ کفن میں رکھکر قبر میں لیجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اسکی برکت سے عذاب سے بچیں گے
مگر مسلمانوں کے یہہ سب اوہام و خیالات ہیں مذہب اسلام ایسی باتوں سے جو کچے سوت سے بھی
زیادہ بودے ہیں پاک و صاف ہی مذہب اسلام سے نہ یہہ بات پائی جاتی ہے کہ غلاف کعبہ
کچھہ متبرک ہو جاتا ہی نہ یہہ پایا جاتا ہے کہ اسکے قبر میں ساتھہ لیجانے سے بجز اسکے کہ وہ بھی مثل جسم و
کفن کے خاک ہو جاوے اور کچھہ نتیجہ حاصل ہو سکتا ہی اسلام کی رو سے اگر کچھہ نتیجہ حاصل ہو سکتا ہی
تو وہ صرف اعتقاد توحید سے ہو سکتا ہی نہ کسی اور چیز سے -

اسمیں کچھہ کلام نہیں ہو سکتا کہ زمانہ اسلام میں بھی کعبہ پر غلاف چڑہائے گئے - اگرچہ کتابوں میں
روایتیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور انکے بعد
ابو بکر صدیق و عمر و عثمان رض نے بھی کعبہ پر غلاف
چڑہایا مگر ہمکو جہاں تک شبہہ ہے وہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے فعل کی نسبت شبہہ ہی کیونکہ جو روایتیں
اس باب میں ہیں وہ درجہ ثبوت کو نہیں پہونچتیں باینہمہ
انکے تسلیم کرلینے میں کچھہ زیادہ بحث نہیں ہے غرضکہ
تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
ابو بکر صدیق نے یمن کے کپڑے کا جو نہایت عمدہ ہوتا تھا کعبہ کو غلاف چڑہایا اور عمر و عثمان نے قباطی کا پھر

كسا البيت في الجاهلية الانطاع ثم
كساه النبي صلى الله عليه وسلم الثياب
اليمانية ثم كساه عمر وعثمان القباطي
ثم كساه الحجاج الديباج ويقال اول من
كساه الديباج يزيد بن معاوية ويقال
ابن الزبير ويقال عبد الملك بن مروان
(كتاب اخبار مكه صفحه ١٧٦)

غلاف چڑہایا گیا بعضوں کا قول ہے کہ دیباج کا غلاف سب سے اول یزید بن معاویہ نے چڑہایا بعضے کہتے ہیں عبد الملک بن مروان نے - بعضے کہتے ہیں حجاج بن یوسف نے - غرضکہ اسمیں کچھہ شک نہیں ہے کہ تمام خلفاے بنی اُمیہ و عباسیہ و دیگر خلفاء کے عہد میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑہانے کا بڑا اہتمام رہا اور سب چڑہاتے رہے زمانۂ حال میں سلطان رُوم کی جانب سے نہایت عظم و شان سے بہت عمدہ غلاف سیاہ رنگ کا جس میں بعض آیات قرآنی نہایت خوش خط بناوٹ میں بنی ہوئی ہوتی ہیں چڑہایا جاتا ہے -

اسلام کی رُو سے جو کچھ بحث اسپر ہوسکتی ہے وہ اسقدر ہوسکتی ہے کہ "ما ھذا لتعبید الکعبۃ او لتحسینھا فالاول کفر علی مذھب الاسلام والثانی امر لا باس بہٖ" یعنی یہہ کام کس ارادہ سے کیا جاتا ہے کعبہ کی پرستش کے لیئے یا اُسکی خوبصورتی اور آرایش کے لیئے اگر پہلے نیت سے کیا جاتا ہی تو اسلام کی رُو سے کفر ہے اور اگر دوسرے ارادہ سے کیا جاتا ہے تو اسکا کچھہ مضائقہ نہیں ہے -

آرائش کعبہ کی ایسی ہی ہی جیسے کہ ہم اور تمام مسجدوں کی آرائش کرتے ہیں مگر چونکہ کعبہ ایک نہایت قدیم مسجد ہے اور ایسے بانی اسلام کے ہاتھہ سے بنی ہی جس نے سب سی اوّل یہہ کہا کہ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ - اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ - اسلیئے اسکی قدر ہمکو بہ نسبت اور مسجدوں کے زیادہ کرنی ضرور ہی کیونکہ وہ سب سے پہلے خدا کی پرستش کی نشانی ہے -

اصنام کعبہ

اساف و نایلہ - بنی جرہم کے زمانہ میں صفا و مروہ کے پہاڑوں پر دو بُت رکھے گئے صفا پر جو بُت تھا وہ مرد کی شکل کا تھا اور اساف اُسکو کہتے تھے دوسرا بت جو مروہ پر تھا وہ عورت کی شکل کا تھا اور نایلہ اُسکو کہتے تھے - جو روایتیں حقارت آمیز انکی نسبت پائی جاتی ہیں وہ قدیم

نہیں ہیں غالباً اسلام کے زمانہ کی بنائی ہوئی ہیں ظاہر معلوم ہوتا ہی کہ وہ دونوں انسان تھے
اور بنی جرہم انکو دیوتا سمجھتے تھے اُن کے مرنے کے بعد ان کے دو بُت بنائے گئے اور پرستش
ہونے لگی - فتح مکہ کے روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور بتوں کے ساتھ توڑ ڈالا

نہیک و مطعم - یہ بھی دو بُت تھے نہیک کو صفا پر نصب کیا گیا تھا اور مطعم کو مروہ پر -

ہُبل - یہ ایک بہت بڑا بت خانہ کعبہ کے اندر تھا - کعبہ کے اندر دائیں طرف جو خزانہ کا کنواں
تین درعہ گہرا حضرت ابراہیم کا کھودا ہوا تھا اُس پر یہ بُت کھڑا کیا گیا تھا - عمر بن لحی اسکو ارض جزیرہ
سے لایا تھا - اُحد کی لڑائی میں ابوسفیان نے فتح ہونیکے لئے اسی بُت سے مدد چاہی تھی -

مناۃ - یہ بھی بڑا بت تھا اور سمندر کے کنارہ پر قدید کے پاس عمر بن لحی نے نصب کیا تھا
اور یہ دونوں بُت قبیلہ ازد و غسان کے کہلاتے تھے اور بعضوں کا قول ہے کہ اوس و خزرج و
غسان کے کہلاتے تھے جو ازد کی شاخیں ہیں بعضوں کا یہ قول ہے کہ وہ صرف قبیلہ
ہذیل کا ایک پتھر تھا اور کچھ عجب نہیں کہ وہ بن گھڑا ایک لمبا پتھر ہو -

لات و عزیٰ - لات ایک بن گھڑا پتھر تھا جس میں لوگ خیال کرتے تھے کہ شان باری کے
کسی شمہ نے حلول کیا ہے اور عزیٰ تین درخت تھے جس میں ذات باری کا حلول سمجھکر پوجتے تھے جیسے کہ
ہمارے زمانہ میں بھی بہت سے مسلمان اسیطرح پر درختوں کی جو درگاہوں میں ہوتے ہیں پرستش
کرتے ہیں ہمارے شہر دہلی میں بھی شاہ بولا کی بڑ پر بھی منتوں کے ناڑے باندھے جاتے تھے
لات تہامہ میں تھا اور عزیٰ طائف میں -

ذات انواط - یہ بھی ایک بہت بڑا سر سبز و شاداب درخت حنین میں تھا جسکو لوگ
پوجتے تھے -

ذوالکفین - یہ بھی ایک بُت تھا جسکو عمر بن مہ نے بعد فتح مکہ جلا یا تھا۔

سواع - بھی ایک مشہور بُت قبیلہ ھذیل کا تھا جسکو عمر بن العاص نے بعد فتح مکہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے توڑا تھا۔

ود - ایک بُت بنی کلب کا دومۃ الجندل میں تھا۔

یغوث - پہلے اس کو بنی مراد پوجتے تھے پھر بنی غطیف پوجنے لگے۔

یعوق - بنی ہمدان میں تھا جسکی وہ پرستش کرتے تھے۔

نسر - بنی حمیر آل ذی الکلاع کے پوجنے کا بُت تھا۔

علاوہ ان بُتوں کے مشہور روایتوں میں ہے کہ خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ[۳۶۰] بُت بنے ہوئے تھے اور نہایت استحکام کے ساتھ سیسہ سے جڑ کو کھڑے کئے تھے جو فتح مکہ کے دن سب توڑ ڈالے گئے۔

تصاویر خانہ کعبہ

خانہ کعبہ میں فرشتوں کی اور حضرت ابراہیم کی اور حضرت مریم کی حضرت عیسیٰ کو گود میں لئے ہوئے تصویریں تھیں غالباً حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی تصویر یاقوم نے بنائی ہوگی جبکہ اسنے قریش کے زمانہ میں کعبہ بنایا تھا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے حضرت ابراہیم کی تصویر کو دیکھکر فرمایا کہ خدا انکو مارے ابراہیم کو تیروں سے شگون لیتا اور فال دیکھتا بتایا ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مریم کی تصویر پر ہاتھ رکھ لیا۔ اور فرمایا کہ سب تصویروں کو مٹادو مگر مریم کی تصویر کو چھوڑ دو اگر یہ واقعہ صحت کو پہنچے تو اسکی وجہ صاف پائی جاتی ہے فرشتوں کی کوئی صورت نہیں ہے بس انکی تصویر بنانا محض

ادرك (اي عطا ابن ابي رباح) فيها (اي في البيت) تمثال مريم مزوقا في حجرها عيسى ابنها قاعدا مزوقا (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۲۰)

محض جھوٹ اور خلاف واقع تھا حضرت ابراہیم کی تصویر ایسے فعل کی حالت کی بنائی تھی جو شرک میں
داخل ہے اور بلاشبہ حضرت ابراہیم اُس سے پاک تھے صرف مریم اور حضرت عیسیٰ کی تصویر ایسی تھی
جس میں کوئی اشارہ کفر یا شرک یا کذب کا نہ تھا اور نہ وہ پرستش کے لیئے بنائی گئی تھی اسکے چھوڑ دینے
میں کچھ حرج نہ تھا۔

زمزم

جب سے کعبہ کا نام ہے اُسی کے ساتھ اس چشمہ کا نام بھی چلا آتا ہے بلکہ یہی چشمہ مکہ کی آبادی اور کعبہ
کے اس جگہہ بننے کا سبب ہے اگرچہ یہ چشمہ مدت سے خشک ہوگیا ہے مگر اسکی جگہہ ایک کنواں کھود
دیا گیا ہے جو چاہ زمزم کے نام سے مشہور ہے۔

عرب کی سرزمین نہایت خشک ہے یا پہاڑ ہیں یا ریگستان ہے۔ برسات وہاں بہت کم
ہوتی ہے کوئی دریا اُس میں نہیں بہتا اس سبب سے پانی کی بہت قلت ہے کہیں کہیں جنگلوں میں یا
پہاڑ کی تلیوں میں یا پہاڑ کے اونچے غاروں میں پانی جمع ہو جاتا ہے اور لوگ پانی کی تلاش میں
پھرتے ہیں جہاں پانی مل گیا وہیں تنبو تان دیئے اور آباد ہوگئے جب وہاں کا پانی ختم
ہوگیا وہاں سے چلدیئے دوسری جگہہ جہاں پانی مل گیا ڈیرے ڈالدیئے۔ یہی طریقہ قدیم
سے عرب کے صحرانشین بدوؤں کا تھا۔

اونچے مقاموں میں جو پانی جمع ہو جاتا تھا اور زمین یا پہاڑوں کے نیچے نیچے سوتوں
کی راہ سے پانی کو نکلنے کا کوئی رستہ ملجاتا تھا تو اپنے مخزن سے دور جاکر بطور چشمہ کے نکل آتا تھا
مگر ایسی ایسی سوتیں ایسی ضعیف ہوتی تھیں کہ سطح زمین سے اگر تھوڑی ہی نیچے بھی ہوں تو معلوم نہیں
ہوتی تھیں اور اگر کہیں کھل بھی جاتی تھیں تو تھوڑی ہی چیز کے پڑجانے سے ڈھک جاتی تھیں
حال کے زمانہ میں بھی بدو اس طرح کے پانی کی سوتوں کو تھوڑے سے کنکر پتھر کانٹوں کے ڈالنے سے

اسطرح چھپا دیتے ہیں کہ کسی کو اس کا نشان نہیں ملتا۔

زمزم کی نسبت ایسی ایسی دور از کار روایتیں مشہور ہیں جن میں سے ایک بھی معتبر اور مذہب اسلام کے بموجب صحیح نہیں ہیں جتنا کہ یہ چشمہ پرانا ہی اور اسیقدر تقدس آمیز اور تعجب خیز مبالغہ سے وہ روایتیں بنائی گئی ہیں۔ اصلیت اس چشمہ کی صرف اسقدر معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت ہاجرہ زوجہ حضرت ابراہیم معہ اپنے بیٹے اسمعیل کے بسبب اُس نزاع اور حسد کے جو قدرتی ایک شوہر کی دو جوروؤں میں ہوتی ہو سر سے نکالدی گئیں اور یہاں پہنچیں تو پانی جو اُن کے پاس تھا ہو چکا پیاس کی شدت ہوئی۔ بسبب نہ ملنے پانی کے مایوسی طاری ہوئی اس گھبراہٹ میں ہر چہار طرف پانی تلاش کرتی تھیں اسی جستجو میں اتفاقاً کنکروں اور پتھروں کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا اور اُن کے ہٹانے سے پانی نکل آیا اُنہوں نے اس تائید غیبی پر خدا کا شکر ادا کیا اور وہ اور اُن کے بیٹے پانی پیکر سیراب ہوئے۔

جس طرح کہ عرب کے چشمے چند مدت تک جاری رہتے تھے اور پھر خشک ہو جاتے تھے اسیطرح یہ چشمہ بھی کسی مدت کے بعد خشک ہوگیا اور کسی کو اسکی طرف خیال بھی نہیں رہا اور سینکڑوں برس اسپر گذر گئے مگر عام الفیل کے بعد عبد المطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ جہاں وہ چشمہ تھا وہاں کنواں کھود کر پانی نکالا جاوے چنانچہ اُنہوں نے کھودنا شروع کیا اسپر بعض لوگ مانع ہوئے اور فساد پر آمادہ ہوئے مگر کسی نہ کسی طرح وہ فساد رفع ہوا۔ اور عبد المطلب اپنے مقصد پر کامیاب ہوئے جو قصے کتابوں میں اس کنوئے کی نسبت اور عبد المطلب کو اس خاص مقام دریافت ہونیکی نسبت لکھے ہیں اُنمیں سے کسی کی کچھ صحت نہیں ہے۔ کچھ عجب نہیں ہے کہ اُنہوں نے خواب میں دیکھا ہو کہ کنواں کھودتا ہوں اور اس سبب سے کنواں کھودنے کا خیال پیدا ہوا ہو۔ یہ کنواں پہاڑ میں کھودا گیا ہے

جسمیں سے تین مشکل سے نکلتی ہیں چنانچہ اُس میں صرف تین سو تیس نکلی تھیں ۲۲۳ و ۲۲۴ھ میں اسکا
پانی خشک ہوگیا تھا اسلئے دو درعہ اور کھودا گیا تھا مگر ۲۲۵ھ میں کثرت سے بارش ہوئی
اور اس سبب سے کنوئیں میں بہت سا پانی ہوگیا۔

خلافت ہارون رشید میں بھی یہہ کنواں بسبب کمی پانی کے قریب دو درعہ گہرا
کیا گیا تھا اور مہدی اور محمد بن الرشید کی خلافت میں بھی گہرا ہوا تھا اس سے ثابت
ہوتا ہے کہ جیسا کہ تمام کنوؤں کا حال ہے ویسا ہی اسکا بھی حال ہے اور تمام عجائب اور
غرائب روایتیں جو اسکے پانی کے قبلِ قیامت نہ سوکنے کی ہیں وہ سب موضوع ہیں جن کی کچھہ
بھی اصلیت اسلام میں نہیں ہے۔

زمزم کا کنواں اس وجہہ سے کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا ہے
جس میں سے آنحضرت صلعم نے بھی پانی پیا ہے بلاشبہہ قابل ادب اور عزت کے ہے لیکن
اسکے پانی کے فضائل میں جو روایتیں ہیں وہ سب بے سند اور ضعیف ہیں اور اکثر موضوع
حاجی جو زمزم کا پانی چھوٹی چھوٹی زمزمیوں میں بھر کر بطور تبرک کے ہندوؤں کی مانند
دُور دُور لیجاتے ہیں اور سب لوگ بطور تبرک کے اسکو پیتے ہیں اور اس پانی کی بہت تعظیم
کرتے ہیں اور بغرض اظہار ادب کھڑے ہوکر پیتے ہیں اسکی کچھہ اصل مذہب اسلام میں نہیں ہے
جیسے اور کنوؤں کا پانی ہے وہ بھی ویسا ہی کنوئیں کا پانی ہے مزہ میں میٹھا نہیں ہے
بلکہ کھلملا ہے جسوقت کھینچیں اگر اُسی وقت پی لیں تو شاید پینے کے قابل ہو الا رکھا رہنے
سے زیادہ کھلملا ہوجاتا ہے۔

اسمائے کعبہ

کعبہ کا اصلی نام بیت اللہ ہے یعنی خانۂ خدا۔ یہہ ایک نہایت قدیم طریقہ حضرت ابراہیم کیوقت سے

جاری تھا کہ جہاں وہ کوئی نشان خدا کے ... لیئے قائم کرتے تھے اُسکو بیت ایل یعنی خانۂ خدا کہتے تھے مگر چونکہ وہ عمار ... حضرت اسمٰعیل نے بنائی تھی بشکل مکعب تعمیر ہوئی تھی اسلئے کعبہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔

کعبہ کا نام بیت عتیق اور مکہ و بکہ و ام القری بھی آیا ہے پچھلے تینوں نام تغلیباً کعبہ پر اطلاق ہوتے ہیں ورنہ وہ تمام حرم یا شہر پر صادق آتے ہیں۔

کتابوں میں کعبہ کے اور نام بھی لکھے ہیں" ام رحم" الباسۃ- الحاطمۃ" مگر یہ سب وہ نام ہیں جو لوگوں نے بعض صفات کے خیال سے گھڑ لیئے ہیں۔

عمال کعبہ

جس وقت کعبہ بنایا گیا اُسوقت وہ حضرت اسمٰعیل کے قبضہ میں بطور تولیت کے رہا اور اون کی وفات کے بعد اُنکی اولاد اس مقدس مسجد کی سب سے بڑی محافظ تھی مگر بنی اسمٰعیل اور بنی جرہم میں نہایت قریب قرابت تھی اور حضرت اسمٰعیل کی اولاد بجز قیدار کے عرب کے مختلف مقامات میں جا بسی تھی اس وجہ سے خدا کے گھر کی حفاظت اسمٰعیل کی اولاد سے نکلکر بنی جرہم کے ہاتھ میں چلی گئی تھی ایک مدت دراز کے بعد بنی عمالیق جو حمیر کے خاندان سے تھے اُسپر غالب آگئے تھے اور خانہ خدا کے مالک مطلق ہو گئے تھے اس موقع پر بنی اسمٰعیل اور بنی جرہم آپس میں متفق ہوئے اور عمالیق کو خانۂ خدا سے بے دخل کر دیا اور پھر دوسری مرتبہ بنی جرہم اس مقدس معبد کے مالک ہو گئے۔

پھر بنی بکر اور بنو اخزہ بنی جرہم کے مقابلہ کو کھڑے ہوئے اور دونوں نے اپنی اپنی فوجوں کو جمع کر کر دفعۃً بنی جرہم پر حملہ کیا اور بہت بڑی سخت لڑائی کے بعد بنی جرہم بالکل مغلوب ہو گئے اور بھاگ گئے حفاظت اس معبد کی بنی اخزہ کے پاس آگئی پہلا شخص جسنے کہ مکہ کی حفاظت مکہ کی حکومت اور کعبہ کا

انتظام اپنے ذمہ لیا عمرو بن اللحی تھا یہ وہ شخص ہے جسنے سب سے اول کعبہ کے اندر ہُبل بُت کو کھڑا کیا تھا۔

چند مدت بعد قصی ابن کنانہ نے جو اجداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں بنو بکر اور بنو اخزٰ پر چڑہائی کی خوب مقابلہ ہوا مگر اُن قوموں کو شکست ہوئی اور قصی نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ پشت اوپر تھا حکومت مکہ اور تولیت کعبہ کی اُن سے چھین لی اور خود حاکم اعلیٰ ہو گیا اور اب قریش کعبہ کی ہر ایک بات کے مالک ہو گئے۔

قصی کے بعد عبد الدار اُنکا بیٹا اُن کی جگہہ سردار ہو گیا اور جو خاص خاص عہدے خود عبد الدار سے متعلق تھے وہ اُن کے بھائی عبد مناف کو مل گئے۔

کعبہ کے متعلق پانچ بڑی خدمتیں تھیں اول۔ سقایہ و رفادہ یعنی حاجیوں کو پانی اور کھانا دینے کا عہدہ۔ دوم۔ قیادہ۔ یعنی لڑائی کے وقت فوج کی سپہ سالاری کرنا سوم لوا۔ یعنی علم بردار ہونے کا عہدہ۔ چہارم حجاب۔ یعنی کعبہ کی حفاظت کا عہدہ۔ پنجم۔ دار الندوہ۔ یعنی دار الندوہ میں پریسیڈنٹ یا صدر انجمن ہونے کا استحقاق۔

عبد مناف کی وفات کے بعد اُن کے وارثوں میں ایک خاندانی نزاع پیدا ہوا جس کی وجہہ سے ان عہدوں کی تقسیم اسطرحپر ہو گئی۔

ہاشم کو سقایہ و رفادہ کا عہدہ ملا۔

عبد الدار کے بیٹے شیبہ نے کعبہ کی حفاظت اور دار الندوہ کی صدر انجمنی اور علم بردار ہونے کا عہدہ اپنے قبضہ میں رکھا۔

ہاشم نے بڑی فیاضی اور سیر چشمی۔ دریا دلی کے ساتھہ حاجیوں کی خبر گیری کی خدمت ادا کی چنانچہ سر ولیم میور تسلیم کرتے ہیں کہ ہاشم نے جو اسطرحپر حاجیوں کی تواضع کے لئے

مامور کیا گیا تھا شاہانہ عظمت کے ساتھ اُسکو ادا کیا خود انکے پاس بڑی ہی دولت تھی اور قوم قریش
کے بہت سے آدمیوں نے تجارت کے ذریعہ سے بہت سی دولت جمع کی تھی ہاشم نے مثل
قصی اپنے دادا کے قوم قریش سے التجا کی کہ تم خدا کے ہمسایہ اور اُسکے گھر کے محافظ ہو جو
حاجی اُسکے مکان کی تقدس کی تعظیم کرنیکو آتے ہیں وہ اُسکے مہمان ہیں اور یہہ مناسب ہے کہ
سب سے پہلے ان مہمانوں کی خاطر و تواضع کرو تمکو خاص خدا نے منتخب کیا ہے اور اس بڑے
رتبہ کے ساتھ تم معزز ہو پس خدا کے مہمانوں کی تعظیم کرو اور اُن کو تر و تازہ کرو کیونکہ وہ نہایت
دور دراز شہروں سے اپنے لاغر اور خراب و خستہ اونٹوں پر سوار ہو کر تمہارے پاس نہایت
تھکے ہوئے اور پریشان آتے ہیں - اُن کے بال بکھرے ہوئے اور انکا جسم دور دراز کے رستہ سے
گرد و غبار میں آلودہ ہوتا ہے پس تم مہمان نوازی کیساتھ اُنکی دعوت کرو اور اونکو بہت سا پانی دو

ہاشم نے اپنے پاس سے بہت سا روپیہ خرچ کر کر ایک عمدہ نظیر قائم کی اور تمام قوم
قریش نے بھی نہایت مستعدی سے مدد کی اور ہر ایک شخص نے اپنے مقدور کے موافق چندہ دیا
اور تمام قوم قریش پر ایک معین محصول لگایا اور حاجیوں کے جم غفیر کے لیئے حوضوں میں کافی پانی
کعبہ کے قریب کنوئیں سے بھروایا اور عرفات کے رستہ میں چمڑے کے عارضی حوض بنائے جبکہ حاجی منا اور عرفات کو
روانہ ہوتے تھے اُس روز کھانا تقسیم ہونا شروع ہوتا تھا اور جبتک وہ ہجوم منتشر ہوتا تھا اُس وقت تک برابر کھانا تقسیم ہوتا
تھا غرضکہ پانچ چھہ روز تک گوشت اور روٹی اور مکھن اور جو سے جو مختلف طور پر پکائے جاتے تھے اور
چھوہاروں سے جو عرب کا نہایت عمدہ اور پسندیدہ کھانا ہی اُنکی تواضع ہوتی رہتی تھی اسطرح ہاشم نے مکہ کی
نامآوری کو بخوبی قائم رکھا مگر خود ہاشم کا نام ایک بہت اعلی درجہ کی خیرات سے اور بھی زیادہ مشہور ہو گیا اور
جس نامآوری سے اہل وطن کی بہت سی ضرورتوں کو رفع کیا جو مدت دراز کے قحط کے سبب سے نہایت
تنگ آ گئے تھے یعنی ہاشم نے ملک شام کا سفر اختیار کیا اور وہاں بہت سا ذخیرہ روٹیوں کا خرید کیا

اور اُن کو ٹوکروں میں بھر کر اور اونٹوں پر لاد کر مکہ کو لائے اور وہاں اونٹ ذبح کئے گئے اور بھونے گئے اور تمام لوگوں کو کھانا تقسیم کیا گیا فاقہ زدگی اور گریہ وزاری دفعتاً خوشی اور فراط طعام سے مبدل ہوگئی اور گویا قحط کے بعد انکو ایک نئے سرے سے زندگی حاصل ہوئی۔

ہاشم کے بعد مطلب کو سقیا و رفادہ کی خدمت ملی اور اُن کے بعد عبدالمطلب ابن ہاشم پاس وہ خدمت آئی اور انہیں کے عہد میں ابرہۃ الاشرم نے جو اصحاب الفیل کہلایا ہے کعبہ کے ڈھانے کے قصد سے فوجکشی کی تھی عبدالمطلب کے بعد یہہ خدمت زبیر بن عبدالمطلب کو پہونچی مگر ان سے بخوبی کام نہ چلا تو انہوں نے ابو طالب اپنے بھائی کو وہ خدمت دیدی انہوں نے بھی خیال کیا کہ یہہ کام نہایت مشکل ہے اور اُس میں بہت خرچ کرنا پڑتا ہے اسلئے انہوں نے اپنے بھائی عباس کے سپرد کردی لیکن حضرت عباس کو اسقدر مقدور نہ تھا کہ وہ عہدہ سقیا اور رفادہ کا کام خوبی اور شہرت سے انجام دے سکتے اسلیئے یہہ عہدے اُن کے خاندان سے منتقل ہو کر عبد مناف کی دوسری شاخ میں چلے گئے۔

واقعہ اصحاب فیل

مکہ کے واقعات میں یہہ واقعہ بھی ایک بہت بڑے واقعات میں گنا جاتا ہے اسکا واقعہ عظیم متصور ہونا نہ اس وجہہ سے ہے کہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے اسکا ذکر فرمایا ہے اور نہ اسوجہ سے ہے کہ درحقیقت ایک ایسا عظیم واقعہ ہے کہ مثل اسکے کبھی نہ ہوا ہو بلکہ اسکی عظمت صرف ہمارے مفسروں اور جھوٹی روایتوں کے بنانے والوں کی بدولت ہے جنہوں نے سیدھی سیدھی واقعہ کو ایک عجیب گھڑت اور الف لیلہ کے قصوں سے عجیب تر قصہ گڑھ کر بیان کیا ہے۔

منش کردہ نام رستم داستان ۔۔۔ وگرنہ یلے بود در سیستان

میں اپنے اس خطبہ میں ان لغو اور بیہودہ روایتوں پر اور قرآن مجید کے غلط معنی بیان کرنے پر

جو مفسرین نے اس قصے کی بابت بیان کئے ہیں بحث کرنا نہیں چاہتا جس میں ایک لمبا جداگانہ مباحثہ ہے مگر جو واقعہ کہ گذرا اُس کو صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیتا ہوں

کتابوں میں مذکور ہے کہ اصحاب فیل سے پہلے تبع نے تین دفعہ کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کیا مگر ظلمت و آفت میں گرفتار ہوئے وہ قصے چندان مشہور نہیں ہیں مشہور قصہ اصحاب فیل کا ہے ابرهة الاشرم جو ایک عیسائی حاکم یمن کا تھا اُسنے صنعاء یمن میں قریب غمدان کے ایک عظیم الشان کنیسہ یعنی گرجا بنایا تھا اور قلیس اُسکا نام رکھا تھا اور یہہ بات چاہی کہ لوگ کعبہ کا حج چھوڑ دیں اور اس کنیسہ کا حج کیا کریں اور اسلیئے اُسنے کعبے کے ڈھانے کا ارادہ کیا اور مع فوج کے اور چند ہاتھیوں کے روانہ ہوا اور مغمس میں اُترا اُسوقت قریش اور کنانہ اور خزاعہ اور ہذیل سب لڑنے کو طیار ہوئے مگر اُنہوں نے ابرهة الاشرم سے مقابلہ کرنے کے طاقت اپنے میں نہیں پائی ابرهة الاشرم نے کہلا بھیجا کہ مجھے تم سے جدال و قتال منظور نہیں ہے بلکہ صرف کعبہ ڈھانا مقصود ہے اس گفتگو میں چند روز گذرے اور اسی درمیان میں ابرهہ کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی تمام لشکر برباد ہو گیا بہت سے مر گئے اور بہت سے اُسی حالت میں پھر گئے خدا تعالیٰ نے ان پر ایسی آفت ڈالی کہ جو بد ارادہ اُنہوں نے کیا تھا اُسپر کامیاب نہیں ہوئے ۔

مفسرین نے اس قصہ کو عجب طرح سے رنگا ہے قرآن مجید میں دو لفظ آئے ہیں طیرا اور حجارہ ان دونوں لفظوں کی مناسبت سے جو مفسرین صاحبوں نے جو قصہ چاہا ہے بنا لیا ہے جسکی کچھہ اصل نہیں ہے ۔

اسی سال میں آنحضرت صلعم پیدا ہو چکے تھے جو اُس بے نظیر اصلاح کا ذریعہ ہونیوالے تھے جو قیامت تک بے نظیر رہے گی عبد المطلب اور ابو طالب ان کی پرورش میں مصروف تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن شریف اس حد کو پہنچا جس میں اوس

منصب کے ادا کرنے کا وقت منحصر تھا جس کے لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے تب آپ نے اپنے فطرتی منصب نبوت کو اختیار کیا اور خدائے واحد کی پرستش کا وعظ فرمانا شروع کیا اور بوجہ اُن مصائب کے جو اس کام میں پیش آئے وطن چھوڑنا اور مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنا پڑا مکہ اب اپنے تئیں محفوظ سمجھتا تھا اور خوشی اور اطمینان کے ساتھ اپنے بتوں کی پرستش میں مشغول تھا کہ دفعتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا محاصرہ کیا اور بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے اسکو فتح کر لیا اُس کے بتوں کو توڑا اور پھر خدائے واحد کی پرستش کو قایم کیا جو قیامت تک محمد رسول اللہ کے نام نامی کے ساتھ قائم رہے گی۔

الخطبۃ التاسعۃ

فی

حسبہ ونسبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ

عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں نہایت اکھڑ گنوار جاہل بن لکھے اور بن پڑھے تھے علم ادب بھی جسکو ٹھیک ٹھیک علم ادب کہتے ہیں اُن میں نتھا اور نہ اور کسی فن کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ہاں دو باتیں اُن میں بے مثل تھیں۔ ایک نہایت موثر اور پُر مطلب گنواری فصاحت جو بالتخصیص دہقانیوں میں پائی جاتی تھی اور اس سبب سے اُسکے مضامین طبعی جوشوں پر مبنی ہوتے تھے اور دلوں پر زیادہ اثر کرتے تھے۔ دوسرے بےمثل اور بے نظیر حافظہ۔ اگرچہ بن لکھے پڑھوں کا حافظہ ہمیشہ قوی ہوتا ہے مگر عرب والوں کا حافظہ بہت قوی تھا۔ اسی قوت حافظہ کے سبب وہ اپنی قوموں کی تمام نسلوں کو یاد رکھتے تھے اور نسلوں کے یاد رکھنے کو نہایت فخر سمجھتے تھے جو رفتہ رفتہ ایک علم ہو گیا اور "علم الانساب" اُسکا نام پڑ گیا۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ اپنے نسب پر بہت فخر کرتے تھے اور ہر موقع پر اُسکا ذکر کرنے اور اُسپر شیخی بگھارنے سے نہ چوکتے تھے اور اس سبب سے اُن کو صرف اپنا ہی نسب نامہ یاد رکھنا کافی نہ تھا بلکہ اپنے مخالفوں اور رقیبوں اور ہمسایوں کا نسب نامہ

بھی یاد رکھنا ضرور ہوتا تھا تا کہ اپنی شیخی کے سامنے دوسرے کی شیخی نہ چلنے دیں لکھنا اُن کو آتا تھا
اسلیئے اُن کے نسب نامے لکھے ہوئے نہ تھے جہاں تک یاد تھی یا جو باتیں یاد رکھنے کے قابل تھیں وہ
سب برزبان یاد تھیں اُن کا حافظہ ہی اُن کے لیئے لوح محفوظ تھا۔ حافظہ کیسا ہی قوی ہو مگر
تمام پشتوں کا بترتیب یاد رکھنا ایک غیر ممکن بات تھی اس سبب سے بڑے بڑے جلیل القدر
اور مشہور معروف اشخاص کے نام تو ضرور یاد رہتے باقی لوگوں کے نام جسقدر یاد رہ سکتے تھے
اُسقدر یاد رہتے تھے۔ اُن مشہور آدمیوں کے نام یاد رہنے کا یہہ بھی بڑا سبب تھا کہ اُن کے نام
اور اُن کے حالات شعروں میں ہوتے تھے جو بڑے بڑے معرکوں اور میلوں اور لڑائیوں
میں نہایت فخر کے ساتھہ پڑھے جاتے تھے۔ ان سب رسموں اور عادتوں کا نتیجہ یہہ تھا کہ
ہر شخص اپنے آپ کو اور اپنی ہمسایہ اور اپنی مخالف اور رقیب کو بخوبی جانتا تھا کہ وہ کس قوم اور کس نسل کا
ہے اور کسی کو ایسی جرأت اور ایسی طاقت نہ تھی کہ اپنی قوم اور نسل کو بدل سکے یا جھوٹ موٹ اپنے آپ
کو کسی ایسی نسل کا جس نسل کا درحقیقت وہ نہیں ہی کہنے لگے۔ مگر با اینہمہ سلسلہ وار تمام پشتوں کو
بتلا دینا ہر ایک کو نام بنام مورث اعلیٰ تک گن دینا ایک غیر ممکن امر تھا اسلیئے ہر شخص اپنے باپ
دادا کے نام وہاں تک بیان کرسکتا تھا جہاں تک یاد ہوتے تھے۔ پھر بیچ کی پشتوں کو
چھوڑ کر اُن کے نام لے دیتا تھا جن کے نام اشعار میں مذکور ہوتے تھے۔ پس جس مورخ نے
ایسے لوگوں کا پورا سلسلہ وار نسب نامہ بیان کرنا چاہا اُسکو یہہ سب دقتیں پیش آئیں اور یہہ
ایسی مشکلیں تھیں جن کا حل ہونا کچھہ آسان نہ تھا۔

ایک اور مشکل عرب کے نسب ناموں میں یہہ تھی کہ ایک ہی نام کے کئی کئی شخص
نسب ناموں میں ہوتے تھے اور اسلیئے مورخ دھوکے میں پڑجاتے تھے اور پچھلے شخص کو
وہ شخص سمجھہ جاتے تھے جو اگلوں میں اُسی نام کا کوئی گذرا ہے اور جو پشتیں اُن دونوں

شخصوں کے درمیان میں فی الحقیقت گذری ہیں اُن کا ذکر چھوٹ جاتا تھا اور جبکہ ایک شخص کے کئی نام ہوتے تھے تو دوسری قسم کا دھوکا پڑتا تھا۔ تجنیس خطی کے سبب سے ایک ہی نام کو بعضوں نے کچھ پڑھا اور بعضوں نے کچھ۔ شام میں اور عرب میں یہہ بھی دستور تھا کہ بجائے باپ کے نام کے اُس شخص کا نام لیدیتے تھے جو نسب نامہ کے اشخاص میں مشہور و معروف ہوتا تھا یا جس سے نسل گنی جاتی تھی۔ چنانچہ سینٹ متی حواری نے اپنی انجیل میں حضرت عیسیٰ کے نسبنامہ میں لکھا ہے کہ "کتاب نسب نامہ عیسیٰ مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم" حالانکہ مسیح سے داؤد تک اور داؤد سے ابراہیم تک بہت سی پشتیں ہیں مگر داؤد جو ایک نہایت مشہور نام تھا اُن ہی کا بیٹا حضرت مسیح کو بتادیا اور ابراہیم کا بیٹا داؤد کو کہدیا جس سے نسل چلی تھی اور بیچ کے سب نام چھوڑ دیئے۔

عرب کے لوگوں کی یہہ بھی عادت تھی کہ اپنے باپ دادوں کے ناموں کو جہاں تک اُن کو یاد ہوتے تھے بیان کرتے جاتے اور جب اُن کی یاد کے نام ختم ہوجاتے تھے تو اخیر میں یاد رہے ہوئے شخص کو اُس کا بیٹا کہدیتے تھے جس سے وہ نسل چلی ہے یا جب وہ ایسے شخص پر پہونچتے تھے جسکو ہر کوئی یقیناً اُسی کی اولاد میں جانتا ہی جس سے نسل چلی ہے تو اُس شخص کو اُسی کا بیٹا کہدیتے تھے اور اس سبب سے مؤرخوں کو ایسے لوگوں کا سلسلہ وار نسب نامہ لکھنے میں اور بھی مشکل پڑی ہے۔

جبکہ ہم اپنے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ سلسلہ وار لکھنا چاہتے ہیں تو اُس میں بھی یہ سب مشکلات پیش آتی ہیں آنحضرت صلعم کو اپنے نسبنامہ کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نتھی اور اسی سبب سے کوئی صحیح حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کی موجود نہیں ہے۔ یہہ بات بیشک اُنھوں نے فرمائی کہ ابراہیم خلیل اللہ میرے باپ

اور میرے ولی ہیں جیسا کہ ترمذی نے عبداللہ ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے مگر کسی نامہ
کے طور پر کبھی اپنا نسب نامہ بیان فرمایا اور نہ اُسکے بیان کرنیکی ضرورت تھی کیونکہ تمام عرب کے
لوگ یقینی بلا کسی شک و تردد کے جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ قبیلہ قریش سے ہیں اور اس بات پر
بھی سبکو یقین تھا کہ قبیلہ قریش کا معد ابن عدنان کی اولاد میں ہے عدنان اولاد ہے قیدار
ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم کی اور اتنی ہی بات اس امر کے ثبوت کیلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اولاد اسمٰعیل ابن ابراہیم میں ہیں کافی تھی گو اُن کے درمیان میں کتنی ہی پشتیں گزری ہوں
جن کی تعداد میں اختلاف ہو۔

ہاں اس بات میں کچھ شک نہیں کہ جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
نسب نامہ ترتیب لکھنا چاہا تو اُس میں اختلاف ہوا اسی بنا پر کاتب الواقدی نے ایک
قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ "کذب النسابون" یعنی نسب
بیان کرنیوالے جھوٹے ہیں اور مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب میں ایک روایت
بیان کی ہے کہ اسی اختلاف کے سبب جو نسب نامہ میں
لوگ کرتے تھے فرمایا ہے کہ معد بن عدنان سے آگے
مت بڑھو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نسب نامہ کے
بڑی دور تک ہونے سے اور اُسکے زمانہ دراز میں متعدد
رائیں ہونے سے بخوبی واقف تھے۔ بعضی روایتوں
میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انا ابن الذبیحین یعنی میں دو قربانی
کئے گئے شخصوں کا بیٹا ہوں اور اس قربانی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اُن دونوں شخصوں سے
اسمٰعیل ابن ابراہیم اور عبداللہ باپ محمد رسول اللہ مراد ہیں۔ ابوالفدا فی حضرت ام سلمہ

ولذلك (ای لتنازع الناس فی النسب) نهی النبی صلعم عن تجاوز معد لعلمه من تباعد الانساب و کثرة الآراء فی طول هذه الاعصار (مروج الذهب مسعودی)۔

زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت لکھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ عدنان بیٹا ادد کا اور وہ بیٹا
وروی عن ام سلمۃ زوجۃ النبی صلعم انھا قالت قال رسول اللہ زید کا اور وہ بیٹا برا کا اور وہ بیٹا
صلعم عدنان ابن ادد بن زید بن برا بن عراق الثری فقالت عراق الثری کا ہے اور ام سلمہ نے
ام سلمۃ زید ہمیسع و برا نبت و اسمعیل عراق الثری۔ یہ بھی کہا کہ زید اور ہمیسع ایک ہی
شخص کا نام ہے اور برا نبت اور اسمعیل اور عراق الثری ایک ہیں۔

یہ تمام روایتیں جو اوپر بیان ہوئیں محض غلط اور بلے سند ہیں اور ذرا بھی اعتبار کے لائق نہیں
آنحضرت صلعم کے روبرو کبھی آنحضرت کے نسب نامہ کی نسبت ذکر نہیں ہوا۔ صرف اُنکے نسب کا
یقین کہ قریش ہیں تمام عرب کے دلوں پر جما ہوا تھا اور اسکی کوئی وجہ نہ تھی کہ اُس زمانہ میں آنحضرت
صلعم کے نسب نامہ پر کچھ بحث ہوتی۔ کئی صدی بعد جب کتابوں کی تحریر کا رواج شروع ہوا
اور مورخین کو نسب نامہ کی تحقیق میں مجبوری ہوئی تو اُنھوں نے اپنی کتابوں کے رونق دینے کو
جھوٹی روایتیں خود گھڑلیں یا افواہاً سُنی سُنائی اپنے مطلب کے موافق سمجھکر بلا تحقیق
مندرج کردیں۔ انا ابن الذبیحین کی روایت نہایت غلط ہے۔ اسمعیل کبھی قربانی نہیں ہوئی
جیسا کہ ہمنے اپنے اُس خطبہ میں ثابت کیا ہے جو عرب کے تواریخی جغرافیہ پر لکھا ہے اور عبداللہ
کی قربانی کا بیان محض غلط ہے۔ ہاں بلاشبہہ ترمذی نے جو روایت عبداللہ ابن مسعود سے
عن عبداللہ ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلعم بیان کی ہے وہ کسی قدر اعتبار کے لائق ہے
ان لکل نبی ولاۃ من النبیین وان ولیی ابی عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے
خلیل ربی ثم قرأ "ان اولی الناس بابراھیم للذین فرمایا کہ ہر ایک نبی کے لیئے ایک مربی نبیوں میں سے
اتبعوہ وھذا النبی والذین امنوا واللہ ولی المومنین" ہوتا ہے اور میرا مربی میرا باپ ہے میرے پروردگار کا
(رواہ الترمذی) دوست (یعنی ابراہیم) ہے پھر قرآن کی یہ

آیت پڑھی کہ سب سے زیادہ دوست ابراہیم کے وہ ہیں جنہوں نے اُسکی پیروی کی ہے اور یہ نبی یعنی محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ سب ایمان والوں کا دوست ہے

پانچ شخص ہیں جنکی تحقیق کیئے ہوئے نسب ناموں میں معد ابن عدنان سے لیکر ابراہیم تک پشتوں کا بیان ہوا ہے - ایک بیہقی - دوسرے ابن ہشام - تیسرے ابن الاعرابی - چوتھے برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی علیہ السلام - پانچویں الجرا -

ان میں سے پہلے یعنی بیہقی نے عدنان سے ابراہیم تک دس پشتیں اس طرح پر لکھی ہیں " عدنان ابن عدد ابن المقوم بن یاحور بن یارح بن یعرب بن یشجب بن ثابت بن اسمعیل بن ابراہیم "

اور دوسرے شخص ابن ہشام نے اپنی کتاب المغازی و سیر میں نو پشتیں اس طرح پر لکھی ہیں - عدنان ابن عدد ابن ناحور ابن سود ابن یعرب ابن یشجب ابن ثابت ابن اسمعیل ابن ابراہیم "

اور اسی کتاب کے دوسرے نسخہ میں گیارہ پشتیں اس طرح پر لکھی ہیں " عدنان ابن ادد ابن سام ابن یشجب ابن یعرب ابن الهمیسع ابن ساقو ابن یامد ابن قیدار ابن اسمعیل ابن ابراہیم "

اور تیسرے شخص یعنی ابن الاعرابی نے اس طرح پر نو پشتیں نسب نامہ میں مندرج کی ہیں " عدنان ابن ادا ابن ادد ابن الهمیسع ابن ثابت ابن سلامان ابن قیدار ابن اسمعیل ابن ابراہیم "

اول تو ان نسب ناموں کو اسمعیل تک سمجھنا غلطی ہے کیونکہ اسکے لکھنے والوں نے جہانتک اُنکو نام یاد تھے وہاں تک لکھکر اُسکے مشہور اشخاص قیدار و اسمعیل کا نام لیدیا ہی

اور بیچ کے نام جو یاد نہ رہے تھے چھوڑ دیئے ہیں۔ جن لوگوں نے اونکو پورا سمجھا ہے بڑی غلطی کی اور خود اُس زمانہ ہی جو عدنان اور ابراہیم کے درمیان میں گذرا ہے اُنکی غلطی ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے یہہ کہ نسب نامے خود بھی غلط ہیں۔ ابن ہشام کے دونوں نسخے آپس ہیں مختلف ہیں اور ثابت کے ذریعے سے سمعیل تک قریش کا نسب نامہ پہونچانا ایک ایسی غلطی ہے جو خود عرب جاہلیت کی روایتوں سے جو تاریخی وقعت کے درجہ کو پہونچ گئی ہیں غلط ثابت ہوتی ہے۔ ابن الاعرابی کے نسب نامہ کا بھی کچھہ ثبوت روایتاً یا درایتاً نہیں ہے بس دو نسب نامے باقی رہ گئے ایک باروخ یا برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی کا اور دوسرا البحرا کا۔

و اما الذی ذکرہ البحرانی النسابۃ فی شجرۃ النسب وھو المختار (ابو الفدا)	ابو الفدا نے بھی لکھا ہے کہ جو نسب نامہ البحرا نے لکھا ہے وہی درست ہے اور وہی اختیار کرنیکے لائق ہے کوئی وجہہ اسبات کی نہیں ہے کہ حضرت سمعیل کی اولاد کا جو سلسلہ برخیا کاتب

الوحی حضرت یرمیا نبی نے اپنے زمانہ تک کا لکھا ہے اُسپر ہم اعتبار نہ کریں خصوصاً اس وجہ سے کہ معد ابن عدنان حضرت یرمیا نبی کے وقت میں تھے اور بخت نصر کے ہنگامہ میں حضرت یرمیا نبی نے اُن کو بچایا تھا اور ساتھہ لیگئے تھے اور یہہ ایک قوی قرینہ اس بات کا ہے کہ برخیا کاتب الوحی یرمیا نبی کو معد کا نسب نامہ لکھنے کی سمعیل ابن ابراہیم تک ضرورت پڑی ہوگی یہہ شجرہ حضرت سمعیل کی اولاد کا یا یوں کہو کہ معد ابن عدنان کا ابراہیم تک نسب نامہ جو برخیا کاتب الوحی نے لکھا ہمارے ہاں کی کتابوں میں بھی مندرج ہے۔ چنانچہ مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب میں اُس کو بعینہ نقل کیا ہے۔ ہشام کلبی کی روایت جو واقدی میں ہے اُس میں اُسی شجرہ کو بیان کیا ہے مگر ناموں کے تلفظ میں بسبب مجانست الفاظ کے اور نقل کے فرق ہوگیا ہے مثلاً ایک نے ایک نام لکھا ہے افناد قاف اور نون سے

دوسرے نے لکھا ہی اقتاد فے او رتے سے یا مثلاً ایک نے لکھا ہی عیسی بالیاء، اور دوسرے نے لکھا ہی عیسی بالراء
اور غالبًا کاتب نے کشش دار حرف یا کو حرف الرا سمجھ لیا ہے اسی طرح ناموں کے تلفظ و نقل میں
اختلاف ہے ورنہ وہ دونوں واحد ہیں اور وہی شجرہ ہے میں جو برخیا کاتب الوحی نے اپنے زمانہ
تک کے لکھے ہیں۔

الجرا کا نسب نامہ درحقیقت اسمعیل ابن ابراہیم تک نہیں ہے بلکہ حمل ابن معد ابن عدنان اول تک ہے
یعنی وہاں تک کہ برخیا کاتب الوحی نے شجرہ لکھا تھا مگر چونکہ الجرا نے بھی اُن ناموں کو جو برخیا کاتب الوحی نے
لکھے تھے چھوڑ کر حسب دستور عرب شام اُسکے اخیر میں قیدار ابن اسمعیل اور ابراہیم کا نام لکھدیا تھا۔
لوگوں کو شبہہ پڑا کہ یہہ مستقل جداگانہ نسب نامہ ہی حالانکہ درحقیقت وہ برخیا کاتب الوحی کے نسب نامہ
کا تتمہ ہے۔ ایک اور وجہ غلطی میں پڑنے کی یہہ بھی ہوتی ہے کہ برخیا کاتب الوحی اور الجرا کے نسب نامہ
میں مکرر نام آتے ہیں خصوصًا معد اور عدنان کے اور اسی سبب سے لوگوں نے اُسکو جداگانہ نسب نامہ
خیال کیا حالانکہ مکرر ناموں کا آنا کوئی امر قابل اشتباہ کے نہیں ہے۔ پس اب ہم برخیا کاتب الوحی
کے نسب نامہ کے نیچے الجرا کا نسب نامہ جو اُسکا تتمہ ہے لگا دیتے ہیں جس سے آنحضرت صلعم کا نسب نامہ اسمعیل ابن
ابراہیم تک پورا ہو جاتا ہے جن وجوہات سے کہ ہمنے الجرا کے نسب نامہ کو برخیا کاتب الوحی کے
نسب نامہ کا تتمہ بیان کیا اور دونوں کی صحت کو تسلیم کیا اُسکی وجوہات یہہ ہیں۔

اوّل یہ کہ اسمعیل سنہ ۲۰۹۴ دنیاوی مطابق سنہ ۱۹۱۰ قبل مسیح کے پیدا ہوتے تھے اور محمد صلعم
سنہ ۴۵۷۴ دنیاوی مطابق ۵۷۰ بعد مسیح کے پیدا ہوئے تھے پس دونوں ولادتوں میں چوبیس سو
چہتر برس کا فاصلہ ہے اور اسمعیل سے آنحضرت تک اس نسب نامہ کی ستر پشتیں گزرتی ہیں جو
از روی حساب اُس سلسلۂ نسل کے جو علی العموم علوم طبعی کی تحقیقات سے اختیار کیا جاتا ہے بالکل
صحیح ہے یعنی قریب تین پشت کے ایک صدی میں۔

دوسرے یہ کہ معد ارمیا نبی دونوں ایک وقت میں تھے چنانچہ مروج الذہب مسعودی جلد ۴ صفحہ ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ معد بن عدنان کے ارمیا نبی کے ساتھ جو حالات گزری وقد کان لارمیا معه معد ابن عدنان اخبار یطول ذکرها (مسعودی) ہیں وہ بہت طولانی ہیں وہ حالات یہ ہیں کہ جب بخت نصر نے عرب پر حملہ کیا اور عدنان اور بنی جرہم کو شکست دی اور مکہ کو لوٹ لیا اور صدہا آدمیوں کو پکڑ کر بابل میں لیگیا اُس وقت اللہ تعالی نے معد بن عدنان کو اُس سے بچایا اور ارمیا نبی اور برخیا خدا کی حکم سے معد کو اپنے ساتھ لیگئے اور حیران میں اُنکو بحفاظت رکھا۔ ارمیا نبی کا زمانہ سال دنیوی کے حساب سے پینتالیسویں صدی میں یعنی چھٹی صدی قبل مسیح میں تھا اور جو نسب نامہ ہم نے صحیح قائم کیا ہے اُس میں بھی نسلوں کا عام سلسلہ بموجب معد بھی اسی زمانہ میں ہوتا ہے جو ایک نہایت قوی دلیل اس سلسلہ کی صحت کی ہے اور برخیا کاتب الوحی کی تاریخانہ تحریر اور عام عرب کی مشہور روایت سے عجب طرح پر مطابقت پائی جاتی ہے۔

سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمدؐ جلد اصفحہ ۱۹۴ میں لکھا ہے کہ یہ روایت معد اور ارمیا نبی کی صحیح معلوم نہیں ہوتی اسلئے کہ آنحضرت صلعم و عدنان میں اٹھارہ پشتیں ہیں اور نسلوں کے صحیح حساب سے عدنان کی پیدایش ۱۳۰ قبل مسیح سے پہلے کی نہیں ہوسکتی حالانکہ بخت نصر کے حملوں کا زمانہ ۶۰۰ قبل مسیح میں پایا جاتا ہے۔

مگر سر ولیم میور کو ناموں کے متحد ہونے سے یہ شبہ پڑا ہے عدنان بھی دو ہیں۔ اور معد بھی دو ہیں۔ ایک وہ ہیں جو برخیا کاتب الوحی کے شجرہ میں ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو الجراوالے نسب نامہ میں ہیں۔ پس وہ روایت نسبت پہلے معد ابن عدنان کے ہے۔ سر ولیم میور نے دوسرے معد ابن عدنان کی نسبت وہ روایت تصوّر کی ہے۔ عک بلاشبہ معد کا بھائی تھا مگر اُس سے پہلے معد کا نہ دوسرے معد کا جیسا کہ سر ولیم میور نے تصور کیا ہے۔ عرب کے

دوسرے نے لکھا ہو افتاد فرق ہوتے سے یا مثلاً ایک نے لکھا ہی عیسی بالیاء اور دوسرے نے لکھا ہی عیسٰر بالراء اور غالباً کاتب نے کشندار حرف یا کو حرف الراء سمجھ لیا ہے اسی طرح ناموں کے تلفظ و نقل میں اختلاف ہے ورنہ وہ دونوں واحد ہیں اور وہی شجرے ہیں جو برخیا کاتب الوحی نے اپنے زمانہ تک کے لکھے ہیں۔

الجرا کا نسب نامہ درحقیقت اسمٰعیل ابن ابراہیم تک نہیں ہے بلکہ حمل ابن معد ابن عدنان اول تک ہے یعنی وہاں تک جہ برخیا کاتب الوحی نے شجرہ لکھا تھا مگر چونکہ الجرا نے بھی اُن ناموں کو جو برخیا کاتب الوحی نے لکھے تھے چھوڑکر حسب دستور عرب شام اُسکے اخیر میں قیدار بن اسمٰعیل اور ابراہیم کا نام لکھدیا تھا۔ لوگوں کو شبہہ پڑا کہ یہہ مستقل جداگانہ نسب نامہ ہے حالانکہ درحقیقت وہ برخیا کاتب الوحی کے نسب نامہ کا تتمہ ہے۔ ایک اور وجہ غلطی میں پڑنے کی یہہ بھی ہوتی ہے کہ برخیا کاتب الوحی اور الجرا کے نسب نامہ میں مکرر نام آتے ہیں خصوصاً معد اور عدنان کے اور اسی سبب سے لوگوں نے اُسکو جداگانہ نسب نامہ خیال کیا حالانکہ مکرر ناموں کا آنا کوئی امر قابل اشتباہ کے نہیں ہے۔ پس اب ہم برخیا کاتب الوحی کے نسب نامہ کے نیچے الجرا کا نسب نامہ جو اُسکا تتمہ ہے لگادیتے ہیں جس سے آنحضرت صلعم کا نسب نامہ اسمٰعیل ابن ابراہیم تک پورا ہو جاتا ہے جن وجوہات سے کہ ہمنے الجرا کے نسب نامہ کو برخیا کاتب الوحی کے نسب نامہ کا تتمہ بیان کیا اور دونوں کی صحت کو تسلیم کیا اُسکی وجوہات یہہ ہیں۔

اوّل یہہ کہ اسمٰعیل سنہ ۲۰۹۴ دنیاوی مطابق سنہ ۱۹۱۰ قبل مسیح کے پیدا ہوتے تھے اور محمد صلعم سنہ ۴۵۷۴ دنیاوی مطابق ۵۷۰ بعد مسیح کے پیدا ہوئے تھے پس دونوں ولادتوں میں جو چہتیر بیس سو برس کا فاصلہ ہے اور اسمٰعیل سے آنحضرت تک اس نسب نامہ کی ستر پشتیں گزرتی ہیں جو ازروی حساب اُس سلسلہ نسل کے جو علی العموم علوم طبعی کی تحقیقات سے اختیار کیا جاتا ہے بالکل صحیح ہے یعنی قریب تین پشت کے ایک صدی میں۔

دوسرے یہہ کہ معد اور ارمیا نبی دونوں ایک وقت میں تھے چنانچہ مروج الذہب مسعودی جلد ۴ صفحہ ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ معد ابن عدنان کے ارمیا نبی کے ساتھ جو حالات گزرے وقد کان لارمیا مع معد ابن عدنان اخبار یطول ذکرھا (مسعودی) ہیں وہ بہت طولانی ہیں وہ حالات یہ ہیں کہ جب بخت نصر نے عرب پر حملہ کیا اور عدنان اور بنی جرہم کو شکست دی اور مکہ کو لوٹ لیا اور صدہا آدمیوں کو پکڑ کر بابل میں لیگیا اُس وقت اللہ تعالی نے معد ابن عدنان کو اُس سے بچایا اور ارمیا نبی اور برخیا خدا کے حکم سے معد کو اپنے ساتھ لیگئے اور حیران میں انکو بحفاظت رکھا۔ ارمیا نبی کا زمانہ سال دنیوی کے حساب سے پنیتالیسویں صدی میں یعنی چھٹی صدی قبل مسیح میں تھا اور جو نسب نامہ ہمنے صحیح قایم کیا ہے اُنہیں بھی نسلوں کا عام سلسلہ بموجب معد بھی اسی زمانہ میں ہوتا ہے جو ایک نہایت قوی دلیل اس سلسلہ کی صحت کی ہے اور برخیا کاتب الوحی کی تاریخانہ تحریر اور عام عرب کی مشہور روایت سے عجب طرح پر مطابقت پائی جاتی ہے۔

سر ولیم میور نے اپنی کتاب لایف آف محمد جلد ا صفحہ ۱۹۴ میں لکھا ہے کہ یہہ روایت معد اور ارمیا نبی کی صحیح معلوم نہیں ہوتی اسلئے کہ آنحضرت صلعم و عدنان میں اٹھارہ پشتیں ہیں اور نسلوں کے صحیح حساب سے عدنان کی پیدایش ۱۳۰ سنہ قبل مسیح سے پہلے کی نہیں ہوسکتی حالانکہ بخت نصر کے حملوں کا زمانہ ۵۸۸ سنہ قبل مسیح میں پایا جاتا ہے۔

مگر سر ولیم میور کو ناموں کے متحد ہونے سے یہہ شبہہ پڑا ہے عدنان بھی دو ہیں۔ اور معد بھی دو ہیں۔ ایک وہ ہیں جو برخیا کاتب الوحی کے شجرہ میں ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو الجرا والے نسب نامہ میں ہیں۔ پس وہ روایت نسبت پہلے معد ابن عدنان کے ہے۔ سر ولیم میور نے دوسرے معد ابن عدنان کی نسبت وہ روایت تصوّر کی ہے۔ عک بلاشبہہ معد کا بھائی تھا مگر اُس سے پہلے معد کا نہ دوسرے معد کا جیسا کہ سر ولیم میور نے تصوّر کیا ہے۔ عرب کے

ضلع حضرموت میں جو قلعہ قوم عاد کا از نام حصن الغراب تھا اور جسمیں سے ایک کتبہ نکلا جس میں
ہود پیغمبر کا ذکر ہے اور اسمین عک کا بھی نام ہے - یہ عک اُسی پہلی معد کا بھائی معلوم ہوتا ہے
ہمارے اس خطبہ کے پڑہنے والوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ محمد صلعم سے عدنان تک جو
ہمارے مرتبہ شجرہ مین بیالیسویں نمبر پر ہے پشتون کا سلسلہ عموماً تسلیم کیا گیا ہے اور کسی مورخ
کو اُس میں اختلاف نہیں ہے مگر عدنان سے آگے بلحاظ اُن وجوہات کے جو اوپر مذکور
ہوئیں مورخوں میں اختلاف ہے - بیہقی کا قول ہے کہ اُسکے اُستاد حافظ ابو عبد اللہ
قال البیہقی المذکور کان شیخنا کہتے تھے کہ رسول خدا صلعم کا نسب عدنان تک صحیح ہے
ابو عبد اللہ الحافظ یقول نسب اور اوس سے اوپر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسپر بھروسا
رسول اللہ صلعم صحیحا الی عدنان کیا جاوے" مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہہ قول بیہقی کا
وما وراء عدنان فلیس فیہ اگر صحیح ہو تو اُسکے استاد کی ایک راے وسمجہ ہے کوئی
شیٔ نعتمد علیہ (ابو الفدا) مذہبی حدیث نہیں ہے جسپر یہہ استدلال ہو سکے کہ مذہبی
روایت کے بموجب اُس کی صحت نہیں ہے -

بلاشبہہ اہل عرب بنی اسرائیل سے نہایت قرابت قریبہ رکھتے تھے وہ اسمعیل کی اولاد
تھی اور یہہ اُسکے بھائی اسحق کی - وہ اَن پڑہ جاہل تھے - اور یہہ لکھے پڑھے قابل -
پس یہہ ایک قدرتی و طبعی بات تھی کہ جس بات سے وہ ناواقف ہوں اپنے اسرائیلی بھائیوں سے
اُسکو دریافت کریں یا جس بات کی تفصیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی
تھی اسکا مفصل حال اپنی اسرائیلی بھائیوں سے پوچھیں - خصوصاً اس وجہ سے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ حالات تاریخی واقعات کی نسبت بنی اسرائیل سے روایت کرنیکو
منع نہیں فرمایا تھا بلکہ اجازت دی تھی اور جس کسی بات مین کوئی خاص حکم نہ تھا تو یہود کے

تتبع کو جو اہل کتاب تھی مناسب سمجھا تھا۔ پس جبکہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کے نسب نامہ لکھنے کا خیال ہوا جسکا کبھی مذکور آنحضرت صلعم کی زندگی میں نہوا تھا تو بلاشبہہ اُنہوں نے یہودیوں اپنے اسرائیلی بھائیوں سے جو لکھے پڑھے تھے اور جنکے ہاں تاریخ نویسی اور نسبناموں کی تحریر کا بھی سلسلہ جاری تھا مدد لی اور اونکی کتابوں کی بھی تحقیق کی اور نسب نامہ مرتب کیا اور یہی وجہ ہوئی کہ بسبب مشابہ ہونے حروف ہجی عبری کے پھر اُسکی دوسرے خط کوفی میں نقل ہونے پھر خط ثلث میں نقل ہونے اور پھر موجودہ خط عربی میں نقل ہونے سے الفاظ کا اُلٹ پھیر تلفظ کا ادل بدل ہوا اور کاتبین کی غلطی سے کوئی نام رہ گیا کوئی بڑھ گیا جو منشاء اختلاف ہے مگر جب کمال غور و فکر سے اُسپر لحاظ کیا جاوے تو اُسکی صحت بخوبی ہوسکتی ہے جیسے کہ بقدر اپنی فہم کے ہمنے کی ہے۔ چنانچہ اہنی واقعات کا ذکر واقدی نے اپنی کتاب میں کیا ہے کہ مَیں نے اس بات میں کہ معد اولاد قیدار بن اسمعیل میں ہے کسی کا اختلاف نہیں دیکھا اور یہہ اختلاف جو آپ کے نسب میں ہے اسبات کی دلیل ہے

ولم اربینھم اختلافا ان معدا من اولاد قیدار بن اسمعیل وھذا الاختلاف فی نسبہ یدل علی انہ لم یحفظ وانما اخذ ذلک من اھل الکتاب وترجموہ لھم فاختلفوا فیہ ولو صح ذلک کان رسول اللہ اعلم الناس بہ فالامر عندنا علی الانتھاء الی معد ابن عدنان ثم الامساک عما وراء ذلک الی اسمعیل ابن ابراھیم	کہ اہل عرب کو یا مسلمانوں کو نسب نامہ یاد نہیں تھا اُنہوں نے یہ نسبنامہ اہل کتاب سے لیا ہے اُنہوں نے اُسکو ترجمہ کردیا اور پھر اُن کو اُس میں اختلاف ہوگیا۔ اور اگر یہہ نسبنامہ صحیح ہوتا تو رسول خدا صلعم سب لوگوں سے زیادہ اُسکے جاننے والے تھے پس ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ معد ابن عدنان تک ٹھہر جانا چاہیئے اور اُس سے آگے اسمعیل تک کچھ نہ کہنا چاہیئے۔

(کاتب الواقدی) واقدی کے اِس فقرہ کو سر ولیم میور نے بھی

اپنی کتاب لائف آف محمد میں نقل کیا ہے مگر اس میں کوئی ایسی بات جس میں آنحضرت صلعم کے اولاد اسمعیل ہونے میں شبہ پڑے نہیں ہے یہ بات سچ ہے کہ ہمکو نسب نامہ ابراہیم تک یاد نتھا یہ بھی سچ ہی کہ ہمنے یہودیوں سے جو ہمارے اسرائیلی بھائی ہیں یا اُنکی کتابوں سے اُس کے تحقیق کرنے پر مدلی ہے جو وجہ اختلاف ہمنے بیان کی ہو اُسی کی طرف واقدی نے بھی اشارہ کیا ہی۔ پھر بھی سچ ہے کہ رسول خدا صلعم اعلم الناس تھے اگر اُن کے سامنے اس کا تذکرہ ہوتا یا اُسکی بیان کی ضرورت ہوتی یا آنحضرت سے پوچھا جاتا تو خدا کی ہدایت سے بالکل صحیح و درست بتلا دیتے مگر نہ اُسکی ضرورت ہوئی نہ آنحضرت صلعم سے پوچھا گیا اور اسی وجہہ سے ہمکو اور ذریعوں سے تحقیق کرنیکی ضرورت پڑی باقی جو کچھ واقدی نے کہا ہے وہ خاص واقدی کی رائے ہے اوسکے نزدیک سعد بن عدنان تک نسب نامہ کی تحقیقات میں کچھ شبہ نہیں رہا اوس سے زیادہ اوسکو تحقیق نہیں ہوا اسلیئے وہ کہتا ہے کہ سعد بن عدنان سے زیادہ بیان کرنا کچھ ضرور نہیں مگر ہماری تحقیق یہہ ہے کہ برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی کا لکھا ہوا شجرہ صحیح ہے اور وہ اسمعیل ابن ابراہیم تک پہونچا ہوا ہے۔

سر ولیم میور صاحب کا یہ کہنا ہم دل سے قبول کرتے ہیں کہ یہہ بات صاف صاف تسلیم کیجاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کا نسب نامہ عدنان تک خاص عرب کے ملکی روایتوں سے لیا گیا ہے اور عدنان سے آگے یہودیوں سے" مگر ہماری تحقیق اور سر ولیم میور کی تحریر میں اتنا فرق ہے کہ وہ اُس عدنان تک عرب کی ملکی روایتوں کا نسب نامہ تبلاتے ہیں جو ہمارے مرتبہ کرسی نامہ میں پچاس نمبر پر ہے اور ہم اُس عدنان تک ملکی روایتوں کا نسب نامہ قبول کرتے ہیں جو اکتالیس نمبر پر ہے اور باقی کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہود کی تاریخ سے لیا ہوا ہے۔

ہمکو اس بات کے دیکھنے سے نہایت تعجب ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے اپنی کتابوں اور تحریروں میں کیوں اس امر کے ثابت کرنے میں بیفائدہ سعی کی ہے اور اپنا وقت ضایع کیا ہے اور قوائے عقلیہ و دماغیہ کو صرف کیا ہے جس سے ہم مسلمان کبھی منکر نہیں ہوئے یعنی یہہ امر کہ یہودیوں اور مسلمانوں کے مذہب میں ایک تعلق ہے اور پچھلا پہلے پر مبنی ہے اور جب وہ اس امر کو نہایت سعی بے حاصل سے ثابت کر چکتے ہیں تو از راہ طعن ہمپر یہہ الزام لگاتے ہیں کہ ہمنے فلاں فلاں بات یہودیوں کے مذہب سے لی ہے گویا مذہب اسلام میں ایسی بات نہیں ہے جو خود وہ اپنے اصول پر قائم ہو بلکہ یہودیوں کے ہاں سے چرایا ہوا ہے اور جیسے کہ مذہب عیسائی بالکل مذہب یہود کا محتاج ہے ویساہی مذہب اسلام بھی مذہب یہود کا محتاج ہے اگرچہ یہہ امر کہ کون سا مذہب مسلمانی یا عیسائی زیادہ تر بلکہ بالکل مذہب یہود کا محتاج ہے ہر ایک پر روشن ہے مگر ہم خوشی سے امر مذکور کو تسلیم کریں گے کیونکہ جو مشابہت ان دونوں ربانی الہامی مذہبوں میں پائی جاتی ہے اُس سے انکار کرنے کے بدلے ہم اُسکو اپنا نہایت فخر سمجھیں گے کہ ہم مسلمان ہی ہیں جو ہر ایک سچے اور خدا کے بھیجے ہوئے نبی کے سچے پیرو ہیں۔ ہم ہی یقین کرتے ہیں کہ آدم و نوح اور ابراہیم و یعقوب و اسحق و اسمٰعیل و موسیٰ و عیسیٰ اور محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین سب کا ایک ہی دین تھا۔ ہمارے پیغمبر کو خدا نے فرمایا کہ قل یا اھل الکتٰب تعالوا الیٰ یہودیوں اور عیسائیوں سے کہدے کہ ایک بات کو مان لو کلمة سواء بیننا و بینکم جو تمہارے ہاں بھی وہی ہے اور وہ یہہ ہے کہ خدا کے سوائے ان لا نعبد الا اللہ (قرآن) اور کسیکو مت پوجو۔ ہم مسلمانوں کا ذاتی فخر یہی ہے کہ ہم یہودیوں سے زیادہ موسیٰ کلیم اللہ کے اور عیسائیوں سے زیادہ عیسیٰ روح اللہ کے پیرو ہیں جنہوں نے یحییٰ و عیسیٰ اور محمد رسول اللہ کے مبعوث ہونے کی خبر دی تھی اور اُنکی پیروی کی ہدایت

کی تھی - مگر یہودیوں نے اُن تینوں کو اور عیسائیوں نے اس پچھلے کو جبرا ایمان کا خاتمہ تھا نہ مانا مگر سچی پیروی موسیٰ و عیسیٰ کی ہم مسلمانوں ہی نے کی -

آنحضرت صلعم کے نسب نامہ کی نسبت کیا بیہودہ گفتگو عیسائیوں نے کی ہے - خدا تعالیٰ کے اس وعدہ کا پورا ہونا جو اُسنے بنی اسرائیل سے موسیٰ کی زبانی کیا کہ "میں تمہارے بھائیوں یعنی بنی اسمعیل میں سے موسیٰ کی مانند ایک نبی پیدا کرونگا" کچھ اسبات پر منحصر نہ تھا کہ بنی اسمعیل کی نسلیں محمد سے لیکر اسمعیل تک ہمکو کامل ترتیب اور پوری تعداد سے یاد ہوں اور نہ اسبات پر اُسکا انحصار تھا کہ وہ کرسی نامہ ہم عرب کی ملکی روایتوں سے یاد کریں یا یہود کی روایتوں اور برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی کی تحریروں سے - وہ تو اسمعیل کی اولاد میں سے ایک کے لیے ہونا تھا سو محمد رسول اللہ کی نسبت پورا ہوا - تمام عرب اور یہود اور عرب کے قرب وجوار کی تمام قومیں اور اگلے پچھلے تمام مورخ خواہ وہ عرب کے رہنے والے ہوں یا کسی اور ملک کے مسلمان ہوں یا کسی اور مذہب کے اسبات میں ذرا بھی شبہ نہیں رکھتے بلکہ بالکل تسلیم کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ بنی ہاشم قریش اسمعیل ابن ابراہیم کی اولاد میں ہیں -

محمد رسول اللہ نے قریش کو پکار کر مخاطب کیا کہ "ابیکما ابن ھیئہ" جسکو سب نے تسلیم کیا اور کون ایسا شخص ہے کہ جس میں اسقدر جرأت ہو کہ وہ سچ بات کو تسلیم نہ کرے چنانچہ ہم اس مقام پر چند رائیں عالم مورخوں کی نقل کرتے ہیں ابو الفدا لکھتا ہے کہ

ونسبہ صلعم الی عدنان متفق علیہ من غیر خلاف وعدنان من ولد اسمعیل بن ابراھیم الخلیل علیہ السلام من غیر خلاف لکن الخلاف فی ھذا الاباء الذین بین عدنان واسمعیل فعد بعضھم منھا نحو اربعین رجلا وعد بعضھم سبعۃ (ابو الفدا)	نسب آنحضرت صلعم کا عدنان تک متفق علیہ ہے بغیر اختلاف کے اور اس میں بھی کہ عدنان اولاد اسمعیل ابن ابراہیم میں ہے کچھ اختلاف نہیں ہے لیکن اُن پشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے

جو عدنان اور اسمٰعیل کے درمیان میں ہیں پس بعضوں نے تو چالیس پشتوں کے قریب گنی ہیں اور بعضوں نے سات" - جن لوگوں نے جس شبہ سے سات گنی تھیں اُسکی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں پس اصل میں وہ بھی کچھ اختلاف نہ تھا بلکہ صرف سمجھ کی غلطی تھی -

مشہور مورخ مسٹر گبن جو تمام عالم میں مشہور ہے لکھتا ہے کہ "محمد کو حقیر اور مبتذل نسل سے کہنا عیسائیوں کا ایک احمقانہ افترا ہے - ایسا افترا کرنے سے بجائے اسکے کہ اپنے مخالف کی خوبیوں کو گھٹاویں اسکی خوبیوں کو اور زیادہ بڑھاتے ہیں اسمٰعیل سے اُن کی نسل کا ہونا ایک قومی تسلیم کی ہوئی بات اور ملکی روایت سے ثابت شدہ امر ہے - بالفرض اگر کرسی نامہ کی پہلی نسلیں بخوبی معلوم نہوں اور ابہام میں ہوں تو اور بہت پشتیں ایسی ہیں جو صاف صاف شریف و نجیب ہیں وہ قریش اور بنی ہاشم میں ہیں جو اہل عرب میں بہایت نامی اور مکہ کے فرمانروا اور کعبہ کے موروثی محافظ تھے"

رونڈ مسٹر فارسٹر صاحب بھی یہی گواہی دیتے ہیں اور اُن کی گواہی ایسی ہے جو غالبًا اُنہوں نے خوشی سے ندی ہوگی وہ لکھتے ہیں کہ "اب تک بنی قیدار کا سُراغ قدیمی جغرافیے سے لگایا ہے اب اسبات کا دیکھنا باقی ہے کہ قدیمی روایتوں کو عرب کی روایتوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے کیا ثبوت حاصل ہو سکتا ہے - کیونکہ یورپ کے نکتہ چینیوں کی رائے میں عرب کی ایسی روایت جسکی تائید میں اور کوئی ثبوت نہو گو کیسے ہی اعتراض کے قابل ہو مگر روایت کی جانچ اور پڑتال کے جو قوانین مسلمہ ہیں اُن کے مطابق اُنپر غور کرنے سے اس بات کا انکار کرنا ناممکن ہے کہ وہ روایت مذہبی اور دنیاوی دونوں طرح کی تاریخ کے مطابق ہے - خاص عرب کے لوگوں کی یہ خاص قدیمی روایت ہے کہ قیدار اور اُس کی اولاد ابتدا ہیں حجاز میں آباد ہوئی تھی - چنانچہ قوم قریش اور خصوصًا مکہ کے بادشاہ اور کعبے کے متولی ہمیشہ اس بزرگ کی نسل میں ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور خاص حضرت محمد نے اسی بنیاد پر کہ اسمٰعیل کی نسل اور قیدار کی اولاد

ہیں اپنی قوم کی دینی اور دنیوی عظمتوں کے استحقاق پر تائید کی ہے"۔

صرف سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد میں علماء کی متفق رائے سے اختلاف کیا ہے ہم اُس اختلاف کے جانچنے پر مستعد و آمادہ ہیں۔ اُنہوں نے صرف اپنے قیاسی باتوں سے اُن حقیقتوں پر اعتراض کیا ہے جو آفتاب کیطرح روشن ہیں اور مذہبی اور دنیوی دونوں طرح کی تاریخ سے بلاکسی شبہ کے ثابت ہوتی ہیں چنانچہ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ "جو کوششیں ہمیشہ مذہب اسلام کی روایتوں اور عرب کے قصوں کو توریت اور یہودیوں کی روایتوں سے مطابق کرنے کیواسطے کی گئی ہیں اُسکو بھی ہم اُسی سبب سے منسوب کرسکتے ہیں اس کلیہ کو خاص حضرت محمدؐ کے حالات حیات سے بہت کم تعلق ہے لیکن وہ اُن کے بزرگوں اور عرب کی قدیمی روایتوں سے ایک وسیع اور مؤثر تعلق رکھتا ہے۔ یہہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیل کی اولاد میں سے خیال کیا جاوے اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسمٰعیل کی نسل میں سے ثابت کئے جاویں اُنکی حین حیات میں پیدا ہوئی تھی اور اسطرح محمدؐ کے ابراہیمی نسبنامہ کے ابتدائی سلسلہ گھڑے گئے تھے اور اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بیشمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ میں ڈھالے گئے تھے"۔

مگر سر ولیم میور کے اس قیاس کی غلطی کیسی علانیہ ظاہر ہے۔ آنحضرت صلعم کی زندگی میں کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں ہوا کہ کوئی نسبنامہ ابراہیم تک درست کیا جاوے نہ کبھی اس بات کا دھیان ہوا کہ آنحضرت کو اولاد ابراہیم ثابت کرنے میں کوشش ہو۔ یہہ ایک ایسی بات ثابت شدہ محقق تھی کہ جس میں کسیکو کسی جدید ثبوت کی تلاش کی حاجت نہ تھی۔ کیا آفتاب نصف النہار کے اثبات کا دن دھاڑے کسیکو خیال آسکتا ہے؟ تمام قرآن مجید میں کہیں اس بات پر زور نہیں ڈالا گیا۔ تمام معتبر کتابیں حدیثوں کی اس مباحثہ سے خالی ہیں چند نامعتبر

روایتیں جو کئی صدی بعد وفات آنحضرت صلعم کے پیدا ہوئیں اور اُسوقت پیدا ہوئیں جب کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا اور مصنفوں نے آنحضرت صلعم کا نسب نامہ لکھنا چاہا اُن کا بھی سلسلہ سند آنحضرت تک نہیں پہونچایا گیا - پس یہہ قیاس کرنا کیسا غلط قیاس ہے کہ یہہ خواہش آنحضرت صلعم کی زندگی میں پیدا ہوئی تھی - ہمارے علماء نے جب آنحضرت صلعم کی کا نسب نامہ لکھنا چاہا تو اُس کی تحقیقات کی اور اُسکی نسبت جو اُن کی راے اور تحقیقات ہو بلا کسی تامل کے بلا کسی خیال کے بلا کسی تردد کے بلا کسی دل کے دھکڑ پکڑ کے نہایت بے پروائی اور سادگی و صفائی سے لکھدی جس سے خود یہہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمانوں کے دل میں نہ کبھی اس امر میں شبہہ تہا نہ اُن کو تردد تھا نہ کبھی اُنکو اسبات کے ثابت کرنیکی فکر تھی اور نہ کبھی وہ چوری و فریب اُن کے دل میں تھا اور نہ کبھی اُس کے ثبوت کے درپے تھے جسکا قیاس سر ولیم میور نے اپنی راے میں کیا ہے پس وہ اُن کا قیاس محض غلط ہے اور مطلق اعتبار کے لایق نہیں -

اَب ہم اِس خطبہ کے خاتمہ میں اپنے پیغمبر کا نسب نامہ جس طرح پر کہ ہمنے تحقیق کیا مندرج کرتے ہیں اور چونکہ مجھکو بھی اِس بات کا فخر حاصل ہے کہ میں بھی اُسی آفتاب عالمتاب کے ذروں میں سے ہوں اسلیئے اپنے نسب نامہ کو بھی اُسکے ساتھہ شامل کردیتا ہوں تاکہ جو روحانی ارتباط مجھکو اُس سرور دوجہاں سے ہے - اور جو خون کا اتحاد مجھ میں اور اُس سرورِ عالم میں ہے اور جس کے سبب "لحمک لحمی ودمک دمی" کا ہمارا موروثی خطاب ہے اُس ظاہری ارتباط سے بھی معزز ہوجاوے -

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

الخطبة العاشرة

فی

البشارات المذکورة فی التوراة والانجیل

یَجِدُونَهٗ مَکْتُوبًا عِندَهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیلِ

توریت ز وصفِ تست معمور
انجیل ز نامِ تست مشہور

قرآن مجید کے بموجب ہم مسلمان اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ توریت اور انجیل دونوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کی ایسی صاف صاف بشارتیں مذکور ہیں جن میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا۔

خدا تعالی نے سورہ اعراف میں فرمایا ہے کہ جو لوگ کہنا مانتے ہیں رسول بن پڑھے نبی کا جسکا

الذین یتبعون الرسول النبی الامی   ذکر اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں توریت و انجیل میں

الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة   وہ اُن کو اچھی باتوں کے کرنے کو کہتا ہے اور

والانجیل یامرهم بالمعروف وینهاهم عن   بری باتوں کے کرنے سے منع کرتا ہی اور ستھری

المنکر ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم   چیزوں کو اُن کے لئے حلال کرتا ہی اور ناپاک

الخبائث ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی   چیزوں کو اُن پر حرام کرتا ہی اور اُن کا بوجھ جو

کانت علیهم فالذین امنوا به وعزروه   سے اُتارتا ہی اور جو شکنجے اُنکے گلے کا طوق ہو رہی تھی

ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئك هم المفلحون (سورہ اعراف آیت ۱۵۶)

تھیں اُن کو دُور کرتا ہے - پھر جو لوگ اُسپر ایمان لائے اور اُس کا ادب کیا اور اُسکی مدد کی اور اُس نور کی تابعداری کی جو اُس کے ساتھ اُترا وہی لوگ ہیں نجات پانے والے -

پھر دوسری جگہہ خدا تعالیٰ نے سورہ صف میں فرمایا ہے کہ جب کہا عیسی مریم کے بیٹے نے

واذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول الله الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراة ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد فلما جاءهم بالبینات قالوا هذا سحر مبین (سورہ صف آیت ۶)

کہ اے بنی اسرائیل بیشک مجھکو خدا نے رسول کرکے تمہارے پاس بھیجا ہے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت دیتا ہوا ایک پیغمبر کی جو میرے بعد ہوگا اور اوسکا نام احمد ہے پھر جب وہ پیغمبر (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کے پاس آیا کھُلی ہوئی دلیلیں لیکر تو اُنہوں نے کہا یہ تو علانیہ جادو ہے -

مسلمان کل عہد عتیق کو جس میں حضرت موسیٰ کی پانچوں کتابیں اور زبور وصحف انبیا داخل ہیں توریت کہتے تھے - کیونکہ اُن سب کے سرے پر جو کتاب تھی اُسکا نام توریت تھا اور عہد جدید کی کتابوں کو سوا ے اعمال اور حواریوں کے ناموں کے انجیل کہتے تھے کیونکہ وہ سب کتابیں انجیل کے نام سے موسوم تھیں - قرآن وحدیث میں بھی انہیں معنوں میں لفظ توریت وانجیل کا وارد ہوا ہے - پس قرآن مجید سے یہہ تو پایا گیا کہ توریت وانجیل میں ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے - اور لقب بھی مذکور ہے - مگر یہہ نہیں معلوم ہوا کہ کس جگہہ توریت وانجیل میں یہہ ذکر ہے - اس سبب سے مسلمان عالموں نے توریت وانجیل میں اُسکی تلاش شروع کی - مگر اُنہوں نے عہد عتیق اور عہد جدید کی کتابونکو

نہایت ابتر و پریشان حالت میں پایا کیونکہ کوئی اصلی قلمی نسخہ توریت و انجیل کا دُنیا میں موجود نہ تھا
اور جسقدر نقلیں موجود تھیں وہ آپس میں نہایت مختلف تھیں۔ یہودیوں کے جو بڑے نامی دو مدرسے
تھے تو جو کتابیں مشرقی مدرسہ میں مروّج تھیں اُن میں اور مغربی مدرسہ کی کتابوں میں نہایت اختلاف
تھا۔ اور سامری یونانی زبان میں توریت کے جو ترجمے تھے وہ بھی آپس میں مختلف تھے۔
اور جو ترجمے مشرقی زبانوں میں ہوئے تھے وہ بھی ایسے ہی مختلف تھے اور ہرگز یہہ خیال نہیں
ہو سکتا تھا کہ یہہ سب ایک ہی اصلی کتاب کے ترجمے ہیں۔ علاوہ اسکے مسلمان عالم مذہبی روایتوں
اور کلام الٰہی کی تصدیق کے لئے سند مسلسل کے عادی تھے اور ہر مسلمان عالم اپنی مذہبی کتاب اور
مذہبی روایت کو اپنے اُستاد اور اپنے اُستاد کے اُستاد (اور علی ہذا القیاس) کی زبانی
گواہی یا سند سے اصل تک اُس کا ثبوت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ قرآن مجید کے بھی مکتوبی
نسخوں کے بھروسہ پر نہ تھے بلکہ اُسکے ہر ہر لفظ کی اور زیر و زبر تک کی مسلسل سند اپنے پاس
رکھتے تھے۔ مگر توریت و انجیل کی ایسی مسلسل سند بھی کوئی موجود نہ تھی بلکہ اُن موجودہ نقلوں
کی صداقت کے لئے بھی کوئی ایسا سلسلہ ثبوت کا جس سے کچھ شبہ نہ رہے موجود نہ تھا۔
علاوہ اسکے جب مسلمان عالموں نے توریت میں بعض مقام پر ایسی باتیں لکھی ہوئی پائیں جو
نہایت اخلاق کے برخلاف تھیں اور بعض ناپاک افعال پاک اور مقدس بزرگوں اور نبیوں
کی طرف منسوب تھے جن کا واقع ہونا اُن بزرگوں سے مسلمان کسیطرح یقین نہیں کر سکتے تھے
بلکہ خود مذہب اسلام نے اُن کو تعلیم کی تھی کہ تمام انبیا معصوم تھے اور افعال قبیحہ ایسے پاک
اور معصوم بزرگوں سے سرزد ہونے غیر ممکن ہیں تو وہ اُن مقاموں کو دیکھکر نہایت حیران
اور متعجب ہو گئے اور اُن کے دل میں ہبات کا شبہ پیدا ہوا کہ توریت و انجیل
میں تحریف ہوئی ہے۔

اور جبکہ اُن کو قرآن مجید کی یہہ آیت یاد آئی کہ یہودی بدل ڈالتے ہیں لفظوں کو اُنکی جگہہ سے یحرفون الکلم عن مواضعہ (سورہ نساء آیت ۴۸ و سورہ مائدہ آیت ۱۶) تو اُنکا وہ شبہہ درجہ یقین کو پہونچ گیا اور اُنہوں نے توریت و انجیل میں زیادہ تر تفتیش کرنیکی ہمت نہ کی۔ اور یہہ خیال کر کے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت و انجیل میں تحریف کر دی ہے اور خصوصاً وہ مقامات جہاں جہاں ہمارے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں تھیں بدلدی ہیں تلاش کرنی چھوڑ دی اور اپنی کم محنتی اور کاہلی اور ہمت چھوڑ دینے کے الزام سے بچنے کے لیئے تحریف کے الزام کو بطور سپر کے بنا لیا۔

مگر یہہ حال اُنہی لوگوں کا تھا جو علم اور تحقیق کے اعلیٰ درجہ پر نہیں پہونچے تھے اور استقلال کے ساتھہ تحقیقات بھی نہیں کی تھی بلکہ اوپری اوپری باتوں میں پھنس رہے تھے برخلاف اس کے بڑے بڑے عالم اور فاضل و دیندار لوگ جن کا نام دنیا میں بھی مشہور تھا اور آخرت میں بھی مشہور ہوگا نہایت استقلال اور تحمل سے اُسکی تحقیقات میں مصروف تھے اور اُسکی جڑ تک پہونچ گئے تھے اُن کا یہہ قول تھا کہ قرآن مجید میں جو تحریف کا الزام یہودیوں و عیسائیوں پر خدا نے لگایا ہے اُسکا یہہ مطلب نہیں ہے کہ اُنہوں نے جان بوجھکر قصداً توریت و انجیل کے لفظوں کو بدل دیا ہے بلکہ یہہ مطلب ہے کہ لفظوں کے معنی پھیر دیتے ہیں چنانچہ امام محمد اسمعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "یحرفون الکلم عن مواضعہ" کی تفسیر میں لکھا ہے "ای یاولونہ علی غیر تاویلہ" پس وہ لوگ تحریف لفظی کے قائل نہ تھے۔ البتہ یہہ بات تسلیم کے قابل تھی کہ قلمی نسخوں میں کاتبوں کی سہو اور غلطی سے بہت سی غلطیاں پڑ گئی تھیں اسلیئے اُن بزرگوں نے پہلی قسم کے عالموں کی مانند ہمت نہیں ہاری اور تلاش و تفتیش سے باز نہیں رہے اور خدا تعالیٰ نے اُنکی سعی کو مشکور کیا

اور نہایت کامیابی سے اُنہوں نے توریت اور انجیل میں اور یہودیوں کی روایتوں میں وہ مقامات ڈھونڈ نکالے ہیں جہاں پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلعم کے مبعوث ہونے کی بشارتیں موجود تھیں چنانچہ وہ سب باتیں ہم مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں اور قرآن مجید کی تفسیروں میں اور کتب سیر و تواریخ میں برابر مندرج ہوتی چلی آتی ہیں۔

اگرچہ میں اُن بزرگ عالموں کی کوشش اور محنت کی نہایت قدر کرتا ہوں اور اُن بزرگوں کا مسلمانوں پر نہایت احسان مانتا ہوں اور اُن کو ہر طرح قابل ادب سمجھتا ہوں مگر میں نے اس خطبہ میں اُن سب کا ذکر کرنا ضرور نہیں سمجھتا ہوں۔ کیونکہ جو کچھ اُن عالموں نے اپنی انتھک محنت سے نکالا ہے گو وہ کیسا ہی مفید ہو الا نقص سے خالی نہیں۔

اوّل تو یہہ نقص ہے کہ وہ بزرگ ایک عام طور پر لکھدیتے ہیں کہ یہہ بشارت توریت میں ہے اور وہ بشارت انجیل میں ہے اور اُس خاص مقام کا جہاں سے وہ مطلب اخذ کیا ہے کچھ پتہ و نشان نہیں بتلاتے۔

دوم۔ اُن بشارات کے بیان کرنے میں اُس خاص کتاب کا بھی نام نہیں بیان کرتے جہاں سے وہ بشارت نکالی ہے یعنی یہہ نہیں بتلاتے کہ وہ بشارت حضرت موسیٰ کی کتابوں میں ہے یا زبور میں یا صحف انبیا میں اور جو پُرانے قدیم نسخے چلے آتے تھے اور جن میں اختلافِ عبارت بھی تھا اور اُن کے جُدا جُدا نام تھے اُن میں سے بھی کسی نسخے کا نام نہیں بتلاتے کہ کون سے نسخہ میں یہہ بشارت تھی اور نہ جس کتاب سے وہ بشارت لکھی ہے اُسکی اصل عبارت نقل کرتے ہیں بلکہ اُس کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں جو مذکورہ بالا نسخوں میں سے کسی کے ساتھ مطابق نہیں ہوتا۔

سوم۔ اُن کتابوں کے سوا جو اس وقت مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں داخل ہیں

اور کتابیں بھی تھیں جواب دستیاب نہیں ہوتیں یا غیر معتبر اور مشتبہ سمجھی جاتی ہیں اور اس سبب سے نہیں معلوم ہوتا کہ وہ بشارتیں جو اُن بزرگوں نے لکھی ہیں اور جو موجود نسخوں میں نہیں پائی جاتیں وہ کن نسخوں سے لی گئی ہیں یعنی اُن کتابوں سے جو اب دستیاب نہیں ہوتیں یا اُن سے جو غیر معتبر و مشتبہ سمجھی جاتی ہیں۔

چہارم۔ اس میں بھی کچھ شبہ نہیں ہے کہ بعض بشارتیں کتابوں میں لکھی ہوئی موجود نہ تھیں بلکہ سینہ بسینہ بطور روایت کے چلی آتی تھیں جیسا کہ انجیل متی میں حضرت مسیح کے ناصری کہلانے کی بشارت کا اس طرح پر ذکر ہے کہ "وہ آیا اور اس شہر میں رہا جسکو ناصری کہتے تھے تاکہ وہ بشارت پوری ہو جو انبیاء کہتے آتے تھے کہ وہ ناصری کہلاویگا (متی باب ۲-۲۳) حالانکہ یہ بشارت کسی نبی کی کتاب میں مندرج نہیں ہے پس وہ بشارتیں جنکو مسلمان عالموں نے زبانی روایتوں سے لیا ہے اُن کی بھی کوئی معتبر سند نہیں تبلائی۔ فرض کرو کہ وہ بشارتیں صحیح ہونگی مگر جب اُنکی معتبر سند نہیں بتائی گئی تو وہ بھی نقص سے خالی نہیں اور اسلیئے اونکا بھی اس خطبہ میں ذکر کرنا کچھ مناسب نہیں۔

پنجم۔ بعض بشارتیں اب بھی اُن کتابوں میں موجود ہیں جن کو عیسائی نامعتبر سمجھتے ہیں اور گو ہمارے پاس کافی ثبوت اس بات کا ہو کہ وہ صحیح ہیں لیکن ہم اپنے اس خطبہ میں اُن کا بھی ذکر نہیں کرنے کے بلکہ صرف ان ہی بشارتوں کا ذکر کریں گے جو موجودہ مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں موجود ہیں جنکو تمام یہودی اور عیسائی مانتے ہیں تاکہ کسیکو اُس میں دَم مارنے کا مقام نہ رہے۔

ششم۔ علاوہ اس کے موجودہ مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں دو قسم کی بشارتیں موجود ہیں۔ ایک ایسی ہیں کہ اگر بغیر تعصب و طرفداری و ضد کے اُنپر غور ہو اور اُن کے

معنوں میں تحریف نہ کی جاوے تو وہ صاف صاف ہمارے جناب پیغمبر خدا صلعم پر صادق آتی ہیں
اور دوسری قسم کی ایسی ہیں کہ اُن سے یہہ تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی پیغمبر کے ہونے کی بشارت ہے مگر یہہ بات صاف
نہیں معلوم ہوتی کہ کس پیغمبر کی بشارت ہے اور اسلیئے ہر ایک قوم یہہ دعوی کر سکتی ہے کہ وہ بشارت ہمارے پیغمبر سے متعلق ہے
اس قسم کی بشارتیں بھی جھگڑے سے خالی نہیں اسلیئے میں انکا بھی اس خطبہ میں ذکر نہیں کرونگا
پس ہمارے خطبہ کے پڑھنے والے خیال کریں گے کہ بوجوہات مذکورہ بالا جسقدر بشارتوں کو
ہمنے چھوڑ دیا ہے انکی تعداد بمقابل اُن بشارتوں کے جن کا اس خطبہ میں ذکر کیا ہے بہت زیادہ ہے
توریت و انجیل میں آنے والے پیغمبر کی بشارتیں ایسی مہمل اور مجمل طور سے بیان ہوئی ہیں کہ
پہیلی اور معمے کی مانند ہو گئی ہیں اور جب تک انکی تشریح نہ کیجاوے اور اُن کا حل نہ بتایا جاوے
تو اُن کا مطلب ہر ایک کی سمجھہ میں نہیں آسکتا پس اگر ہم یکایک جناب پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلعم کی
بشارتوں کو بیان کرنا شروع کر دیں تو ضرور بعض لوگوں کے دل میں خیال جاویگا کہ
یہہ کیسی مہمل اور مشکل بشارت ہے اسلیئے اول ہم اُن بشارتوں کا ذکر کرتے ہیں جو حواریوں کے
کہنے کے مطابق عہد عتیق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت آئی ہیں اور اوس کے بعد
اُن بشارتوں کو لکھیں گے جو توریت و انجیل میں جناب پیغمبر خدا صلعم کی نسبت آئی ہیں اس سے
دو فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو یہہ کہ ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے اس بات سے
واقف ہو جاویں گے کہ بشارتوں کے بیان کرنے کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح کنایہ اور
اشارہ سے بطور پہیلی یا چیستان کے بیان ہوتی ہیں دوسرے یہہ کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت
جو بشارتیں ہیں اور جو بشارتیں کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہیں اُنکے مقابلہ کرنے
سے معلوم ہوگا کہ ہمارے پیغمبر صاحب کی بشارتیں حضرت عیسیٰ کی بشارتوں کی بہ نسبت بہت
زیادہ روشن اور نہایت صاف صاف ہیں جنکی صحت کو مخالف کا دل بھی قبول کر لیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہہ بشارتیں ہیں جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں

۱۔ جب احاز یہود کے بادشاہ پر رصین بادشاہ ارم اور فقح بادشاہ رملیا بادشاہ اسرائیل نے چڑہائی کی تو احاز بادشاہ یہودا بہت گھبرایا۔ اس زمانہ میں حضرت شعیاؑ پیغمبر تھے اُن سے التجا کی اُنہوں نے احاز کو تسلی دی اور فرمایا کہ تو خوف نہ کر تیری دشمن تجھپر غالب نہ ہوں گے اور اُس خوف کے رفع ہونے کی مدت اور اپنے قول کی صداقت کا یہہ نشان بتایا کہ ایک کواری کو حمل رہیگا وہ بیٹا جنے گی اور اوسکا نام عمانوئیل رکھا جاویگا اور جب وہ ذرا ہوشیار ہوگا تو جو خوف تجھکو دشمنوں سے ہے جاتا رہیگا اور تیرے لئے بہت اچھے دن آویں گے (یہ مضمون اشیعاہ نبی کی کتاب کے ساتویں باب میں مندرج ہے) پھر اُسی کتاب کے آٹھویں اور نویں باب میں مذکور ہے کہ وہ لڑکا پیدا ہوا جسکا نام ماہیرشالال حاشبز رکھا گیا اور جب وہ ہوشیار ہوا تو احاز کو دشمنوں کا جو خوف تھا جاتا رہا۔

باایں ہمہ انجیل متی میں لکھا ہے کہ یہہ بشارت حضرت عیسیٰ کی ہے جو کواری مریم سے پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ سینٹ متی فرماتے ہیں کہ جب حضرت مسیح کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو اس سے پہلے کہ وہ ہم بستر ہوں روح قدس سے حاملہ پائی گئی تب اوسکے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور نہ چاہا کہ اُسکی تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے۔ وہ ان باتوں کے سوچ میں تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اُسپر خواب میں ظاہر ہوکے کہا اے یوسف داؤد کے بیٹے اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لانے سے مت ڈر کیونکہ جو اُس کے پیٹ میں ہے سو روح قدس سے ہے اور وہ بیٹا جنیگی تو اُسکا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو اُن کے گناہوں سے بچاوے گا" یہ سب کچھ اسلئے ہوا کہ

جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہوا کہ دیکھو ایک کنواری پیٹ سے ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اُس کا نام عمانوئیل رکہیں گے جسکا ترجمہ یہہ ہے "خدا ہمارے ساتھہ" (انجیل متی باب ۱ ۱۸ لغایت ۲۲)

پس آپ غور کرنا چاہیئے کہ یہہ کیسی مجمل اور مشتبہ پیشین گوئی اور کسوقت اور کس مطلب کیلئے کہی گئی تھی۔ مگر حضرت متی نے اُس کو اشارۃً وکنایۃً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت قرار دی ہے۔

۲۔ حضرت میکا نبی نے بہت سی باتیں آئندہ کی اشارات وکنایات میں کہی ہیں کہ ہوگا اور وہ ہوگا اُس میں اُنہوں نے یہہ بھی فرمایا ہے کہ "اے بیت لحم افراتاہ اگرچہ تو یہوداکے ہزاروں میں چھوٹا ہے لیکن میرے لئے ایک شخص جو بنی اسرائیل میں سلطنت کریگا اور اوسکا ہونا بہت قدیم زمانہ سے مقرر ہوچکا ہے تجھ میں سے نکلے گا"۔ (کتاب میکاہ باب ۵-۲)

حضرت متی فرماتے ہیں کہ یہہ پیشین گوئی بھی حضرت مسیح کی ہے کیونکہ جب ہیرود بادشاہ نے سردار کاہنوں اور یہودیوں کے فقیہوں کو جمع کرکے پوچھا تھا کہ مسیح کہاں پیدا ہوگا تو اُنہوں نے میکاہ نبی کی کتاب کی اس آیت پر استدلال کرکے کہا کہ بیت لحم میں پیدا ہوگا (انجیل متی باب ۲-۳ لغایت ۶) اور جوکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت لحم میں پیدا ہوئے اور گو دنیاوی سلطنت اُن کو بنی اسرائیل پر نہیں ہوئی مگر سینٹ متی نے سلطنت کو روحانی سلطنت قرار دیا اور اس پیشین گوئی کو حضرت عیسیٰ کے ہونے کی پیشین گوئی ٹھیرایا۔

حضرت ہوشیع نبی نے لغز وکنایہ میں کچھ فرماتے فرماتے یہہ فرمایا کہ "جبکہ اسرائیل بچہ تھا

اُسکو میں پیار کرتا تھا اور اپنی بیٹی کو میں نے مصر سے بولایا"۔ (کتاب ہوشیع باب ۱۱-۱)

حضرت متیٰ فرماتے ہیں کہ یھہ بھی حضرت عیسیٰ کے متعلق بشارت ہی کیونکہ جب ہیرود بادشاہ نے حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونیکے بعد اُن کے مارڈالنے کے لیئے اُنکی تلاش کی تو خداوند کے فرشتے نے خواب میں یوسف سے کہا کہ اوٹھہ اس لڑکے کو اور اُسکی ماں کو لیکر مصر کو بھاگ جا (متی باب ۲-۱۳ الغایت ۱۵) اور جو کہ ہیرود بادشاہ کے مرنیکے بعد حضرت عیسیٰ مصر سے واپس آئے تھے تو صرف اتنے ہی لگاؤ پر سینٹ متیٰ نے اس بشارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق کردیا (متی باب ۲-۱۹ لغایت ۲۱)

۴- حضرت یرمیا نبی نے بنی اسرائیل کی مصیبتوں کو بیان کرتے کرتے یھہ فرمایا کہ "خداوند فرماتا ہے کہ رامہ میں ڈھاڑیں مار کر رونے اور نالہ کرنے کی آواز سنائی دیتی ہے کہ راحیل اپنے بیٹوں کے لیئے روتی ہے اور تسلی نہیں پاتی کیونکہ وہ نہیں ہیں (کتاب یرمیا باب ۳۱-۱۵)

حضرت متیٰ فرماتے ہیں کہ یھہ بھی ایک بشارت حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کیونکہ جب حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو ہیرود بادشاہ نے اس شبہہ میں کہ کونسا بچہ ہے جو عیسیٰ ہوگا بیت لحم اور اُسکی سرحدوں کے سب لڑکوں کو جو دو برس کے اور اُس سے چھوٹے تھے قتل کروایا (انجیل متیٰ باب ۲-۱۶)

اب سینٹ متیٰ نے صرف اسقدر لگاؤ سے کہ اُن بچوں کے مارے جانے سے رامہ میں رونا اور پیٹنا ہوا فرمایا کہ یھہ پیشین گوئی حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے۔ (انجیل متیٰ باب ۲-۱۷ و ۱۸)

۵- حضرت اشعیاہ پیغمبر نے یہ بیان کرتے کرتے کہ "اب بیت المقدس (اورشلیم)

میں تکلیف باقی نہ رہیگی یہہ بھی فرمایا کہ تنگی کی ظلمت جس میں زمین مبتلا ہوتی ہے باقی نہ رہیگی جس طرح کہ اگلے زمانہ میں زبولوں کی زمین اور نفتالی کی زمین کو حقیر کر کے آخر کار اسیطرح دریا کی اردن (فرات) کے کنارے جلیل میں بڑے قبیلے ہوں گے جو قوم کہ اندھیرے میں چلتی ہے نور عظیم دیکھیگی اور موت کے سایہ کی زمین کے رہنے والوں پر ایک نور چمکے گا۔"
(کتاب اشعیاہ باب ۹-۱ و ۲)

حضرت متیٰ فرماتے ہیں کہ یہہ بشارت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے کیونکہ جب حضرت عیسیٰ نے سُنا کہ حضرت یحییٰ پیغمبر گرفتار ہو گئے تو وہ جلیل کو چلے گئے اور ناصرہ کو چھوڑکر کفرناحوم میں جو دریا کے کنارے زبولون اور نفتالی کی سرحدوں میں ہی جا رہے۔
(متی باب ۴-۱۲ و ۱۳)

سینٹ متیٰ نے صرف اتنی بات پر کہ حضرت عیسیٰ دریا کے کنارے جا رہے تھے حضرت اشعیاہ نبی کے اُس قول کو حضرت عیسیٰ کی بشارت قرار دیا (انجیل متیٰ باب ۴-۱۴ الغایت ۱۹)

۶- حضرت ملاکی نبی نے بنی اسرائیل کو خدا کی عدل حکمی پر ملامت کرتے کرتے یہہ فرمایا کہ اَب میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میری برابر راہ کو تیار کرے گا اور جس خداوند کی تفحص میں ہو یعنی رسول عہد کے اور اُس سے خوش ہو یکایک اپنی ہیکل میں آجاوے گا لشکروں کا خداوند فرماتا ہے کہ وہ اب آتا ہے (کتاب ملاکی باب ۳-۱)

اور جس وقت اشعیاہ نبی نے بنی اسرائیل اور بیت المقدس کو تسلی دی تو اوس وقت یہہ فرمایا کہ پکارنے والا پکارتا ہے کہ بیابان میں خداوند کے لئے ایک راہ تیار کرو اور جنگل میں ایک شاہ راہ میرے خدا کیلئے درست کرو۔ (کتاب اشعیاہ باب ۴۰-۳)

حضرت متیٰ اور مارک اور لوک تینوں حواری اس بات پر متفق ہیں کہ یہہ دونوں بشارتیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہیں اسلئے کہ حضرت یحییٰ پیغمبر نے جب لوگوں کو اصطباغ دیا تو اُنہوں نے گویا حضرت عیسیٰ کے لئے راہ بنائی اور حضرت یحییٰ یہہ کہا کرتے تھے کہ میرے بعد ایک اور آتا ہے جو مجھ سے بھی زیادہ قوی ہے" پس حضرت یحییٰ کا اصطباغ دینا تو راہ بنانا ہوگیا اور حضرت یحییٰ کا یہہ کہنا کہ میرے بعد ایک اور آتا ہے پکارنے والے کی آواز ہوگئی اور وہ دونوں بشارتیں حضرت عیسیٰ پر صادق آگئیں (متی باب ۳-۱ و ۲ و ۳ و ۱۱) انجیل مارک باب ۱- ۲ و ۳ و ۴ و ۷ و ۸ (انجیل لوک باب ۳-۲ لغایت ۴)

ہم مسلمان حضرت یحییٰ بن ذکریا علیہ السلام کو پیغمبر برحق جانتے ہیں مگر یہودی اُنکو پیغمبر نہیں مانتے اور عہد عتیق میں اُنکا کچھہ ذکر نہیں ہے اور نہ کوئی صحیفہ حضرت یحییٰ کا موجود ہے پس جو اقوال حضرت یحییٰ کے انجیلوں میں مذکور ہیں وہ زبانی روایتوں سے لکھے گئے ہیں اور جن لوگوں سے انجیلوں کے لکھنے والوں نے وہ اقوال سُنے اُنکا نام نہیں بتایا۔ عیسائی یقین کرتے ہیں کہ وہ سب رُوح القدس کی تائید سے لکھا گیا ہے جسکی صحت یقینی ہے مگر ہم مسلمان جس طرح کہ اپنے پیغمبر کے حواریین یعنی صحابہ و تابعین کے کلام کی سند چاہتے ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے کلام کو سند کا محتاج سمجھتے ہیں۔ اور "لا نفرق بین احد من رسلہ"

ان چند بشارتوں کے ذکر کرنے سے جنکو حواریوں نے حضرت عیسیٰ کی بشارتیں قرار دیا ہے ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے سمجھہ جاوینگے کہ انبیاء سابق نبی لاحق کی بشارت کیسے دُھندلے لفظوں میں اور کیسے کنایہ اور اشارہ سے گُھم گُھم میں دیتے تھے جس کا سمجھنا پہیلی اور معما اور چیستان سے بھی زیادہ مشکل ہوتا تھا اور اب ہم اپنے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ کی بشارتیں بیان کرتے ہیں جنکو لوگ دیکھینگے کہ وہ انکی بہ نسبت کیسی صاف اور روشن ہیں۔

بشارات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم توریت میں سے

بشارت اول

حضرت موسیٰ کی پہلی کتاب میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل کی نسبت یہہ وعدہ کیا ہے۔

וּלְיִשְׁמָעֵאל
שְׁמַעְתִּיךָ הִנֵּה בֵּרַכְתִּי אֹתוֹ וְהִפְרֵיתִי אֹתוֹ וְהִרְבֵּיתִי אֹתוֹ
בִּמְאֹד מְאֹד שְׁנֵים־עָשָׂר נְשִׂיאִם יוֹלִיד וּנְתַתִּיו לְגוֹי גָּדוֹל׃
וַיֹּאמֶר אֱלֹהִים אֶל־אַבְרָהָם אַל־יֵרַע בְּעֵינֶיךָ עַל־הַנַּעַר וְעַל־אֲמָתֶךָ
כֹּל אֲשֶׁר תֹּאמַר אֵלֶיךָ שָׂרָה שְׁמַע בְּקֹלָהּ כִּי בְיִצְחָק יִקָּרֵא לְךָ זָרַע׃
וְגַם אֶת־בֶּן־הָאָמָה לְגוֹי אֲשִׂימֶנּוּ כִּי זַרְעֲךָ הוּא׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وُلِ یشمعیل شمعتیخا هنه بیرختی اُوتو وهفریتی اُوتو وهربیتی اُوتو
بمئود مئود شنیم عاسار نسیئیم یولید ونتتیو لغوی گادول۔
ویومر الوهیم ال ابراهام ال یرع بعینیخا عل هنعر وعل اماتخا کل
اشر تومر الیخا ساره شمع بقولاه کی بیصحق یقاره لیخا زارع وگم ات بن هاامه
لغوی اسیمنو کی زرعخا هو۔

عربی ترجمہ

قد سمعت دعاءك لاسمعیل وها انا بارکته واثمرته وفضلته کثیرا کثیرا یولد اثنی عشر خلیفة واجعله جیلا کبیرا۔

وقال الله لابراهیم لا یضیق صدرك علی الولد وعلی امتك کلما تقول لك سارة

فاسمع بقولها فانه باسحق یدعیٰ نسلک واجعل ابن الامة ایضا امة لانه نسلک -

اردو ترجمہ

مَیں نے تیری دُعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی ہاں مَیں نے اُسے برکت دی اور اُسے بارآور کیا اور اُسے بہت کچھہ فضیلت دی اُس سے بارہ امام پیدا ہوں گے اور اُس کو بڑی قوم کرونگا (توریت کتاب اول باب ۱۷-۲۰) -

کہا اللہ نے ابراہیم سے تیری نظروں میں بُرا نہ معلوم ہو اس لڑکے اور اپنی لونڈی کی وجہ سے جو کچھہ تجھہ سے سارہ کہے اسکی بات مان لے کیونکہ اسحق سے تیری نسل کہلائیگی اور اس لونڈی کے لڑکے کو بھی ایک قوم کروں گا کیونکہ وہ تیری نسل ہے (توریت کتاب اول باب ۲۱-۱۲ و ۱۳)

ان آیتوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح بشارت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل کو برکت دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ اسطرح پورا ہوا کہ محمد رسول اللہ صلعم کو جو اسمٰعیل کی اولاد سے تھے تمام دنیا کے لئے دنیا کے ختم ہونے تک نبی مقبول مقرر کیا

جو لوگ ہمارے مخالف ہیں وہ یہہ کہتے ہیں کہ خدا نے اسمٰعیل سے یہہ وعدہ کیا تھا کہ اُسکی اولاد میں بارہ سردار پیدا ہوں گے - چنانچہ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے جو بمنزلہ بارہ بادشاہوں یا بارہ سرداروں کے تھے پیدا ہوئے اور جس برکت دینے کا اسمٰعیل سے وعدہ ہوا تھا وہ دنیاوی برکت تھی نہ رُوحانی -

مگر یہہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں ہوتی - ہر ایک منصف مزاج ان آیتوں کو پڑھ کر معلوم کریگا کہ ان آیتوں میں جُدا جُدا تین لفظ استعمال ہوئے ہیں اول کہ "مَیں نے اُسکو برکت دی" دوم کہ "اُسے بارآور کیا اور اُسے بہت کچھہ فضیلت دی" سوم یہ کہ "اُسکو بڑی قوم کرونگا"

بشارات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم توریت میں سے

بشارت اول

حضرت موسیٰ کی پہلی کتاب میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل کی نسبت یہہ وعدہ کیا ہے۔ וּלְיִשְׁמָעֵאל

שְׁמַעְתִּיךָ הִנֵּה בֵּרַכְתִּי אֹתוֹ וְהִפְרֵיתִי אֹתוֹ וְהִרְבֵּיתִי אֹתוֹ

בִּמְאֹד מְאֹד שְׁנֵים־עָשָׂר נְשִׂיאִם יוֹלִיד וּנְתַתִּיו לְגוֹי גָּדוֹל׃

וַיֹּאמֶר אֱלֹהִים אֶל־אַבְרָהָם אַל־יֵרַע בְּעֵינֶיךָ עַל־הַנַּעַר וְעַל־אֲמָתֶךָ

כֹּל אֲשֶׁר תֹּאמַר אֵלֶיךָ שָׂרָה שְׁמַע בְּקֹלָהּ כִּי בְיִצְחָק יִקָּרֵא לְךָ זָרַע׃

וְגַם אֶת־בֶּן־הָאָמָה לְגוֹי אֲשִׂימֶנּוּ כִּי זַרְעֲךָ הוּא׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وُلْ يِشْمَعِيل شِمَعْتِيخَا هِنّه بِيرَخْتِي اُوتُو وِهِفْرِيتِي اُوتُو وِهِرْبِيتِي اُوتُو

بِمْئُود مِئُود شِنِيم عَاسَار نِسِيئِيم يُولِيد وُنْتَتِيو لِغُوِي گَادُول ۔

وَيُّومِر اِلُوهِيم اِلْ اِبْرَاهَام اَل يِرَع بِعِينِيخَا عَلْ هَنَّعَر وِعَلْ اَمَاتِخَا كُلْ

اَشِير تُومِر اِلَيخَا سَارَه شِمَع بِقُولِيه كِي بِيِصْحَق يِقَّارِي لِيخَا زَارَع وِغَم اِتْ بِن هَاآمَه

لِغُوِي اَسِيمِنُّو كِي زَرْعَخَا هُو ۔

عربی ترجمہ

قد سمعت دعاءك لاسمعيل وها انا باركته واثمرته وفضلته كثيرا كثيرا يولد اثنى عشر خليفة واجعله جيلاً كبيرا ۔

وقال الله لابراهيم لا يضيق صدرك على الولد وعلى امتك كلما تقول لك سارة

فاسمع بقولها فانہ باسحق یدعی نسلک واجعل ابن الامۃ ایضا امۃ لانہ نسلک ۔

اُردو ترجمہ

مَیں نے تیری دُعا اسمعیل کے حق میں قبول کی ہاں مَیں نے اُسے برکت دی اور اُسے بارآور کیا اور اُسے بہت کچھہ فضیلت دی اُس سے بارہ امام پیدا ہوں گے اور اُس کو بڑی قوم کرونگا (توریت کتاب اول باب ۱۷ - ۲۰) ۔

کہا اللہ نے ابراہیم سے تیری نظروں میں بُرا نہ معلوم ہو اس لڑکے اور اپنی لونڈی کی وجہ سے جو کچھہ تجھہ سے سارہ کہے اسکی بات مان لے کیونکہ اسحق سے تیری نسل کہلائیگی اور اس لونڈی کے لڑکے کو بھی ایک قوم کروں گا کیونکہ وہ تیری نسل ہے (توریت کتاب اول باب ۲۱ - ۱۲ و ۱۳)

ان آیتوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح بشارت ہے کیونکہ خدا تعالی نے حضرت اسمعیل کو برکت دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ اسطرح پر پورا ہوا کہ محمد رسول اللہ صلعم کو جو اسمعیل کی اولاد سے تھے تمام دنیا کے لئے دنیا کے ختم ہونے تک نبی مقبول ٹھیرا دیا۔

جو لوگ ہمارے مخالف ہیں وہ یہہ کہتے ہیں کہ خدا نے اسمعیل سے یہہ وعدہ کیا تھا کہ اسکی اولاد میں بارہ سردار پیدا ہوں گے ۔ چنانچہ حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹے جو بمنزلہ بارہ بادشاہوں یا بارہ سرداروں کے تھے پیدا ہوئے اور جس برکت دینے کا اسمعیل سے وعدہ ہوا تھا وہ دنیاوی برکت تھی نہ روحانی ۔

مگر یہہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں ہوتی ۔ ہر ایک منصف مزاج ان آیتوں کو پڑھ کر معلوم کریگا کہ ان آیتوں میں جدا جدا تین لفظ استعمال ہوئے ہیں اول یہ کہ "مَیں نے اسکو برکت دی" دوم یہ کہ "اُسے بارآور کیا اور اُسے بہت کچھہ فضیلت دی" سوم یہ کہ "اسکو بڑی قوم کرونگا"

پس اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہہ کہنا صحیح ہے کہ ان تینوں جدا جدا لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں؟ یعنی اولاد کا زیادہ ہونا
جبکہ حضرت اسحاق بیر شبع میں پہونچے تو خدا تعالیٰ نے خواب میں اُن سے یہہ وعدہ کیا تھا
کہ "میں تیرے باپ ابراہیم کا خدا ہوں تو ڈر مت میں تیرے ساتھہ ہوں تجھکو برکت دونگا
اور اپنے بندہ ابراہیم کے سبب تیری نسل کو بہت کرونگا" توریت کتاب اول باب ۲۶-۲۴)
جس مضمون کا وعدہ کہ حضرت اسمٰعیل سے کیا گیا اور جو لفظ برکت کا اسمٰعیل کے وعدہ
میں استعمال ہوا اُسی مضمون کا وعدہ اسحاق سے کیا گیا اور وہی لفظ برکت کا اسحاق کے
وعدہ میں بھی بولا گیا۔ پس یہہ کہنا کسقدر تعجب کی بات ہے کہ اسمٰعیل سے جو وعدہ تھا وہ
تو دنیاوی تھا اور اسحاق سے جو وعدہ تھا وہ روحانی تھا۔

ہمکو اس بات پر بھی غور کرنی چاہیئے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کیا وعدہ کیا تھا
توریت میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کنعان میں پہونچے تو خدا نے اُن سے کہا کہ
یہہ زمین تیری اولاد کو دونگا (توریت کتاب اول باب ۱۲- ۷)

اور جبکہ حضرت لوط حضرت ابراہیم سے جدا ہو گئے تو پھر خدا نے ابراہیم سے کہا
کہ آنکھیں کھول اور چاروں طرف دیکھہ کہ یہہ تمام زمین جو تو دیکھتا ہے تیری اولاد کو دونگا
اور تیری اولاد کو زمین کی ریت کی مانند کر دونگا جو کوئی ریت کے ذرّوں کو گن سکے تو
تیری اولاد کو بھی گن سکیگا (توریت کتاب اول باب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶)

پھر ایک دفعہ خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا کہ تیری اولاد اتنی ہوگی جتنے آسمان کے ستارے
جنکو گن نہیں سکتا۔ توریت کتاب اول باب ۱۵- ۵ —— پھر خدا نے ابراہیم سے ایک اور
پختہ وعدہ کیا کہ یہہ زمین مصر کی دریا سے فرات کے دریا تک تیری اولاد کو دونگا (توریت باب ۱۵ -۱۸)

اور جبکہ حضرت ابراہیم ضعیف ننانوی برس کے ہو گئے تھے تب پھر خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا کہ

تجھہ میں اور مجھہ میں یھہ وعدہ ہوتا ہے کہ تجھکو زیادہ سے زیادہ کرونگا تو بہت سی قوموں کا باپ ہوگا
تجھہ سے قومیں پیدا ہونگی۔ تجھہ سے بادشاہ نکلیں گے اور تیری اولاد سے بھی یھہ ہمیشہ کا
عہد ہوگا اور کنعان کی زمین بوراثت دائمی تجھکو دونگا (توریت کتاب اول باب ۱۷۔ ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸)
یھہ تو وہ وعدے تھے جو خدا نے حضرت ابراہیم سے کئے تھے اب ہم دیکھتے ہیں کہ خدا نے اسحق و یعقوب سے کیا وعدہ کیا تھا۔
توریت میں لکھا ہے کہ جب یعقوب بیر شبع سے حاران کیجانب روانہ ہوئے تو ایک مقام پر
پتھر سرہانے رکھکر سورہے۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیڑھی زمین سے آسمان تک
لگی ہوئی ہے اور خدا کے فرشتے اُسپر اوترتے چڑھتے ہیں اُسپر خدا نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں
تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا ہوں۔ یھہ زمین جسپر تو سوتا ہے تجھکو اور تیری اولاد کو
دیتا ہوں۔ تیری اولاد زمین کی ریت کے برابر ہوگی اور چاروں طرف پھیل جاویگی۔
(توریت کتاب اول باب ۲۸۔ ۱۲ و ۱۳ و ۱۴)

یھہ بات بھی زبور سے ثابت ہے کہ خدا نے جو ابراہیم سے عہد کیا تھا وہی بعد کو بھی قایم
رہا اور وہ صرف کنعان کی زمین دینے کا عہد تھا۔ چنانچہ زبور داؤد میں خدا کا کلام اسطرح
لکھا ہے کہ "وہ عہد جو میں نے ابراہیم سے کیا اور اسحق سے اُسکی قسم کھائی اور یعقوب کے ساتھ
بمنزلہ قانون کے مقرر کیا اور اسرائیل سے عہد دائمی کیا اور کہا کہ زمین کنعان تجھکو دیتا
ہوں تاکہ تیری میراث کا حصہ ہو" (زبور ۱۰۵۔ ۹ و ۱۰ و ۱۱)

اب دیکھو کہ اسی وعدہ کا پورا کرنا خدا نے تبلایا۔ چنانچہ توریت میں لکھا ہے کہ جب
حضرت موسیٰ مواب کے جنگل میں نبو پہاڑ پر چڑھے جو یریحو کے سامنے ہے تو خدا نے موسیٰ
سے کہا کہ یھہ وہ زمین ہے جسکی نسبت میں نے بقسمیہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب سے وعدہ
کیا تھا کہ تمہاری اولاد کو دونگا۔ بس یہ زمین میں تجھکو آنکھوں سے دکھلا دیتا ہوں مگر

تو وہاں نہیں جانے کا۔ (توریت کتاب پنجم باب ۳۴-۴)

اب یہہ تمام وعدے جو خدا نے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھہ کیئے تھے ہم منتخب کرکے ہر منصف مزاج پڑھنے والے کے سامنے رکھدیتے ہیں اور اُسکے بعد ہم دو سوال کرتے ہیں۔ اول یہہ کہ جو وعدے خدا نے ابراہیم کی اولاد کے لئے کئے ہیں وہ وعدے اسمٰعیل و اسحاق دونوں کے حق میں کیوں نہیں سمجھے جاتے؟ حالانکہ خود خدا نے بھی کہا ہے کہ اسمٰعیل بھی ابراہیم کی اولاد ہے جیسا کہ باب ۲۱ آیت ۱۲ میں مذکور ہے۔

دوسرا سوال ہمارا یہہ ہے کہ جو وعدہ خدا نے اسحٰق و یعقوب کی نسبت کیا تھا یعنی مُلک کنعان دینے اور اولاد زیادہ کرنیکا اُسمیں کیا ایسی چیز ہے جس سے وہ رُوحانی قسم کا سمجھا جاتا ہے؟ اور جو وعدہ اسمٰعیل کی نسبت کیا تھا اُس میں کس چیز کی کمی ہے جس سے وہ دنیاوی سمجھا جاتا ہے جو لوگ کہ انصاف سے ان باتوں پر نظر کرتے ہیں وہ بہ یقین جانتے ہیں کہ خدا نے اسحاق سے بھی برکت کا وعدہ کیا اُن کی اولاد میں انبیا پیدا ہوئے۔ مُلک فتح کئے کنعان بھی فتح کیا۔ اسمٰعیل سے بھی خدا نے برکت کا وعدہ کیا۔ اُسکی اولاد میں سب سے آخر ایک پیغمبر آخرالزماں پیدا کیا۔ تمام دنیا کو اُس سے برکت دی۔ اسمٰعیل کی اولاد نے بھی مُلک فتح کیئے۔ کنعان کو بھی جو غیر خدا پرستوں کے ہاتھہ چلا گیا تھا پھر فتح کیا اور ابراہیم ہی کی نسل میں پھر اُس ورثہ کو لے آئے اور جب تک خدا کی مرضی ہے وہ ابراہیم کا ورثہ ان کے حصہ میں رہیگا اگرچہ بقاے اصلی صرف خدا کی ذات کو ہے۔ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ زَائِلٌ

بشارت دوم

خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بہت سے احکام بتلائے اُس میں یہہ بھی فرمایا۔

נָבִיא מִקִּרְבְּךָ מֵאַחֶיךָ כָּמֹנִי יָקִים לְךָ יְהוָה אֱלֹהֶיךָ אֵלָיו תִּשְׁמָעוּן׃

נָבִיא אָקִים לָהֶם מִקֶּרֶב אֲחֵיהֶם כָּמוֹךָ וְנָתַתִּי דְבָרַי בְּפִיו וְדִבֶּר

אֲלֵיהֶם אֵת כָּל־אֲשֶׁר אֲצַוֶּנּוּ׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے -

نَابِی مِقرِبخَا مَاحِیخَا کَامُوِنی یاُقِیم لِخَا یہْوَاہ اِلُوھیخَا اِلاو تِشْمَاعُون

نَابِی اُقِیم لَاھِم مِقِرِبْ اَحِیھم کَامُوخَا وِنَتَتِّی دِبَارَای بِفِیو وِدِبِّر

اِلیھِم اِتْ کُل اَشِر اَصَوِّنُو -

عربی ترجمہ

الهك الموجود يقيم لك نبيا من بينك من اخوتك مثلي له تسلمون : نبي من بين اخوتهم - اقيم لهم مثلك والقي كلامي بفيه وكل ما امره يقول لهم

اُردو ترجمہ

قائم کریگا تیرا معبود موجود تیرے لیئے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں سے مجھسا - اُسکو مانیو - اُن کے بھائیوں میں سے نبی تیرا سا قائم کرونگا - اور اپنا کلام اُسکے مُنہ میں دونگا اور جو کچھ مَیں اُس سے کہونگا وہ اُن سے کہدیگا (توریت کتاب پنجم باب ۱۸ - ۱۵و۱۸)

ان آیتوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونیکی ایسی صاف اور ایسی مستحکم بشارت ہی جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی مثل موسیٰ کے مبعوث کریگا اور کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہیں اور بنی اسمٰعیل میں بجز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَور کوئی نبی نہیں ہوا اور اُس سے صاف ثابت ہوگیا کہ یہ بشارت ہمارے ہی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی -

علاوہ اسکے ان آیتوں میں دو لفظ ہیں جنپر غور کرنا چاہیئے - اول یہہ کہ "اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالونگا" - دوم یہہ کہ "مثل تیرے" یعنی موسیٰ کے ان دونوں لفظوں کا مصداق سوای محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہے -

یہودی اور عیسائی دونوں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء بنی اسرائیل پر سوائے احکام عشرہ موسیٰ کے جو وحی آتی تھی اُس کے لفظ وہی نہیں ہیں جو توریت و زبور و صحف انبیا میں لکھے ہوئے ہیں - بلکہ انبیاء کو صرف مطلب القا ہوتا تھا اور پھر وہ اُسکو اپنی زبان و محاورہ میں لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے - اناجیل اربع جو اب معتمد و قابل سند عیسائیوں میں تسلیم ہوتی ہیں اُن کے الفاظ تو وہ ہیں ہی نہیں جو حضرت عیسیٰ کی زبان مبارک سے نکلی تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ کی عبرانی زبان تھی اور وہ انجیلیں یونانی میں تحریر ہوئی ہیں - ہاں البتہ قرآن مجید ایسا ہے کہ اس کے لفظ پیغمبر کے منہ میں رکھے گئے اور وہی لفظ پیغمبر نے لوگوں کو پڑھ سنائے - پس یہہ الفاظ اس بشارت کے کہ "اپنا کلام اُسکے منہ میں دونگا - سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُور کسی پر صادق ہی نہیں آتے -

اَب دوسری بات پر غور کرو کہ حضرت موسیٰ کی مانند کونسا پیغمبر ہوا ہے - بنی اسرائیل میں تو کوئی پیغمبر مثل حضرت موسیٰ کے نہیں ہوا - کیونکہ حضرت عزیر پیغمبر نے جب توریت کو بعد قید بابل کے تحریر فرمایا تو اُس میں یہہ لکھا ہے

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے -

وِلُوقَامَ نَابِی عُوْدبِنِی اِسرائِیل کمُوشِه اَشِر یدَاعُو یَهْوا بَاَینَم اِلْ بَا پنِم -

عربی ترجمہ

وما قام نبی و ما بعد با سرائیل کموسیٰ الذی عرف الله بالمشافهة۔

اُردو ترجمہ

اور پھر قایم نہوا کوئی نبی بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند جس نے پہچانا الله کو رو برو (توریت کتاب پنجم باب ۳۴-۱۰)

پس اب بنی اسرائیل کے بھائیوں میں دیکھنا چاہیئے کہ کون پیغمبر ہوا وہ بجز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی نہیں - ہاں اب یہہ دیکھنا باقی رہا کہ وہ مثل حضرت موسیٰ کے ہیں یا نہیں — سو مفصلۂ ذیل باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ایسے پیغمبر ہیں جو مثل موسیٰ کے ہوئے ہیں -

۱- حضرت موسیٰ نے اپنے کافر دشمنوں کے خوف سے اپنے وطن سے ہجرت کی- اسی طرح حضرت محمد صلعم کو بھی اپنے کافر دشمنوں کے خوف سے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی

۲- حضرت موسیٰ نے بھی ہجرت کر کے شہر یثرب میں جسکو اب مدینہ کہتے ہیں اور جو بشرون بانی شہر کے نام پر کہلاتا تھا پناہ لی - اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے وطن مکہ سے ہجرت کر کے اُسی شہر مدینہ میں پناہ لی -

۳- حضرت موسیٰ پر کلام خدا کا بلفظہ نازل ہوا جو دس احکام ہیں - حضرت محمد صلعم پر بھی کلام خدا کا بلفظہ نازل ہوا جو موجود ہے اور کلام اللہ کہلاتا ہے -

۴- حضرت موسیٰ کو بھی کافروں کے ساتھ جہاد کرنیکا حکم ہوا - حضرت محمد کو بھی جو بہ نیت خدا کی وعظ کرنے سے جو کافر مانع ہوں اُن سے جہاد کرنیکا حکم ہوا - البتہ جہاد حضرت موسیٰ کا نہایت سخت قاتل خونریز تھا اور حضرت محمد صلعم کا جہاد نہایت ملایم اور امن چاہنے والا اور امن دینے والا درجانوں کا بچانیوالا تھا

۵- حضرت موسیٰ نے اپنی متفرق اور پامال قوم کو مصر سے نکالکر یکجا جمع کیا -

حضرت محمد صلعم نے بھی تمام متفرق اور مختلف عرب کی قوموں کو جو آپس میں نہایت دشمن اور کینہ دشمنی جنگی باہم ہر سال خون کے نالے بہتے تھے اکٹھا کر دیا بلکہ یکدل و یکجان کر دیا اور اسپر عمدہ بات یہہ کہ سب کو ایک خدا ے واحد ذوالجلال کی پرستش کرنیوالا کر دیا اور ایسا قوی کر دیا کہ کوئی اُس کے مقابل نہ تھا۔

۶۔ حضرت موسیٰ نے ملک فتح کیئے اور بنی اسرائیل میں دنیاوی بادشاہت بھی قائم کی حضرت محمد صلعم نے بھی ملک فتح کیئے اور بنی اسمٰعیل میں دنیاوی بادشاہت بھی قائم کر دی اگرچہ اتنا فرق ہے کہ شاید حضرت موسیٰ کا اصلی مقصد بادشاہت قایم کرنی اور ملک کنعان پر قبضہ کرنے کا تھا۔ اور حضرت محمدؐ کا مقصد دنیاوی بادشاہت کا نہ تھا۔ اصلی مقصد کے ساتھ وہ بھی اتفاق سے قائم ہو گئی تاکہ توریت کی بشارت مثل موسیٰ کے پوری ہو جاوے

۷۔ حضرت موسیٰ کو خدا تعالیٰ کی جانب سے شریعت عطا ہوئی اور ایک کتاب دی گئی (یعنی توریت) جس میں تمام احکام شریعت کے ہیں۔ حضرت محمدؐ کو بھی شریعت عطا ہوئی اور ایک کتاب دی گئی (یعنی قرآن مجید) جس میں تمام احکام شریعت کے ہیں۔ اور غالباً کوئی اور پیغمبر سواے حضرت موسیٰ اور حضرت محمدؐ کے ایسا نہیں ہوا جسکو ایسا قانون شریعت عطا ہوا ہو کیونکہ تمام انبیاے بنی اسرائیل اور خود حضرت عیسیٰ سب کے سب موسیٰ کی شریعت کے تابع تھے۔ کسیکو خاص شریعت عطا نہیں ہوئی تھی۔

۸۔ عیسائی مصنفوں نے بھی یہہ بات تسلیم کی ہے کہ حضرت محمدؐ مثل حضرت موسیٰ کے تھے۔ مسٹر رینان نے حضرت عیسیٰ کے حالات زندگی کے بیان میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت محمدؐ صرف غور ہی کرنیوالے اور سوچنے والے نہ تھے بلکہ وہ دونوں کام کرنے والے بھی تھے۔ اپنے ہموطنوں اور ہمعصروں کے لئے کام تجویز کرتے تھے اور اُسی کے ذریعہ

سے اُن دونوں نے انسانوں پر حکومت کی۔

۹۔ کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴ میں جو آرٹیکل سلام پر چھپا اُس آرٹیکل کا لکھنے والا لکھتا ہے کہ حضرت محمدؐ کو اپنے وطن میں رہنا مشکل معلوم ہوا اور اسلئے اُنہوں نے ہجرت کی تاکہ کسی دوسرے مقام پر جا کر وعظ کریں جیسے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور اور نبیوں نے ہجرت کی تھی۔

اُن کے پیرووں نے اطاعت اور وفاداری کا وعدہ کیا اور جب یہہ ہو چکا تو اُنہوں نے اُن میں سے بارہ آدمی منتخب کیئے۔ حضرت عیسیٰ نے بھی بارہ حواری چُنے۔ حضرت موسیٰ نے بھی بنی اسرائیل کی قوم میں سے اپنی بہ نسبت زیادہ عمر کے لوگ منتخب کیئے تھے۔

سنہ ۱۰ ہجری میں اخیر مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ میں آئے اور کوہ عرفات پر مثل حضرت موسیٰ کے اُنکو برکت دی اور اپنی اخیر نصیحتیں کیں اور خصوصاً یہہ نصیحت فرمائی کہ کمزوروں اور مفلسوں اور عورتوں کو پناہ دو اور سُود خوری سے پرہیز کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مثل حضرت موسیٰ کے اخیر مرتبہ مسلمانوں سے پوچھا کہ میں نے کسی کا کچھ نقصان تو نہیں کیا اور کسی کا کچھ قرض تو مجھپر نہیں ہے؟ انتہیٰ یہ سب تمثیلیں وہ تھیں جو کوارٹرلی ریویو میں لکھی ہیں۔ بس اب سوائے اسکے جو براہ تعصب اس صاف و روشن بشارت سے آنکھہ بند کرے کون کہہ سکتا ہی کہ یہہ بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہیں ہے؟

جو آیتیں توریت کی ہمنے اوپر بیان کی ہیں اُن میں سے ایک کے یہہ الفاظ ہیں کہ قائم کریگا تیرا معبود موجود تیرے لیئے نبی تجھہ میں سے تیرے بھائیوں میں سے

اس لفظ "تجھہ میں سے" پر ہمنے خطبات احمدیہ میں جو انگریزی زبان میں چھپی ہے کچھ بحث نہیں کی
تھی۔ سبب اسکا یہہ تھا کہ دوسری آیت میں یہہ لفظ نہیں تھا اور اُس میں نہایت صفائی سے
بنی اسرائیل میں سے یعنی بنی اسمٰعیل میں سے نبی مبعوث ہونا ظاہر تھا۔ اور جبکہ حضرت موسیٰ
کی پانچویں کتاب کے چونتیسویں باب کی دسویں آیت سے جو اوپر لکھی گئی صاف ثابت
تھا کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی مثل موسیٰ کے نہیں ہوا تو صاف متیقن ہوگیا تھا
کہ بنی اسمٰعیل میں سے جو بنی اسرائیل کے بھائی ہیں نبی موعود ہونے والا تھا مگر مولوی
چراغ علی صاحب نے اپنے رسالہ بشارت مثل موسیٰ میں اسپر بحث کی تھی وہ ارقام فرماتے
ہیں کہ لفظ "تجھہ میں سے" اصل صحیح نسخہ توریت میں نہ تھا بلکہ کاتبوں کی غلطی سے یہہ لفظ
بڑھ گیا ہے اور اسکے ثبوت پر نہایت مضبوط تین دلیلیں پیش کی ہیں

اوّل۔ یہ کہ اسی آیت کو پطرس حواری نے اعمال حوارین میں نقل کیا ہے اور اسمیں
یہہ فقرہ۔ "تجھہ میں سے" نہیں ہے۔

دوسرے۔ یہہ کہ استیفان حواری نے بھی اس آیت کو نقل کیا ہے اُس میں بھی وہ
فقرہ نہیں ہے۔

تیسرے یہہ کہ توریت کے یونانی ترجمہ میں جو سپٹواجنٹ کہلاتا ہے اور نہایت قدیم
اور نہایت معتبر ترجمہ ہے اُس میں بھی یہہ فقرہ نہیں ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ
قدیم صحیح نسخوں میں یہہ الفاظ نہ تھے۔

وہ یہہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں جو ضمیر واحد کی ہے وہاں اصل میں جمع کی
تھی جیسے کہ اُن حواریوں کی تحریروں اور یونانی ترجمہ سے پایا جاتا ہے۔

میں نے اس بحث کو جناب مولانا و بالفضل اولٰنا جناب مولوی عنایت رسول صاحب

چڑیاکوٹی کے سامنے پیش کیا جو عبرانی زبان اور توریت مقدس کے بہت بڑے عالم ہیں اور غالباً ہم مسلمانوں میں اجتک عبرانی اور کالدی زبان و توریت و زبور و صحف انبیا کا کوئی ایسا عالم نہیں گذرا جناب ممدوح نے فرمایا کہ ترجموں کی طرف ہمکو التجا لیجانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور جبکہ یونانی ترجمہ توریت کا حضرت عیسیٰ سے پیشتر ہو چکا تھا تو حواریوں نے بھی غالباً اُسی ترجمے سے نقل کیا ہوگا تو پس گویا دلیل صرف ایک یونانی ترجمہ پر عود کرتی ہے۔ اور ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ترجمہ کی استدلال سے اصل متن پر کچھہ الزام لگاویں مگر جن لفظوں پر بحث ہے وہ ہمارے مطلب کے نہایت مفید و موید ہیں آیت جس کے لفظوں پر بحث ہے یہہ ہے کہ "قائم کریگا تیرا معبود موجود تیرے لئے نبی تجھہ میں سے تیرے بھائیوں میں سے مجھسا اُسکو مانیو" یہہ قول حضرت موسیٰ کا ہے اور مخاطب اُسکا کوئی شخص خاص نہیں ہے بلکہ کل قوم بنی اسرائیل ہے اور تمام قوم بجنس واحد ہے اسکی طرف ضمیر خطاب واحد کا استعمال کیا ہے۔

اب اس مقام پر حضرت موسیٰ کو یہ بتاتا تھا کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہیں ہوئیگا بلکہ برادران بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ پس اگر اس مقام پر صرف یہی کہا جاتا کہ تیرے بھائیوں میں سے ہوگا تو یہ بات بخوبی روشن نہوتی کہ بنی اسرائیل میں سے نہوگا۔ کیونکہ اگر قوم کو صرف کہا جاوے کہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا تو اسوقت یہ احتمال کہ اسی قوم میں سے کوئی ہو زائل نہیں ہوتا اسلئے اولاً حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ "تجھہ میں سے" اور پھر اوسکا بدل واقع ہوا "تیرے بھائیوں میں سے" تو اس سے صاف متیقن ہو گیا کہ نبی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا نہ بنی اسرائیل میں سے پس اسی طرز کلام سے بنی اسرائیل میں سے اُس نبی موعود کے مبعوث ہونے کا احتمال بالکل زائل ہو جاتا ہے اور الفاظ کہ "تیرے بھائیوں میں سے" الفاظ "تجھہ میں سے" کا بیان تصور نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر مقصود یہ ہوتا کہ وہ نبی موعود کا

بنی اسرائیل میں سے ہوگا تو خود الفاظ "تجھہ میں سے" ہی زیادہ تر اس مطلب کا بیان کرتے تھے نسبت الفاظ "تیرے بھائیوں میں سے" کے - پس کسیطرح یہہ پچھلے الفاظ پہلے الفاظ کی تفسیر اور بیان نہیں ہوسکتی بلکہ وہ پہلے الفاظ کے بدل واقع ہوئے ہیں جسسے اس نبی موعود کا بنی اسمعیل سے ہونا متعین ہوجاتا ہے

انقلس نے جو نہایت قدیم ترجمہ کالدی زبان کا ہے اس مقام پر ترجمہ بصیغہ واحد کیا ہے یعنی بجائے اسکے کہ "تیرے بھائیوں میں سے" اسنے ترجمہ کیا ہے "تیرے بھائی میں سے" اسکا سبب یہ ہے کہ عبرانی میں جو لفظ "ماحیخا" ہے اسکے حرف یا کو اگر علامت اضافت سمجھیں تو ترجمہ بصیغہ واحد ہونا چاہیئے - اور اگر علامت جمع سمجھیں تو ترجمہ بصیغہ جمع ہونا چاہیئے - بہرحال ایک بڑی یہودی عالم کی یہہ رائے ہے کہ وہ حرف یا علامت اضافت ہے اور جب ترجمہ بصیغہ واحد ہو تو صاف قوم بنی اسرائیل کے بھائی کوئی دوسری قوم ہونی چاہیئے اور اس صورت میں بنی اسمعیل میں سے نبی موعود کا ہونا متعین ہوجاتا ہے اور "ماحیخا" کا بجز بدل ہونیکے اور کچھہ ہو ہی نہیں سکتا

مولوی چراغ علی صاحب نے اپنے رسالہ بشارت مثل موسیٰ میں یہہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ کہنا کہ بموجب محاورہ توریت کے بھائیوں کے لفظ سے ہمیشہ بنی اسرائیل ہی مراد ہوتے ہیں محض غلط ہے بلکہ کتاب استثنا باب ۲۳ - ۸ میں بنی قطورہ پر اور کتاب استثنا باب ۲ - ۴ و باب ۲ - ۸ و باب ۲۳ - ۸ و صحیفہ اشعیاہ باب ۲ - ۱۲ و صحیفہ عبدیا آیت ۱۰ میں بنی عیشاؤ پر اور کتاب پیدایش باب ۱۶ - ۱۲ و باب ۲۵ - ۱۸ میں بنی اسمعیل پر بھی لفظ بھائیوں کا بولا گیا ہے - اور جو کہ ان میں سے بجز اسمعیل کے اور کسیکو برکت نہیں دیگئی تھی اسلیئے بنی اسمعیل ہی میں سے نبی موعود کا مبعوث ہونا متعین اور منحصر ہوگیا تھا -

بشارت دوم

حضرت موسیٰ پیغمبر اور حضرت حبقوق نبی نے نبی عربی حجازی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے مبعوث ہونے کی اس طرح بشارت دی ہے -

וַיֹּאמַר יְהוָה מִסִּינַי בָּא וְזָרַח מִשֵּׂעִיר לָמוֹ הוֹפִיעַ מֵהַר

פָּארָן וְאָתָה מֵרִבְבֹת קֹדֶשׁ מִימִינוֹ אֵשְׁדָּת לָמוֹ :-

אֱלוֹהַּ מִתֵּימָן יָבוֹא וְקָדוֹשׁ מֵהַר־פָּארָן. סֶלָה כִּסָּה

שָׁמַיִם הוֹדוֹ וּתְהִלָּתוֹ מָלְאָה הָאָרֶץ :-

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وَیُّومِرْ یَهْوَا مِسِّینائ بَاوَزَارح مِسِّعِیرلَامُوهُو فِیَعْ مِهَرْ پَارَان وِ آتَا

مِرِبَبُوتْ قُودِشْ مِیمِینُوایشْ دَاتْ لَا مَرْ۔

اِلُوَهْ مِتِّیمَان یَابُووِقَادُوشْ مِهَرْ پَارَانْ سِلَه کِسَّه شَامَایِمْ هُودُ

وَتْهِلَّا تُو مَالِئَاهَا ارِص۔

عربی ترجمہ

وقال ان اللہ طلع من سینا - واشرق لھم من السعیر و من جبل

فاران تجلی - بمینہ شریعۃ بیضاء بجنود الملائکۃ اتی - یاتی اللہ من جنوب

والقدوس من جبل فاران - زین السموات الارض بحمدہ ملئان -

اردو ترجمہ

اور کہا خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا

اُس کے داہنے ہاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا (توریت کتاب

پنجم باب ۳۳ - ۲)

آئیگا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے - آسمانوں کو جمال سے

چھپادیا۔ اُس کی ستایش سے زمین بھر گئی (کتاب حبقوق باب ۳ - ۳)

ان آیتوں میں جو کوہ فاران سے خدا کا ظاہر ہونا اور شریعت کا اس کے

میں ہوتا بیان ہوا وہ علانیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے اور قرآن مجید کے نازل ہونے کی کہ وہی شریعت ہے بشارت ہے۔

یہہ بات عرب کے قدیم جغرافیہ سے اور بڑے بڑے عالموں کی تحقیق اور تسلیم سے اور توریت کے محاورات سے بخوبی ثابت ہوگئی ہے کہ مکہ معظمہ ہی کے پہاڑوں کا نام فاران ہے۔ چنانچہ امر مذکور کے ثبوت کی کافی دلیلیں بیان کرتے ہیں۔

اکتوبر سنہ ۱۸۶۹ع کے کوارٹرلی ریویو میں اسلام پر ایک آرٹیکل چھپا ہے جو ایک بہت بڑے عالم یہودی زبان جاننے والے کا لکھا ہوا ہے۔ اُسکے صفحہ ۲۹۹ میں لکھا ہے کہ "سٹیفن نے اُن خاص آیتوں کی جن میں سینا او سعیر اور فاران کی بشارت مذکور ہے اس طرح پر تشریح کی ہے کہ خدا سینا سے نکلا" یعنی عبرانی زبان میں شرع دی گئی (جس سے مراد توریت ہے) "اور سعیر سے چمکا" یعنی یونانی زبان میں بھی شریعت دی گئی (جس سے مراد انجیل ہے اور مسلمان کل عیسائیوں کو رومی کہتے تھے) "اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اور اُسکے ہاتھ میں شریعت روشن" یعنی عربی زبان میں شریعت دی گئی (جس سے مراد قرآن مجید ہے) پس اس عالم کے قول سے ثابت ہے کہ فاران وہی جگہہ ہے جہاں سے مذہب اسلام ظاہر ہوا یعنی حجاز یا مکہ معظمہ۔

چند سطروں کے بعد اسی آرٹیکل کا لکھنے والا پھر لکھتا ہے کہ "اُس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سینا اور سعیر اکثر بجاے اسرائیل اور عیسی کے مستعمل ہوتے ہیں اور ادوم بجاے رُوم کے اور فاران تو صاف عرب کے لیئے مستعمل ہے۔ صرف اس میں شبہہ ہے کہ مکہ کے گرد کے پہاڑوں کا یہہ نام ہے یا نہیں"۔ مگر ہم اس شبہہ کو بھی مٹا دینگے اور قدیم جغرافیہ کی تحقیقات سے ثابت کر دینگے کہ مکہ کے گرد کے پہاڑ ہی فاران ہیں۔

توریت کتاب اوّل باب ۲۱ آیت ۲۰ میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کو اپنے پاس سے نکالدیا تو وہ دونوں بیر شبع کے بیابان میں پھر گئے - اور اسی باب باب کی اکیسویں آیت میں لکھا ہے کہ بیابان فاران میں ساکن ہوئے -

قرآن مجید سے بھی حضرت اسمٰعیل کی سکونت بیابان میں معلوم ہوتی ہے - قرآن مجید میں حضرت اسمٰعیل کے اُس زمانہ کی سکونت کا ذکر ہے جبکہ حضرت ابراہیم اُن کے پاس آئے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر کر کے اسی کے پاس حضرت اسمٰعیل کی سکونت مستقل طور پر کر دی تھی - اور یہہ بات توریت سے بھی پائی جاتی ہے کہ پہلے حضرت اسمٰعیل بیابان میں خانہ بدوش تھے پھر بیابان فاران میں سکونت اختیار کی -

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی دعا اس طرح پر مذکور ہے کہ اے خدا میں نے اپنی اولاد میں سے تیرے بزرگ گھر کے پاس بن کھیتی کے میدان میں آباد کیا ہے لفظ مدبّر" מִדְבָּר جو توریت میں عبرانی زبان کا آیا ہے اور لفظ "واد غیر ذرع" جو قرآن مجید میں آیا ہے اُن دونوں کے ایک ہی معنی ہیں - پس توریت مقدس اور قرآن مجید میں یہہ بات تو متفق ہے کہ حضرت اسمٰعیل وادی میں آباد ہوئے مگر اُس وادی کے نام اور مقام میں بحث باقی رہی - توریت مقدس سے تو اُسکا نام فاران معلوم ہوا اور قرآن مجید سے اُس کا مقام معلوم ہوا جہاں کہ اب کعبہ ہے اور اگر یہہ ثابت ہو جاوے کہ مکہ معظمہ جہاں کعبہ بنا ہوا ہے وادی فاران میں واقع ہے تو یہہ امر بھی متفق علیہ ہو جاوے گا -

اللھم انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم (قرآن)

اب ہم اس بات سے جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے یعنی کعبہ کے پاس حضرت اسمٰعیل کا آباد ہونا اُس سے قطع نظر کرتے ہیں اور جو بات توریت میں ہے اور جس کو یہودی اور عیسائی

دونوں تسلیم کرتے ہیں اسیکو ہم اپنے استدلال کا قرار دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل وادی فاران

میں ساکن ہوئے۔

اب ہمکو قدیم جغرافیہ سے اس بات کی تلاش باقی رہی کہ حضرت اسمٰعیل کس جگہ آباد ہوئے

تھے کیونکہ جو مقام اُنکی سکونت کا ثابت ہوجاوے گا وہی وادی فاران ہوگا۔

اس مطلب کے حل کرنے کے لئے تین سوال قابل غور ہیں۔

اول۔ یہہ کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل اور اُن کی ماں کو اپنے گھر سے نکال کر

کس مقام پر چھوڑا۔

دوم۔ یہہ کہ حضرت اسمٰعیل اور اُنکی ماں بیابان میں پھرنیکے بعد کس مقام پر آباد ہوئیں؟

سوم۔ یہہ کہ وہ اسی جگہہ رہتی رہیں جہاں اُنہوں نے پہلی دفعہ سکونت اختیار

کی تھی یا کسی اور مقام پر جارہی تھیں۔؟

قرآن مجید میں ان باتوں کا کچھ تذکرہ نہیں ہے۔ لیکن چند روایتیں اور کچھ حدیثیں

اس کے متعلق ہیں۔ حدیثوں کا جو اس معاملہ سے متعلق ہیں یہہ حال ہے کہ وہ کافی اعتبار

کے لائق نہیں اور نہ وہ مرفوع ہیں یعنی اُن کی سند پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

تک نہیں ہے۔ پس وہ بھی مثل روایتوں کے نامعتبر ہیں اور روایتیں تو کسی طرح قابل

اعتبار کے ہیں ہی نہیں کیونکہ اُن میں نہایت اختلاف ہے اور مختلف اوقات کے واقعات

سب ایک جگہہ گڈمڈ کردیئے ہیں پس پہلے سوال کی نسبت جو کچھ توریت مقدس میں لکھا ہے

اُس سے زیادہ لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ یہہ ہے کہ "حضرت ابراہیم نے حضرت

ہاجرہ اور اُن کے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو دو روٹیاں اور پانی کی ایک چھاگل دیکر نکال دیا

اور وہ بیر شبع کے بیابان میں پھرا کیں۔ (توریت کتاب اول باب ۲۱ آیت ۱۶)

دوسرے سوال کا جواب اُس مقام کی تحقیق کرنے پر منحصر ہے جہاں حضرت سمٰعیل آباد ہوئے اور اُس مقام کی تحقیقات کا اس سے زیادہ عمدہ اور قابل اطمینان کے کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم پُرانے جغرافیہ پر متوجہ ہوں اور حضرت سمٰعیل کی اولاد کے رہنے کے مکانات کے کھنڈروں کی تحقیقات کریں جہاں وہ ملیں وہی مقام سکونت حضرت سمٰعیل کا ہوگا اور وہی مقام وادی فاران بھی ضرور ہوگا - اسلیئے کہ یہ بات مسلمہ ہے کہ وادی فاران میں آباد ہوئے تھے

حضرت سمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے :- ۱ - نبایوث - ۲ - قیدار - ۳ - ادبئیل - ۴ - بسام ۵ - مشماع - ۶ - دوما - ۷ - مسا - ۸ - حدر - ۹ - تیما - ۱۰ - یطور - ۱۱ - نافیش - ۱۲ - قیدماہ -

پہلا بیٹا حضرت سمٰعیل کا نبایوث عرب کے شمال مغربی حصہ میں آباد ہوا - ریورنڈ کار ہائی پی کاری ایم اے نے اپنے نقشہ میں اُس کا نشان ۳۸ و ۳۰ درجہ عرض شمالی اور ۴۲ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا ہے -

ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ نبایوث کی اولاد عربیبا پیٹرا سے مشرق کی طرف عربیبا ڈزرٹا تک اور جنوب کی طرف خلیج الامنک و حجاز تک پھیل گئی تھی -

اسٹریبو کے بیاں سے پایا جاتا ہے کہ نبایوث کی اولاد نے اس سے بھی زیادہ ملک گھیر لیا تھا اور مدینہ تک اور بندر حورا اور بندر ینبوع تک جو بحر قلزم کے کنارہ پر ہے اور مدینہ سے جنوب مغرب میں واقع ہے اُن کی عملداری ہوگئی تھی -

ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوث کی اولاد صرف پتھریلے میدانوں میں نہیں پڑی رہی بلکہ حجاز اور نجد کے بڑے بڑے ضلعوں میں پھیل گئی ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ نبایوث کی اولاد عرب کے بہت بڑے حصہ میں پھیل گئی ہو الا یہ کہ

کہ نبایوث کی سکونت اور اُسکی اولاد کی سکونت عرب میں بھی بخوبی ثابت ہی۔

دوسرا بیٹا حضرت اسمعیل کا قیدار نبایوث کے پاس جنوب کی طرف حجاز میں آباد ہوا۔

ریورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اشعیاہ نبی کے بیان سے بھی صاف صاف قیدار کا مسکن حجاز ثابت ہوتا ہی جس میں مکہ و مدینہ بھی شامل ہیں اور زیادہ ثبوت اسکا حال کے جغرافیہ میں شہر الحدر اور نبت سے پایا جاتا ہی جو اصل میں القیدار اور نبایوث ہیں۔ اہل عرب کی بھی روایت کہ قیدار اور اسکی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اوسکی تائید اس بات سے ہوتی ہی کہ عہد عتیق میں قیدار کا مسکن عرب کے اسی حصہ میں یعنی حجاز میں بیان ہوا ہے۔ دوسرے یہہ کہ یہہ بات بخوبی ثابت ہی کہ پورنیس اور بطلیموس اور پلینی اعظم کے زمانوں میں یہ قومیں حجاز کی باشندہ تھیں۔ کیڈری یعنی قیدری دری یعنی مخفف قیدری اور کڈورنائٹی یعنی قیداری کریتی یعنی قیدری چنانچہ اسکا ذکر ہسٹری جغرافیہ جلد اول صفحہ ۲۸۴ میں مندرج ہے۔ پس بخوبی ثابت ہے کہ قیدار حجاز میں آباد تھا۔

ریورنڈ کارٹری پی کاری نے اپنے نقشہ میں قیدار کی آبادی کا نشان ۲۶ و ۲۷ درجہ عرض شمالی و ۳۷ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا ہے۔

تیسرا بیٹا حضرت اسمعیل کا ادبیل ہے۔ بموجب سند جوزیفس کے ادبیل بھی اپنے اُن دونوں بھائیوں کے ہمسایہ میں آباد ہوا تھا۔

چوتھا بیٹا حضرت اسمعیل کا مبسام ہے مگر اوسکی سکونت کے مقام کا پتہ نہیں ملتا۔

پانچواں بیٹا حضرت اسمعیل کا مشماع ہے۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر کا یہہ قیاس صحیح ہی کہ عبرانی میں جسکو مشماع لکھا ہے اُسی کو یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ میں مسما اور جوزیفس نے مسماس و بطلیموس نے مسمیز لکھا ہے اور عرب میں اُسی کی اولاد بنی مسما کہلاتی ہے۔ پس کچھ

شبہ نہیں کہ یہ بیٹا قریب نجد کے اولاً آباد ہوا تھا۔

چھٹا بیٹا حضرت اسمٰعیل کا دوماہ تھا۔ مشرقی و مغربی جغرافیہ دان قبول کرتے ہیں کہ یہ بیٹا تہامہ میں آباد ہوا تھا۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ دومۃ الجندل کا نام واقدی کی حدیث میں دوماہ الجندل آیا ہی اور ابن سقفیہ نے اسکو اعمال مدینہ میں گنا ہی۔ اسکا نام دوم ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم کے نام پر موسوم ہوا ہی اور زجاجی کا قول ہے کہ اسمٰعیل کے بیٹے کا نام دومان ہی اور بعضوں نے کہا ہی کہ اسمٰعیل کا ایک بیٹا تھا اسکا نام دما تھا اور شاید اسکے اصلی نام کو بگاڑ دیا ہے اور ابن کلبی کا قول ہے کہ دوماہ اسمٰعیل کا بیٹا تھا اور اسی کا قول ہے کہ جب تہامہ میں حضرت اسمٰعیل کی بہت سی اولاد ہوگئی تو دوماہ وہاں سے نکلا اور بمقام دومہ قیام کیا اور وہاں قلعہ بنایا اور اسکا نام دوماہ اپنے نام پر رکھا اور ابو عبید سکونی کا قول ہی کہ دومہ جندل قلعہ اور گانوں شام اور مدینہ کے درمیان میں ہیں قریب جبل طے کے اور دومہ وادی قری کے گانوں میں سے ہی

دومۃ الجندل .. قد جاء فی حدیث الواقدی دوماہ الجندل وعدھا ابن السقفیۃ من اعمال المدینۃ سمیت بدوم ابن اسمٰعیل بن ابراھیم وقال الزجاجی دومان ابن اسمٰعیل وقیل کان لاسمٰعیل ولدا اسمہ دما ولعلہ مغیر منہ وقال ابن الکلبی دوماہ ابن اسمٰعیل قال ولما کثر ولد اسمٰعیل عم بالتھامۃ خرج دوماہ بن اسمٰعیل حتی نزل موضع دومۃ وبنی لہ حصنا فقیل دوماہ ونسب الحصن الیہ ... قال ابو عبید السکونی دومۃ جندل حصن وقری بین الشام والمدینۃ قرب جبل طے ... دومۃ من القریات من وادی القری (معجم البلدان)

ریونڈ مسٹر فارسٹر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں اور اب تک یہ ایک مشہور جگہ عرب میں موجود ہے۔

ساتواں بیٹا حضرت اسمعیل کا مسا تھا - ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہہ بیٹا مسوپوٹیما میں آباد ہوا مگر یہہ صحیح نہیں ہے - کچھہ شبہہ نہیں کہ یہہ بیٹا جب حجاز سے نکلا تو یمن میں آباد ہوا اور یمن کے کھنڈرات میں اب تک مسا کا نام قائم ہے - ریونڈ کارٹری پی کار نے اپنے نقشہ میں اس مقام کا نشان ۱۳ درجہ اور ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۳ درجہ اور ۳۰ دقیقہ طول شرقی میں قائم کیا ہے -

اسمعیل اور اُن کی تمام اولاد اولاً حجاز میں تھی - بلاشبہ جب اولاد جوان ہوئی اور کثرت ہو گئی تب مختلف مقاموں میں جا کر سکونت اختیار کی - مگر عمدہ بات قابل غور یہہ ہے کہ سب کا پتہ عرب ہی میں یا حجاز کے آس پاس پایا جاتا ہے -

آٹھواں بیٹا حضرت اسمعیل کا حدد تھا اور عہد عتیق میں حدادبھی اُس کا نام ہے یمن میں شہر حدیدہ اب تک اُسی کا مقام تبلا رہا ہے - اور قوم حدیدہ جو یمن کی ایک قوم ہے اُسی کے نام کو یاد دلاتی ہے - زہیری مورخ کا بھی یہی قول ہے اور ریورنڈ مسٹر فارسٹر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں -

نواں بیٹا حضرت اسمعیل کا تیما تھا اُن کی سکونت کا مقام نجد ہے اور بعد کو رفتہ رفتہ خلیج فارس تک پہونچ گئے -

دسواں بیٹا حضرت اسمعیل کا یطور ہے - ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیاں کرتے ہیں کہ اُسکا مسکن جدور میں تھا جو جبال کسیرنی کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق میں واقع ہے

گیارہواں بیٹا حضرت اسمعیل کا نافیش تھا - ریورنڈ مسٹر فارسٹر توریت اور جوزیفس کی سند سے لکھتے ہیں کہ عریبیا ڈزرٹا میں اُن کی نسل اسی نام سے آباد تھی -

بارہواں بیٹا حضرت اسمعیل کا قیدماہ تھا - اُنہوں نے بھی یمن میں سکونت اختیار کی تھی

ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے خیال کیا ہے کہ قیدماہ کاظمہ میں آباد ہوا تھا جو خلیج فارس پر ہی اور جسکا تذکرہ ابوالفدا نے کیا ہی مگر یہہ خیال اُن کا غلط ہے۔

مسعودی نے صاف لکھا ہی کہ اصحاب الرس سمعیل کی اولاد میں سے تھے اور وہ دو قبیلے تھے ایک کو قدمان کہتے تھے اور دوسرے کو یامین اور بعضوں کے نزدیک عویل اور یہہ یمن میں تھے

اصحاب الرس کانوا من ولد اسمعیل وھو قبیلتان یقال لاحدھم قدمان والاخری یامین وقیل عویل وذلك بالیمن (مروج الذہب مسعودی)

اب اس تحقیقات سے جو جغرافیہ کی رُو سے نہایت قابل اطمینان کے ہی دو باتیں ثابت ہوگئیں۔ ایک یہہ کہ حضرت اسمعیل اور اُن کی تمام اولاد عرب میں آباد ہوئی۔ دوسرے یہہ کہ مرکز اس خاندان کی آبادی کا حجاز تھا جہاں اسمعیل کی مقدم اولاد کا مسکن ہوا تھا اور پھر اُس مرکز سے اور طرف عرب میں پھیلی۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت اسمعیل نے حجاز میں سکونت اختیار کی تھی اور اُسی کا قدیم نام فاران ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت حبقوق نے اپنی اپنی بشارتوں میں بتایا ہے۔

توریت سامری کا عربی ترجمہ جسکو آرکیونن نے ۱۸۵۱ء میں بمقام گلدونی بیاورم چھاپا فاران کو حجاز تبلایا ہے۔ چنانچہ اُس ترجمہ کی بعینہ یہہ عبارت ہے۔

"وسکن بریہ فران (الحجاز) واخذت لہ امہ امرۃ من ارض مصر" (عربی ترجمہ توراۃ سامری) لفظ حجاز جو دو ہلالی خطوں میں ہی مترجم نے اسی طرح لکھا ہے۔

اگرچہ یہہ بات نہایت صفائی سے ظاہر ہے کہ وادی حجاز اور وادی فاران دونوں ایک ہیں اور اسمعیل کے خاندان کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اوسکی گواہی دے رہے ہیں مگر باایں ہمہ عیسائی اُسکو تسلیم نہیں کرتے اور موقع فاران کی نسبت مفصلہ ذیل تین رائیں

قرار دیتے ہیں -

اوّل - یہہ کہ وہ اُس وسیع میدان کو جو بیر شبع کی شمالی حد سے کوہ سینا تک پھیلا ہوا ہے فاران کہتے ہیں اور اُس کی حد عموماً اس طرح پر قرار دیتے ہیں -

حد شمالی - کنعان حد جنوبی - کوہ سینا

حد غربی - مُلک مِصر حد شرقی - کوہ سعیر

اور کہتے ہیں کہ اس حد میں اور بہت سے چھوٹے چھوٹے وادی علٰحدہ علٰحدہ نام سے شامل ہیں - مثلاً شور - بیر شبع - اتھان - سینا - سن - زن وایدم وغیرہ -

دوسرے یہہ کہ قادیش جہاں حضرت ابراہیم نے کنواں کھُدوایا جس کا نام بیر شبع تھا اور فاران دونوں ایک ہیں -

تیسرے یہہ کہ فاران اُس وادی کو کہتے ہیں جو کوہ سینا کے مغربی نشیب پر واقع ہے اور جہاں بہت سی ٹوٹی پھوٹی عمارتیں اور پُرانی قبریں اور منیاریں وغیرہ ابتک موجود ہیں مسٹر روپر کا بیان ہے کہ اُس مقام پر ایک ٹوٹا ہوا گرجا ملا جو حضرت عیسیٰ کے بعد پانچویں صدی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے اور یہہ بھی اُن کا قول ہے کہ چوتھی صدی میں اُس مقام پر عیسائی رہتے تھے اور ایک بشپ بھی وہاں رہتا تھا -

ہماری رائے میں یہ تینوں توجیہیں محض غلط ہیں اور کسی طرح توریت مقدس کے بیان کے مطابق نہیں ہیں - چنانچہ ہم ان تینوں توجیہوں کی تردید بیان کرتے ہیں -

اگرچہ یہہ تینوں توجیہیں نہایت مختصر تقریر سے رفع ہوسکتی ہیں کہ جب ان مقاموں میں حضرت اسمٰعیل یا اُن کی اولاد کے رہنے کا کوئی نشان تک نہیں ہے تو پھر کیونکر وہ مقام فاران تصور ہوسکتے ہیں - مگر ہم اس سے قطع نظر کرکے ہر ایک توجیہہ کی جدا جدا تردید بیان کرینگے

توجیہہ اوّل کی تردید

پہلی توجیہہ کا منشا یہہ ہے کہ فاران ایک بہت بڑا وادی ہے اور اُس میں شور و سینا وغیرہ سب داخل ہیں اس توجیہہ کی تردید کے لیئے توریت مقدس کی چند آیتیں نقل کر دینی کافی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فاران ایک مستقل اور جداگانہ وادی ہے اور اَور وادیوں سے مِل کر نہیں بنا ہے۔

۱۔ توریت کتاب چہارم باب ۱۰ آیت ۱۲ میں لکھا ہی "بنی اسرائیل نے بیابان سینی سے کوچ کیا اور بادل بیابان پاران میں ٹھیر گیا"۔ پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ بیابان سینی ایک جدا بیابان اور پاران جدا بیابان ہے۔

۲۔ توریت کتاب اوّل باب ۱۴ آیت ۶ میں لکھا ہی کہ "کدرلاعومر نے حوریوں کو پہاڑ سعیر میں اہل فاران تک جو صحرا کے نزدیک ہی مارا"۔ پس اس آیت سی ثابت ہے کہ سعیر جُدا ہے اور وادی پاران علحدہ ہے۔

۳۔ توریت کتاب چہارم باب ۱۲ آیت ۱۶ و باب ۱۳ آیت ۳ میں لکھا ہی کہ "بنی اسرائیل حصیروت سے چلے اور بیابان فاراں میں ٹھیرے اور وہاں سے زمین کنعان کی تلاش کو سرداران قوم روانہ کیئے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ حصیرت سے آگے فاران اور ان سب وادیوں سے علحدہ وادی ہے۔

۴۔ پھر اسی کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۵ و ۲۶ میں لکھا ہی کہ "وہ سردار کنعان کو دیکھکر پھرے تو بیابان فاران میں سے قادیش میں پہنچے"۔ پس کنعان سے مراجعت کرتی وقت پہلے بیابان فاران پڑتا ہی اور پھر قادیش اور یہہ بالکل ٹھیک ہی کیونکہ قادیش جہاں ابراہیم نے بیر شیبع بنایا اور بیابان فاران باہم پیوستہ ہیں۔ قادیش شمالی سرحد فاران پر واقع ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بیر شیبع ابراہیم والا اور قادیش ایک ہیں۔ اسلیئے کہ وہ قادیش میں بنایا گیا تھا اور اسحاق نے جو بیر شیبع بنایا وہ علیحدہ اور قریب فلسطین کے واقع ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ خیال میں رکھنا ضرور ہے۔

یہ دونوں آیتیں توریت اور کتاب حبقوق نبی کی جن میں ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارتیں مندرج ہیں اور جن پر ہم بحث کر رہے ہیں ان سے بھی ظاہر ہے کہ فاران وسعیر سب علیحدہ علیحدہ مقام ہیں۔

۶۔ کتاب اول سلاطین باب ۱۱ آیت ۱۸ میں حدد اور اُس کے ہمراہیوں کے مصر میں جانے کے حال میں لکھا ہے کہ وہ مدیان سے نکلے اور فاران میں آئے اور وہاں سے آدمی ساتھ لیکر مصر کو گئے"۔ مدیان وہ شہر ہے جسکو عرب مدین کہتے تھے اور ساحل بحر قلزم پر جو حجاز کی جانب ہے تبوک سے تخمیناً چھ منزل جانب جنوب واقع ہے اور یہہ شہر عین وادی فاران میں واقع تھا جو ٹھیک حجاز ہے۔ اس سے دو مطلب ایک حجاز اور وادی فاران کا متحد ہونا دوسرے وادی فاران کا ایک مستقل جدا وادی ہونا ثابت ہوتے ہیں۔

توجیہہ دوم کی تردید

دوسری توجیہہ یہ تھی کہ فاران اور وادی قادیش دونوں ایک ہیں۔ اس توجیہہ کی تردید میں بھی توریت کی چند آیتیں لکھی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ وہ دونوں الگ الگ مقام ہیں۔

۱۔ توریت کتاب اول باب ۱۴ آیت ۶ و ۷ میں لکھا ہے کہ "کدرلاعومر نے حوریوں کو پہاڑ سعیر میں ایل فاران تک جو صحرا کے نزدیک ہے مارا اور وہاں سے پھر کر عین مشپاط میں جو قادیش ہے آئے"۔ اس سے بخوبی ثابت ہے کہ پاران اور قادیش دونوں علیحدہ علیحدہ

۲۔ توریت کتاب چہارم باب ۱۳ آیت ۲۶ میں لکھا ہے کہ "وہ سردار جو حضرت موسیٰ نے بھیجے تھے از طرف فاران قادیش میں پہونچے" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیش و فاران جدا جدا دو مقام ہیں۔

آیت جسکا ہمنے ذکر کیا اُس کے ترجمہ میں لوگوں نے کسی قدر غلطی کی ہے اسلئے ہم اُس آیت کو معہ ترجمہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

וַיֵּלְכוּ וַיָּבֹאוּ אֶל-מֹשֶׁה וְאֶל-אַהֲרֹן וְאֶל כָּל-עֲדַת
בְּנֵי-יִשְׂרָאֵל אֶל-מִדְבַּר פָּארָן קָדֵשָׁה:-

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وَيِّلِخُو وَيَّابُؤُو اِلْ مُوشِه وَاِلْ اَهَارُون وَاِلْ كُلْ عَدَتْ بِنِي
اِسْرَائِيل اِلْ مِدْبَر پَارَانْ قَادِيشَه -

عربی ترجمہ

ورحلوا وجاؤا الی موسیٰ والی ھارون والی کل جماعة بنی اسرائیل الی بریة فاران بالقادس۔

اُردو ترجمہ

اور کوچ کیا اور آئے موسیٰ اور ہارون اور تمام جماعت بنی اسرائیل کے پاس طرف میدان فاران کے قادیش میں۔

انقلس نے اس مقام پر قادیش کو مقام نہیں خیال کیا بلکہ اُسکے معنی نائل کے لیئے ہیں۔ یعنی فاران میں واپس آئے بہ نیل مرام بس اگر یہ معنی لیئے جاویں تو اس آیت سے قادیش اور فاران کے ایک ہونے پر کسیطرح استدلال نہیں ہوسکتا

توجیہہ سوم کی تردید

تیسری توجیہہ یہہ ہے کہ پاران کوہ سینا کے مغربی نشیب میں واقع ہے جہاں کھنڈرات بھی پائے گئے ہیں۔ یہہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے۔ ہم اُس بیابان کے وجود سے جو کوہ سینا کے نشیب میں واقع ہے انکار نہیں کرتے۔ مشرقی جغرافیہ دانوں کی تحریروں سے ثابت ہے کہ تین مقام فاران کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک کوہستان حجاز یعنی مکہ معظمہ اور ابو نصر بن قاسم بن قضاعۃ القضاعی الفارانی الاسکندری جو حجاز کا رہنے والا تھا وہ حجاز ہی کے رہنے کے سبب فارانی کہلاتا تھا۔ دوسرا فاران کوہ طور یا سینا کے پاس تھا اور تیسرا فاران نواح سمرقند میں واقع تھا چنانچہ یہہ تفصیل کتاب مشترک یاقوت حمری میں لکھی ہے۔

جو فاران کہ نواح سمرقند میں تھا وہ تو بحث سے خارج ہے صرف اُس فاران سے بحث ہے جو کوہ سینا کے مغربی نشیب میں واقع ہے مگر اُسکی نسبت اسقدر اور تحقیقات کرنی باقی ہے کہ آیا اس مقام پر فاران حضرت ابراہیم کے بلکہ حضرت موسیٰ کے وقت میں تھا یا نہیں۔ اور یہہ وہی وادی ہے جسکا ذکر توریت میں ہے اور جہاں بیرشبع کے بیابان میں پھرنے کے بعد حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ نے قیام کیا تھا۔ اور یہہ وہی مقام ہے جہاں اسمٰعیل کی اولاد آباد ہوئی۔ ان باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں بلکہ اس کے برخلاف ثابت ہے۔ جیسا کہ اگلی بحثوں میں بیان ہو چکا مگر یا اینہمہ جو دلیلیں عیسائیوں نے اس فاران کی نسبت لکھی ہیں اور جبکو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے ایک نہایت عمدگی اور غور سے جمع کر دیا ہے اُن سب کی ہم تردید بیان کرتے ہیں تاکہ بحث بخوبی پوری ہوجاے۔

ریورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ توریت کتاب اول باب ۲۵ و آیت ۱۸ میں لکھا ہے کہ اسمٰعیل کی اولاد حویلاہ سے شور تک جو اشور کو جاتے ہوئے مصر کے برابر

پڑتا ہے آباد ہوئی - اِس آیت کو لکھکر وہ کہتے ہیں کہ اُقرار خدا کا پورا ہوگیا کہ بنی اسمعیل شور سے حویلاہ تک یعنی عرب میں مصر کے کنارہ سے دریای فرات کے موہانہ تک پھیل گئے -

پہلی غلطی اِس مصنف کی یہہ ہی کہ حویلاہ کو دریاے فرات کے موہانہ پر قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ مقام جسکا بانی حویلاہ ہے اور جس کا نام توریت کتاب اوّل باب ۱۰ آیت ۲۹ میں آیا ہی یمن کے قریب واقع ہی - چنانچہ ریورنڈ کارٹری پی کاری ایم اے کے نقشہ میں اُسکا نشان ۱۷ درجہ ۴۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۲ درجہ ۳۰ دقیقہ طول شرقی پر لگایا ہی اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے -

دوسری غلطی اِس مصنف کی یہ ہے کہ وہ شور کو عربیا پٹریا کے مغرب میں بتاتے ہیں اور یہہ صریح غلطی ہے - کیونکہ شور کے بیابان سے وہ وسیع میدان بتایا جاتا ہے جو سریا کے جنوب سے مصر تک پھیلا ہوا ہے -

توریت کی جس آیت کا ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے ذکر کیا یعنی کتاب اوّل باب ۲۵ آیت ۱۸ اُس میں دو لفظ ہیں שור شور השורה اشورہ اور کسی نام کے ساتھ لفظ بیابان کا نہیں ہے شور کا نام حال میں سریا ہے اور کچھ شک کا مقام نہیں ہو سکتا کہ حال کا نام شورہ کا اس سریا ہے بس صاف ظاہر ہے کہ اسمٰعیل کی اولاد اُس قطع زمین میں آباد ہوئی جو یمن کے شمالی سرحد سے سریا کی جنوبی سرحد تک ہے - اور یہی امر مطابق واقع کے بھی ہے اور توریت مقدس کے بیان کے بھی مطابق ہے - اور اسی مقام میں اسمعیل کی اولاد کی آبادیوں کے نشان ملتے ہیں اور یہی ٹکڑہ زمین کا حجاز کہلاتا ہے اور اسی کا قدیم نام فاران تھا اور یہہ ہمارا بیان اس سے اور زیادہ صحیح ہو جاتا ہے کہ جو مسافر وہاں سے اس سریا کو جاتا ہے تو ٹھیک مصر سامنے واقع ہوتا ہے جیسا کہ توریت مقدس میں لکھا ہے -

ریورنڈ مسٹر فارسٹر سینٹ پال کے خط سے جو گلیشین کے نام لکھا تھا ایک نیا نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوہ سینا اور ہاجر متحد ہیں۔ مگر یہہ بھی سرتاسر غلطی ہے۔ ہم سینٹ پال کے خط کی وہ عبارت لکھتے ہیں اور پھر اُسکا مطلب بیان کرکے ریورنڈ مسٹر فارسٹر کی غلطی بتاتے ہیں۔

سینٹ پال کے خط کی یہہ عبارت ہے" تم جو شریعت کے تابع ہوا چاہتے ہو کیا تم نہیں سنتے کہ شریعت کیا کہتی ہے۔ یہہ لکھا ہے کہ ابراہیم کے دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے دوسرا بیوی سے جو لونڈی سے تھا جسمانی طور پر پیدا ہوا اور جو بیوی سے تھا سو وعدہ کے طور پر پیدا ہوا۔ یہ باتیں تمثیلیں ہیں اسلئے کہ یہہ دو عہد ہیں۔ ایک تو سینا پہاڑ سے جس سے بڑے غلام پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہاجرہ ہے۔ کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا اور یہاں کے یروشلم کا جواب ہے جو اپنے لڑکوں کے ساتھہ غلامی میں ہے۔ پر اوپر کی یروشلم آزاد ہے سو یہی ہم سبکی ماں ہے"
(نامہ سینٹ پال بنام گلیشین باب ۴ آیت ۲۱ لغایت ۲۶)

اس مقام پر جو یہہ لفظ آیا ہے کہ "یہہ ہاجرہ ہے" اس سے اس بات پر کہ کوہ سینا اور ہاجر ایک ہی ہیں استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ اس مقام پر امر مذکور بیان نہیں ہوا بلکہ سارا بیان بطور تمثیل کے ہے۔ سینٹ پال ان لوگوں کو جنہوں نے صرف ظاہری احکام شریعت کی پابندی اختیار کی تھی اور اُس کے نتیجہ یعنی رُوحانی نیکی کو بالکل چھوڑ دیا تھا اُن کو نصیحت کرتے ہیں۔ یہہ بات یہودیوں میں مشہور تھی کہ حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے۔ ایک حضرت اسمٰعیل لونڈی سے۔ (گو کہ یہہ امر غلط ہے مگر یہہ مقام اس کی بحث کا نہیں ہے) دوسرے حضرت اسحٰق بیوی سے۔ اور یہہ بھی مشہور تھا کہ حضرت اسمٰعیل تو جسمانی ہیں اور حضرت اسحٰق روحانی جو بموجب وعدہ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اب سینٹ پال حضرت اسحٰق کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کا بھی جسمانی ہونا اور صرف عیسائیوں کا روحانی بیٹا ہونا بیان کرنا چاہتے ہیں اور اسلئے کہتے ہیں کہ جسمانی اور روحانی ہونا

یہہ تو تمثیلیں ہیں حقیقت میں یہہ دو عہد ہیں اب وہ کہتے ہیں کہ ایک عہد تو کوہ سینا سے ہے جس سے بنی اسرائیل اسحاق کی اولاد مراد ہیں۔ مگر اس عہد سے بھی غلام ہی پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی صرف ظاہری شریعت میں پڑے ہوئے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ "یہی ہاجرہ ہے" یعنی یہی معنی لونڈی کی اولاد ہونا ہے اور اس کی دلیل میں بیان کرتے ہیں کہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے اور یروشلم کا جواب ہے جو یعنی یروشلم اپنے لڑکوں یعنی بنی اسرائیل کے ساتھ غلامی میں ہے۔ آگے وہ کہتے ہیں کہ روحانی یروشلم کا ہمکو بیٹا ہونا چاہیئے اور مثل لونڈی کی اولاد کے غلامی کی حالت کو چھوڑ دینا چاہیئے پس اس مقام سے ہاجرا اور کوہ سینا کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کوہ سینا سے علیحدہ عرب میں (حجاز) میں تھیں جن کو تمثیلاً عرب کا سینا بیان کیا ہے اور یروشلم کا مقابل۔

ریورنڈ مسٹر فارسٹر کتاب اول تواریخ ایام کی آیت ۱۰ و ۹ کی سند پر بیان کرتے ہیں کہ ہگری یعنی بنی ہاجرہ کنارہ دریاے فرات زمین گلعاد میں ساکن تھے اور وہاں چند آبادیوں کے ایسے نام بھی تلاش کیئے ہیں جو بنی اسمٰعیل کے ناموں کے مشابہ یا مطابق ہیں۔ مگر اس کہنے سے کیا فائدہ ہے۔ بلاشبہ زمانہ کے دور میں بنی اسمٰعیل حجاز میں سے نکلے اور تمام عرب میں خلیج فارس تک پھیل گئے۔ فاران کی تحقیقات میں اس مقام کو تلاش کرنا چاہیئے جہاں حضرت اسمٰعیل آباد ہوئے سو وہ ثابت ہو گیا کہ حجاز میں اور گرد مکہ کے آباد ہوئے۔ پس وہی مقام فاران کا ہے۔ بعد کو وہ کتنی دور تک ملکوں میں پھیل گئے ہوں اُس سے کچھ بحث نہیں ہے۔

جو فاران کوہ سینا کے مغربی نشیب میں ہے اور جس کے کھنڈرات ملے ہیں وہ توریت کا فاران نہیں ہے اور حضرت موسیٰ کے زمانہ تک اسکا وجود نہ تھا۔ حضرت موسیٰ جب مصر سے

بنی اسرائیل کو لیکر نکلے اور اونہوں نے بحر احمر کی غربی شاخ کی نوک کو پار کیا جس کے پانی کو بسبب سمندر کے جزر کے خدا نے ہٹا دیا تھا شور کے جنگل میں پہونچے اور جب سن کے جنگل کو طے کیا اور افیدیم میں مقام ہوا تو وہاں عمالیق آئے اور موسیٰ سے لڑے چنانچہ یہہ سب حال توریت کتاب دوم باب ۱۷ آیت ا لغایت ۸ میں مندرج ہے۔ ان آیتوں میں جو یہ لفظ مندرج ہیں کہ "عمالیق آنکر لڑے"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمالیق افیدیم کے باشندے نہ تھے اور کیونکر ہو سکتے تھے کیونکہ وہ مقام محض بے آب تھا۔ مگر اس مقام پر اتنی بات یاد رکھنی چاہئیے کہ افیدیم کوہ سینا کے مغرب میں یعنی شرقی مصر میں واقع ہے۔

اب یہاں سے حضرت موسیٰ مشرق کیطرف یعنی کوہ سینا کی طرف چلے اور بیابان کوہ سینا میں پہونچ گئے اور اس سفر میں وہ مقام فاران جس کا غربی کوہ سینا میں واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے گذر گیا اور حضرت موسیٰ نے اسکا کچھ ذکر نہیں کیا۔

اب بنی اسرائیل کوہ سینا سے آگے بڑھے اور شمال مشرق کو چلے۔ اس راہ میں حضرت موسیٰ فرماتے ہیں کہ "بنی اسرائیل بیابان سے نکلے اور بادل بیابان فاران میں ٹھیر گیا (توریت کتاب چہارم باب ۱۰ آیت ۱۲)

پس اب بخوبی ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کے وقت میں بیابان فاران جانب شمال و شرق کوہ سینا کے تھا جو قریب قادیش واقع ہے اور وہی بیابان حجاز کا ہے نہ غربی نشیب کوہ سینا کے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب العاربہ کی ایک قوم جو اولاد میں خاران بن عوف بن حمیر کے تھی اور جو بنی فاران کے نام سے کہلاتی تھی کسی زمانہ میں وہاں جاکر بسی ہوگی اور اس سبب سے وہ مقام فاران مشہور ہوگیا ہوگا۔ مگر وہ فاران ہرگز وہ فاران نہیں ہے جسکا ذکر توریت میں ہے۔

تمام مشرقی مورخ اور جغرافیہ دان اس بات پر متفق ہیں کہ جو کوہستان حجاز میں واقع ہیں وہی فاران ہے۔ اُن کے اس قول کی تصدیق اس بات سے ہوتی کہ حمیر جو عرب کا بادشاہ تھا اُسکا بیٹا عوف تھا جو نجد میں تھا اور جس کے نام سے کوہستان نجد معروف ہیں جیسا کہ کتاب مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع میں لکھا ہے اور تاریخ ابو الفداء سے ثابت ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تھا اور نہایت قیاس غالب ہے کہ متصل نجد جو زمین و کوہستان حجاز کے واقع ہیں وہ اس فاران کے نام سے موسوم ہوئے۔ مگر چونکہ اس مقام پر ایک اور نامی اور متبرک چیز یعنی کعبہ معظمہ قائم ہو گیا اس سبب سے بجائے پہلے نام فاران کے مکہ یا کعبہ کا نام مشہور ہو گیا۔ فاران سنہ ۱۹۷۸ دنیوی میں تھا یعنی حضرت موسیٰ سے ۴۵۳ برس پیشتر۔ پس اسی فاران کا نام حضرت موسیٰ کی کتاب میں آیا ہے جہاں سے شریعت کے ظاہر ہونے اور خدا کے چمکنے کی بشارت دی گئی تھی جو خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے اور قرآن مجید کے نازل ہونے سے پوری ہوئی۔

عوف بفتح اوله وسکون ثانیه و آخره فاء جبل بنجد۔ وعوق بالفتح ارض فی دیار غطفان بین نجد وخیبر (مراصد الاطلاع)

اب باقی رہ گیا تیسرا سوال اور وہ یہہ تھا کہ حضرت اسمٰعیل جہاں رہتے تھے وہاں سے کسی دوسری جگہہ تو نہیں جا رہے۔ اس بات کو کوئی بھی مورخ کیا عیسائی اور کیا یہودی اور کیا مسلمان نہیں بیان کرتا کہ حضرت اسمٰعیل نے مقام سکونت کو تبدیل کیا تھا پس کچھہ شبہ نہیں ہے کہ یہی مُلک حجاز جہاں حضرت اسمٰعیل نے اول سے اخیر تک سکونت اختیار کی تھی فاران ہے جسکا ذکر حضرت موسیٰ کی کتاب میں آیا ہے۔

بشارت چہارم

حضرت سلیمان اپنے محبوب سے ملنا چاہتے ہیں اور جب نہیں مل سکتے تو خدا تعالیٰ کی مناجات اور اپنے محبوب کی تعریف اس طرح پر کرتے ہیں۔

דּוֹדִי צַח וְאָדוֹם דָּגוּל מֵרְבָבָה׃ רֹאשׁוֹ כֶּתֶם פָּז קְוֻצּוֹתָיו
תַּלְתַּלִּים שְׁחֹרוֹת כָּעוֹרֵב׃ עֵינָיו כְּיוֹנִים עַל־אֲפִיקֵי מָיִם
רֹחֲצוֹת בֶּחָלָב יֹשְׁבוֹת עַל־מִלֵּאת׃ לְחָיָו כַּעֲרוּגַת הַבֹּשֶׂם מִגְדְּלוֹת
מֶרְקָחִים שִׂפְתוֹתָיו שׁוֹשַׁנִּים נֹטְפוֹת מוֹר עֹבֵר׃ יָדָיו גְּלִילֵי זָהָב מְמֻלָּאִים
בַּתַּרְשִׁישׁ מֵעָיו עֶשֶׁת שֵׁן מְעֻלֶּפֶת סַפִּירִים׃ שׁוֹקָיו עַמּוּדֵי שֵׁשׁ
מְיֻסָּדִים עַל־אַדְנֵי־פָז מַרְאֵהוּ כַּלְּבָנוֹן בָּחוּר כָּאֲרָזִים׃ חִכּוֹ מַמְתַקִּים
וְכֻלּוֹ מַחֲמַדִּים (محمدیم) זֶה דוֹדִי וְזֶה רֵעִי בְּנוֹת יְרוּשָׁלִָם׃ —

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

دُودِی صَحْ وِاٰدُومْ دَغُولْ مِرِبَابَهْ رُوشُو کِتِمْ بَازْ قُوُصُّوتَاوْ تَلْتَلِّیمْ شِحُورُوتْ
کَعُورِیبْ عِینَاوْ کِیُونِیمْ عَلْ اَفِیقِی مَایِیمْ رُحُصُوتْ بِحَالَابْ یُوشْبُوتْ عَلْ
مِلِّیتْ لِحَایَاوْ کَعَرُوغَتْ هَبُّسِمْ مِغْدِلُوتْ مِرْقَاحِیمْ سِفْتُوتَاوْ شُوشَنِّیمْ
نُطَافُوتْ مُورْ عُوبِیرْ یَادَاوْ گِلِیلِی زَاهَابْ مُمُلَّائِیمْ بَتَّرْشِیشْ مِعَاوْ عِشِتْ
شِینْ مُعِلِّفِتْ سَپِّیرِیمْ شُوقَاوْ عَمُّودِی شِیشْ مِیُسَّادِیمْ عَلْ اَدْنِی
پَازْ مَرْئِیهُو کَلِّبَانُونْ بَاحُورْ کَاارَازِیمْ حِکُّو مَمْتَقِّیمْ وِخُلُّو
(مُحَمَّدِیمْ) زِه دُودِی وِزِه رِعِی بِنُوتْ یِرُوشَلَایِمْ۔

عربی ترجمہ

حبیبی صح ادمان سید بین الالاف قصته مسلسلة حالك کالغراب راسه لامته الالماس عیونه کحمامة علی عین الماء مغسوله بالحلیب قائمة الجبتام عذارة صلابته الطیب کمعرج البشام شفتاه ورد تقطر مرالبطنه صفیحة العاج مرصص بالدرر ویداه مصوغتان من الذهب مملوتان بالجوهر سیقانه اعمدة الرخام موسسته علی قواعد اللئالی صورته تمراء شاب کالصنوبر حنکه حلو وکله (محمدیم) هذا خلیلی وذا حبیبی بنات اورشلیم۔

اردو ترجمہ

میرا دوست نورانی گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے اُسکا سر چہرہ کا سا چمکدار ہے اُسکی زلفیں مسلسل مثل کوّے کی کالی ہیں اُسکی آنکھیں ایسی ہیں جیسے پانی کے کنڈل پر کبوتر دودھ میں دُھلی ہوئی نگینہ کی مانند جڑی ہیں خانہ میں اُس کے رخسارے ایسے ہیں جیسے ٹٹی پر خوشبودار بیل چھائی ہوئی اور چکلے پر خوشبو رگڑی ہوئی اُسکے ہونٹ پھول کی پنکھڑیاں جن سے خوشبو ٹپکتی ہے اُسکے ہاتھ ہیں سونے کے ڈھلے ہوئے جواہر سے جڑے ہوئے اُسکا پیٹ جیسے ہاتھی دانت کی تختی جواہر سے لپی ہوئی اُسکی پنڈلیاں ہیں جیسے سنگ مرمر کے ستوں سونے کی بیٹھکی پر جڑے ہوئے اُسکا چہرہ مانند مہتاب کے جوان مانند صنوبر کے اُسکا گلا نہایت شیرین اور وہ بالکل محمد یعنی تعریف کیا گیا ہے یہی میرا دوست اور میرا محبوب۔ اے بیٹیو یروشلیم کے (کتاب تسبیحات سلیمان باب ۵ آیت ۱۰ لغایت ۱۶)

اگرچہ اس مقام پر حضرت سلیمان نے خدا کی تسبیح میں گیت گایا ہے اور اُس کی مناجات کی ہے مگر ضرور وہ ایک کسی بڑے شخص قابل تعظیم و ادب کے آنے کے متوقع ہیں اور

اُس کی بشارت دیتے ہیں اور اُسی کو اپنا محبوب بتاتے ہیں اور اپنے اُس محبوب کی شاعرانہ تعریف کرتے ہیں اور پھر صاف بتاتے ہیں کہ وہ میرا محبوب (محمدؐ) ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمدؐ کے معنی تعریف کیئے گیئے ہیں پس حضرت سلیمان نے اپنی مناجات میں اپنے محبوب کی تعریف کرتے کرتے اُسکا نام ہی لیدیا کہ اگر اُس کے معنی لو تو وہ بھی ایک لفظ تعریف ہے ورنہ وہ صاف صاف نام تو ہے ہی۔

یہہ مقام ایسا ہے جس میں صاف نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتا دیا گیا ہے مگر ہمارے خطبہ کے پڑہنے والوں کے دل میں شبہ جاویگا کہ اگر نام بتانا تھا تو محمدؐ کہا ہوتا محمدیم کیوں کہا۔ مگر یہہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ عبرانی زبان میں یے اور میم علامت جمع کی ہے اور جب کوئی بڑی قدر کا شخص اور عظیم الشان ہوتا ہے تو اُسکے اسم کو بھی جمع بنا لیتے ہیں جیسا کہ خدا کا نام الوہ ہے اُسکی جمع الوہیم بنالی ہے اور اسیطرح بعل جو ایک بُت کا نام تھا جسکو نہایت عظیم الشان سمجھتے تھے اُسکی جمع بعلیم بنالی تھی اور یہی قاعدہ اسم اشتروث میں لگایا گیا ہے جو دوسرے بُت کا نام ہے پس اسیطرح اس مقام پر بھی حضرت سلیمان نے بسبب بڑی قدر اور عظیم الشان ہونے اپنے محبوب کے اُسکے نام کو بھی صیغۂ جمع کی صورت میں بیان کیا ہے اور سب ہے کہ محمدؐ سے زیادہ کون شخص محمدیم کہلانے کا مستحق ہے پس یہہ ایسی بشارت ہے جس میں صاف صاف نام محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتایا گیا ہے۔

بشارت پنجم

حجی نبی ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونیکی اسطرح بشارت دیتے ہیں۔

וְהִרְעַשְׁתִּי אֶת-כָּל-הַגּוֹיִם וּבָאוּ חֶמְדַּת כָּל-הַגּוֹיִם וּמִלֵּאתִי אֶת-הַבַּיִת

הַזֶּה כָּבוֹד אָמַר יְהוָה צְבָאוֹת׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے -

وَہِوعَشْتِی اِتْ کُلْ ھکوٗیم وِ بَاوٗحِمْدَتْ کُلْ ھکوٗیم وِمِلّتِی اِتْ

ھَبَّاپِتْ ھَزِّہ کَابُوْد اَمَرْ یھوَاصِبُوْت -

عربی ترجمہ

وازلزل الامم کلہا وحمد جمیع الامم یجیٔ واملا ھذا البیت مجدا قال رب الخلائق

اُردو ترجمہ

سب قوموں کو ہلا دونگا اور حمد سب قوموں کا آویگا اور اس گھر کو بزرگی سے بھردونگا کہا خداوند خلایق نے (کتاب حجی نبی باب ۲ آیت ۷)

اس آیت میں لفظ (حمدث) جو آیا ہے اسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بشارت نکلتی ہے - ریورنڈ سطر پارک ہرسٹ حمد کے مادہ کی نسبت کہتے ہیں کہ ہر قسم کی پاک چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے" - اسی مادہ سے محمد اور احمد اور حامد اور محمود ہمارے پیغمبر خدا صلعم کے نام مبارک نکلے ہیں اور اس بشارت میں لفظ حمدث کے کہنے سے صاف اشارہ ہے کہ جس شخص کے مبعوث ہونیکی اس میں بشارت ہے، وہ ایسا شخص ہے کہ اسکا نام حمد کے مادہ سے مشتق ہے اور وہ کوئی نہیں سوا ے محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے -

عیسائی مذہب کے پادری خیال کرتے ہیں کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ کے مبعوث ہونیکی ہے مگر یہ خیال دو وجہ سے صحیح نہیں اول اسلئے کہ حضرت متی نے جسقدر بشارتیں عہد عتیق میں حضرت عیسیٰ کی کی ہیں اُن سب کو بالتفصیل اپنی انجیل میں لکھا ہو کیونکہ وہ انجیل عبرانی زبان میں یہودیوں کی ہدایت کے لیے لکھی گئی تھی اور اسی سبب سے تمام بشارتیں جو توریت

وزبور وصحف انبیا میں حضرت عیسیٰ کی نسبت ہیں ان سب کو حضرت متی نے لکھا تھا مگر اس بشارت کا ذکر حضرت متی نے نہیں کیا اگر یہ بشارت حضرت عیسیٰ سے متعلق ہوتی تو ضرور حضرت متی اسکا ذکر کرتے دوسرے یہہ حمد کے مادہ سے حضرت عیسیٰ کے نام پر کسیطرح اشارہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہہ اشارہ خاص اسی شخص کے نام کا ہے جسکا نام اسی مادہ سے مشتق ہوا ہے اور اسلئے یہہ بشارت حضرت عیسیٰ کی نہیں ہے بلکہ اسکی بشارت ہے جسکی نسبت حضرت عیسیٰ نے بشارت دی تھی کہ " یَأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ "۔

کاڈفری ہیگنس نے بھی اپنی کتاب میں باستدلال قول ریورنڈ پارک ہرسٹ صاحب کے لکھا ہے کہ یہہ بشارت حضرت عیسیٰ کی نہیں ہو سکتی بلکہ اس شخص کی ہے جس کے آنے کی بشارت خود حضرت عیسیٰ نے دی تھی۔

بشارت ششم

حضرت اشعیاہ نبی وحی کے روسے ان لوگوں کا ذکر جو خدا کی سچی پرستش از سرنو قایم کریں گے اسطرح پر کرتے ہیں۔

וְרָאָה רֶכֶב צֶמֶד פָּרָשִׁים רֶכֶב חֲמוֹר רֶכֶב גָּמָל וְהִקְשִׁיב קֶשֶׁב רַב־קָשֶׁב׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وَرَائَا رِخَبْ صِمِدْ پَارَشِیمْ رِخَبْ حَمُورْ رِخَبْ گَامَالْ وِهِقْشِیبْ قِشِبْ رَبْ قَاشِبْ

عربی ترجمہ

ورئی مرکب الفارسین راکب حمار راکب جمل والتفت التفاتاً جیداً۔

اردو ترجمہ

اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی ایک سوار گدھے کا اور ایک سوار اونٹ کا اور خوب

متوجہ ہوا (کتاب اشعیاہ نبی باب ۲۱ و آیت ۷)

اس آیت میں حضرت اشعیاہ نبی نے دو شخصوں کی طرف اشارہ کیا ہی جو خدا کی سچی پرستش از سر نو قایم کریں گے اُن میں سے ایک کو گدھے کی سواری کے نشان سے بتلایا ہی اور اُس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ اس سے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جناب ممدوح گدھے پر سوار ہو کر یروشلیم (بیت المقدس) میں داخل ہوئے تھے اور بلا شبہہ حضرت عیسیٰ نے خدا کی سچی پرستش قایم کی اور یہودیوں نے جو مکاری اور دغابازی سے شریعت کے صرف ظاہری احکام کی ریاکاری سے پابندی اختیار کی تھی اور دلی نیکی اور روحانی پاکیزگی کو بالکل چھوڑ دیا تھا اُسکو مٹایا اور سچی پرستش خدا کی قایم کی۔

دوسرے شخص کو اونٹ کی سواری کے نشان سے بتلایا اور اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ اس سے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی طرف اشارہ ہے جو عرب کی خاص سواری ہے بچے سے بوڑھے تک اور عالم سے جاہل تک جس سے چاہو پوچھو اونٹ کا نام لیتے ہی عرب کا اشارہ سمجھا جاویگا اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو اونٹ پر سوار تھے اور بلاشبہہ محمد رسول اللہ نے خداے واحد کی پرستش قایم کی حضرت عیسیٰ کے بعد جو لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانا اور تین خدا قایم کر کر پھر تین سے ایک خدا بنایا تھا اور خداے واحد کی پرستش میں خلل آگیا تھا اُسکو مٹایا اور پھر سے خدا کی سچی پرستش قایم کی اور یوں فرمایا "یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ"۔

بشارات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انجیل میں سے

بشارت اول

عید فسح سے تھوڑی مدت پہلے جب حضرت عیسیٰ کو معلوم ہوا کہ اب اُنکا وقت بہت قریب آگیا ہے

اور اب وہ گرفتار ہونیوالے ہیں تبھی اوہنوں نے اپنے حواریوں کو بہت سی نصیحتیں کیں اُنہی نصیحتوں میں یہہ بھی فرمایا کہ "یہہ سو میں نے تم سے کہے جبکہ تمہارے ساتھ ہوں، لیکن پیرکلیطا پاک روح جسکو باپ بھیجیگا میرے نام سے ہر بات تمکو سکھاویگا اور یاد دلاویگا تمکو تمام وہ باتیں جو کہ میں نے تم سے کہی ہیں" (انجیل یوحنا باب ۱۴ - ۲۵ و ۲۶)

تاہم میں تمسے سچ کہتا ہوں یہہ بہلا ہے تمہارے لیئے کہ یہاں سے میں چلا جاؤں کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو پیرکلیطاس تمہارے پاس نہ آویگا (انجیل یوحنا باب ۱۶ - ۷) —

بالفعل جو انجیل کے نسخے موجود ہیں اُن میں لفظ پیرکلیطاس اسی املا سے لکھا ہوا ہے جس طرح کہ ہمنے لکھا ہے مگر ہم مسلمان یہ یقین نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ نے یہہ یونانی لفظ بولا تھا کیونکہ اُن کی زبان عبرانی تھی جس میں کالدی یعنی خالدیہ زبان کے لفظ بھی ملے ہوئے تھے عبرانی و خالدی دونوں زبانیں ایک ہیں پس ہم مسلمانوں کا یہہ یقین ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اس مقام پر [illegible] فارقلیط کا لفظ فرمایا تھا جیساکہ بشپ مارش صاحب کی بھی رائے ہے مگر جب انجیلیں یونانی زبان میں لکھی گئیں تب اُسکی جگہہ یونانی لفظ لکھا گیا با ایں ہمہ ابتدا میں اس لفظ کا ترجمہ پیرکلیطاس نہیں کیا گیا جسکے معنی تسلی دینے والے کے بیان کیئے جاتے ہیں بلکہ اُسکا ترجمہ پیرکلیطاس کیا گیا تھا جو ٹھیک فارقلیط کے لفظ کا ترجمہ ہے اور جسکا ترجمہ عربی زبان میں ٹھیک ٹھیک لفظ احمد ہی بلاشبہ اسبات کا ثبوت کہ یہ لفظ پیریکلیوطاس ترجمہ ہوا تھا اور پیرکلیطاس نہیں تھا ہمارے ذمہ ہے چنانچہ ہم اُسکو بتائید روح القدس بخوبی ثابت کرینگے اس لفظ پر بہت بڑے بڑے عالموں نے بحث کی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اُن ہی کے اقوال کا ذکر کرنا شاید کافی ہوگا۔

سر ولیم میور صاحب لیف آف محمد جلد اول صفحہ ۱۷ میں ارقام فرماتے ہیں کہ یوحنا کی انجیل کا ترجمہ جو ابتدا میں عربی زبان میں ہوا اوس میں اس لفظ کا ترجمہ غلطی سے احمد کر دیا ہوگا

یا کسی جاہل خود غرض راہب نے محمد (صلعم) کے زمانہ میں جعلسازی سے اُسکا استعمال کیا ہوگا جسکو مسلمان اپنے پیغمبر کی بشارت قرار دیتے ہیں"۔

اول تو ہم مسلمانوں کو یوحنا کی انجیل کسی ایسے عربی ترجمہ کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت سے پہلے یا آنحضرت صلعم کے زمانہ میں موجود ہو مطلق اطلاع نہیں ہے نہ ہمارے اگلے بزرگوں نے اُسکا کچھ ذکر کیا ہے اور نہ ایسے ترجمہ کے موجود ہونیکا کچھ ثبوت پیش کیا گیا ہے عرب میں حضرت متی کی اصلی انجیل جو عبرانی زبان میں تھی اور اب معدوم ہے البتہ پائی جاتی تھی اور اُسکا ذکر ہمارے ہاں کی قدیم کتابوں میں پایا جاتا ہے مگر یوحنا کی انجیل کا کچھہ ذکر نہیں ہے باقی رہی بات کہ کسی خود غرض راہب نے یہہ جعلسازی کی ہو اسپر ہم یقین نہیں کرسکتے کیونکہ اگر کسی خود غرض راہب کے اس لفظ میں جعل کرنیکا ہم یقین کرینگے جیساکہ سر ولیم میور صاحب نے فرمایا ہے تو ہمکو بمجبوری اس بات کا بھی یقین کرنا پڑیگا کہ بعض دیندار راہبوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں چھپانے کو بھی انجیل مقدس میں تحریفیں کی ہیں جیساکہ عموماً مسلمان یقین کرتے ہیں مگر ہمکو ایسی بدگمانیوں پر تحقیق سے باز رہنا نہیں چاہیئے بلکہ استقلال سے تفتیش کرنی چاہیئے کہ اگلے عالموں نے اسپر کیا بحث کی ہے اور فیلالجی یعنی علم مطابقت لسان جو اس زمانہ میں نہایت ترقی پر ہے اُس سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

گاڈفری ہیگنس (رحمۃ اللہ علیہ) جو ایک بہت بڑے عالم حال کے زمانہ میں گذرے ہیں اور انگریز تھے اور انگریزی زبان تو اُنکی زبان ہی تھی مگر یونانی اور عبرانی و کالدی زبان بھی خوب جانتے تھے اور علم مطابقت السنہ سے بھی واقف تھے اُنہوں نے اسکی کیا تحقیق کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان بیان کرتے آئے ہیں اور اب بھی بیان کرتے ہیں کہ یہہ بشارت حضرت عیسی نے محمد رسول اللہ صلعم کی دی ہے جسطرح حضرت اشعیاہ نے کیخسرو کی پشین گوئی کی تھی اور دونوں

پیشین گوئیوں میں دونوں کا نام بتا دیا گیا تھا۔

گاڈفری ہگینس صاحب اول تو اس مقام پر مسلمانوں کیطرف سے ایک مجادلانہ تقریر کرتے ہیں اور اسکے بعد محققانہ انکی مجادلانہ تقریر مسلمانوں کی طرف سے یہہ ہے کہ مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے جو آنحضرت صلعم کا نام لیا تھا وہ اُس لفظ سے نہیں لیا جو لفظ کہ انجیلوں میں موجود ہے بلکہ وہ لفظ پیریکلیوطاس تھا جس کے معنے بزبان عربی احمد کے ہیں اور ابتداءً انجیل میں یہی لفظ تھا مگر اس بات کے چھپانے کے لیئے اُس کو تحریف کر دیا ہے اور عیسائی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ اُن کی کتب موجودہ میں بہت سی تحریفیں یا اختلاف قرأت ہیں اور مسلمان یہہ بھی کہتے ہیں کہ اس عبارت کے چھپانے کیلیئے تمام قلمی نسخے غارت کر دیئے گئے قلمی نسخوں کے غارت ہو جانے کا انکار نہیں ہو سکتا اور یہہ وہ بات ہے جس کی نسبت جواب باصواب دینا مشکل ہے اور قدیمی نسخوں کی نسبت تو یہہ ہے کہ چھٹی صدی کے قبل کا کوئی بھی قلمی نسخہ موجود نہیں ہے۔

اگر اس کا جواب دیا جاوے کہ ترتولین اور قدیمی مصنفوں کی عبارت سے ثابت ہو سکتا ہے کہ انجیلوں کی صحیح قرأت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ سے پیشتر ایسی ہی تھی جیسی کہ اب ہے اور اسلیئے اُن میں تحریف نہیں ہوئی تو اس صورت میں اُن قدیمی نسخوں میں بھی تحریف کا ہونا ثابت کرنا چاہیئے گا اور کیا عجب ہے کہ اُن میں بھی ہوئی ہو جن لوگوں نے انجیل مقدس کے قدیمی قلمی نسخوں کو غارت کر دیا اُنہوں نے ایک وصلی کو جسپر قدیمی مصنف کی تصنیف لکھی گئی ہو از سر نو لکھنے میں کیا دریغ کیا ہوگا اس بات کو اول درجہ کے دیندار عالموں نے تسلیم کیا ہے کہ انجیل میں اور اور مقصدوں کے لیئے تحریف ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ جو لوگ ایک مطلب کے لیئے تحریف کریں گے وہ دوسرے مطلب کے لیئے کیوں نہ کریں گے اور جو کہ تسلیم کیا گیا ہے کہ

یہہ لفظ عبرانی ہے پس اگر غلط لکھا گیا ہو تو گمان غالب یہہ ہے کہ ابتدا کے عیسائی مورخوں نے جو دُنیا میں سب سے بڑھکر جھوٹ بولنے والے ہیں اپنے خاص مطلب کے لیئے جھوٹ بولا ہو اور یہہ گمان نہایت ضعیف ہے کہ یوحنا حواری نے جو عبرانی شخص تھا کوئی غلطی کی ہو کیونکہ وہ عبرانی اور یونانی دونوں زبانوں کو سمجھتے تھے اور اگر بالفرض وہ عبرانی زبان کے بڑے عالم نہوں اور اسی وجہ سے اُنہوں نے یونانی لفظ کلیطاس کو بجاے کلیوطاس کی غلطی سے لکھدیا ہو تو اُس سے یہہ نتیجہ نکلیگا کہ یوحنا کی انجیل کے اصل متن میں تحریف ہوئی ہے۔

اسکے بعد گاڈفری ہگنس صاحب مسلمانوں کی طرف سے ایک اور مجادلانہ تقریر لکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا بیان ہے کہ یہہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ عیسائی اگر مناسب سمجھتے تو نہایت عمدہ قلمی نسخوں کو محفوظ رکھہ سکتے تھے۔ جس طرح کہ اُنہوں نے بہت سی ولیوں کی لاشوں کو نہایت آسانی سے محفوظ رکھا ہے چنانچہ یوحنا اور مریم اور پطرس اور پولس وغیرہ کی لاشیں ہر روز اٹلی میں نظر آتی ہیں۔

پس مسلمان ضرور باصرار عیسائیوں سے کہیں گے کہ اس غلط ترجمہ کے چھپانیکے لیئے کُل قلمی نسخے غارت کردیئے یا اُن میں جھوٹ ملا دیا گیا اور اگر ایسا نہ تھا تو وہ غارت کیوں کردیئے گئے اور عیسائیوں کو اُنکا جواب باصواب دینے میں بہت کچھ دقت ہوگی کیونکہ قلمی نسخوں کے غارت ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا اسلیئے کہ وہ موجود نہیں ہیں۔

اس کے بعد گاڈفری ہگنس صاحب نے محققانہ طور پر گفتگو شروع کی ہے اول وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو بشارتیں ان آیتوں میں مندرج ہیں اُن سے بہت سے قدیم عیسائی کسی شخص کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی سمجھتے تھے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رُومی پادریوں اور پروٹسٹنٹ نے جو اُس لفظ کے معنوں میں تحریف کی ہے اور اس سے صرف روح القدس کا

حواریوں پر آنا مراد لیا ہے ابتدا میں یہہ راے عام تھی چنانچہ دوسری صدی میں ترتولین کے زمانہ سے پہلے مانٹینی اُس ایک شخص پیدا ہوا تھا جسکو بہت لوگ سمجھتے تھے کہ وہی پیریکلیوطاس ہی جسکے بھیجنے کا حضرت عیسیٰ نے وعدہ کیا تھا اُسکے دشمنوں نے اُسکی نسبت بے اصل بات مشہور کی تھی کہ وہ روح القدس ہونیکا دعوی کرتا ہی ایسے ہی لوگوں نے مانٹینی اُسکے سبب انجیلوں میں تحریف کی اور یہہ ماجرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ سے بہت پہلے ہو چکا تھا مانٹینی اُسکے زمانہ کے بعد او رآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ سے بہت پیشتر مینس کو بھی اُسکے پیروؤں نے جو بڑے عالم اور طاقت ور تھے وہی شخص سمجھا تھا جسکے مبعوث ہونیکی حضرت عیسیٰ نے بشارت دی تھی لیکن اُسکے انجام سے ثابت ہوتا ہی کہ مینس شخص موعود نہ تھا اور اُسکے پیرو غلطی پر تھے۔

بعد اسکے گاڈفری ہگنس صاحب مسلمانوں کی طرف سی لکھتے ہیں کہ مسلمان کہتے ہیں کہ اس لفظ سے جو عیسائی روح القدس کا حواریوں پر اترنا مراد لیتے ہیں وہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا اگر اسکے معنے تشفی دہندہ ہی کے ہوں تو وعدہ تو ایک تشفی دہندہ کے آنے کا تھا پھر یہہ کہنا کہ ظہور بارہ زبانہ آتشین کا وہی شخص موعود ہے محض فضول ہے علاوہ اسکے حواریوں کے قوانین اور خود عیسائیوں کی کتاب سے کسی طرح پایا نہیں جاتا کہ روح القدس کا حواریوں میں آجانا تشفی دہندہ موعود کا آنا ہوا اور صرف زبان سے کہدینے سی ایسے دعوی کی تصدیق نہیں ہو سکتی ہی

علاوہ اسکے پنٹی کاسٹ کی ضیافت میں حواریوں پر روح القدس نازل ہو چکی تھی کیونکہ بموجب قول عیسائیوں کے ایک بوبدہ زبانہ آتش نے ہر ایک حواری پر طاری ہو کر اُسی لحہ اُن کو سب زبانیں بولنے کی طاقت بخشی تھی اور یوحنا کے بیسویں باب کی بائیسویں آیت سی معلوم ہوتا ہی کہ خود حضرت عیسیٰ نے اپنے جانے سی تھوڑی عرصہ پیشتر یہہ فیض اُنکو عطا کردیا تھا یعنی پنٹی کاسٹ کی ضیافت کو جسکا ہم ذکر کر رہے ہیں دو مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ فیض مذکور عنایت

کیا گیا تھا عیسائی مذہب کی تمام مذہبی کتابوں میں کہیں نہیں پایا جاتا کہ یہہ زبانہائ آتشین جنسے کہ سب زبانیں بولنے کی طاقت عطا ہوئی تھی تشفی دہندہ موعود تہیں جو ایسا ہوتا تو ضرور کتاب مذکور میں ہوتا۔

اگر اُس کے جواب میں یہہ کہا جاوے کہ وہ عطایا جن کا بیان متی کی انجیل میں ہے اور فیض رُوح القدس جسکا بیان یوحنا کی انجیل کے بیسویں باب کی بائیسویں آیت میں ہے صرف چند روز کے لئے تھا اور پھر لے لیا گیا تھا اور بعد کو ہمیشہ کے لیئے آیا تو مسلمان کہینگے کہ یہہ صرف ایک حیلہ ہی جس کی تصدیق انجیل کے کسی لفظ سے نہیں ہوتی۔

اسی بحث میں گاڈفری ہگنس صاحب نے ایک نہایت عمدہ قول فیصل لکھا ہے کہ یعنی اگر تسلیم کیا جاوے کہ یہہ لفظ وہی ہی جو اس زمانہ کے عیسائی کہتے ہیں اور اُسکے معنی بھی رُوح القدس ہی کے ہوں تو مسلمان عیسائیوں سے کہیں گے کہ تم کہتے ہو کہ انجیل میں بشارت ہے کہ رُوح القدس آویگی یہ درست ہی کہ روح القدس آئی مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آئی جن کو رُوح القدس سے الہام ہوتا تھا پس تمہاری پیچیدہ عبارت کے یہی صحیح معنی ہیں اور یہی معنی درستی کے ساتھہ ہو سکتے ہیں۔

یہ لفظ تو گاڈفری ہگنس صاحب کے تھے اور میں اسپر اتنا اور زیادہ کرتا ہوں کہ جو عام ہدایت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی اور تمام جزیرہ عرب بتوں کو چھوڑ کر ایک خدا کی پرستش کرنے لگا اور تمام دنیا میں وحدانیت کا ڈنکا بج گیا اور حضرت عیسی پر جو اتہام خدا کے بیٹے ہونے کا کیا تھا وہ مٹ گیا اس بات کا بڑا ثبوت ہے کہ ضرور وہ رُوح القدس اور روح الصدق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

اس کے بعد گاڈفری ہگینس صاحب اسکو ثابت کرتے ہیں کہ یہہ لفظ پیرکلیطاس نہیں ہے جسکے معنی تسلی یا تشفی دہندہ کے بیان کئے جاتے ہیں بلکہ یہہ لفظ پیرکلیوطاس ہی جسکے معنی احمد کے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی دلیل کو بابت ترجمہ لفظ پیرکلیوطاس کے بجاے پیرکلیطاس کے اُس طرز تحریر سے بہت مدد ملتی ہے جو سینٹ جیروم نے انجیل کے لیٹن ترجمہ میں اختیار کی ہی یعنی اُس ترجمہ میں لیٹن زبان میں پیرکلیطاس لکھا تھا پیرکلیوطاس کی جگہہ اس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ جس کتاب سے سینٹ جیروم نے لیٹن میں ترجمہ کیا اُس میں لفظ پیرکلیوطاس تھا نہ پیرکلیطاس۔

لفظ پیرکلیطاس کے معنے پر پادریوں میں بہت اختلاف ہی چنانچہ مشہور عالم مائیکیلس کہتا ہے کہ ارنسٹائی نے بہت مناسب کہا ہی کہ اسکے معنی نہ حامی کے ہیں نہ تشفی دہندہ کے اور یہہ بھی کہتا ہے کہ میں تحقیق خیال کرتا ہوں کہ پیرکلیطاس یا تو روح القدس کو کہتے ہیں یا معلم یا مالک کو یعنی بتانے والا خداتعالیٰ کی سچائی کا اور میں اسکی راے سے درباب صحیح ہونے ترجمہ کے مطابقت کرتا ہوں گو میں اسکو ڈاکٹر یعنی عالم متبحّر کا لقب نہیں دیتا بلکہ بانیر یعنی مُعلّم کا لقب دیتا ہوں اسلئے کہ جو معنی اُس نے لفظ مذکور کے لکھے ہیں بہتیروں نے اختیار کئے ہیں البتہ اُس کے اثبات کا جو طرز اُس نے اختیار کیا ہے وہ عجیب ہے اُسکو چاہیئے تھا کہ لفظ مذکور کو کسی محقق کی تصنیف میں تلاش کرتا اور اُس کے معنوں کی تشریح اُس لفظ کے استعمال سے ثابت کرتا اُس نے ان سب باتوں کو چھوڑ کر جس زبان کے لفظ سے یہہ نکلا ہے (یعنی کالدی زبان سے) اُس کے محاورہ اور استعمال سے اپنا بیان ثابت کرنے پر استدلال رکھا ہے۔

بہت بڑے عالم اور معزز بشپ مارش نے کہا ہے کہ لفظ پیرکلیطاس کے تین ترجمے ہیں اور ہمکو اختیار ہے کہ اُن میں سے جونسا چاہیں پسند کرلیں اول معنی حامی کے ہیں

جو معتبر اور یونانی اکابر کے نزدیک مسلم ہیں دوسرے معنی مبین کے ہیں اور یہہ وہ معنی ہیں کہ ارستانی
نے بحوالہ لفظ فارقلیط کے جو کالدی زبان کا لفظ ہی کہے ہیں۔ تیسرے معنی واعظ کے ہیں جسکو
خود بشپ مارش نے بحوالہ ایک عبارت مصنفہ فائلو کے تسلیم کیا ہے پس یھہ صاف ظاہر ہے کہ
اس مشہور لفظ کے معنوں میں اور اُس پیغمبر کی قسم میں جسکے بھیجنے کا حضرت عیسیٰ نے وعدہ کیا تھا
بہت اشتباہ و شک تھا۔

یھہ لفظ گاڈفری ہگینس صاحب کے ہیں مگر میں اسپر اتنا اور زیادہ کرتا ہوں کہ اگر بشپ مارش ہی
کے معنی تسلیم کیئے جاویں اور اس لفظ کو پیریکلیطاس ہی مانا جاوے اور اُس کے معنی واعظ ہی
کے قرار دیئے جاویں تو بھی بجز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی کے حق میں یھہ
بشارت نہیں ہوسکتی اسلئے کہ حواریین جنہوں نے انجیل کا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ
وعظ کیا وہ اس سے پہلے روح القدس سے معمور ہوچکے اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (سورہ کہف
تھے اور وہ سب اُسوقت موجود تھے اُنکی نسبت تو ایت ۱۱۰)
یہ کہا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ میں بھیجوں گا کیونکہ وہ موجود تھے محمد رسول اللہ جب آئے تو اُنہوں نے
صاف صاف بتایا کہ میں بھی تم سا ایک آدمی ہوں صرف مجھپر وحی بھیجی گئی ہے کہ بیشک تمہارا
خدا وہی ایک خدا ہے پھر اس سے بھی زیادہ صاف فرمایا کہ میں اپنی جان کے لیئے بھی کچھ فائدہ
یا نقصان پہونچانے پر قادر نہیں ہوں بجز قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ
اُسکے جو خدا چاہی اور اگر میں غیب کی بات اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ
جانتا ہوتا تو بہت کچھ بھلائیاں جمع کرلیتا۔ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ
اور مجھکو کوئی برائی چھوتی بھی نہیں میں تو لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (سورہ اعراف ایت ۱۸۸)
اُن قوموں کو جو ایمان لائی ہیں ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔

اور پھر اور بھی صاف فرمایا کہ میں تو تمکو صرف ایک بات کا یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا وعظ کرتا

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (سورۃ سبا آیت ۴۵)

ہوں پھر تم خالصاً للہ دو دو ایک ایک کھڑے ہو اور سوچو کہ جو شخص تمہارے ساتھ ہے اسکو کچھ جنون تو نہیں وہ تو صرف تمکو عذاب میں پڑنے سے پہلے ڈرانے والا ہے اسکے سوا

اور بہت سی جگہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی طرف سے فرمایا کہ خدا تمکو اس بات کا وعظ کرتا ہے اور خدا کا وعظ کرنا اور پیغمبر کا وعظ کرنا برابر ہے پس سوا محمد رسول اللہ صلعم کے کسی پیغمبر نے ایسا صاف صاف نہیں فرمایا کہ میں تو صرف وعظ کہنے والا ہوں پس اگر اس لفظ کے معنے واعظ ہی کے ہوں جیسا کہ بشپ مارش نے کہا ہے تو بھی وہ سچا واعظ بجز محمد رسول اللہ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

بعد اسکے ڈاکٹر ہگنس صاحب کہتے ہیں کہ "یہہ تسلیم کرنا ضرور ہے کہ لفظ مذکور (یعنی فارقلیط) جیسا کہ بشپ مارش نے لکھا ہے کہ یقیناً عیسی مسیح نے استعمال کیا تھا مسلمانوں کے دعوے کو بہت کچھ سہارا دیتا ہے وہ کہتے ہیں کہ میری راے میں اہل اسلام لفظ فارقلیط کو یونانی میں پیریکلیوطاس بنا لینے کا اُسی قدر اختیار رکھتے ہیں جسقدر کہ عیسائی پیریکلیطاس کر لینے کا بلکہ اُن کی راے میں غلبہ کا پلہ مسلمانوں کی طرف ہے کیونکہ عیسائی مجاز نہیں کہ پچھلے جزو میں لفظ زبان خالدی کے حرف یہ یعنی یاے تحتانی کو جو مثل حرکت کسرہ کے ہے یا حرف ایتا کو جو یاے تحتانی ممدودہ معروف کی برابر ہے حرف ایوتا کے عوض میں بدلیں۔

حرف یہ حروف تہجی زبان خالدیہ کا دسواں حرف ہے اور شمار میں اُسکے عدد بھی دس ہیں پس اگر لفظ مذکور ایک زبان سے دوسری زبان میں بدلا جاے تو اُس یونانی حرف سے

بدلنا چاہیئے جو وش کے معنے میں آیا ہے اور جو ابتدا میں حروف تہجی ہیں وسواں تھا قبل اس کے کہ یونانیوں کا حرف ڈگامہ جاتا رہے جیسا کہ میں نے اُسکو کثرت سے اپنے اُس جواب مضمون میں ثابت کیا ہے جو درباب جنوب مغربی فرنگستان کے قدیمی پادریوں کے لکھا ہے۔

مگر میں علاوہ اس کے یہہ بھی کہتا ہوں کہ اگر حضرت عیسیٰ کا استعمال کیا ہوا لفظ فارقلیط تھا اور یہہ کہ اس لفظ کے معنے ستودہ کے ہیں جیسا کہ سیل صاحب کا بھی قول ہے تو اُسکا ترجمہ اس لفظ یونانی پیرکلیطاس میں غلط ہے یعنی اختلاف قرأت کی جہت سے اور یہہ کہ بشپ مارش اور ارنستائی دونوں کے کل ترجمے غلط ہیں اور لفظ مذکور اُس لفظ سے مبدل کرنا چاہیئے جو ستودہ کے معنے رکھتا ہو اور واقع میں لفظ پیرکلوطاس ہونا چاہیئے مگر اس کا ترجمہ فارقلیط علم کے معنی لیکر نہ کرنا چاہیئے بلکہ اسم صفت کے طور پر کرنا چاہیئے چنانچہ اہلِ اسلام بمعنی احمدؐ کے لیتے ہیں اگر یہہ لفظ حضرت عیسیٰ کا استعمال کیا ہوا زبان خالدیہ یا عبرانی یا عربی کا ہو تو اُس سے وہی مراد پائی جانی چاہیئے جو اُسکے معنی اُن زبانوں میں تھے اگر وہ خالدیہ کا لفظ عربی مصدر سے مشتق ہو تو اُسکے وہی معنی چاہئیں جو عربی مصدر کے ہیں اور تب اُسکے معنی ستودہ یا شخص ممتاز کے ہوں گے۔

اگر ناظرین غور کرینگے تو معلوم کریں گے کہ لفظ کلیوطاس کو ہومر اور ہسیڈ دونوں نے بجاے ستودہ آدمی کے استعمال کیا ہے اسطرح سے میری دانست میں اہلِ سلام کی دلیل اس سلیقہ کے ساتھ ہی کہ اگر اُن کو اُنکی غلطی پر معقول کیا جائے تو عجب نہیں کہ بہت مشکل پڑے یہہ ادنی بات ہی مگر اُنکی دلیل کی تردید میری نظر سے نہیں گزری۔

مگر مجھکو اس مشہور لفظ فارقلیط کی نسبت کچھہ اور بھی کہنا ہے اسکو بشپ مارش نے جسکے

قول کو عیسائی صادق جانتے ہیں ایک مسلمان کی منتخب کی ہوئی دلیل میں تسلیم کرلیا ہے
کہ وہ سُریانی یا خالدیہ یا عربی ہے مگر یونانی نہیں اِن زبانوں میں سے ایک کو یا دو کو حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور بولتے ہونگے یا ادنی درجہ یہہ کہ سمجھتے ہوں گے اور یہہ یقین کرنیکی
کوئی وجہ نہیں کہ لفظ مذکور کے یونانی ترجمہ کی نسبت آپ کو کچھ بحث ہوئی ہو کیونکہ حضرت
عیسیٰ کے کلاموں کے یونانی ترجموں سے عرب کے لوگوں کو کیا غرض تھی عرب میں اُن
ترجموں کا کیا کام تھا اُن لوگوں کو وہ کیا فائدہ پہنچا سکتے تھے جو اُن کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکتے
تھے بجز ایسے لوگوں کے جو اُس اصل زبان کو سمجھتے تھے جسکو حضرت عیسیٰ بولتے تھے آپنے
لفظ مذکور اُسی طرح پر لیا ہوگا جیسے کہ منقول چلا آتا تھا یا جیسا کہ سیل صاحب نے اُسکو لکھا ہے
جسکے معنی ستودہ کے ہیں اور اس سے زیادہ غالبًا آپ نے کبھی دریافت نہیں کیا۔
یہہ خیال کرنا کیسا بیہودہ ہے کہ اپنی خاص زبان کے ایک لفظ معنی کی تشریح غیر زبانمیں ڈھونڈھتے
آپنے لفظ مذکور کو مثل اُس زمانہ کے دوسرے فرقوں کے شخص انسانی پر محمول کیا اور یہہ اجازت
نہیں دی کہ اُسکو ثالث ثلاثہ کہیں جیسا کہ اس زمانہ کے موحد بھی کہتے ہیں پھر بھی ممکن ہے کہ
آپنے اُسکو احمد کے معنی میں لیا ہو اور اُسکی نسبت کبھی جھگڑا یا شک نہ کیا ہو۔
یہ تمام تقریر گاڈفری ہیگنس صاحب کی ہے جو اُنہوں نے مسلمانوں کی طرف سے کی ہے
مختصر یہہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی بحث لفظ پیریکلیطاس پر جو اب یونانی انجیل میں ہے یا لفظ
پیریکلیوطاس پر جو اصلی نسخوں میں تھا منحصر نہیں ہے کیونکہ یہ انجیلیں یونانی زبان میں لکھی
گئی ہیں جو حضرت عیسیٰ کی زبان نہیں تھی پس اُنہوں نے جو لفظ فرمایا تھا وہ عبرانی یا خالدی
زبان کا تھا جو دونوں ایک ہیں۔ پس ہم مسلمان کہتے ہیں کہ وہ لفظ فارقلیط تھا یونانی
انجیلوں میں اسکے بجاے جو لفظ ہے فارقلیط کا ترجمہ ہے ہم مسلمان کہتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یونانی

ہیں پیریکلیوطاس کیا گیا تھا جو درحقیقت صحیح ترجمہ ہے اور اسکا ثبوت بھی جہانتک ہوسکا دیا ہے
اور اگر یہہ کہا جائے کہ نہیں پیریکلیطاس ہے اس کا ہمیشہ سے ترجمہ چلا آتا ہے تو ہم مسلمان
یہہ کہیں گے کہ یہہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ فارقلیط کا ترجمہ پیریکلیطاس نہیں ہے بلکہ پیریکلیوطاس
ہے اور اس کا فیصلہ عبری وخالدی زبان کے لغت کی تحقیق پر ہر وقت ہوسکتا ہے اور
جو کہ مشہور ہے کہ انجیل یوحنا درحقیقت حضرت یوحنا حواری کی لکھی ہوئی ہے اسلیئے ہم یقین
نہیں کرسکتے کہ حضرت یوحنا نے فارقلیط کے ترجمہ میں غلطی کی ہو اور جو دلیلیں مذکور ہوئیں
اُن سے بھی پایا جاتا ہے کہ اُنہوں نے غلطی نہیں کی اسلیئے اصل میں وہ لفظ پیریکلیوطاس ہے
بمعنی احمد نہ پیریکلیطاس بمعنی تسلّی دہندہ۔

اکثر عیسائی خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے اُس بشارت کو انجیل برنباس سے اخذ کیا ہے
اور جارج سیل صاحب نے بھی ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں یہی خیال کیا ہے بلکہ اُنہوں نے لکھا ہے
کہ یہہ آیت قرآن مجید کی "یَأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ" اسی انجیل میں سے اخذ کیگئی ہے اور
شاید اخیر زمانہ کے ایک آدھ کچے مسلمان اور جاہل مولوی نے کہیں سُن سُنا کر کہ برنباس کی
انجیل میں بھی یہہ مطلب آیا ہے شاید اُس کا حوالہ دیدیا ہو مگر قدیم عالموں اور بڑے بڑے
محققوں نے اس بشارت کی بابت برنباس کی انجیل کا خواہ وہ صحیح ہو یا غلط نام تک نہیں لیا
جارج سیل صاحب کی غلطی ہے جو وہ ایسا کہتے ہیں۔

بشارت دوم

جب بعد مصلوب ہونے اور قبر میں دفن کیئے جانے کے حضرت عیسیٰ زندہ ہو کر اُٹھے اور حواریوں
سے ملے اور اُن کے سامنے مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کھایا تو بیت عینا میں جانے اور آسمان پر چلے
جانے سے تھوڑی دیر پہلے اُنہوں نے اپنے حواریوں سے یہ فرمایا "اور دیکھو میں بھیجتا ہوں وعدہ

اپنے باپ کا تم پر لیکن تم ٹھیرو شہر یروشلیم میں جبتک کہ تم پر عطا ہو قوت اوپر سے (انجیل لوقا باب ۲۴ آیت ۴۹)"

چند سطروں کے بعد لوقا اپنی انجیل ختم کرتے ہیں اور کچھہ ذکر اُس وعدہ کے پورا ہونیکا نہیں کرتے بلکہ لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ یہہ کہکر آسمان پر چلے گئے تو تمام حواری اُن کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلیم کو پھرے اور ہمیشہ ہیکل میں خدا کی تعریف اور شکر کرتے رہے اور انہی لفظوں پر لوقا کی انجیل ختم ہوتی ہے اور اُس وعدہ کے وفا ہونیکا کچھہ ذکر نہیں ہوتا پس ثابت ہوتا ہے کہ لوقا کی زندگی تک یا کم سے کم اس انجیل کے لکھے جانے کے وقت تک وہ وعدہ جسکو لوقا سمجھے بیٹھے پورا نہیں ہوا تھا۔

لوقا کے نزدیک روح القدس کا زبانہاے آتشین میں حواریوں پر نازل ہونا (اگر وہ اسکے کے بعد نازل بھی ہوئے ہوں) اس وعدہ کا پورا ہونا نہیں تھا کیونکہ اگر ہوتا تو وہ اُس وعدہ کی پورا ہونیکا ذکر ضرور لکھتے پس ضرور ہے کہ یہہ وعدہ کسی اور شخص کے مبعوث ہونیکا تھا۔

اب ہمکو اُس شخص کی تلاش کرنی مناسب ہے جسکے آنے کی حضرت عیسیٰ نے بشارت دی جب ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا کہ "اُس وعدہ کے آنے تک تم شہر یروشلیم میں ٹھیرے رہو" تو ہمکو تعجب ہوتا ہے کہ اُس وعدہ کے آنے اور شہر یروشلیم میں ٹھیرے رہنے سے کیا تعلق ہے اگر بالفرض اُس وعدہ سے حواریوں پر روح القدس کا نازل ہونا ہی مراد تھی تو بھی یروشلیم میں رہنے اور روح القدس کے آنے سے کوئی ضروری مناسبت نہیں پائی جاتی کیونکہ اگر حواریین شہر کے باہر چلے جاتے تو بھی اُنکے پاس روح القدس اُسی طرح آسکتی تھی جسطرح کہ شہر میں رہنے کی حالت میں آسکتی تھی پس شہر یروشلیم میں ٹھیرے رہنے سے یہ مطلب نہیں ہے جو اُس کے لفظی معنوں سے نکلتا ہے بلکہ یہہ مطلب ہے کہ جب کہ وہ

وعدہ پورا ہو تم شہر یروشلیم سے وابستہ رہو اور اُسکی عزت و تعظیم جیسی کہ پیشتر سے کرتے آئے ہو کرتے رہو۔ اُسی کیطرف اپنا سر جھکاؤ۔ اپنا منہ اُسی کی طرف رکھو جب تک وہ وعدہ پورا ہو چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور وہ وعدہ پورا ہوا اور یروشلیم میں رہنے کا زمانہ منقطع ہوگیا اور بیت اللہ میں رہنے کا زمانہ آیا باپ کا وعدہ پورا ہوا اور اوپر سے عطا ہوگئی بیت المقدس کی طرف جو مدت دراز سے قبلہ تھا موقوف ہوا اور مکہ میں ابراہیم کے بنائے ہوئے خانۂ خدا اور کعبۂ معظم کی طرف قبلہ اہل ایمان قرار پایا پس یہ بشارت صاف ہمارے پیغمبر کے مبعوث ہونے اور بیت المقدس کے قبلہ رہنے کے زمانہ کے اختتام اور بیت اللہ الحرام کے قبلہ ہونے کی بشارت ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىھَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

بشارت سوم

جبکہ حضرت یحییٰ پیغمبر ہوئے تو یروشلیم سے یہودیوں نے کاہنوں اور لیویوں کو اُن کے پاس بھیجا تا کہ اُن سے پوچھیں؟ کہ وہ کون ہیں چنانچہ وہ لوگ گئے اور اُن سے یہ گفتگو ہوئی کہ اُسنے یعنی حضرت یحییٰ نے اقرار کیا اور انکار نکیا اور اقرار کیا کہ میں کرسٹاس یعنی عیسی مسیح نہیں ہوں اور اُنہوں نے پوچھا اُس سے پھر کون کیا تو الیاس ہے؟ اور اُسنے کہا میں نہیں ہوں تو وہ نبی ہے؟ اور اُسنے جواب دیا نہیں تب اُنہوں نے اُس سے کہا کہ کون تو ہے تا کہ ہم جواب دے سکیں اُنکو جنہوں نے کہ ہمکو بھیجا ہے اپنے تئیں تو کیا کہتا ہے اُسنے کہا میں ہوں آواز اُسکی جو کہ جنگل میں چلاتا ہے سیدھا کرو راستہ خداوند کا جیسا کہ نبی اشعیاہ نے کہا اور وہ جو بھیجے گئے تھے فروسی تھے اور اُنہوں نے اُس سے پوچھا اور اُس سے کہا کہ تو

کیوں اصطباغ کرتا ہے جبکہ تو نہ کرستاس یعنی عیسیٰ مسیح ہے۔ اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی (یوحنا باب ۱ آیت ۲۰ لغایت ۲۵)

ان اوپر کی آیتوں میں تین پیغمبروں کا ذکر ہے ایک حضرت الیاس کا اور دوسرے حضرت عیسیٰ کا تیسرے اُس پیغمبر کا جو علاوہ حضرت عیسیٰ کے ہونے والا تھا۔ یہودی یقین کرتے تھے پیغمبر الیاس جن کو مسلمان خضر کہتے ہیں مرے نہیں بلکہ صرف انسانوں کی نظروں سے غائب ہو گئے ہیں اور یہودیوں کو حضرت عیسیٰ مسیح کی نسبت یہ یقین تھا اور اب بھی ہے کہ وہ کسی نہ کسی دن آویں گے لیکن اُن آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ حضرت مسیح کے ایک اَور پیغمبر کے آنے کی بھی اُمید رکھتے تھے اور وہ پیغمبر ایسا مشہور تھا کہ بجائے نام کے صرف اشارہ ہی اُس کے بتانے کو کافی تھا جیسے کہ ہم مسلمان بھی پیغمبر کے نام کی جگہہ صرف آنحضرت اشارہ میں لکھتے بولتے ہیں اور یہہ مشہور پیغمبر کون ہو سکتا ہے بجز اُس کے جس کے سبب خدا تعالیٰ نے ابراہیم و اسمٰعیل کو برکت دی اور جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا کہ تیرے بھائیوں میں تجھسا پیغمبر پیدا کروں گا اور جس کی نسبت حضرت سلیمان نے کہا کہ میرا محبوب سُرخ و سفید سب میں تعریف کیا گیا محمّد ہے یہی میرا محبوب ہے اور یہی میرا مطلوب اور جسکی نسبت حجی نبی نے فرمایا کہ حمد تمام قوموں کا آویگا اور جسکی نسبت حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ میرا جانا ضرور ہے تا کہ فارقلیط آوے اَب میں نہایت مضبوطی سے کہتا ہوں کہ یہ نامی اور مشہور پیغمبر حضرت محمّد ہیں۔ واللہ حضرت محمد ہیں۔

تمت

الخطبة الحادی عشر

فی

حقیقة شق الصدر وماهیة المعراج

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس

اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک کے شق کرنے کی حقیقت اور معراج کی اصلیت کا بیان ہے۔

جو واقعات کہ ہم اس خطبہ میں بیان کرتے ہیں اُنکی اصلیت کی نسبت اور جن الفاظ میں وہ بیان ہوئے ہیں اُن کے صحیح معنوں کی نسبت اکثر علماے دین نے بحث کی ہے اور اُنکی تحقیقات کو انتہا درجہ تک پہونچایا ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے مفسّرین اور شارحین نے اپنی پیچ در پیچ تاویلات اور لاطائل براہین سے بجاے اس کے کہ شکوک کو رفع کریں یا غلطی کی تصحیح کریں اُن الفاظ کی معانی کو اور بھی تاریکی میں ڈالدیا ہے۔

قرآن مجید کی رُو سے ہمکو شرح صدر پر جسکو آخر کار لوگ شق صدر کہنے لگے اور نفس معراج کی صحت و صداقت پر بغیر کسی شبہ کے ایمان لانا چاہیئے۔ پس جو امر کہ بحث طلب ہے اور جسپر ایک مدت تک علماے اسلام کی توجہ مبذول رہی ہے اسبات سے علاقہ رکھتا ہے کہ شرح صدر یا شق صدر کی اصل حقیقت اور معراج کی ماہیت کیا تھی۔ ان دونوں کی

بیان کرنے کیلئے اولاً ہم قرآن مجید کی اُن آیتوں کو نقل کرتے ہیں جو اُن سے متعلق ہیں۔

آیت اول - الم نشرح لك صدرك -	کیا ہمنے تیرے لئے سینہ کو نہیں کھولدیا ہی
آیت دوم - سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً	پاک ہی وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات مسجد حرام
من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا	سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جسکے دَور کو ہمنے
حولہ لنریہ من ایتنا انہ ھو السمیع البصیر	برکت دی ہے تاکہ ہم اُسکو اپنی نشانیوں میں
آیت سوم - وما جعلنا الرؤیا التی اریناك	سے دکھلادیں بیشک وہ سننے والا ہے دیکھنے والا
الا فتنۃ للناس -	اور نہیں کیا ہمنے اُس رؤیا کو جو تجھکو دکھلایا

مگر آزمایش واسطے لوگوں کے۔

جو آیتیں کہ اوپر لکھی گئیں اُن میں سے صرف پہلی آیت شق صدر سے علاقہ رکھتی ہی اور باقی آیتیں معراج کے متعلق تصور کیگئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پہلی آیت میں سینہ کی چیر پھاڑ کا کہیں ذکر نہیں ہے اور اُسکی اصلی اور اصطلاحی معنی جیسے کہ اکثر مفسرین نے بھی تسلیم کیا ہی اُس کشادگی کے ہیں جو دل اور سینہ میں عقلی اور رُوحانی وسعت سے عرفان الٰہی اور وحی کے منبع ہونے کے لیئے کی گئی تھی۔

باقی رہیں وہ حدیثیں اور روایتیں جو شق صدر اور معراج سے علاقہ رکھتی ہیں لیکن وہ باہم اسقدر مختلف اور متعارض اور متناقض ہیں کہ کوئی بھی قابل اعتبار کے نہیں ہے اور اُنکی صحت کی کافی سندیں بھی نہیں ہیں۔ ہشامی ذیل کا قصہ حلیمہ سے نقل کرتا ہے کہ اُسنے بیان کیا کہ ایک روز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بھائی اور بہن کے ساتھ گھر کے قریب مویشی میں کھیل رہے تھے۔ وہ دونوں دفعتاً میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور رو کر کہنے لگے

کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ لے گئے اور اُنکا سینہ چاک کر ڈالا۔ پس اُو ر
میرا خاوند اُس مقام پر گئے دیکھا کہ آنحضرت کا مارے خوف کے رنگ فق تھا۔ ہمنے اُنکو چھاتی سے
لگایا اور اُن کے اضطرار کا باعث پوچھا اُنہوں نے جواب دیا کہ دو آدمی سفید پوش میرے
قریب آئے اور مجھکو چت لٹا کر میرا دل چیرا اور اُس میں سے کوئی چیز نکال لی مجھے یہ نہیں
معلوم کر وہ کیا چیز تھی۔

اسی طرح کی ایک اور کہانی ہشامی نے بغیر کسی سند کے صرف یہہ بیان کر کے کہ بعض علما
نے بیان کیا ہے اپنی کتاب میں لکھی ہے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت سے کہا کہ آپ کچھہ
اپنی تعریف بیان فرمائیے۔ اُسپر پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ مَیں اُن برکتوں کا مشتاق ہوں
جن کے عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کیا تھا اور میں وہ شخص ہوں
جس کے آنے کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی تھی۔ جبکہ میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا
میری ماں کو معلوم ہوا کہ اُن سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محل منور ہوگئے۔ ایکدن
میں اپنے دودھ بھائیوں کے ساتھ مویشی چرا رہا تھا کہ دفعتًا دو آدمی جو سفید لباس پہنے
ہوئے تھے اور اپنے ہاتھ میں ایک سونے کا طشت برف اور پانی سے بھرا ہوا لیئے ہوئے تھے
میرے پاس آئے اور مجھکو زمین پر لٹا کر میرے سینہ کو چاک کیا اور میرے دل کو نکال کر چیرا
اور اُس میں سے ایک سیاہ قطرہ دبا کر نکال ڈالا۔ اُس کے بعد اُنہوں نے دل کو اور سینہ کو برف
سے دھو دھلا کر پاک صاف کر دیا۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اُسکو ایک
طرف رکھکر اور دس آدمیوں کو دوسری طرف رکھکر تولو مگر میں وزن میں زیادہ ہوا۔ تب اُسنی سو آدمیوں
سے مجھے تولا اسپر بھی میں وزن میں بڑھتی رہا۔ اس پر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اُسکو چھوڑ دو کیونکہ
اگر تم اسکو تمام جہاں کے مقابلہ میں تولو گے تب بھی یہہ کم نہ نکلے گا۔

واقدی نے بھی ان دونوں روایتوں کو نقل کیا ہی اور کتاب شرح السنۃ میں عرباض ابن ساریہ سے آنحضرت کے مذکورۃ بالا فضائل کا بیان ہوا ہی اور دارمی میں ابو ذر غفاری سے آنحضرت کے تولے جانے کی روایت بھی بیان ہوئی ہے - مگر ان روایتوں میں جو اختلاف ہے وہ غور کے قابل ہے - حلیمہ سے جو روایت ہی اُس میں برف کے پانی اور طشت کا اور دل کے دھونے کا کچھ ذکر نہیں ہے اور ہشامی کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کا تولا جانا شق صدر کے بعد حلیمہ کے گھر پر ہوا تھا - مگر دارمی میں جو ابو ذر غفاری سے روایت ہی اُس میں شق صدر کا کچھ ذکر نہیں ہے اور اُس سے پایا جاتا ہی کہ آنحضرت کا تولا جانا بطحاے مکہ میں ہوا تھا - باینہمہ یہہ تمام روایتیں نہایت نامعتبر ہیں اور قصہ اور کہانی ہونے سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتیں -

عیسائی مصنف ایک بڑی غلطی میں پڑے ہیں - وہ اپنے ہاں کی مقدس کتابوں کو جن میں کتب تواریخ اور ملوک اور قضاۃ وغیرہ داخل ہیں اور توریت و انجیل کے اُن تمام مقاموں کو جن میں تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں منزلہ وحی یعنی کلام الٰہی کے سمجھتے ہیں اور اُن سب کو ہر طرح کی غلطی اور خطا سے پاک جانتے ہیں حالانکہ اُن میں بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں - اسیطرح اُنہوں نے یہہ خیال کرلیا ہے کہ مسلمان بھی اپنی حدیثوں اور روایتوں کو ایسا ہی بےنقص سمجھتے ہونگے اور اِس خیال خام سے اونہوں نے مسلمانوں کی تمام حدیثوں اور روایتوں کو ناقابل خطا تصور کرکے اسلام پر نہایت سخت طعن و تشنیع کی ہے لیکن وہ خود بڑی غلطی میں پڑے ہیں کیونکہ مسلمان اپنے ہاں کی روایات و احادیث کو اُسی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے کہ اور تواریخ کے واقعات کو دیکھتے ہیں اور اون کو ویسا ہی ممکن الخطا خیال کرتے ہیں - مسلمان اپنے ہاں کی حدیثوں اور روایتوں کو اسوقت صحیح سمجھتے ہیں جبکہ

اُن کے لئے کافی ثبوت اور معتمد سند پاتے ہیں ورنہ اُن کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتی۔ یہہ باتیں جو ہشامی اور واقدی میں بیان ہوئی ہیں یا وہ روایتیں جو شرح السنہ اور دارمی میں مذکور ہیں صحت سے بہت دور ہیں۔ محققین علماے اسلام اُن کو محض ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں اور بیہودہ افسانے جو محض جُہلا کے خوش کرنے کے قابل ہیں خیال کرتے ہیں۔ پس عیسائی مؤرخوں نے اس بات میں بڑی غلطی کی ہے کہ اُن نامعتبر روایتوں کی بنیاد پر اسلام پر اعتراض کیا ہے

البتہ شق صدر کے معاملہ میں ایک روایت ہے جو ایک معتبر کتاب میں لکھی ہے یعنی مسلم میں اور اسلیئے وہ اس لائق ہے کہ علماے اسلام اُسپر توجہ کریں اور اس بات کی تحقیق وتدقیق کریں کہ وہ روایت صحیح ہے یا بے اصل کیونکہ مسلم میں اُس روایت کے مندرج ہونے سے یہہ بات لازم نہیں آتی کہ اُسکی صحت میں کچھ شبہہ نہیں بلکہ صرف علماء کی توجہ کا استحقاق رکھتی ہے اور اگر بعد تحقیق کے معلوم ہو کہ وہ صحیح نہیں ہے تو گو کہ وہ مسلم نے بیان کی ہو ویسی ہی نامعتبر تصور ہوگی جیسے کہ اور کسی نے بیان کی ہوتی۔

مسلم میں ہے کہ انس ابن مالک نے کہا کہ "ایک روز جبکہ پیغمبر صاحب مکہ میں اور لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت جبرئیل اُنکے پاس آئے اور اُن کا دل چیرا اور اُس میں سے ایک قطرہ نکالکر کہا کہ تجھہ میں یہہ شیطان کا حصہ تھا تب اُسکو ایک سونیکے طشت میں آب زمزم سے دھویا اور اُس کو بجنسہ جہاں رکھا ہوا تھا وہیں رکھدیا اور لڑکے بھاگ کر زہیرہ حضرت کی دودھ پلائی کے پاس گئے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مار ڈالا۔ وہ فوراً محمد کے پاس دوڑتے آئے اور اُن کا رنگ فق پایا۔ (انس کا بیان ہے کہ) سیون کا نشان جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ پر محسوس ہوتا تھا میں نے خود دیکھا تھا۔

قطع نظر اسکے کہ اس روایت سے وہ تمام روایتیں جن میں حلیمہ کے گھر شق صدر ہونیکا

بیان ہوا ہے غلط اور باطل قرار پاتی ہیں یہہ روایت بھی چار مستحکم دلیلوں سے قابل اعتبار کے نہیں۔ اول یہہ کہ ابھی انس نے ایک دوسری روایت میں اس واقعہ کا ہونا شب معراج میں بیان کیا ہی اور وہ زمانہ اس زمانہ سے جو اس روایت میں مذکور ہی بالکل مختلف ہے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ انس کے بعد کے راوی نے انس کی اُس لمبی روایت میں سے جو معراج سے متعلق ہے اور جس کا بیان آگے ہوگا ایک ٹکڑا توڑ کر اور اُس میں بھی بیشی کمی کرکے بیان کیا ہے جس سے اس روایت کی بے اعتباری اور اس مضمون کا کہ سیون کے نشان انس نے دیکھے تھے لغو اور بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہہ کہ اس روایت میں انس کا یہہ قول کہ میں نے آنحضرت کے سینہ پر سیون کے نشان بچشم خود دیکھے تھے بیان کیا گیا ہے حالانکہ یہہ بات غیر ممکن ہی کیونکہ اگر مانا جاوے کہ آنحضرت کا سینہ درحقیقت چیر اگیا تھا جیسا کہ اس روایت میں مذکور ہے تو اُسکی سیون کے نشان کا محسوس ہونا ناممکن تھا کیونکہ یہہ سیون جرّاح کی سیون اور ٹانکوں کی مانند نہ تھی کسی روایت کی اصلیت کے امتحان کرنیکا یہہ بھی طریقہ ہے کہ اگر وہ کسی ایسے امر کو بیان کرے جو خود اُس معجزہ کے جو اس روایت میں بیان ہوا ہے برخلاف ہو تو ایسی روایت محض بے اصل ہو گی۔ پس اس دلیل سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہہ روایت محض بے اصل و نامعتبر ہے اور انس کے بعد راوی نے اُس میں بالکل غلطی کی ہی تیسرے یہہ کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حلیہ کا مفصل بیان کیا ہی مگر کسی نے اس سیون کے نشانوں کا جسکا بیان اس روایت میں ہی ذکر نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت سے صحابہ اُسکا ذکر کرتے۔ چوتھے یہہ کہ انس بوقت وقوع اس واقعہ کے موجود نہ تھے اور نہ اُنہوں نے اُن اشخاص کے نام بیان کیئے ہیں جنکی وساطت سے اُنکو یہہ روایت پہونچی۔ روایت کے نامعتبر قرار دینے کو ایک مستحکم اصول یہہ

قرار پایا ہی کہ اگر راوی کسی ایسے واقعہ کو بیان کرے جس میں وہ خود موجود نہیں تھا تو وہ روایت قابل اعتبار کے نہیں ہے گو کہ وہ راوی صحابہ ہی میں سے کیوں نہو۔

شق صدر کے متعلق روایتیں ایسی مختلف ہیں کہ اُن کی باہم تطبیق نہیں ہوسکتی اور اسلئے وہ سب کی سب نامعتبر ہیں۔ مصنف مواہب لدنیہ نے سب سے زیادہ نادانی کی ہے کہ ان مختلف روایتوں کو دیکھکر بعوض اس کے کہ اُنکو نامعتبر ٹھہراتا یہہ تسلیم کیا ہو کہ واقعہ شق صدر پانچ مرتبہ واقع ہوا تھا۔ اول اُس وقت جبکہ پیغمبر صاحب اپنی دائی حلیمہ کے پاس رہتے تھے۔ دوم مکہ میں جبکہ آنحضرت کی عمر دس برس کی تھی۔ سوم غار حرا میں۔ چہارم شب معراج میں۔ پنجم ایک دفعہ اور جسکے وقت کی تعیین خود مصنف نہ کرسکا۔ یہہ تمام روایتیں ایسی ہیں جنپر تمام ذی علم اور تعلیم یافتہ مسلمان ذرا بھی اعتبار نہیں کرتے اور یہہ روایتیں محققین علمائے اسلام کے نزدیک طفلانہ افسانوں سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتیں۔

شق صدر کی نسبت صرف ایک روایت جس میں شب معراج میں شق صدر کا ہونا بیان کیا گیا ہے اعتبار کے لایق ہوسکتی ہے اور اُس واقعہ کو ہم معراج کے ساتھ بیان کریں گے مگر معراج کے تمام واقعات جو کچھ کہ ہوں بطور رویا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف ہوئے تھے۔ پس جو بیان شق صدر کا اُس روایت میں ہے وہ بھی رویا سے متعلق ہے۔

اب ہم معراج کے حالات بیان کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں۔ معراج کے مقدم واقعات جنپر توجہ کیجاسکتی ہے یہہ ہیں۔ آنحضرت صلعم کے سینۂ مبارک کا شق کیا جانا۔ آپکا براق پر سوار ہوکر مکہ سے بیت المقدس کو جانا اور وہاں سے آسمانوں پر تشریف لیجانا۔ وہ واقعات اور مکالمات جو آسمانوں پر پیش آئے۔ مگر مطلق ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان باتوں کے درحقیقت واقع ہونے کا کبھی دعوی کیا ہو۔ قرآن مجید سے

اور نیز اُن روایتوں سے جو راویوں نے معراج کی نسبت بیان کی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ مکہ سے بیت المقدس گئے ہیں اور اگر اس روایت کو جس میں شق صدر کا بھی ذکر ہے صحیح مانا جاوے تو یہ بھی آنحضرت نے خواب میں دیکھا تھا کہ اُن کا سینہ چاک کرکے اُن کا دل پانی سے دھویا گیا ہے اور اُسی خواب میں آنحضرت صلعم نے اور بھی کچھ خدا کی نشانیاں دیکھیں جس کی تفصیل قرآن مجید میں مذکور نہیں۔

اوّل ہم اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ معراج صرف ایک رویا تھا۔ بخاری میں لکھا ہے کہ

عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْ اَرَيْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً قال هی رویا عین اریها رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة اسری الی بیت المقدس (بخاری)	ابن عباس نے قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں وما جعلنا الرویا التی اریناک الافتنة للناس کہا کہ یہ آنکھ کا رویا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس رات دکھایا گیا تھا جب وہ بیت المقدس کو لے جائے گئے تھے۔

"قتادہ کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چت لیٹے ہوئے تھے۔ حسن کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات کو میں مقام حجر میں سوتا تھا۔

انس کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں سوتے تھے اور جب تمام قصہ معراج کا انس بیان کر چکے ہیں تو اُسکے اخیر میں رسول خدا صلعم کے یہ لفظ بیان کئے ہیں کہ پھر میں جاگ اوٹھا اور میں مسجد حرام میں تھا"۔

ام ہانی کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشا کی نماز پڑھکر

ہم میں سو رہے اور فجر کے پہلے ہم نے اُن کو جگایا۔

عبد ابن حمید کی روایت میں ہے کہ معراج کا بیان کرنے میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں سوتا تھا۔" یا یہہ کہا کہ "چت لیٹا ہوا تھا۔" یا یہہ کہا کہ "سونے اور جاگنے کی بیچ میں تھا۔"

یہہ روایتیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا آیندہ لکھی جاوینگی۔ یہہ سب روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ معراج کے جو واقعات کہ بیان ہوئے ہیں وہ خواب کے واقعات ہیں اور اگر اُن روایتوں کی معتبری پر شبہہ کیا جائے تو اتنی بات تو اس سے ضرور ثابت ہوتی ہے کہ اُس زمانہ کے لوگ جبکہ یہہ روایتیں لکھی گئیں معراج کے واقعات کو رویا کے واقعات سمجھتے تھے علاوہ اسکے بہت سے علمائے محققین نے جن میں امیہ اور حذیفہ بھی داخل ہیں جو معتبر صحاب میں سے ہیں بالاتفاق معراج کو ایک رویا قرار دیا ہے جیسا کہ مندرجۂ ذیل سند سے ثابت ہوتا ہے۔

شفائے قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ "ایک گروہ عالموں کا اس طرف گیا ہے کہ

فذهب طائفة الى انه اسرى بالروح وانه رؤيا منام مع اتفاقهم ان رؤيا الانبياء حق و وحي والى هذا ذهب معاوية وحكي عن الحسن و المشهور عنه خلافه واليه اشار محمد ابن اسحق (شفاء)

معراج رُوحانی تھی اور وہ سوتے میں ایک رویا تھا۔ اسی کے ساتھ اُن سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ انبیا کا رویا حق اور وحی ہے اور اسی بات کی طرف معاویہ بھی گئے ہیں اور حسن سے بھی یہی روایت کی گئی ہے لیکن اُنکی مشہور روایت اس کے برخلاف ہے اور اُس کیطرف محمد ابن اسحاق نے اشارہ کیا ہے۔"

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ محمد ابن جریر طبری سے اُس کی تفسیر میں نقل کی گئی ہے

وحکی عن محمد بن جریر الطبری فی تفسیرہ عن	خذیفہ نے کہا کہ یہہ (یعنی واقعہ معراج)
حذیفۃ انہ قال ذلک رویا وانہ ما فقد جسد	رویا تھا اور رسول خدا صلعم کا جسم نہیں گیا تھا
رسول اللہ صلعم وانما اسری بروحہ وحکی ھذا القول	اور معراج صرف روحانی تھی اور یہی قول عائشہ
ایضاً عن عائشۃ رض وعن معاویۃ رض (تفسیر کبیر)	اور معاویہ سے بیان کیا گیا ہے ۔

مگر علماے متاخرین نے مذہبی گرمجوشی سے یہہ بات قرار دی کہ معراج جسمانی تھی اور تمام واقعات جو واقع ہوئے ہیں فی الحقیقت واقع ہوئے تھے ۔ لیکن اس ادعا کی نسبت اُن کے پاس کوئی سند قرآن مجید کی موجود نہیں ہے بلکہ بعض الفاظ کے معنوں پر جوش وخروش کے ساتھ بحث کرکے اس امر کو قائم کرتے ہیں ۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ لفظ "اسریٰ" کا اطلاق رویا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر نہیں ہوسکتا کیونکہ اُس کے معنی رات کے سفر کے ہیں اور اسیوجہ سے وہ اس لفظ سے واقعی رات کا سفر مراد لیتے ہیں اسیطرح وہ یہ دلیل کرتے ہیں کہ "لفظ بعبدہٖ" کا اطلاق جسکے معنی اپنے بندے کے ہیں روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے کیونکہ انسان دونوں چیزوں سے مرکب ہے اسلیئے ضرور ہے کہ وہ سفر یعنی معراج جسمانی ہوئی ہو ۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ لفظ رویا کے معنے دیکھنے کے ہیں اگرچہ اُس سے بالعموم خواب میں دیکھنے کے معنی لیئے جاتے ہیں لیکن اُسکا اطلاق فی الواقع آنکھ کے دیکھنے پر بھی ہوسکتا ہے اور اسلیئے ممکن ہے کہ "رویا" کا لفظ جو قرآن مجید میں آیا ہے اُس سے پچھلے معنی مراد ہوں ۔ اسپر وہ یہہ دلیل اور اضافہ کرتے ہیں کہ ابن عباس کی روایت میں جو لفظ "رویا عین" استعمال ہوا ہے تو "عین" کی قید لگانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ رویا کے لفظ سے فی الواقع آنکھ کا دیکھنا مراد ہو ۔

باقی حدیثوں کا جن میں آنحضرت کا سوتا ہوا ہونا مذکور ہے یوں فیصلہ کرتے ہیں کہ یا تو آنحضرتؐ معراج کے شروع ہونیکے وقت اسطرح پر لیٹے ہوئے ہوں گے جیسے کہ عموماً لوگ

سونے کی واسطے لیٹتے ہیں یا معراج سوتے میں شروع ہوئی ہو گی اور پھر جاگ گئے ہوں گے اور جاگنے کی حالت میں ختم ہوئی ہو گی۔

مگر ہر شخص پر جس میں ذرا بھی سمجھ ہے اور ذرا بھی استدلال کا مادہ رکھتا ہے واضح ہو گا کہ مذکورۂ بالا دلیلیں کیسی پوچ اور ضعیف ہیں۔ ان دلیلوں کے پیش کرنیوالے صرف وہی لوگ ہیں جو جوش مذہبی میں اندھے ہو کر یہہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن تمام روایتوں پر جو ذرا بھی مذہب سے علاقہ رکھتی ہیں گو وہ کیسی ہی بیہودہ اور محال اور قابل تضحیک ہی کیوں نہو آمنا و صدقنا کہنا چاہیئے۔ بلاشبہ اُن مسلمانوں کا یہہ جاہلانہ اعتقاد اُنکی نامعقولیت پر دلالت کرتا ہے لیکن عیسائیوں کا یہہ بیان کہ ہر مسلمان کو ان سب بیہودہ باتوں کو امور دینی سمجھکر بلا وسواس اُن پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور بھی زیادہ بیہودہ پن ہے۔ دیدہ و دانستہ ناانصافی اور عامیانہ جہالت کے کسقدر گہرے اور تاریک گڑھے میں پڑ رہنا ہوا ہو گا جس وقت کہ اُسنے یہہ کہا کہ جملہ مسلمان اسکو ایک اصل امر دینی سمجھتے ہیں اور اس مذہب کے تمام لوگوں کا اس قصے پر ایسا مستحکم اعتقاد ہے جیسیکہ عیسائی انجیل کے کسی امر پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

عیسائیوں کی عادت ہے کہ جب وہ کوئی کتاب مذہب اسلام یا اُس کے بانی کے حالات میں لکھتے ہیں تو اُنکا ارادہ انصاف یا تحقیق حق کا نہیں ہوتا بلکہ قلم اوٹھانے سے پہلے وہ قصد کر لیتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اُس کو لغو اور بیہودہ ظاہر کیا جاوے۔ پس وہ اُن تمام لغو اور مہمل روایتوں کو جنکو خود مسلمان تسلیم نہیں کرتے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھکر مسلمانوں کے خاص امور دینی بغیر کسی دلیل کے قرار دیتے ہیں اور اُسپر زبان طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں عیسائیوں نے باستثناے معدودے چند کے اُس مقدس شخص کے احکام و

طریقہ کو جسکے پیرو وہ اپنے تئیں بتاتے ہیں اور جس کے حلم اور نیک خصلت سے وہ محض بے بہرہ ہیں بالاسے طاق رکھکر اُن لوگوں پر جو خداے واحد برحق پر ایمان رکھتے ہیں ایسے الفاظ سے طعن و تشنیع کی ہے جن کا ملحد اور لامذہب لوگوں پر بھی استعمال کرنا نا زیبا ہے اُسی قسم کی ناانصافانہ سخت کلامیاں ہیں جو عیسائیوں نے معراج اور شق صدر کے باب میں لغو اور نامعتبر روایتوں کی بنیاد پر مسلمانوں پر کی ہیں۔

مگر ہم اُن عیسائی مصنفوں کا شکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے جنھوں نے انصافانہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اس واقعہ کو خواب کا واقعہ بیان کرتے تھے اور اُنہوں نے یہہ بھی تسلیم کیا ہے کہ راویوں نے جو زیادتیاں اسمیں کردی ہیں اُن سے بانی مذہب اسلام پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا ۔ چنانچہ اکتوبر کے کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴ میں ایک عیسائی مصنف نے یہ راے لکھی ہے کہ جو کچھ ہمکو اس مقام پر بیان کرنا ہے وہ یہہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے سرگرم پیرووں کا ذمہ دار نہیں قرار دینا چاہیئے جبکہ اُنہوں نے اس خواب کو (جسکے ہم پلہ تمام دوایت کا مذی میں شاید ہی کوئی خواب ہو اور جس نے البتہ کسیقدر رنگ اُس بیہودہ افسانہ اوڑایا ہے لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسکو ہمیشہ خواب کہتے کہتے تھک گئے) ایک مہمل اور لایعنی چیز کے ساتھہ بدل دیا۔

اگرچہ ہم نے اُن روایتوں کی جو معراج سے متعلق ہیں بخوبی قدر و منزلت جیسی کہ اُنکی ہی بیان کردی ہے لیکن اب ہم اُن تمام نامعتبر روایتوں کو اور اُن تمام نے بنیاد قصوں کو جو اُن میں مذکور ہیں بغرض اتمام حجت وقتی تسلیم کرلیتے ہیں اور یہہ بھی تسلیم کرلیتے ہیں کہ ان تمام قصوں پر اعتقاد رکھنا مسلمانوں کے ہاں ایک خاص امر دینی ہے اور پھر ہم اُن متعصب عیسائیوں سے جو ان روایات کی بنا پر مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں پوچھتے ہیں

کہ وہ کیوں اس قدر دند مچاتے ہیں جبکہ وہ خود اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں پر یقین کرتے ہیں

کیا اُن کا یہہ اعتقاد نہیں ہے اور وہ اس بات کو دینی امر خیال نہیں کرتے کہ حضرت الیاس

آسمان پر انسانی جسم و شکل کے ساتھ بدون چکھنے ذائقہ موت کے ایک آتشین گاڑی میں

بذریعہ ایک آندھی کے اُٹھا لیتے گئے ہیں؟ اور کیا عیسائی اس بات پر عقیدہ نہیں رکھتے کہ

حضرت عیسیٰ مسیح مرنے کے بعد اُٹھے اور آسمان پر چلے گئے اور خدا تعالیٰ کے دست راست

کی طرف بیٹھے یعنی خود اپنے ہی دست راست کیطرف کیونکہ وہ خود خدا تھے؟ (متی

باب ۲۸ ورس ۷ مرقس باب ۱۶ ورس ۱۹)

اس واسطے ہم تمام عیسائیوں کو جو ایسی خراب اور ایذا رسان نظیر کی تقلید کی جانب مائل

ہیں انکے آقا کے احکام مرقومۃ الذیل کی پیروی کرنے کی صلاح دیتے ہیں کہ "تو اُس ذرّہ

کو جو تیرے بھائی کی آنکھہ میں ہے دیکھتا ہے اور اپنی آنکھہ میں جو شہتیر ہے اُسکو نہیں دیکھتا

تو اپنے بھائی سے کس طرح کہہ سکتا ہے کہ بھائی تو مجھے اپنی آنکھہ کا ذرّہ نکلوانے جبکہ تجھکو خود اپنی

آنکھہ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اے مکار پہلے تو اپنی آنکھہ میں کا شہتیر تو نکال لے تب تجھکو اپنے بھائی

کی آنکھہ میں کا ذرہ نکالنے کے لئے صاف نظر آنے لگیگا۔ (لوقا باب ۶ ورس ۴۱ و ۴۲)

گرمجوش پیرو ہمیشہ اس قسم کے واقعات کو جب نظم یا نثر میں بیان کرتے ہیں تو اُس میں

شاعرانہ خیالات ملا دیتے ہیں۔ اسی طرح معراج کے حالات نظم و نثر میں جو لوگوں نے بیان

کئے ہیں اُس میں بھی شاعرانہ خیالات ملا دیئے ہیں۔ یہ امر مسلمان گرمجوش پیرووں پر

موقوف نہیں ہے بلکہ عیسائی گرمجوش پیرووں کا بھی یہی حال ہے۔ ایک مقدس عیسائی نے

حضرت عیسیٰ کے آسمان پر چلے جانے کے قصہ کو نہایت شاعرانہ رنگینی سے نظم کیا ہے

جس کا ترجمہ ہم لکھتے ہیں۔

اُس نے آسمان کی طرف مراجعت کی اور اُس کے پیچھے صدائے مرحبا اور سن ہزار
چنگوں کی سُریلی آوازیں تھیں جو زمزمہائے ملکوتی کا سماں باندہ رہی تھیں زمین اور ہوا انکی
آواز سے گونج رہی تھی تمام افلاک و بروج سے صدائے بازگشت آرہی تھی۔ سیّارے اپنے
اپنے مقامات پر سننے کے لیئے ٹھہر گئے تھے جبکہ یہہ نورانی جلوس طنطنہائے شادکامی کے
ساتھ عالم بالا کا عازم ہوا۔ اُنہوں نے یہہ نغمہ گایا۔ اے لازوال دروازوں کھُل جاؤ۔
اے آسمانوں اپنے دروازوں کو واکرو۔ اور اس بڑے نجات دہندہ کو جو اپنے کام کو اختتام
پہونچا کر شان و شوکت کے ساتھ آتا ہے اندر لیلو اور اب خدا تعالیٰ نظر عاطفت سے نیک
لوگوں کے مکانوں میں قدم رنجہ کریگا اور اپنی خوشی سے اپنے قاصدان اولی الاجنحہ
کو رحمت آسمانی کے پیغام دیکر متواتر وہاں بھیجا کرے گا۔

پس کیا کسی مسلمان کو زیبا ہے کہ اِن شاعرانہ خیالات کو مذہب عیسوی میں داخل قرار دیکر اُن پر بیہودہ طعن و تشنیع شروع کرے۔

اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اُس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خدا کی
کیا نشانیاں دیکھیں یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں بجز اُس کے کہ آنحضرت نے خدا کی
نشانیاں دیکھیں اور کچھہ مذکور نہیں ہے۔ مگر قرآن مجید کے طرز کلام پر اگر ہم غور کریں اور
اُس سے اُن نشانیوں کا استنباط کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں آیت اور آیات کا
لفظ احکام پر اطلاق ہوا ہے اور دکھلانے کا لفظ کسی بات پر کامل یقین کرا دینے کی نسبت
بولا جاتا ہے۔ پس آیت معراج کے اُن الفاظ کے "لنریه من اٰیتنا" کے یہہ معنی ہوئے
تاکہ یقین کرا دیں ہم اُسکو اپنے بعض حکموں سے"۔ پس وہ نشانیاں وہی احکام تھے
جو عالم رؤیا میں اُنکو وحی کیئے گئے اب ہمکو تلاش کرنی چاہیئے کہ وہ احکام کیا تھے۔ جب
ہم اُس مقدس سورت کو بغور پڑھتے ہیں اور بخوبی چھان بین کرتے ہیں تو ہمکو معلوم ہوتا ہے

کہ وہ احکام جو آنحضرت پر منکشف ہوئے اور جو اسی سورت مذکور ہیں وہ یہہ ہیں ۔

لا تجعل مع اللہ الٰہا اٰخر فتقعد مذموما	مت مقرر کر ساتھ اللہ کے معبود اور پس بیٹھ رہیگا ۔
مخذولا ۔ اٰیت ۲۳ ۔	تو مذمت کیا گیا ہلاکت میں سونپا ہوا ۔
وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین	اور حکم کیا تیرے پروردگار نے کہ نہ پوجو مگر اسی کو
احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدہما او کلاہما	اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا ۔ اگر پہونچیں تیرے
فلا تقل لہما اف ولا تنہرہما وقل لہما قولا کریما	نزدیک بڑھاپے کو دونوں میں سے ایک یا دونوں
اٰیت ۲۴ ۔	پس مت کہہ انکو اُف اور مت ڈانٹ انکو اور کہہ انکو معزز کہنا
واخفض لہما جناح الذل من الرحمة وقل رب	اور نیچا کر ان دونوں کیلئے ذلت کا بازو مہربانی سے
ارحمہما کما ربیانی صغیرا ۔ اٰیت ۲۵ ۔	اور کہہ ای پروردگار رحم کر انپر جسطرح پالا انہوں نے
واٰت ذا القربی حقہ والمسکین	مجھکو چھٹپن میں ۔
وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا	اور دے رشتہ دار کو اُسکا حق اور مسکین کو اور مسافر کو
اٰیت ۲۸ ۔	اور فضول خرچی مت کر ۔
ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک و	اور مت کر اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن
لا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما	کی طرف اور مت کھولدے اسکو بالکل کھولدینا
محسورا ۔ اٰیت ۳۱ ۔	کہ بیٹھ رہے تو ملامت کیا ہوا درماندہ ۔
ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن	اور مت مار ڈالو اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے
نرزقہم وایاکم ان قتلہم کان خطأ کبیرا	ہم انکو اور تمکو روزی دیتے ہیں ۔ بیشک انکا مار ڈالنا
ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشة و	اٰیت ۳۳ گناہ ہے ۔ اور زنا کے پاس مت جاؤ ۔ بیشک
ساء سبیلا ۔ اٰیت ۳۴ ۔	وہ بے حیائی اور بری راہ ہے ۔

ولا تقتلوا النفس التی حرم الله	اور مت مار ڈالو اُس جان کو جس کو خدا نے
الا بالحق - آیت ۳۵ -	حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ -
ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی	اور مت چھوؤ یتیم کے مال کو مگر پسندیدہ طریقہ سے
احسن حتیٰ یبلغ اشدہٗ واوفوا بالعھد	یہاں تک کہ وہ پہونچے اپنی جوانی کو - اور پورا
ان العھد کان مسئولا - آیت ۳۶ -	کرو عہد کو بیشک عہد پوچھا جاوے گا -
واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا	اور پورا کرو پیمانہ کو جب ناپو اور وزن کرو
بالقسطاس المستقیم آیت ۳۷ -	سیدھے ترازو سے -
ولا تقف مالیس لك به علم	اور اس بات کے پیچھے مت پڑ جس کا تجھکو
ان السمع والبصر والفؤاد کل	علم نہیں ہے - بیشک کان اور آنکھ اور دل -
اولئك کان عنه مسئولا - آیت ۳۸	ان سب سے سوال ہوگا -
ولا تمش فی الارض مرحا انك	اور زمین میں اکڑتا ہوا مت چل - یقیناً تو
لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال	زمین کو پھاڑ نہ ڈالیگا اور لمبائی میں پہاڑوں
طولا - آیت ۳۹ -	کو نہ پہونچے گا
کل ذلك کان سیئه عند ربك	ان سب باتوں کی برائی تیرے پروردگار
مکروھا - آیت ۴۰ -	کے نزدیک ناپسندیدہ ہے -
ذلك مما اوحی الیك ربك	یہ اُن چیزوں میں سے ہے کہ تیرے
من الحکمة ولا تجعل مع الله	پروردگار نے وحی بھیجی تیری طرف حکمت سے
الھا اخر فتلقی فی جھنم ملوما	اور مت قرار دے خدا کے ساتھ دوسرا خدا کہ ڈالا
مدحورا - آیت ۴۱ -	جاوے تو دوزخ میں ملامت کیا ہوا راندا ہوا -

پچھلی آیت سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان احکام کی وحی خدا تعالیٰ نے دی تھی اور جوکہ یہہ تمام احکام اسی سورہ معراج میں بلفظ وحی بیان ہوئے ہیں اس سے یقین ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شب معراج میں انہیں احکام کا انکشاف ہوا تھا۔

بعض روایتیں اس خواب میں اور بہت سی چیزوں کے ظاہر ہونیکا بیان کرتے ہیں مگر اُنکی صحت کے واسطے کوئی بھی معتبر سند نہیں ہے اور ایسی بہت کم روایتیں ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا تک پہونچتا ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان راویوں نے کوئی بات قرآن مجید سے اور کوئی بات حدیثوں سے بلا تنقیح اُن کی صحت کے اور کوئی بات کسی راوی کی زبانی روایت سے اور کوئی دوسری بات کسی دوسرے راوی کی زبانی روایت سے چن کر اور اُن سب پر اپنے بے دلیل اوہامی خیالات کا اضافہ کرکے ایک قصہ گھڑ لیا ہے۔ علاوہ اس کے یہہ سب روایتیں کچھ عقل ہی کے برخلاف نہیں ہیں بلکہ خود دینِ اسلام کے عقائد اصولی کے اُسقدر خلاف ہیں کہ اُن پر ذرہ برابر بھی اعتقاد رکھنا محال ہے۔

علاوہ اس کے یہہ روایتیں ایک دوسرے سے ایسی مخالف او متناقض ہیں کہ ہمکو کوئی شخص ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک کی دوسری سے تطبیق کر سکے۔ اس مقصد سے کہ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے ہماری اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہن میں بخوبی آجاوے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن سب روایتوں کو اس مقام پر نقل کریں اور اُن کے اختلافات دکھانے کو اُن کو علحدہ علحدہ اٹھارہ حصوں میں تقسیم کریں۔

اوّل۔ اُن اختلافات کو دکھلایا جاتا ہے جو مقام وقوع معراج سے متعلق ہیں

عن قتادة عن انس ابن مالك عن مالك بن صعصعة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدثھم عن لیلة اسرٰی بہ بینما انا فی الحطیم وربما قال فی الحجر (قتادہ)	مالک بن صعصعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں سے شب معراج کا قصہ بیان کیا تو فرمایا کہ اس درمیان میں کہ میں حطیم میں تھا" اور کبھی فرمایا کہ حجر میں"
عن ابن شھاب عن انس قال کان ابوذر یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فرج عنی سقف بیتی وانا بمکة (ابن شھاب)	انس سے روایت ہے کہ ابوذر حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت شق کی گئی اور میں مکہ میں تھا۔
عن ام ھانی انھا قالت ما اسری برسول اللہ صلعم الا وھو فی بیتی تلك اللیلة (ام ھانی)	ام ہانی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج نہیں ہوئی مگر یہ کہ وہ اس رات کو میرے گھر میں تھے۔
وقد روی عمر بن الخطاب فی حدیث الاسراء عنہ علیہ السلام انہ قال ثم رجعت الی خدیجة وما تحولت عن جانبھا (شفاء)	حضرت عمر بن خطاب رضؓ نے معراج کی حدیث میں آنحضرت سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا پھر واپس آیا میں خدیجہ کی طرف اور انہوں نے کروٹ نہیں بدلی تھی۔

دوم۔ اُن اختلافات کو دکھلایا جاتا ہے جو بروقت شروع معراج آنحضرت صلعم کی حالت سے متعلق ہیں۔

مضطجعًا (قتادة)	لیٹے ہوئے (قتادہ)
وعن الحسن بینما انا نائم فی الحجر	اس درمیان میں کہ میں حجر میں سویا ہوا تھا

جاءني جبرئيل فهمزني بعقبه فقمت فجلست فلم ار احدا فعدت الى مضجعي ذكر ذلك ثلثا فقال في الثالثة فاخذ بعضدي فجرني الى باب المسجد (حسن)

جبرئیل میرے پاس آئے پھر ٹھوکا دیا ایڑی سے پس میں اُٹھ بیٹھا سو مجھکو کوئی شخص نظر نہ آیا۔ پھر میں اپنی خوابگاہ کی طرف پھرا۔ آپ نے (رسول اللہ نے) اُس کو تین بار ذکر کیا۔ اور تیسری بار فرمایا کہ میرے بازو کو پکڑا اور مسجد کے دروازہ تک کھینچ لائے (حسن)

عن انس وهو نائم في المسجد الحرام۔ وذكر القصة ثم قال في آخرها فاستيقظت وانا بالمسجد الحرام (شفاء قاضي عياض)

انس سے روایت ہے کہ وہ سوتے ہوئے تھے مسجد حرام میں،" قصہ کو بیان کیا۔ پھر اخیر میں کہا کہ جاگا میں۔ اور میں مسجد حرام میں تھا۔" (شفاے قاضی عیاض)

صلى العشاء الآخرة ونام بيننا فلما كان قبل الفجر اهبنا رسول الله صلعم فلما صلى الصبح وصلينا قال يا ام هانی لقد صليت معكم العشاء الآخرة كما رايت بهذا الوادي ثم جئت بيت المقدس فصليت فيه ثم صليت الغداة معكم الآن كما ترون۔ (ام هانی)

آنحضرت نے اخیر عشا پڑھی اور ہم لوگوں میں سوئے فجر سے پہلے آنحضرت نے ہم لوگوں کو جگایا۔ پھر جب آپ نے صبح کی نماز پڑھ لی اور ہم لوگوں نے پڑھ لی آپ نے فرمایا اے ام ہانی میں نے تم لوگوں کے ساتھ اخیر عشا پڑھی جیسا کہ تو نے اس میدان میں دیکھا۔ پھر میں بیت المقدس پہونچا اور وہاں نماز پڑھی۔ پھر صبح کی نماز اس وقت تم لوگوں کے ساتھ پڑھی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ (اُم ہانی)

فی روایۃ عبد بن حمید عن ھمام	ہمام سے روایت ہے کہ اس میان میں کہ میں سویا
بینا انا نائم و ربما قال مضطجع و	ہوا تھا اور کبھی فرمایا کہ لیٹا ہوا تھا اور دوسری روایت
و فی الروایۃ الاخری بین النائم	میں ہے کہ سونے اور جاگنے کے درمیان میں
والیقظان (شفاء قاضی عیاض)	(شفاء قاضی عیاض)
وحکوا عن عائشۃ انھا	عائشہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے
قالت ما فقدت جسد	کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رسول اللہ صلعم (شفاء)	کا جسم گم نہیں کیا (شفاء)

سوم - متعلق شق صدر

اذا اتانی آت فشق ما بین ھذہ	کہ میرے پاس ایک آنیوالا آیا اور یہاں سے یہاں تک
الی ھذہ یعنی من ثغرۃ نحرہ الی	چاک کردیا یعنی سینہ کی ہڈی سے بالوں تک
شعرتہ (قتادۃ)	(قتادہ)
فنزل جبرئیل ففرج صدری	پس اُترے جبرئیل اور چاک کیا میرا سینہ۔
(ابن شہاب)	(ابن شہاب)

چہارم - واقعات بعد شق صدر

فاستخرج قلبی ثم اتیت بطست	پس میرا دل نکالا - پھر ایک طشت سونے کا
من ذھب مملو ایمانا فغسل	لائے جو ایمان سے بھرا ہوا تھا پھر میرے دل کو
قلبی ثم حشی ثم اعید (قتادۃ)	دھویا گیا پھر بھر دیا گیا اور ویسا ہی کر دیا گیا (قتادہ)
وفی روایۃ ثم غسل البطن بماء	ایک روایت میں ہے کہ پھر پیٹ کو زمزم
زمزم ملی ایمانا وحکمۃ (قتادۃ)	کے پانی سے دھویا اور جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا (قتادہ)

ثم غسله بماء زمزم ثم جاء بطست	پھر اُسکو دھویا زمزم کے پانی سے پھر ایک طشت
من ذهب ممتلئ حكمة وايمانا	سونے کا لایا گیا جو حکمت و ایمان سے بھرا ہوا
فافرغه في صدري ثم	تھا۔ پس اُسکو میرے سینہ میں اونڈیلا اور پھر
اطبقه (ابن شهاب)	برابر کر دیا (ابن شہاب)

پنجم۔ متعلق بُراق

ثم اتيت بدابة دون البغل	پھر ایک چوپایہ میرے پاس لایا گیا خچر سے چھوٹا
وفوق الحمار ابيض يقال له	اور گدھے سے بڑا۔ سفید رنگ کا جسکا نام بُراق
البراق يضع خطوه عند اقصى	تھا۔ جس حد تک اُس کی نظر جاتی تھی اُس کا
طرفه (قتادة)	قدم وہیں پڑتا تھا۔ (قتادة)
عن ثابت البناني عن انس ان	انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
رسول الله صلى الله عليه وسلم	علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس بُراق لایا گیا
قال اتيت بالبراق وهو دابة	جو ایک سفید لانبا چارپایہ ہے گدھے سے اونچا
ابيض طويل فوق الحمار ودون	اور خچر سے چھوٹا۔ اُس کا سُم وہاں پڑتا تھا
البغل يضع حافره عند منتهى	جہاں تک اوس کی نگاہ جاتی تھی۔
طرفه (ثابت)	(ثابت)
عن انس ان النبي صلعم اتى بالبراق	انس سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول اللہ صلعم کو معراج ہوئی
ليلة اسرى به ملجما مسرجا (انس)	براق لایا گیا۔ زین کسا ہوا اور لگام چڑھایا ہوا (انس)
ثم اخذ بيدي فعرج بي الى	پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھکو آسمان تک چڑھا
السماء (ابن شهاب)	لے گیا (ابن شہاب)

ششم متعلق سواری براق

عربی	اردو
فحملت علیه (قتادہ)	پس میں اُس پر سوار کرایا گیا (قتادہ)
فرکبته (ثابت)	پس میں اُس پر سوار ہوا۔ (ثابت)
فاستصعب علیه فقال له جبرئیل	پس اُس کو دشوار گذرا۔ جبریل نے اُس سے کہا ارے
بمحمد تفعل هذا فما رکبک احد	تو محمد کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ کوئی شخص اُن سے
اکرم الله منه فارفض	زیادہ بزرگ تجھپر سوار نہیں ہوا ہے پس وہ
عرقا وقال الترمذی هذا	پسینے سے تر ہو گیا۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث
حدیث غریب (انس)	غریب ہے (انس)

ہفتم۔ واقعات بیت المقدس پہونچنے کے

عربی	اردو
حتی اتیت بیت المقدس	یہاں تک کہ میں بیت المقدس میں آیا۔
فربطته بالحلقة التی یربط	پس میں نے اُسکو اُسی حلقہ میں باندہ دیا جس
بها الانبیاء (ثابت)	میں اور انبیا باندہا کرتے ہیں۔ (ثابت)
عن بریدة قال قال رسول الله	بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
صلی الله علیه وسلم لما انتهینا	علیہ وسلم نے فرمایا جب ہم بیت المقدس پہنچے
الی بیت المقدس قال جبرئیل	جبریل نے اپنی اونگلی سے اشارہ کیا۔ پس پتھر
باصبعه فخرق بها الحجر فشد به	پھٹ گیا اور اُس سے براق کو اٹکا دیا (ترمذی
البراق (رواہ الترمذی)	نے اُس کو روایت کیا)

قتادہ اور اُسکے سوا اور راویوں نے جناب پیغمبر خدا کے بیت المقدس میں جانے اور وہاں چند رسوم کے ادا کرنے کا جن کو اب ہم بیان کرینگے کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔

ہشتم۔ رسوم جو بیت المقدس میں ادا کی گئیں

قال ثم دخلت المسجد فصلیت فیه رکعتین (ثابت)

فرمایا آنحضرت نے پھر داخل ہوا میں مسجد میں اور دو رکعت نماز اُس میں پڑھی (ثابت)

عن ابی ھریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لقد رائیتنی فی الحجر وقریش تسالنی عن مسرای فسألتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتها فکربت کربا ماکربت مثله فرفعه لی انظر الیه ما یسالونی عن شئ الا انباتهم وقد رأیتنی فی جماعة من الانبیاء فاذا موسی قائم یصلی فاذا رجل ضرب جعد کانه من رجال شنوءة واذا عیسی قائم یصلی اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفی فاذا ابراهیم قائم یصلی اشبه الناس به صاحبکم یعنی نفسه

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں حجر میں تھا قریش میری معراج کا حال پوچھ رہے تھے۔ پس اُنہوں نے مجھ سے بیت المقدس کے متعلق چند باتیں پوچھیں جو مجھے یاد نہیں رہی تھیں۔ اسپر مجھکو ایسا صدمہ ہوا کہ کبھی نہیں ہوا تھا پس خدا نے بیت المقدس کو میرے سامنے کردیا کہ میں اُس کو دیکھنے لگا۔ پھر جو بات اُنہوں نے پوچھی مینے سب بتائی اور میں نے اپنے کو جماعت انبیا میں دیکھا۔ یکایک موسیٰ نظر آئے کہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک پیچیدہ مُو آدمی تھے گویا شنوءۃ کے لوگوں میں سے ہیں۔ پھر عیسیٰ نظر آئے۔ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ عروہ بن مسعود ثقفی اُن سے صورت میں بہت ملتے ہیں۔ پھر ابراہیم نظر آئے کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اُن سے بہت ملتا ہوا تمہارا ساتھی ہے (حضرت نے اس سے اپنے کو مراد لیا۔)

فحانت الصلوٰة (صلوٰة العصر)
پھر نماز عصر کا وقت ہوا میں اُن سب کا امام بنا۔

فاممتهم فلما فرغت من الصلوٰة
پھر جب نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے مجھ سے

قال لی قائل یا محمد هذا مالك
کہا اے محمد یہ مالک ہے دوزخ کا داروغہ سو اُس کو

خازن النار فسلم علیه فالتفت الیه
سلام کرو۔ میں اُن کی طرف متوجہ ہوا تو اُنھوں نے

فبدانی بالسلام (رواه مسلم)
خود سلام میں پیش دستی کی (اُسکو مسلم نے روایت کیا ہے)

عن جابر انه سمع رسول الله
جابر سے روایت ہے کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

صلی الله علیه وسلم یقول لما
وآلہ وسلم کو کہتے سنا جب قریش نے مجھکو جھٹلایا تو میں

کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی الله لی
حجر میں کھڑا ہوا پس خدا نے بیت المقدس کو میرے

بیت المقدس فطفقت اخبرهم عن آیاته
سامنے کر دیا۔ میں اُس کیطرف دیکھ رہا تھا اور

وانا انظر الیه (متفق علیه)
بیت المقدس کی علامتیں بتاتا جاتا تھا (متفق علیہ)

وفی حدیث ابی هریرة ثم سار حتی
ابوہریرہ کی حدیث میں ہے پھر چلے آنحضرت صلعم

اتی بیت المقدس فنزل فربط فرسه
یہاں تک کہ بیت المقدس آئے پھر اُتر کر اپنے گھوڑے

الی صخرة فصلی مع الملائکة فلما
کو ایک پتھر سے باندھ دیا۔ پھر فرشتوں کے ساتھ

قضیت الصلوٰة قالوا یا جبرئیل
نماز پڑھی۔ جب نماز ہولی تو لوگوں نے پوچھا اے

من هذا معك قال هذا محمد رسول الله
جبریل تمہارے ساتھ یہ کون ہیں۔ جبریل نے کہا

خاتم النبیین قالوا وقد ارسل الیه قال نعم
محمد رسول اللہ خاتم الانبیا۔ لوگوں نے کہا کیا اُن کے

قال حیاه الله من اخ وخلیفة
پاس پیغام بھیجا گیا۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ سب نے کہا

فنعم الاخ ونعم الخلیفة
خدا اُن کو زندہ رکھے بڑے اچھے بھائی اور خلیفہ

ثم لقوا ارواح الانبیاء
ہیں پھر انبیا کی رُوحوں سے ملاقات ہوئی۔

Arabic	Urdu
فاثنوا علی ربهم وذکر کلام	سب نے اپنے خدا کی تعریف بیان کی اور ہر ایک کا کلام
کل واحد منهم وهم ابراهیم وموسیٰ	بیان کیا (ابوہریرہ نے) اور وہ ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ
وعیسیٰ وداؤد وسلیمان ثم ذکر	وداؤد وسلیمان تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام
کلام النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	بیان کیا (ابوہریرہ نے) پس کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
فقال وان محمداً صلعم اثنی علی ربہ	نے اپنے خدا کی تعریف بیان کی تو کہا کہ تم سب گوں نے
فقال کلکم اثنی علی ربه وانا	اپنے خدا کی تعریف کی اور اب میں اپنے خدا کی تعریف
اثنی علی ربی الحمد للہ الذی ارسلنی	بیان کرتا ہوں۔ حمد ہے اُس خدا کو جس نے مجھکو
رحمة للعالمین وکافة للناس	تمام عالم کے لئے رحمت کر کے بھیجا اور تمام لوگوں
اجمعین بشیراً ونذیراً وانزل	کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا
علی القرآن فیه تبیان کل شئ	اور مجھپر قرآن اوتارا جس میں ہر ایک شئی کی توضیح
وجعل امتی خیر امة وجعل امتی	ہے اور میری امت کو اور امتوں سے فضل کیا
وسط وجعل امتی هم الاولون	اور میری اُمت کو وسط کیا اور میری اُمت کو
بهم الآخرون وشرح لی صدری	قرار دیا کہ وہی پہلے ہیں اور وہی پچھلے ہوں گے
ووضع عنی وزری ورفع لی	اور میرا سینہ کھول دیا اور بوجھ مجھ سے اُتار دیا
ذکری وجعلنی فاتحاً وخاتماً فقال	اور میرا چرچا بلند کیا اور مجھکو فاتح کیا اور خاتم کیا
ابراهیم بهذا فضلکم یا محمد۔	پس ابراہیم نے کہا اسی سے محمد تم سب سے بڑھ گئے
(شفاء قاضی عیاض)	(شفاء قاضی عیاض)
وانکر ذلک (ای الصلوٰۃ فی بیت المقدس)	اور انکار کیا اُسکا (یعنی بیت المقدس میں نماز کا)
حذیفة بن الیمان وقال واللہ ما زال	حذیفہ بن یمان نے اور کہا بخدا رسول اللہ براق

من ظهر البراق حتی رجع — کی پیٹھ سے الگ نہیں ہوئے واپس آنے تک (شفاء) (شفاء قاضی عیاض)

نہم- واقعات بروقت خروج از بیت المقدس

ثم خرجت فجاءنی جبرئیل — پھر میں نکلا پس جبریل میرے پاس شراب کا ایک
باناء من خمر واناء من لبن — ظرف اور دودھ کا ایک ظرف لائے پس میں نے
فاخترت اللبن فقال جبرئیل — دودھ کو اختیار کیا- جبریل نے کہا تم نے فطرت کو
اخترت الفطرة (ثابت) — اختیار کیا (ثابت)

دہم- واقعات فلک اول

فانطلق جبرئیل حتی اتی السماء — پس چلے جبریل یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے
الدنیا فاستفتح قیل من ھذا قال — اور کھلوایا- لوگوں نے کہا یہ کون ہیں- کہا جبریل
جبرئیل قیل ومن معك قال محمد — پھر لوگوں نے کہا اور تمہارے ساتھ کون ہے- کہا محمد
قیل وقد ارسل الیه قال نعم — لوگوں نے کہا کیا وہ بلائے گئے ہیں- کہا ہاں
قیل مرحبا فنعم المجیٔ جاءَ — لوگوں نے کہا مرحبا خوب آئے پھر کھل گیا-
ففتح فلما خلصت فاذا فیها ادم — (آسمان) پھر میں جب پہنچا تو آدم نظر پڑے
فقال ھذا ابوك ادم فسلم — جبریل نے کہا- تمہارے باپ آدم ہیں- ان کو
علیه فسلمت علیه فرد السلام — سلام کرو- میں نے سلام کیا- انہوں نے سلام
ثم قال مرحبا بالابن الصالح — کا جواب دیا پھر کہا اچھے بیٹے کو مرحبا- اچھے
والنبی الصالح (قتادة) — نبی کو مرحبا- (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء (وساق مثل معناہ) — پھر مجھکو آسمان پر لیکر چڑھے (اور اسیطرح بیان کیا

قال اذا انا بآدم فرحب بی	فرمایا یکایک آدم نظر پڑے پس مجھکو مرحبا کہا اور
ودعالی بخیر (ثابت)	دعائے خیر دی (ثابت)
فلما جئت الی السماء الدنیا (وساق	پس جب میں آسمان دنیا تک پہنچا (اور اس
مثل معناہ) اذا رجل قاعد علی	کے مثل بیان کیا) یکایک ایک شخص نظر پڑے جن کے
یمینہ اسودۃ وعلی یسارہ اسودۃ	دائیں بائیں سیاہ شکلیں ہیں جب وہ ہنی جانب دیکھتے
اذا نظر قبل یمینہ ضحک واذا	ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں
نظر قبل شمالہ بکی فقال مرحبا	تو رو دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا اچھے نبی کو مرحبا
بالنبی الصالح والابن الصالح قلت	اچھے بیٹے کو مرحبا۔ میں نے جبریل سے کہا یہ کون
لجبرئیل من ھذا قال ھذا آدم	ہیں کہا یہ آدم ہیں اور اون کی دائیں اور بائیں
وھذہ الاسودۃ عن یمینہ وعن شمالہ	جانب کی سیاہ صورتیں اون کی اولاد کی روحیں
نسم بنیہ فاھل الیمین منھم اھل	ہیں۔ سو ہنی جانب والے اہل جنت ہیں اور بائیں
الجنۃ والاسودۃ التی عن شمالہ	طرف والے اہل دوزخ ہیں۔ پس جب وہ ہنی
اھل النار فاذا نظر عن یمینہ	طرف دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور بائیں
ضحک واذا نظر قبل شمالہ بکی	جانب دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔
(ابن شھاب)	(ابن شہاب)
عن انس قال قال رسول	انس سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت نے میں
اللہ صلعم بینا انا قاعد ذات یوم	بیٹھا ہوا تھا ایک دن یکایک جبریل آئے اور میرے دونوں
اذ دخل جبرئیل علیہ السلام فوکز	شانوں کے درمیان ذرا دبایا پس میں ایک درخت
بین کتفی فقمت الی شجرۃ فیہا مثل وکری الطائر	کی طرف گیا جس میں پرند کے گھونسلے بھی تھے۔

فقعد فی واحدة وقعدت فی
الاخری فنمت حتی سدت الخافقین
ولو شئت لمست السماء وانا اقلب
نظرت جبرئیل کانه حلس لاطئ
فعرفت فضل علمه بالله علی وفتح
لی باب السماء ورأیت النور الاعظم
واذا دونی الحجاب وفرجة الدر
والیاقوت ثم اوحی الله
الی ما شاء ان یوحی (شفاء
قاضی عیاض)

پس ایک میں جبرئیل بیٹھے اور ایک میں میں پھر میں سو گیا
یہانتک کہ خافقین سے آگے بڑھ گئے اور اگر میں چاہتا
تو آسمان کو چھو لیتا۔ اور میں پلٹے کھاتا تھا مگر جبرئیل کو
دیکھا تو وہ گویا عرق گیر تھے۔ (یعنی اپنی جگہ جمے رہے)
پس میں نے اُن کا افضل ہونا علم الٰہی میں اپنے
سے جان لیا۔ اور میرے لئے آسمان کے دروازے
کھولے گئے اور میں نے نور اعظم دیکھا اور یکایک
میرے سامنے حجاب تھا اور موتی و یاقوت کے
دریچے۔ پھر خدا نے میری طرف وحی کی جو وحی
چاہی (شفاء قاضی عیاض)

وذکر البزار عن علی بن ابی طالب رض
لما اراد الله تعالی ان یعلم رسوله الاذان
جاءه جبرئیل بدابة یقال لها البراق
فذهب یرکبها فاستصعبت علیه فقال لها
جبرئیل اسکنی فوالله ما رکبک عبد اکرم
علی الله من محمد صلعم فرکبها حتی اتی بها
الی الحجاب الذی یلی الرحمن تعالی فبینا هو
کذلک اذ خرج ملک من الحجاب فقال
رسول الله صلعم یا جبرئیل

حضرت علی سے روایت ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ
اپنے رسول کو اذان سکھائے تو جبرئیل اُن کے پاس ایک
چارپایہ لائے جسکو براق کہتے ہیں۔ پس آپ اُس پر
چڑھنے گئے۔ سو اُس کو دشوار لگا۔ جبرئیل نے اُس سے
کہا ٹھیر بخدا محمد صلعم سے کوئی اچھا شخص خدا کے
نزدیک تجھ پر نہیں سوار ہوا ہے۔ پس وہ اُس پر
سوار ہوا یہاں تک کہ اُس پردہ کے پاس آیا جو
خدا کے قریب ہے۔ اُسی درمیان میں پردہ سے
ایک فرشتہ نکلا۔ پس آنحضرت نے کہا اے جبرئیل

من هذا قال الذي بعثك بالحق	یہ کون ہے جبریل نے کہا اسکی قسم جسنے تجھے نبی برحق
نبیاً انی لاقرب الخلق مکاناً وان	مبعوث کیا - میں خلق اللہ میں سب سے زیادہ مقرب بارگاہ
هذا الملك ما رأيته منذ خلقت	ہوں مگر اس فرشتہ کو اس وقت سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا
قبل ساعتی هذه فقال الملك الله اكبر	جب سے میں پیدا ہوا - پس فرشتہ نے کہا اللہ اکبر
الله اكبر فقيل له من وراء الحجاب صدق	اللہ اکبر - پس پردہ کی اوٹ سے آواز آئی سچ کہا میرے
عبدی انا اكبر انا اكبر ثم قال الملك اشهد	بندہ نے - میں بڑا ہوں میں بڑا ہوں پھر فرشتہ نے
ان لا اله الا الله فقيل من وراء الحجاب	کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اللہ
صدق عبدی انا الله لا اله الا انا	پردہ سے آواز آئی کہ سچ کہا میرے بندہ نے میں خدا
وذكر مثل هذا في بقية الاذان	ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور ایسا ہی
الا انه لم يذكر جواباً من	ذکر کیا اذان کے بقیہ میں - مگر حی علی الصلوۃ حی علی
قوله حيّ على الصلوة حيّ	الفلاح کا جواب نہیں ذکر کیا اور کہا پھر فرشتہ نے
على الفلاح وقال ثم اخذ الملك	محمد صلعم کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھایا - پس آنحضرت
يد محمد صلعم فتقدمه فامّ اهل السماء	نے آسمان والوں کی امامت کی جن میں آدم و نوح
فيهم آدم ونوح قال ابو جعفر محمد بن علي	تھے - ابو جعفر محمد بن علی الحسین جو راوی ہیں انہوں نے
الحسين راويه اكمل الله لمحمد صلعم الشرف على	کہا کہ خدا نے آنحضرت کو اہل زمین اور آسمان دونوں
اهل السموات والارض (شفاء)	پر بزرگی بخشی (شفاء)

یازدہم - واقعات فلک دوم

ثم صعد بي حتى اتى السماء الثانية	پھر مجھکو لیکر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر آئے
(وساق مثل معناه) اذا بيحيى	(اور اوسی کے ہم مضمون بیان کیا) ناگاہ وہاں یحیی

وعیسی وهما ابنا خالة (وساق — وعیسیٰ تھے اور وہ دونوں بھائی ہیں (اور اسی طرح

مثلہ) قالا مرحبا بالاخ الصالح — بیان کیا) اُن دونوں نے کہا نیک بھائی اور

والنبی الصالح (قتادة) — نیک نبی کو مرحبا۔ (قتادہ)

ثم عرج بنا الی السماء الثانیة (وساق — پھر مجھکو دوسرے آسمان پر لیکر چڑھے (اوسی طرح

مثلہ) فاذا انا بابنی الخالة عیسی بن — بیان کیا) پس ناگاہ میں دو بھائیوں عیسی بن مریم

مریم ویحیی بن ذکریا صلعم فرحبا — یحیی بن ذکریا کے پاس تھا اُنہوں نے مجھکو مرحبا کہا اور

ودعوالی بخیر (ثابت) — دُعاے خیر دی (ثابت)

حتی عرج بی الی السماء الثانیة (وساق — یہانتک کہ مجھکو دوسرے آسمان تک چڑھا لیگئے (اور اسی طرح

مثلہ) قال الانس فذکر انہ وجد فی — بیان کیا) انس نے کہا کہ پس ذکر کیا آنحضرت نے کہ پایا

السموات ادم وادریس وموسی وعیسی و — آسمانوں میں آدم وادریس وموسیٰ وعیسیٰ وابراہیم کو اور اُن

ابرهیم ولم یثبت کیف منازلهم غیر انہ — کے مقامات نہیں متعین کیئے۔ ہاں اسقدر ذکر کیا کہ آدم

ذکر انہ وجد ادم فی السماء الدنیا و — کو آسمان دنیا میں پایا اور ابراہیم کو چھٹے آسمان میں

ابرهیم فی السماء السادستہ (ابن شهاب) — (ابن شہاب)

وفی روایة رای یوسف فی الثانیة و — ایک روایت میں ہے کہ یوسف کو دوسرے آسمان میں

یحیی وعیسی فی الثالثة (لمعات) — دیکھا اور یحیی وعیسیٰ کو تیسرے میں (لمعات)

دوازدہم۔ واقعات فلک دوم

ثم صعد بی الی السماء الثالثة — پھر مجکو لیکر تیسرے آسمان پر چڑھے (اور اسی

(وساق مثلہ) اذا یوسف (وساق — طرح ذکر کیا) ناگاہ یوسف (اور اسی طرح

مثلہ) قال مرحبا بالاخ الصالح — ذکر کیا) اونہوں نے کہا نیک بھائی اور

والنبی الصالح (قتادہ)	نیک نبی کو مرحبا (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء الثالثۃ	پھر مجکو لیکر تیسرے آسمان پر چڑھا (اور اوسی طرح
(و ساق مثلہ) فاذا ہو بیوسف صلعم	ذکر کیا) پس ناگاہ وہ یوسف صلعم تھے اور اُن کو
واذا ہو قد عطے شطر الحسن ورحب	حسن کا ایک حصہ ملا ہے ۔ مجھکو مرحبا کہا او
لی ودعالی بخیر (ثابت)	دُعاے خیر دی (ثابت)
وفی روایۃ رای ادریس	اور ایک روایت میں ہے ادریس کو تیسرے
فی الثلثۃ (لمعات)	آسمان میں دیکھا (لمعات)
وفی روایۃ رای یحیی وعیسی	اور ایک روایت میں ہے یحییٰ وعیسیٰ کو تیسرے
فی الثالثۃ (لمعات)	آسمان میں دیکھا ۔ (لمعات)

سیزدہم ۔ واقعات فلک چہارم

ثم صعد بی حتی اتی السماء الرابعۃ	پھر مجھکو لیکر چڑھے یہاں تک کے چوتھے آسمان پر آئے
(و ساق مثلہ) فاذا ادریس (و	(اور اُسی طرح بیان کیا) ناگاہ ادریس نظر پڑے
ساق مثلہ) (قتادہ)	(اور اُسی طرح بیان کیا) (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء الرابعۃ و	پھر چوتھے آسمان پر لیکر چڑھے (اور اسیطرح ذکر کیا)
ذکر مثلہ فاذا انا بادریس فرحب لی	ناگاہ وہاں ادریس نظر پڑے سو مجھکو مرحبا کہا اور
ودعالی بخیر قال اللہ و رفعناہ مکانا	دُعاے خیر دی ۔ خدا نے کہا ہے ہمنے اُنکا درجہ
علیا (ثابت)	اونچا کیا (ثابت)
وفی روایۃ رای ادریس فی الثالثۃ	ایک روایت میں ہے ادریس کو تیسرے آسمان میں دیکھا
وھارون فی الرابعۃ (لمعات)	اور ہاروں کو چوتھے میں (لمعات)

چہاردہم۔ واقعات فلکِ پنجم

ثم صعد بی حتی اتی السماء الخامسة	پھر مجھکو لیکر چڑھے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر آئے
(فذکر مثلہ) فاذا هارون	(پس اسی طرح ذکر کیا) یکایک وہاں ہارون تھے (پس
(فذکر مثلہ) (قتادة)	اسی طرح ذکر کیا) (قتادہ)
ثم عرج الی السماء الخامسة فذکر	پھر پانچویں آسمان کی طرف چڑھے (پس اسی طرح
مثلہ) فاذا بھارون فرحب لی	ذکر کیا) یکایک وہاں ہارون تھے۔ اُنہوں نے
ودعالی بخیر (ثابت)	مجھکو مرحبا کہا اور دعاے خیر دی (ثابت)
وفی روایة اخری رای ادریس	دوسری روایت میں ہے کہ ادریس کو پانچویں
فی الخامسة (لمعات)	آسمان میں دیکھا (لمعات)

پانزدہم۔ واقعات فلکِ ششم

ثم صعد بی حتی الی السماء	پھر مجھکو چھٹے آسمان تک لیکر چڑھے (پس
السادسة (فذکر مثلہ) فاذا	اسیطرح بیان کیا) وہاں موسیٰ تھے (پس
موسیٰ (فذکر مثلہ) (قتادة)	اسی طرح بیان کیا) (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء السادسة	پھر مجھکو چھٹے آسمان کی طرف لیکر چڑھے (پس
(فذکر مثلہ) فاذا انا بموسیٰ	اسی طرح بیان کیا) وہاں موسیٰ تھے سو مجھکو
فرحب لی ودعالی (ثابت)	مرحبا کہا اور دُعا دی (ثابت)
فلما جاوزت بکی قیل لہ ما یبکیک	پس جب مَیں آگے بڑھ گیا تو وہ روئے۔ اُن سے
قال ابکی لان غلاما بعث بعدی	پوچھا گیا کیوں روتے۔ کہا میں اسلئے روتا ہوں کہ ایک
یدخل من امتہ الجنة اکثر ممن	نوعمر میرے بعد مبعوث ہوا اور اوس کی اُمت کے لوگ

یدخلها من امتی (قتادہ)	میری اُمّت سے زیادہ جنت میں جائینگے (قتادہ)
انہ وجد ...... ابراھیم	اُنہوں نے پایا...... ابراہیم کو چھٹے آسمان میں
فی السماء السادسۃ (ابن شہاب)	(ابن شہاب)
وفی حدیث شریک انہ رای موسٰی	اور شریک کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان
فی السابعۃ (شفاء قاضی عیاض)	میں دیکھا (شفاء قاضی عیاض)

شانزدہم - واقعاتِ فلکِ ہفتم

ثم صعد بی الی السماء السابعۃ	پھر مجکو ساتویں آسمان پر لیکر چڑھے (پس اسی طرح
(فذکر مثلہ) فاذا ابراھیم قال	ذکر کیا) آگاہ وہاں ابراہیم تھے۔ جبریل نے کہا یہہ
ھذا ابوک ابراھیم (فذکر مثلہ)	تمہارے باپ ابراہیم ہیں (پس اُسی طرح ذکر کیا)
قال مرحبا بالابن الصالح والنبی	اُنہوں نے کہا کہ اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو مرحبا
الصالح (قتادۃ)	(قتادہ)
ثم صعد بی الی السماء السابعۃ (فذکر مثلہ)	پھر مجھکو ساتویں آسمان پر لیکر چڑھے (پس اسیطرح ذکر کیا)
فاذا ابراھیم مسندا ظہرہ الی	وہاں ابراہیم تھے۔ بیت معمور کی طرف اپنی پیٹھ ٹیکے
البیت المعمور واذا ھو یدخلہ کل یوم	تھے۔ اور وہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل
سبعون الف ملک لا یعودون الیہ (ثابت)	ہوتے ہیں اور دوبارہ کر نہیں آتے (ثابت)
وفی حدیث شریک انہ رای موسٰے فی السابعۃ	شریک کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ کو ساتویں
(شفاء قاضی خان -	آسمان میں دیکھا (شفاء قاضی عیاض

ہفدہم - واقعات سدرۃ المنتہٰی

ثم رفعت بی الی سدرۃ المنتہٰی فاذا نبقہا	پھر میں سدرۃ المنتہٰی پہونچا سو اُس کے پھل ہجر (ایک

مثل قلال هجر واذا ورقها	گانوں کا نام ہے) کی پھال کے برابر تھے اور اُس کے
مثل آذان الفيلة وقال هذا	پتے ہاتھی کے کان کے سے تھے - جبریل نے کہا کہ
سدرة المنتهى (قتادة)	یہہ سدرۃ المنتہی ہے (قتادہ)
ثم ذهب بي الى سدرة المنتهى	پھر مجھکو سدرۃ المنتہی تک لے گئے سو اُس کے پتے
واذا ورقها كآذان الفيلة	ہاتھی کے کان کے سے تھے اور پھل پھال کے
واذا ثمرها كالقلال (ثابت)	برابر (ثابت)
فاذا اربعة انهار نهران باطنان و	وہاں چار نہریں تھیں دو باطن ہیں - دو ظاہر ہیں میں نے
نهران ظاهران قلت ما هذان يا جبرئيل	کہا اے جبریل یہہ دونوں کیا ہیں؟ کہا دونو
قال اما الباطنان فنهران في الجنة واما	باطن کی تو جنت کی دو نہریں ہیں اور جو ظاہر ہیں
الظاهران فالنيل والفرات (قتادة)	وہ نیل و فرات ہیں (قتادہ)
وفي رواية ابي هريرة من طريق الربيع	اور ابوہریرہ کی ایک روایت میں ہے پس مجھسے کہا گیا
ابن انس فقيل لي هذه السدرة المنتهى	یہہ سدرۃ المنتہی ہے - تیری امت میں سے ہر ایک کی
ينتهي اليها كل واحد من امتك خلا احد	پہونچ یہیں تک ہے سوائے ایک کے جو تیرے
على سبيلك وهي السدرة المنتهى يخرج	رستے پر ہے اور یہی سدرۃ المنتہی ہے جسکی جڑ سے
من اصلها انهار من ماء غير آسن وانهار	پانی کی نہریں نکلی ہیں جو بگڑتا نہیں اور دودھ کی
من لبن لم يتغير طعمه وانهار من خمر لذة	نہریں جس کا مزہ بدلا نہیں - اور شراب کی نہریں جو
للشاربين وانهار من عسل مصفى	پینے والوں کے لیئے لذت بخش ہیں اور صاف
وهي شجرة يسير الراكب	شہد کی نہریں - اور وہ ایک درخت ہے کہ سوار
في ظلها سبعين عاما	اوس کے سایہ میں ستر برس چلا جاتا ہے

عربی	اردو
وان ورقة منها مظلة الخلق	اور اس کا ایک پتا تمام خلق پر سایہ کر سکتا ہے پس
فغشيها نور وغشيها الملائكة	اوپر نور چھا رہا ہے اور فرشتے چھا رہے ہیں۔ خدا کے
قال فهو قوله تعالى اذ يغشى السدرة	اس قول سے اذ یغشی السدرۃ ما یغشی (یعنی جب
ما يغشى فقال الله تبارك وتعالى	سدرۃ المنتہی کو چھا لیا اُس چیز نے جس نے چھا لیا)
له سل فقال صلعم يارب انك	یہی مراد ہے۔ پس کہا خدائے برتر و پاک نے
اتخذت ابرهيم خليلا واعطيته	محمد صلعم سے مانگ پس کہا صلعم نے اے پروردگار
ملكاً عظيماً وكلمت موسى تكليماً	تو نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور اوسکو ایک بڑا ملک
واعطيت داؤد ملكاً عظيماً	عنایت کیا۔ اور موسیٰ سے کلام کیا اور داؤد کو
والنت له الحديد وسخرت له	ایک بڑی سلطنت عطا کی اور اون کے لیئے لوہے کو
واعطيت سليمان ملكاً	نرم کر دیا اور مسخر کر دیا۔ اور سلیمان کو ایک بڑا ملک
عظيماً وسخرت له الجن والانس	عطا کیا اور اُن کے لیئے جن اور آدمی اور ہوائیں
والرياح والشياطين واعطيته	اور شیاطین مسخر کر دیئے اور ایسا ملک دیا کہ اُنکے
ملكاً لا ينبغي لاحد من بعده و	بعد پھر کسیکو نہیں مل سکتا اور موسیٰ کو توریت
علمت موسى التوراة وعيسى الانجيل۔	سکھائی اور عیسیٰ کو انجیل۔ اور اُن کو ایسا کر دیا کہ وہ
وجعلته يبرئ الاكمه والابرص واعذته	کوڑھی اور مبروص کو اچھا کر دیتے تھے اور اُن کو
من الشيطان الرجيم فلم يكن عليهما	مردود شیطان سے محفوظ رکھا سو شیطان
سبيل فقال له ربه تعالى اتخذتك	اُن دونوں پر قابو نہیں پا سکتا۔ پس کہا خدا نے
حبيباً فهو مكتوب في التوراة	محمد صلعم سے بیشک تجھکو حبیب بنایا سو توریت میں
محمد حبيب الرحمن وارسلتك	لکھا ہے کہ محمد حبیب الرحمن ہیں اور میں نے تجھکو

الی الناس کافة وجعلت امتك
لا تجوز لهم خطيئة حتى يشهدوا
انك عبدي ورسولي وجعلتك اول
النبيين خلقا واخرهم بعثا و
اعطيتك سبعا من المثاني و
لم اعطها نبيا قبلك وجعلتك
فاتحا وخاتما (شفاء قاضی
عياض)

تمام خلق اللہ پر بھیجا اور میں نے تیری امت کو ایسا کیا
کہ وہ اگلے بھی ہیں اور پچھلے بھی۔ اور تیری اُمت کی خطا
محسوب نہیں ہوتی جب تک وہ یہہ گواہی دیتے رہیں کہ تو
میرا بندہ اور پیغمبر ہے۔ اور میں نے تجھکو سب نبیوں سے
پہلے پیدا کیا اور سب کے اخیر میں بھیجا اور میں نے تجھکو
دوھرے لفظوں سات آیتوں والی دی اور تجھ سے
پہلے کسی نبی کو نہیں دی۔ اور میں نے تجھکو فاتح اور
خاتم کیا (شفاء قاضی عیاض)

قال فلما غشيها من امر الله ما غشي
تغيرت فما احد من خلق الله يستطيع
ان ينعتها من حسنها - (ثابت)

فرمایا کہ جب چھا گیا اُسپر خدا کے حکم سے جو چھا گیا
تو وہ متغیر ہو گیا۔ سو خلق اللہ میں سے کوئی شخص
اُس کی خوبصورتی کی تعریف نہیں کرسکتا (ثابت)

وقال ابن شهاب حتى اتيت سدرة
المنتهى فغشيها الوان لا ادري
ما هي وقال ثم ادخلت الجنة
فاذا فيها جنابذ اللؤلؤ واذا
ترابها المسك (كما سيجيء)

اور ابن شہاب نے کہا۔ یہانتک میں سدرۃ المنتہیٰ
پہونچا سو اُسکو ایسے رنگوں نے ڈھک لیا کہ میں
نہیں جانتا تھا وہ کیا ہیں۔ اور کہا پھر داخل کیا گیا
میں بہشت میں۔ سو وہاں موتی کے گنبد تھے
اور اُس کی مٹی مشک ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے)

وعن عبد الله قال لما اسري
برسول الله صلى الله عليه وسلم انتهى
به الى سدرة المنتهى وهي في السماء السادسة

اور عبد اللہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی۔ سدرۃ المنتہیٰ
تک پہونچائے گئے اور وہ چھٹے آسمان پر ہے

اليها ينتهي ما يهبط به من فوقها — اُسی تک ختم ہوتا ہی جو اوسپر اوپر سے اوترتا ہے۔ سوۂ

فيقبض منها قال اذ يغشى السدرة — اُسکو پکڑ لیتا ہی کہا اذ یغشی السدرۃ ما یغشی سے مراد سونے

ما يغشى قال فراش من ذهب (عبد الله بن مسعود) — کا بچھونا ہے (عبد اللہ بن مسعود)

وفي حديث شريك انه راى موسى في — اور شریک کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان

السابعة قال بتفضيل كلام الله تعالى له — میں دیکھا۔ خدا کی باتونکی تفصیل اُسنے بیان کی کہا کہ پھر اتنے

قال ثم علا به فوق ذلك بما لا يعلمه — اوپر گئے کہ سوائے خدا کے اَور کوئی نہیں جانتا۔ پس کہا

الا الله تعالى فقال موسى لم اظن ان يرفع علي — موسیٰ نے مجھکو گمان نہیں تھا کہ مجھ سے اوپر بھی کوئی

احد (شفاء قاضی عیاض) — جائیگا۔ (شفاء قاضی عیاض)

ثم رفع لي البيت المعمور (قتادہ) — پھر میرے سامنے بیت المعمور لایا گیا۔ (قتادہ)

ثم اتيت باناء من خمر واناء من لبن — پھر میرے سامنے شراب اور دودہ اور شہد کے ظروف

واناء من عسل فاخذت اللبن فقال هي — لائے گئے پس میںنے دودہ کو لیلیا پس کہا کہ یہی فطرت

الفطرة انت عليها وامتك (قتادہ) — ہے تو اور تیری اُمت اُسپر ہے (قتادہ)

قال ابن شهاب فاخبرني ابن حزم — ابن شہاب نے کہا کہ مجھکو ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس

ان ابن عباس وابا حبة الانصاري كانا — و ابو حبہ انصاری دونوں کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ

يقولان قال النبي صلى الله عليه وسلم — صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھکو اوپر لیگئے یہانتک کہ میں

ثم عرج بي حتى ظهرت لمستوى اسمع فيه — ایسی جگہ پر پہونچا جہاں قلم کے لکھنے میں چلنے کی آواز

صريف الاقلام (ابن شهاب) — مجھکو سنائی دیتی تھی (ابن شہاب)

ہشتدہم۔ احکام جو عنایت ہوئے

فاوحى الله الى ما اوحى (ثابت) — پس وحی کی خدانے میری طرف جو کی (ثابت)

Arabic	Urdu
ثم فرضت علی الصلوة خمسین صلوة	پھر مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض
کل یوم۔ (قتادہ)	ہوئیں۔ (قتادہ)
ففرض علی خمسین صلوة فی کل	پھر مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں
یوم ولیلة۔ (ثابت)	فرض کیں (ثابت)
قال ابن حزم وانس قال النبی صلی اللہ	ابن حزم وانس نے کہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ففرض اللہ علی امتی	علیہ وسلم نے پس فرض کیں خدا نے میری امت پر
خمسین صلوة ۔(ابن شہاب)	پچاس نمازیں (ابن شہاب)
فرجعت فمررت علی موسی فقال	پھر میں لوٹا اور موسیٰ پر گذرا اُنہوں نے کہا تم پر کیا فرض ہوا
بما امرت قلت امرت بخمسین	میں نے کہا ہر روز پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا تمہاری
صلوة کل یوم قال ان امتک لا	اُمت ہر روز پچاس نمازیں نہیں ادا کر سکے گی۔
تستطیع خمسین صلوة کل یوم وانی	اور میں بخدا تم سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور
واللہ قد جربت الناس قبلک و	بنی اسرائیل کو خوب اچھی طرح آزما چکا ہوں۔ تم خدا
عالجت بنی اسرائیل اشد المعالجة فارجع	کی طرف واپس جاؤ۔ اور کم کراؤ اپنی امت کے لئے
الی ربک فسئلہ التخفیف لامتک فرجعت	پس میں واپس گیا۔ سو خدا نے دس نمازیں گھٹا دیں
فوضع عنی عشراً فرجعت الی موسیٰ فقال	پھر میں واپس آیا موسیٰ کی طرف۔ موسیٰ نے پھر
مثلہ فرجعت فوضع عشراً فرجعت	وہی کہا۔ میں پھر لوٹا۔ خدا نے دس اور بھی کم کر دیں
الی موسیٰ فقال مثلہ فرجعت	پھر میں موسیٰ کے پاس آیا۔ موسیٰ نے پھر وہی کہا
فوضع عنی عشراً فامرت	میں پھر لوٹا۔ خدا نے دس اور بھی کم کر دیں۔ پس
بعشر صلوة کل یوم فرجعت الی	مجھکو ہر روز دس نمازوں کا حکم ہوا۔ پس پھر میں

عربی	اردو
موسیٰ فقال مثله فرجعت فامرت	موسیٰ کے پاس آیا۔ موسیٰ نے پھر وہی کہا۔ میں پھر
بخمس صلوة كل يوم (قتادہ)	لوٹا۔ پس مجھکو پھر صرف پانچ نمازوں کا حکم ہوا (قتادہ)
فنزلت موسیٰ فقال ما فرض ربك	پس میں اوترا موسیٰ کی طرف۔ اونہوں نے کہا
على امتك فقلت خمسين صلوة	خدا نے تیری اُمت پر کیا فرض کیا۔ میں نے کہا ہر رات
فى كل يوم وليلة قال ارجع الى	دن میں پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا۔ پھر خدا کے
ربك فاسئله التخفيف فان امتك	پاس جاؤ اور کہو کہ کم کردے۔ کیونکہ تمہاری امت
لا تطيق ذلك فانى قد بلوت	اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے بنی اسرائیل کو
بنى اسرائيل وخبرتهم قال فرجعت	آزمالیا ہے اور دیکھ لیا ہے فرمایا آنحضرتؐ نے
الى ربى فقلت يا رب خفف عن	پس میں واپس کیا خدا کی طرف اور کہا کہ اے خدا میری
امتى فحط عنى خمسا فرجعت	امت پر تخفیف کر۔ پس پانچ نمازیں گھٹا دیں۔ پھر
الى موسىٰ فقلت حط عنى خمسا	میں موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ پانچ کم ہوئیں۔ موسیٰ
قال ان امتك لا تطيق ذلك	نے کہا تمہاری اُمت اسکی طاقت نہیں رکھتی۔ تم پھر خدا
فارجع الى ربك فاسئله التخفيف	کے پاس جاؤ اور کمی کی درخوست کرو۔ فرمایا کہ میں برابر
قال فلم ازل ارجع بين يدى ربى	خدا اور موسیٰ کے درمیان آیا اور گیا یہانتک کہ خدا نے
تعالىٰ وبين موسىٰ حتى قال يا محمد انهن	کہا اے محمد وہ پانچ نمازیں ہیں ہر دن رات میں
خمس صلوة كل يوم وليلة (ثابت)	(ثابت)
فرجعت بذلك حتى مررت على موسىٰ	میں اسکے ساتھ لوٹا۔ یہانتک کہ موسیٰ پر گذرا۔
فقال ما فرض الله لك على امتك	موسیٰ نے کہا خدا نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا۔
قلت فرض خمسين صلوة قال فارجع	میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا تم لوٹ جاؤ

عربی	اردو
الی ربك فان امتك لا تطيق فرجعني	اپنے خدا کی طرف - کیونکہ تمہاری اُمت سے یہ نہ ہو سکیگا
فوضع شطرها فرجعت الی موسی	میں واپس گیا تو ایک حصہ معاف ہوا - میں موسیٰ کے
فقلت وضع شطرها فقال راجع الی	پاس پھر آیا اور کہا کہ ایک حصہ معاف ہوا - موسیٰ نے کہا
ربك فان امتك لا تطيق ذلك	پھر خدا سے گفتگو کرو - تمہاری اُمت سے اتنا نہ ہو سکیگا
فرجعت فوضع شطرها فرجعت اليه	میں واپس گیا اور دوبارہ سوال کیا - ایک حصہ اور
فقال ارجع الی ربك فان امتك	معاف ہوا - میں پھر موسیٰ کی طرف آیا - اُنہوں نے
لا تطيق ذلك فراجعته فقال	کہا پھر جاؤ - تمہاری اُمت سے اتنا نہ ہو سکیگا - میں نے
هی خمس وهی خمسون لا يبدل	دوبارہ سوال کیا - خدا نے کہا یہ پانچ ہیں اور وہ
القول لدی فرجعت الی موسی	(دراصل) پچاس ہیں - میری بات دوسری نہیں
فقال راجع ربك فقلت	ہوتی - پھر میں موسیٰ کے پاس آیا اُنہوں نے کہا تم
استحييت من ربی	پھر خدا کی پاس جاؤ - میں نے کہا کہ اب میں تو خدا سے
(ابن شهاب)	شرما گیا (ابن شہاب)
لكل صلوة عشرة فتلك	ہر نماز کے لیئے دس ہیں - پس وہ پچاس نمازیں
خمسون صلوة (ثابت)	ہوئیں - (ثابت)
قال فاعطی رسول الله صلعم ثلثا اعطی الصلوة	کہا پس حضرت کو تین چیزیں عطا ہوئیں - پانچ
الخمس واعطی خواتيم سورة البقرة وغفر لمن	نمازیں - اور سورہ بقر کے خاتمہ کی آیتیں - اور بخشدیا
لا يشرك بالله من امته شيئا المقحمات	گیا اُسکو حضرت کی امت میں سے جو خدا کا کسی کو ساجھی
(عبد الله ابن مسعود)	نہیں کرتا - (عبد اللہ ابن مسعود)
ومن هم بحسنة فلم يعملها كتبت له	اور جس شخص نے ایک نیکی کا قصد کیا اور کیا نہیں اُسکے لیئے

حسنة فان عملها كتبت له عشراً ومن هم بسيئة	ایک نیکی لکھی جائیگی اور اگر کرلے تو دس لکھی جاویں گی
فلم يعملها لم تكتب عليه شيئاً فان عملها كتبت	اور جو شخص کسی برائی کا قصد کرے اور کرے نہیں تو کچھ نہ
له سيئة واحدة (ثابت)	لکھا جاویگا - اور اگر کرلے تو ایک برائی لکھی جاویگی (ثابت)
فرجعت الى موسى فقال بما امرت	پس میں موسیٰ کی طرف واپس آیا - اونہوں نے کہا
قلت امرت بخمس صلوات كل يوم	تمکو کیا حکم ہوا میں نے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا - موسیٰ
قال ان امتك لا تستطيع خمس صلوات	نے کہا تمہاری امت ہر روز پانچ نمازیں نہ پڑھ سکیگی اور میں
كل يوم وانى قد جربت الناس قبلك	تمسے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب
وعالجت بنی اسرائیل اشد المعالجة فارجع	اچھی طرح آزمایا ہے - تم خدا کی طرف لوٹ جاؤ اور اپنی امت کے
الى ربك فسئله التخفيف لامتك قال	لیئے تخفیف کی درخوست کرو - فرمایا میں خدا سے
سالت ربي حتى استحييت ولكني	سوال کرتے کرتے شرما گیا - اب میں اسی پر راضی ہو جاونگا
ارضى واسلم (قتادہ)	اور تسلیم کرلوں گا - (قتادہ)
قال فنزلت حتى انتهيت الى موسى	کہا پس میں اترا یہانتک کہ موسیٰ کے پاس پہونچا -
فاخبرته فقال ارجع الى ربك فاسئله	اور انکو خبر دی - موسیٰ نے کہا اپنے خدا کی طرف واپس
التخفيف فقال رسول الله صلى الله	جاؤ اور تخفیف کی درخوست کرو پس فرمایا رسول اللہ
عليه وسلم فقلت قد رجعت الى	صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نے کہا کہ میں خدا کیطرف پھر
ربي حتى استحييت منه	پھر کے گیا یہاں تک کہ اب میں اس سے شرما گیا
(ثابت)	(ثابت)
قال فلما جاوزت نادى مناد	کہا پس جب میں آگے بڑھا ایک پکارنے والے نے آواز
امضيت فريضتي وخففت عن	دی - میں نے اپنا فرض نافذ کیا اور اپنے بندوں سے

عبادی (قتادہ)	تخفیف کی (قتادہ)
ثم انطلق بی حتی انتھی الی سدرۃ المنتھی	پھر مجھکو لیکے چلے (جبرئیل) یہانتک کہ سدرۃ المنتہیٰ پہنچے
وغشیھا الوان لا ادری ماھی	اور اسکو رنگوں نے ڈھک لیا کہ میں اُن کو نہیں جانتا
ثم ادخلت الجنۃ فاذا فیھا جنابذ	تھا پھر میں جنت میں داخل کیا گیا ـ ناگاہ وہاں موتی کے
اللولو واذا ترابھا المسک (ابن شہاب)	گنبد تھے اور اُسکی مٹی مشک تھی ـ ابن شہاب)

یہ سب روایتیں ایک دوسری سے اس قدر مختلف و متناقض ہیں کہ اُن کے قواعد کے پیش کرنے کی جن سے انکا باطل اور موضوع ہونا ثابت ہو سکتا ہے غیر ضروری ہے ـ کیونکہ یہ خود روایتیں صراحتاً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت و اعتبار کو خود کھوتی ہیں مصنف لمعات کا بیان ہے کہ یہہ روایتیں ایک دوسرے سے اسقدر اختلاف رکھتی ہیں کہ اُن کا تطبیق کرنا بالکل غیر ممکن ہے تاوقتیکہ تعدد معراج کو تسلیم نہ کر لیا جاوے ـ یا ایک پر دوسرے کو ترجیح نہ دی جاوے ـ یعنی ان میں سے کسی کو مانا جاوے اور باقیوں کو غلط اور بے اصل قرار دیا جاوے ـ

وعلی تقدیر صحۃ الروایات یتعذر الجمع الا ان یقال بتعدد المعراج او یرجح بعض الروایات علی بعض (لمعات)

وہ عیسائی مصنف جنہوں نے پیغمبر خدا کی سوانح عمری لکھی ہے ایک درجہ اور بھی بڑھ گئے ہیں اور اُن تعریفوں اور منظوم نعتوں کو جو مسلمان شاعروں نے اپنے شاعرانہ طرز سے مختلف امور متعلق بہ معراج مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زینت اور شان ـ براق کی شکل ـ فرشتوں کے جلوس وغیرہ پر لکھی ہیں روایاتِ مستند شمار کر لیا ہو مگر اُنہوں نے اسلام کے حق میں یہہ بہت بڑی عمدہ بات کی ہے اور اسلام کو ہمیشہ اُن کی محنتوں اور جانفشانیوں کا

مشکور ہونا چاہیئے - کیونکہ جب کوئی منصف مزاج اور ذی فہم شخص ایسے تصنیفات کے مجموعہ پر
نظر ڈالیگا تو ہمکو اُمید ہے کہ وہ اس نتیجہ کے استنباط سے باز نہ رہ سکیگا کہ یہہ تصنیفات امر حق
کی تحقیق اور تدقیق کے سوا اور کسی غرض کے لیئے کی گئی ہیں اور بیہودگی اور یاوہ گوئی میں
گروشیس کے کبوتر کے قصّے کے ساتھ ہمسری کرتی ہیں -

شق صدر اور معراج اگر مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت سیدھا سادہ تعلق رکھتے
ہیں - اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک میں یا اس واقعہ کے خواب میں
ہونے سے انکار کرے اور یہ کہے کہ اس قسم کی کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی اور یہ تمام روایتیں
جو اس واقعہ کے حقیقی یا خیالی وقوع کو بیان کرتی ہیں بلا استثناء بالکل غلط اور سراسر بے اصل
موضوع اور جعلی ہیں تو بھی اُس کے ایمان میں ذرہ برابر بھی خلل واقع نہوگا بلکہ وہ پورا پکا اور سچا
مسلمان رہے گا -

معراج کا خواب اس قبیل سے ہے جیسا کہ حضرت یعقوبؑ نے دیکھا تھا اور جو معراج یعقوب کہا
جاتا ہے - چنانچہ توریت میں لکھا ہے کہ "پس بہ خواب دید کہ اینک نردبانے بہ زمین برپا گشتہ
سرش بآسمان میخورد و اینک فرشتگان خدا ازان بہ بالا و زیر مے رفتند و اینک خداوند بران
ایستادہ میگفت من خداوند خداے پدرت ابراہیم و ہم خداے اسحٰق ام این زمینی کہ بر آن
میخوابی بتو و بذریۃ تو میدہم و ذریۃ تو مانند خاک زمین گردیدہ بہ مغرب و مشرق و شمال و جنوب
منتشر خواہند شد و اینک من با تو ام و ہر جاے کہ می روی ترا نگاہ داشتہ باین زمین باز پس
خواہم آورد تا بوقتے کہ آنچہ بتو گفتہ ام بجا آورم ترا وانخواہم گذاشت و یعقوب از خواب خود
بیدار شدہ گفت بدرستیکہ خداوند درین مکان است و من ندانستم - پس ترسیدہ گفت کہ این
مکان چہ ترسناک است این نیست مگر خانہ خدا و این است دروازہ آسمان (سفر تکوین باب ۲۸ ورس ۱۲-۱۷)

معراج کی نسبت جس چیز پر کہ مسلمانوں کو ایمان لانا فرض ہے وہ اس قدر ہی کہ پیغمبر خدا نے اپنا مکہ سے بیت المقدس پہونچنا ایک خواب میں دیکھا اور اُسی خواب میں اُنہوں نے درحقیقت اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں مشاہدہ کیں۔ خواہ وہ شخص اُن نشانیوں کو لامعلوم نشانیاں کہے خواہ اُن نشانیوں کے دیکھنے سے عمدہ ترین احکام کا وحی ہونا مراد لے۔ مگر اس بات پر یقین رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ خواب میں دیکھا یا جو وحی ہوئی یا انکشاف ہوا وہ بالکل سچ اور برحق ہے۔

اگر کوئی مسلمان مذکورۂ بالا عقیدہ پر ایمان رکھکر اُن سب روایتوں کو جو معراج کی قصہ میں آئی ہیں نہ مانے اور سب کو موضوع اور نہایت قابل الزام خیال کر کے چھوڑ دے تو اُس کے دین و ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور وہ اُس شخص کے ہمپایہ ہوگا جو کسی چیز پر بلا تحقیق و تفتیش کے ایمان نہیں لاتا۔

روایات معراج میں اگر کوئی مسلمان کسی حکم کا تلاش کرنا چاہے تو اسکو بعد از تلاش بسیار بجز دو حکموں کے اور کوئی حکم نہ ملیگا۔ ایک نماز پنجگانہ کا۔ اور دوسرا یہ کہ جو کوئی خدا تعالی کا مثل اور ہمتا گردانے وہ مشرک خیال کیا جاوے گا۔ مگر یہ احکام نہ اُن روایتوں پر منحصر ہیں اور نہ اُن کے ذریعہ سے ہم تک پہونچے ہیں بلکہ خدا تعالی نے متعدد آیات قرآنی میں انکی نسبت صاف صاف اور بالتصریح حکم صادر فرمایا ہے پس اُن روایات کے نماننے سے کسی حکم شرعی کا انکار لازم نہیں آتا۔

اگر اُن روایتوں کی نسبت یہ خیال کیا جائے کہ نہ اُن سے ایک شان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پائی جاتی ہے تو اسکی نسبت ہماری یہ راے ہے کہ اگر یہ سب باتیں جو اُن روایتوں میں مندرج ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی جاویں

تو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کچھ بڑھ نہیں جاویگی اور نہ اُس بے انتہا اعلیٰ درجہ کی شان میں کچھ زیادتی ہوگی اور اگر اُن کا عشر عشیر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ منسوب کیا جاوے تو بھی اُس جناب کی عظمت و شان میں کچھ فرق نہیں آویگا۔

ہم مسلمان اپنے نبی کو "ابن اللہ" بنانا نہیں چاہتے اور نہ اُن کو "اللہ تعالیٰ کے دست راست" پر بٹھانے کے مشتاق ہیں ہم اُن کی سب سے بڑی عزت اس میں خیال کرتے ہیں جو خود اُنہوں نے اپنی نسبت فرمایا ہے کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۔ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا جَآءَ بِہٖ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

تمت

الخطبۃ الثانی عشر

فی
وِلَادَتِہٖ وَطُفُولِیَّتِہٖ عَلَیہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ

اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے آپ کی بارہ برس تک کی عمر کا حال ہے

عبد اللہ بن عبد المطلب الد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوبیس برس کی عمر تھی جبکہ اُنھوں نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی۔ آمنہ بنت وہب قریش کے قبیلہ سے تھیں جو عرب کے قبیلوں میں نہایت معزز اور شریف قبیلہ تھا۔ حضرت آمنہ حمل سے ہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عبد اللہ نے بغرض تجارت یثرب یعنی مدینہ کی طرف سفر کیا اور قبل پیدا ہونے آنحضرت کے اُنھوں نے وفات پائی اور بنی نجار کے دار نبغہ میں مدفون ہوئے۔

اُنکی وفات کے بعد محمد صلعم پیدا ہوئے۔ جمہور مورخین کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلعم بارھویں ربیع الاول کو عام الفیل کی پہلے برس یعنی ابرھہ کی چڑھائی سے پچپن روز بعد پیدا ہوئے مگر اس بات میں کہ عام الفیل سنہ عیسوی کے کون سے سال میں واقع ہوا تھا مورخوں کی رائے میں اختلاف ہے منجملہ امر جو قرار پایا ہے کہ عام الفیل سنہ ۵۷۰ء کے مطابق تھا کیونکہ سب مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶۲۲ء میں مکّہ سے مدینہ منوّرہ کو ہجرت کی تھی یعنی نزول وحی سے تیرھویں برس اور وحی چالیس برس کی عمر میں نازل ہوئی تھی۔ ان برسوں کو اگر جمع کیا جاوے تو ترپن قمری سال ہوتے ہیں اور جبکہ ان میں سے ایک برس قمری شمسی سال سے مطابق کرنے کیلئے منہا کیا جاوے تو باون برس باقی رہتے ہیں اور جب ان باون برس کو چھ سو بائیس میں سے نکال ڈالا جائے تو پانسو ستر باقی رہتے ہیں اور اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی تھی۔

آنحضرت کی ولادت کی نسبت بہت سی عجیب روایتیں مشہور ہیں کہ ولادت کی رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ فارس کا مقدس آتشکدہ جس میں سالہاسال سے برابر آگ جلتی چلی آتی تھی دفعۃً بجھ گیا وہاں کے موبدوں نے عجیب عجیب خوابیں دیکھیں اور چشمہ ساوہ دفعۃً خشک ہوگیا۔ مگر ان روایتوں کی معتبری کی قابل اعتماد سندیں نہیں ہیں اور نہ مذہبی روایتیں سمجھی جاسکتی ہیں۔

آنحضرت کی ذات بابرکات کے سبب اسلام نے رونق پائی اور مسلمانوں کو فتوحات نمایاں حاصل ہوتی گئیں اور تمام مملکت فارس مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوئی اور وہاں کے قدیم آتشکدے برباد ہوئے اور کسریٰ کے محلوں میں زلزلہ ڈالدیا۔ ان واقعات کو جو بعد کو وقوع میں آئے شاعروں نے اپنے شاعرانہ خیالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے منسوب کیا کہ گویا اُن کا پیدا ہونا ہی فارس کے آتشکدوں کا بجھنا اور کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑنا تھا۔ رفتہ رفتہ یہہ شاعرانہ خیال بطور روایت کے مروج ہونے لگے اور عین روز ولادت ہی سے منسوب کردیئے گئے۔ پس ان روایتوں کو

مذہبی روایتیں تصور کرنا اُن لوگوں کی غلط فہمی ہے جو مسلمانوں کی مذہبی روایتوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔

علاوہ اِن کے اور بھی روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی نسبت کتب سیر میں مذکور ہیں۔ اگرچہ اُن کی صحت کے لیئے بھی کافی ثبوت موجود نہیں ہے مگر اُن کے غلط ہونے کے لیئے بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اُن روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ نے کسیکو عبدالمطلب کے پاس بھیجا اور آپ کے پیدا ہونے کی اطلاع کی۔ عبدالمطلب فی الفور وہاں آئے اور آنحضرت کو اپنے ہاتھوں پر اوٹھا کر کعبہ میں لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب کی دُعا کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ صحیح مسلمانی طرز کا ہے اور اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ کعبہ میں عبدالمطلب کا دُعا مانگنا صرف مسلمانوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ مگر ہمکو اس بات سے کہ عبدالمطلب نے جو دُعا مانگی تھی وہ مسلمانی طرز کی دُعا تھی کچھ تعجب نہیں ہوتا کیونکہ ہمکو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگوں میں سے خدا پرستی بالکل معدوم نہیں ہوئی تھی اور اس بات کا بڑا قوی ثبوت یہہ ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا نام عبداللہ رکھا تھا جو خاص خداپرستوں کا طریقہ ہے۔

چند روز تک ثویبہ نے جو آنحضرت کے چچا ابولہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی تھیں آنحضرت کو دودھ پلایا۔ ثویبہ نے آنحضرت کے چچا حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا اور اس سبب سے حمزہ اور مسروح ابن ثویبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ بھائی تھے۔

عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد رکھا مگر حضرت آمنہ نے خواب میں ایک فرشتہ کو دیکھا تھا جسنے کہا تھا کہ آپکا نام احمد رکھنا۔ اسلئے انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام احمد رکھا اور اس طرح توریت وانجیل دونوں کی بشارتوں کی تصدیق ہوگئی جن کا بیان ہمنے خطبہ بشارات میں کیا ہے

ولادت کے ساتویں روز عبدالمطلب نے قربانی کی اور تمام ارکین قبیلہ قریش کو دعوت میں بلایا۔

شرفاء مکہ کا دستور تھا کہ آب وہوا کے لحاظ سے اور اس غرض سے کہ بچوں کے لہجہ اور زبان میں غیر زبان کا اثر نہونے پائے اپنے بچوں کو جبکہ وہ آٹھ دن کے ہوجاتے تھے دودھ پلانے والیوں کے سپرد کرکے باہر بھیجدیا کرتے تھے۔ اسی رسم کے موافق آنحضرت کو حلیمہ سعدیہ کے سپرد کردیا گیا اور وہ اپنے گھر لیگئیں۔ اور ہر چھٹے مہینے لاکر انکی والدہ اور دیگر اقربا کو دکھلا جاتی تھیں۔ دو برس بعد آپ کا دودھ چھڑایا گیا۔ اور حضرت حلیمہ آپ کو لیکر حضرت آمنہ پاس آئیں مگر حضرت آمنہ نے اس خیال سے کہ مکہ کی آب وہوا آپ کو موافق نہوگی پھر حضرت حلیمہ کے سپرد کردیا اور وہ ان کو اپنے گھر لیگئیں۔ اور ہر چھٹے مہینے لاکر ملا جاتی تھیں۔ جب آنحضرت کی عمر چار برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ نے آپ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ پس حضرت حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ پلائی ماں اور ان کے خاوند حارث ابن عبدالعزیٰ دودھ کے رشتہ کے باپ اور ان کی اولاد عبداللہ و انیسہ اور خذیمہ عرف شیماں دودھ بھائی اور دودھ بہن ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ کے رشتہ کو خون کے رشتہ کے برابر سمجھتے تھے اور حضرت حلیمہ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور ان کا ادب اور اونکی تعظیم

ماں کے برابر کرتے تھے - ایکدفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک جسکو مسلمان سر پر رکھنے اور آنکھوں سے لگانے کے لایق سمجھتے ہیں حضرت حلیمہ کے لیئے بچھادی تاکہ وہ اُسپر بیٹھیں - دودھ کے رشتہ کا ایسا پاس و لحاظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے اور جو محبت اور الفت کہ حضرت حلیمہ اور اوسکی اولاد کے ساتھ برتتے تھے اور جس احسانمندی کا اظہار دودھ کے رشتہ داروں کے ساتھ کیا کرتے تھے نہایت اعلیٰ اور عمدہ مثالیں آنحضرتؐ کے اخلاق حمیدہ نیک خوئی اور نرم دلی کی ہیں جس کی نظیر اس سے پہلے کبھی نہیں پائی گئی -

بنی قریش اور بالتخصیص اُس کی وہ شاخ جو بنی سعد کہلاتی تھی جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ طفولیت میں پرورش پائی تھی تمام مُلک عرب میں زبان کی شستگی اور فصاحت کے لیئے مشہور تھی اور اسی سبب سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہؐ آلہ وسلم بھی نہایت زبردست اور پُراثر فصاحت و بلاغت رکھتے تھے - اہل عرب درحقیقت فصاحت و بلاغت کی نہایت قدر کرتے تھے اور جو شخص فصیح و بلیغ ہوتا تھا اُسکو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل سمجھتے تھے گو وہ کیسی ہی نامور اور شریف خانداں کا کیوں ہو -

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اس سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو جزیرہ نما عرب کی خوشنما زبان کے خالص ترین نمونہ پر بنگئی تھی - جبکہ اُن کی فصاحت و بلاغت اُن کی کامیابی میں بڑا کام دینے لگی تو ایک خالص زبان اور ایک دلفریب گفتگو سے فائدہ عظیم مرتب ہوا - مگر ایک بات سر ولیم میور صاحب کی نگاہ سے رہ گئی کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی متواتر یا مشہور حدیث کو پڑھتے ہیں جس میں یقین کیا جاتا ہے کہ خاص لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محفوظ ہیں جیسی

دُعائیں وغیرہ تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا طرز کلام اور فصحاے عرب کے طرز کلام سے کچھ غیر مشابہ نہیں ہے ۔ لیکن جب ہم قرآن مجید کے مقدس صفحوں کو پڑھتے ہیں تو ہمکو حیرت ہوتی ہے اور ہمارا تعجب بے انتہا بڑھ جاتا ہے کہ وہ دونوں کلام ایک شخص کے نہیں معلوم ہوتے اور دونوں میں بہت بڑا فرق پاتے ہیں اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ اول کلام انسانی ہے اور دوسرا کلام ربانی ۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ آپ کو اپنے عزیز و اقربا سے ملانے کے لیے مدینہ منورہ لیگئیں ۔ کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہریں اور پھر مکہ معظمہ کو مراجعت کی اور رستہ میں بمقام ابواء وفات پائی ۔ جبکہ آنحضرت مکہ میں پہونچے تو آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمہ لی اور ہمیشہ آپ کے ساتھ شفقت پدری سے پیش آتے رہے ۔

سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ طفولیت یعنی بارہ برس کی عمر تک کے بعض واقعات تعریضاً بیان کیے ہیں مثلاً مدینہ کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ اُنکا کھیل کود میں مصروف رہنا اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے پرندوں کو اوڑا دینا اور رضاعی بہن کی پیٹھہ میں کاٹ کھانا اور مدینہ سے حدیبیہ کو جاتے وقت اپنی ماں کی قبر پر رونا ۔ اگرچہ ان باتوں کی اور اسی قسم کی اور باتوں کی تصدیق کی جو اونہوں نے بیان کی ہیں کوئی معتبر سند نہیں ہے لیکن اگر سب باتیں تسلیم بھی کرلی جاویں تب بھی یہ ایسی باتیں ہیں جیسیکہ ایام طفولیت میں انسانی فطرت کی موافق ہوتی ہیں ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے ۔ اونہوں نے اپنے آپ کو صرف یہ کہا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ ۔ پس ایسی باتیں اگر ہوئی

بھی ہوں تو انسانی فطرت سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتیں -

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو آٹھواں برس شروع ہوا تو آپ کے دادا عبد المطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی -

سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ جنازہ کے ہمراہ قبرستان حجر کو گئے تو لوگوں نے اُنکو روتے دیکھا - یہہ ایک ایسی بات ہے جس سے برخلاف منشا سر ولیم میور صاحب کے کچھہ تعجب نہیں ہوتا بلکہ اگر نہ روتے تو نہایت تعجب ہوتا - آنحضرت اُس وقت کم عمر تھے اور ایسے موقعوں پر آنسوؤں کا نکلنا اور دل کا جوش مارنا - خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے - رنج و غم کے وقت دل کا ملایم ہونا اور محبت آمیز جوش کا اُٹھنا اور آنکھوں کی راہ سے آنسوؤں کا بہنا خداے رحیم نے انسان کے دل کی تسلی اور اُس کے رنج کے تسکین کا ذریعہ بنایا ہے - پس آنحضرت نے بھی اُسی فطرت کی پیروی کی تھی جو خدا نے انسان میں بنائی ہے -

عبد المطلب کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش ابو طالب آپ کے چچا نے جو آپ کے والد عبد اللہ کے حقیقی بھائی تھے اپنے ذمہ لی - یہہ بھی آنحضرت کے ساتھہ نہایت محبت سے پیش آتے رہے اور مثل پدر مہربان کے ہر طرح سے خبر گیری کی - جب آپ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو ابو طالب کو تجارت کے سبب سے شام کا سفر پیش آیا اور اُس کے سرانجام کے بعد پھر مکہ کو واپس آئے -

سر ولیم میور صاحب نے جو یہہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ابو طالب کے ہمراہ شام کو گئے تھے اور ابو طالب نے اول تو اپنے ہمراہ لیجانے سے انکار کیا تھا مگر آنحضرت روانگی کے دن اتنی لمبی مفارقت کے خیال سے افسردہ دل ہو کر اپنے مربی سے لپٹ گئے

اور ابو طالب کو بھی جوش الفت آگیا اور اپنے ہمراہ لے گئے۔ اس روایت کی کوئی معتبر سند نہیں ہے آنحضرت کا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں جانا کسی طرح ثابت نہیں۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ برس کی عمر کو پہونچے تو زمانہ طفولیت کا منقضی ہو گیا تھا اور نوجوانی کا آغاز تھا اور جمیع اوصاف حمیدہ سے جنسے انسان ہر دلعزیز ہو جاتا ہے آراستہ تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا اخلاق اور صبر اور مردانگی جن کو اوضاع واطوار کی خوبی اور فصاحت وخوش بیانی سے دوبالا جلا ہو گئی تھی آپ کی ذات بابرکات میں اسطرح جمع ہوئے تھے کہ عالم شباب ہی میں آپ نے امین عرب کا لقب حاصل کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ طفولیت کے صحیح حالات صرف اسی قدر ہیں جو ہمنے بیان کیئے اور اس کے سوا جو باتیں اُس زمانہ کی مشہور ہیں وہ سب بے سند اور نامعتبر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارہ برس کی عمر تک کے تاریخی واقعات جو ہمنے اوپر بیان کیئے اُنکے علاوہ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب مسمیٰ لیف آف محمدؐ میں اور بھی کچھ واقعات بیان کیئے ہیں جو نہایت ضعیف اور نامعتبر روایتوں پر مبنی ہیں تعجب یہہ ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے "کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے متعلق معجزات حال کے مسلمانوں کے نزدیک بہت دل پسند مضامین ہیں"۔ مگر اس امر کی کچھ تحقیقات نہیں کی کہ کن معجزات کو حال کے زمانہ کے مسلمان بھی معتبر سمجھتے ہیں اور کون سے معجزات کو نامعتبر بطور قصہ اور کہانی کے اور یہہ بھی نہیں بتایا کہ حال کے مسلمانوں کی جو اونہوں نے قید لگائی ہے اُس سے اُن کا کیا مطلب ہے۔ غالباً یہہ مطلب ہوگا کہ متقدمین مسلمان اُن کو

قابل التفات نہیں سمجھتے تھے۔ اگر یہی مطلب ہو تو صاف اس بات کا اقرار ہے کہ وہ روایتیں
جن کو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے نامعتبر اور غیر صحیح ہیں۔ جس قدر کتب سیر
یا کتب سوانح عمری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمائے اسلام نے لکھی ہیں اور جو روایتیں
اُن میں لکھی ہیں تمام مسلمان اُن روایتوں کو ایسی روایتیں خیال کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ صحیح
مانی جاویں روایتاً اور درایتاً کامل تحقیق و تدقیق کی محتاج ہیں۔ اس قسم کی روایتوں کو
تا وقتیکہ اُن کی تصدیق کی کوئی کافی دلیل نہ ہو مسلمان مطلقاً قابل اعتبار تصور نہیں
کرتے بلکہ خود علمائے محققین نے اُن روایتوں کو نامعتبر قرار دیا ہے۔ علمائے محققین
اسلام اور ذی علم مسلمانوں نے اُن روایات پر ذرا بھی اطمینان نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ
اُنکی کوششیں اس بات کی تحقیق میں کہ کون سی اُن میں سے صحیح اور کون سی غیر صحیح ہیں
مصروف رہے ہیں۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں روایتوں کے درجۂ اعتبار کو بیان کیا
ہے اُن تمام روایات کی نسبت جن میں صحیح روایتیں اور موضوع اور نامعتبر روایتیں بلاتمیز
شامل ہیں صرف اتنی بات لکھکر فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ سب بے اصل اور راویوں کی محض
اختراعات ہیں۔ مگر ہم باوجود اس کے کہ سر ولیم میور صاحب کے علم اور مرتبہ کا بہت ادب
کرتے ہیں اس کہنے پر مجبور ہیں کہ دعویٰ بلا دلیل قابل پذیرائی نہیں ہوسکتا۔ اسلئے کہ اگر
وہ بالعموم مان لیا جاوے تو اس سے لازم آتا ہے کہ استدلال محض بیکار چیز ہے اور اُسکی
ایسی مثال ہوتی ہے جیسیکہ یونان کے مشہور کاشتکار مسمی گارڈیں کی گاڑی کے
جوئے کی گرہ کو ایران کی بادشاہت کی طمع میں ہاتھ سے کھولنے کی عوض تلوار سے
کاٹ دیا جائے جیسیکہ سکندر نے کیا تھا۔

فرض کرو کہ اگر کوئی یہہ کہے (جیسا کہ لوگوں نے کہا ہی) کہ حضرت یحییٰ محض عوام الناس میں سے اور یہود کے فرقہ ایسینین میں سے تھے اور حضرت عیسیٰ اُن کے ایک مرید تھے - اُن کے مصلوب ہونے کے بعد اُن کے مریدوں نے شان الوہیت اور قدرت اعجاز کو اُن پر لگا دیا اور نہ وہ محض ایک عام یہودی تھی - اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس کہنے میں اور مسلمانوں کی تمام روایتوں کی نسبت اس بات کے کہدینے میں کہ وہ سب بے اصل اور راویوں کی اختراعات ہیں کیا فرق ہے - ؟

زندگی کے عام معاملات میں بھی کسی شخص پر واجب نہیں ہے کہ کسی شخص کے محض زبانی بیان پر گو وہ کیسا ہی معزز اور ذی فہم کیوں ہنو یقین لے آوے تو ایسے بڑے معاملات میں کسی مصنف کے بیان یا رائے کو کیونکر قطعی مان لیا جا سکتا ہے اس لئے ہم قابل معافی ہیں اگر ہم سر ولیم میور صاحب کی اس رائ کو کہ "اُن روایات ہی کو غیر معتبر سمجھکر خارج کر لینا چاہئے" قابلِ تسلیم نہ خیال کریں جب تک کہ دلیل اور واقعات سے اُس رائے کی صحت کا ثبوت نہ ملے -

جاننا چاہیئے کہ مسلمانوں کے نزدیک روایتیں تین قسم کی ہیں اول تو وہ روایتیں ہیں کہ اُنکی صحت و اعتبار کی معقول دلیلیں موجود ہیں اور علی العموم مسلم ہیں - دوسری قسم میں وہ مشہور روایتیں شامل ہیں جن کا وقوع قوانین فطرت سے برخلاف نہیں ہے اور جن کی بے اصلی اور غیر معتبری کی نسبت کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے - یہہ روایتیں نہ تو بلاتحقیق نامعتبر کرنے کے قابل ہیں اور نہ اس قابل ہیں کہ آنکھہ بند کر کے اُن پر اعتماد کر لیا جائے - تیسری قسم میں وہ روایتیں ہیں جو بظاہر بالکل محال معلوم ہوتی ہیں اور اُن کے ثبوت کی کوئی معتبر دلیل نہیں

* دیکھو کتاب موسوم بہ "اے رائیس فرام دی گینجز" ۱۲

ملی ہے اور اس لیئے غلط اور نامعتبر قرار دی گئی ہیں۔ پس اس سے زیادہ غلطی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اہل اسلام کی نسبت یہہ کہا جاوے کہ وہ اُن سب قسم کی روایتوں کو برحق سمجھتے ہیں اور اُن سب پر بلا امتیاز ایمان رکھتے ہیں جیسیکہ ہمنے اپنے خطبہ "الروایات المرویات فی الاسلام" میں بیان کیا ہے۔

اب ہم اُن روایات کی نسبت بحث کرتے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں لغویت مذہب اسلام ثابت کرنے کی منشا سے بیان کیا ہے اور بتلاتے ہیں کہ وہ روایتیں اقسام روایات متذکرۂ بالا میں سے کونسی قسم کی روایتوں میں داخل ہیں۔ سر ولیم میور صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ولادت میں جو حضرت آمنہ کا ایک خوفناک اور نامعلوم آواز کو سُنکر ڈر جانا یا ایک سفید مُرغ کا دفعتہً نمودار ہونا اور حضرت آمنہ کے سینہ پر اپنے بازو کا پھیرنا اور اُس سے حضرت آمنہ کے اضطراب کو تسکین کا ہونا یا حضرت آمنہ کے لیئے ایک خوشگوار شربت کے پیالہ کا ایک نامعلوم ہاتھ سے ظاہر ہونا یا ملائکہ کی آوازیں آنی یا بغیر اس کے کہ کوئی شخص دکھائی دیتا ہو پاؤں سے پھرنے کی آہٹ کا محسوس ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آدمیوں کی نظر سے چھپا لینے کے لیئے آسمان سے ایک نور کی چادر کا اوترنا بہشت کے پرندوں کا چہچہانا۔ بہشت کی خوشبوؤں کا مہکنا یہہ سب شاعرانہ مضموں ہیں جو غالبًا سر ولیم میور صاحب نے کسی مولود نامہ سے اخذ کیئے ہیں اور ہر مسلمان جس کو ذرا سا بھی علم ہوگا سمجھتا ہے کہ یہہ تمام باتیں شاعروں کے گرمجوش شاعرانہ خیالات ہیں جو اُنہوں نے اپنے مضامیں کی تزئین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ کی رونق کے لیئے بیان کی ہیں جیسیکہ

شاعروں کا اور خصوصاً مشرقی شاعروں کا شاعرانہ مضمون میں اس قسم کے واقعات
کے بیان کرنے کا دستور ہے۔ حضرت عیسیٰ کی نسبت بھی گرمجوش خیال کے
عیسائی شاعروں نے اسی قسم کے خیالات نظم میں بیاں کیئے ہیں جن کا نمونہ
ہمنے اپنے خطبہ "فی حقیقۃ شق الصدر و ماہیۃ المعراج" میں دکھایا ہے اور ملٹن
کی تمام پریڈیز لاسٹ انہیں خیالات سے بھری ہوئی ہے۔ پس نہایت افسوس
کی بات ہے کہ ایک عیسائی عالم اپنے ہاں کے اس قسم کے خیالات کو تو شاعرانہ
خیالات سمجھے اور مسلمانوں کی اس قسم کی باتوں کو بطور مذہبی روایتوں کے قرار دے
اور اس کا فیصلہ یوں کردے کہ وہ سب راویوں کی اختراعات ہیں۔

اسی قسم کے وہ مضامین ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے بطور مذہبی
روایتوں کے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
نے پیدا ہوتے ہی زمین پر سجدہ کیا اور اپنی امت کی بخشش کی دعا مانگی اور کلمہ پڑھا
اور تین نورانی فرشتے آسمان پر سے اوترے ایک کے ہاتھ میں چاندی کی چھاگل
تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک زمرد کا لگن اور تیسرے کے پاس ایک ریشمی
رومال اور آنحضرت کو سات مرتبہ غسل دیکر آپ کو خیر البشر کا خطاب دیا۔

ہمکو کس قدر تعجب آتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے مختون پیدا ہونیکو بھی انہی مخترع روایات میں شمار کیا ہے جن کو وہ عجیب و
غریب بعید از قیاس اور خلاف قانون فطرت قرار دیتے ہیں مگر یہ بات نہ معجزہ
سے علاقہ رکھتی ہے نہ عجائبات سے بلکہ محض تلونات فطرت سے متعلق ہے ایسے
تلونات فطرت کی بہت سی نظیریں تبلائی جا سکتی ہیں مثلاً ایسے اشخاص کا پیدا ہونا

جن میں علامات تذکیر و تانیث دونوں موجود ہوں۔ ایسے واقعات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ قوانین فطرت کے مطابق قدرت کا اتفاقیہ انحراف کوئی عجیب بات نہیں ہے اس زمانہ میں بھی بعض اوقات مختون لڑکے پیدا ہوتے ہیں جن سے بلا توسل معجزہ و عجائبات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی مختون پیدا ہونا یقیناً قرین قیاس ثابت ہوتا ہے اور اس کا ثبوت اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ابراہیم کی اولاد میں ختنہ کی رسم نہایت استحکام سے قرار پاگئی تھی اور عرب جاہلیت بھی اس کا ترک کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختنہ کی رسم کا ہونا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی بیان نہیں کیا گیا ہے

مُہرِ نبوت کی نسبت سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ "صفیہ سے نقل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مُہرِ نبوت اُن کی پشت پر نور کے حرفوں میں مرقوم تھی"۔ تمام مستند حدیثیں بالاتفاق بیان کرتی ہیں کہ وہ ایک سیاہ غدود سا تھا اور اُسپر بال تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ میری رسالت کی مُہر ہے اور نہ کبھی اُسکو اپنی رسالت کے برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جس طرح کہ حضرت موسیٰ نے اپنے ید بیضا کو نبوت کے ثبوت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر چیز کی حرمت اور تعظیم کی جاتی تھی اور اسی خیال سے بعض لوگوں نے آنحضرتؐ کی پشت کے غدود کو عام نام سے بولنا ایک بے ادبی اور گستاخی خیال کر کے استعارتاً اُس کو مُہرِ نبوت کے معزز اور گرامی نام سے موسوم کیا ہوگا۔

بعض لوگوں کے اس خیال کو کہ اُسپر حرف لکھے ہوئے تھے جمیع علمای اسلام نے

نہایت صراحت کے ساتھ رد کیا ہے۔ پس کیا ایک عیسائی عالم کو یہہ بات نازیبا نہیں ہے۔ کہ مسلمانوں پر اُن کے نبی کی رسالت کے ثبوت میں ایسے امر کے اعتقاد رکھنے کا اتہام لگائے جس سے وہ خود انکار محض کرتے ہوں۔ شمائل ترمذی کے حاشیہ مسمی باجوری میں لکھا ہے کہ "یہہ جو روایت ہے کہ اُسپر پچھنے کے سے نشان تھے یا غیر جانور کے گھٹنے کی مانند یا غدود سبز یا سیاہ رنگ کا تھا اور اُسپر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا یا یہہ لکھا ہوا تھا "ایک منصور" ان میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے جیسے عسقلانی نے کہا ہے اور ابن حبان نے جو اُسکی تصحیح کی ہے وہ صرف اُسکا وہم ہے۔ اور بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہہ بیان کیا ہے کہ مہر نبوت پر یعنی اُس شے پر جو آنحضرت کی پشت پر تھی الفاظ محمد رسول اللہ لکھے ہوئے تھے اُسکو دھوکا ہو گیا ہے ہاتھ کی مہر میں اور اُس پشت کے غدود میں جسکو خاتم نبوت کہتے تھے کیونکہ وہ عبارت ہاتھ کی مُہر میں کندہ تھی نہ پشت کی چیز پر"

واما روایة کاثر المحجم او کل کبة عنز او کشامة خضراء او سوداء و مکتوب فیها محمد رسول الله او سطر فانك المنصور لم یثبت منها شئ کما قاله العسقلانی و تصحیح ابن حبان لذلك وهم و قال بعض الحفاظ من روی انه کان علی خاتم النبوة کتابة محمد رسول الله فقد اشتبه علیه خاتم النبوة بخاتم الید اذ الکتابة المذکورة انما کانت علی الثانی دون الاول (حاشیة الباجوری علی الشمایل۔

پس جو محقق امر باجوری اور عسقلانی نے لکھا ہے اُس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ علماے اسلام نے اُن روایتوں کو جنکو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے خود رد کیا ہے اور مُہر نبوت سے وہ کیا مراد لیتے تھے شرح السنہ میں ابی رمثہ سی منقول ہی کہ وہ اپنے باپکے ساتھہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئی اُنکے باپنے اُس چیز کو دیکھا جو رسول خدا صلعم کی پیٹھہ پر تھی اُنکے باپنے کہا کہ آپ مجکو اجازت دیجیے

عن ابی رمثۃ ... قال دخلت مع ابی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرای ابی الذی بظہر رسول اللہ صلعم فقال دعنی اعالج الذی بظہرک فانی طبیب فقال انت رفیق واللہ الطبیب (رواہ فی شرح السنۃ)

کہ جو چیز آپ کی پیٹھ پر ہے میں اُسکا علاج کروں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم رفیق ہو اور اللہ طبیب ہے"۔ اس روایت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کو مُہر نبوت کہتے تھے وہ کیا چیز تھی اور صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس زمانہ کے مسلمان جو آنحضرت کے اصحاب تھے اُس کو کیا سمجھتے تھے۔ پس سر ولیم میور صاحب نے جو اُسکو بطور عجائبات اسلام کے بیان کیا ہے محض بیجا ہے۔

سر ولیم میور صاحب نے اور روایتیں لکھی ہیں جن میں بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ سے ایک نور پیدا ہوا جس نے کہ شام کی تمام گلیوں اور مکانوں کو روشن کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوتے ہی اپنے ہاتھوں کو ٹیک کر اوٹھ بیٹھے اور ایک خاک کی مٹھی بھر کر آسمان کیطرف پھینکی۔ اور ایک روایت لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کو ایام حمل میں کچھ بوجھ یا تکلیف نہیں معلوم ہوتی تھی اور دوسری روایت اس کے برخلاف لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کہتی تھیں کہ میں نے کسی بچہ کو پیٹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بھاری نہیں پایا۔ یہہ روایتیں اور اسی قسم کی اور سب روایتیں بالکل سند سے معرا ہیں اور خود علمائے اسلام اُن کو غیر صحیح اور نا معتبر قرار دیتے ہیں اور یہہ سب گرمجوش خیالات کے نتیجے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب اسلام کی مذہبی روایتوں کی طرز پر بیان کرتے ہیں اس منشا سے کہ اسلام کی ایک بے وقعتی ظاہر کریں وہ روایت جس میں حضرت آمنہ سے نور کا ظاہر ہونا منقول ہے اور جو کتاب

شرح السنہ میں بیان کی گئی ہے اُس طرح پر نہیں ہے جس طرح کہ سر ولیم میور صاحب ... کی ہے۔ اسلئے ہم اُس روایت کو بلفظہٖ نقل کرتے ہیں۔ شرح السنہ میں عرباض

عن العرباض ابن ساریۃ عن رسول اللہ صلعم انہ قال .... ساخبرکم باول امری انا دعوۃ ابراھیم و بشارۃ عیسیٰ و رؤیا امی التی رات حین وضعتنی و قد خرج لھا نور اضاء بھا قصور الشام (رواہ فی شرح السنۃ)

ابن ساریہ سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمکو اپنے پہلے حال سے مطلع کروں میں دُعا ہوں ابراہیم کی اور بشارت ہوں عیسیٰ کی اور خواب ہوں اپنی ماں کا جس نے میرے پیدا ہونے کے زمانہ میں دیکھا تھا کہ اُس سے ایک نور پیدا ہوا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے"۔

پس جن روایتوں میں حضرت آمنہ سے نور کا پیدا ہونا منقول ہے اگرچہ اُن کی بھی کوئی کافی سند صحت کی موجود نہیں ہے لیکن اگر ہم اُن کو تسلیم کرلیں اور صحیح قرار دیں تو اُن سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ نے ایسا ایک خواب دیکھا تھا اور اس قسم کا خواب دیکھنا نہ تعجب انگیز ہے نہ خلاف قیاس ہے اور نہ برخلاف فطرت۔

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ تمام راوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ میں دوشنبہ کو ایک مشہور اور معروف دن خیال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُسی دن آپ کی زندگی کے سب سے بڑے واقعات ظہور میں آئے تھے۔ لیکن اس متبحر عالم نے اس جگہ کسی قدر غلطی کی ہے کیونکہ مسلمانوں کے ہاں دوشنبہ کے دن کو کوئی مذہبی شرف حاصل نہیں ہے۔ صرف یہہ بات ہے کہ جب علما نے اُن مشہور و معروف واقعات پر غور کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ظہور میں آئے تھے

تو اکثر کو دو شنبہ کے دن واقع ہونا پایا۔ اسلئے اُنہوں نے ایک اتفاقی مطابقت کے خیال سے اپنی تصنیف میں دو شنبہ کا ذکر کیا۔ حالانکہ بعض علماء نے اس اتفاقی مطابقت سے بھی اختلاف کیا ہے۔ پس یہہ کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ جس کے سبب اسلام کی طرف کسی نشا سے کوئی اشارہ کیا جائے۔

سر ولیم میور صاحب نے تاریخ واقدی کے چند اختراعات بیان کرنے کے ساتھ یہہ لکھا ہے کہ "اس مصنف نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ نے عبد المطلب سے فرشتہ کا یہہ حکم بیان کیا کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا"۔ اسکے بعد صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ حمد کے مادہ سے جو نام مشتق ہوتے ہیں عرب میں مروج تھے مگر احمد عرب میں بہت کم نام ہوتا تھا اور آنحضرت کے سوا پانچ مختلف اشخاص اَور بھی گذرے ہیں جن کا نام محمد تھا۔

واقدی کے حوالہ سے صاحب موصوف یہہ بھی لکھتے ہیں کہ "یہہ نام عرب کے وہ لوگ رکھا کرتے تھے جنہوں نے یہود اور نصاریٰ اور کاہنوں کی زبانی سُنا تھا کہ عرب میں ایک نبی اس نام کا عنقریب ہونے والا ہے اور اکثر اشخاص اپنے لڑکوں کے یہی نام رکھتے تھے اور ہر شخص یہہ اُمید کرتا تھا کہ میرا ہی بیٹا نبی آخر الزمان ہونے کی شرف وعزت حاصل کرے"۔

مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اگر حضرت آمنہ نے عبد المطلب سے کہا ہو کہ ایک فرشتہ نے مجھے کہا ہے کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا تو سر ولیم میور صاحب نے اس بات پر کیوں تعجب کیا ہے۔ اگر توریت مقدس کی یہہ آیت کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتہ نے اُس سے کہا کہ دیکھہ تو حمل سے ہے۔ اور تیرے ایک لڑکا پیدا ہوگا اُسکا نام

اسمٰعیل رکھنا (کتاب پیدائش باب ۱۶ ورس ۱۱) اور نیز یہہ آیت کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سارا تیری بی بی کے بیشک ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اُس کا نام اسحاق رکھنا۔" (کتاب پیدائش باب ۱۷ ورس ۱۹) اور نیز انجیل کی یہہ آیت اور اُس کے (یعنی مریم کے) ایک بیٹا پیدا ہوگا اور تجھکو (یعنی یوسف کو) چاہیئے کہ اُس کا نام عیسیٰ رکھے کیونکہ وہ اپنی امت کو گناہوں سے نجات دیگا" (متی باب ۱ ورس ۲۰) صحیح ہے اور عیسائی اُس کو تسلیم کرتے ہیں تو کس بنا پر وہ اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو بھی ایک فرشتہ نظر آیا تھا اور جو لڑکا پیدا ہونے والا تھا احمدؐ اُسکا نام رکھنے کو کہا تھا

اس روایت کی صداقت کا ایک نہایت تسکین بخش ثبوت وہ ہے جو ہمنے اپنے خطبہ بشارات میں بیان کیا ہے یعنی عہد عتیق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی بشارت محمدؐ کے نام سے آئی ہے اور انجیل میں احمدؐ کے نام سے اور اسلیئے ان بشارات کے پورا کرنے کے لیئے ضرور تھا کہ حضرت آمنہ کو احمدؐ کا نام بتا دیا جاوے کیونکہ یہہ ایک ایسا نام تھا جسکو اہل عرب کبھی نہیں یا شاذ و نادر رکھتے تھے۔

مگر سر ولیم میور صاحب کا یہہ بیان نہایت عجیب ہے کہ "لفظ احمدؐ۔ انجیل یوحنا کے کسی قدیم عربی ترجمہ میں بجاے لفظ "تسلی دہندہ" کے براہ غلطی واقع ہوا ہوگا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں کسی جاہل یا متعصب راہب کی جعلسازی سے بجاے یونانی لفظ پیریکلیٹوس کے لفظ پیریکلیوٹوس کردیا گیا"۔ سر ولیم میور صاحب نے یہہ بات اسلیئے بیان کی ہے کہ پہلے یونانی لفظ پیریکلیٹوس کا ترجمہ تسلی دہندہ ہے اور دوسرے یونانی لفظ پیریکلیوٹوس کا ترجمہ احمدؐ ہے۔ مگر مسلمانوں نے ان یونانی لفظوں کو معرب کرکے فارقلیط بنالیا ہے اور اس سبب سے کہ مسلمان فارقلیط کا

ترجمہ احمد کرتے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ اُنھوں نے یونانی لفظ پیریکلیوٹوس کو معرّب کرکے فارقلیط کیا ہے۔

سرولیم میور صاحب نے جو یہہ بیان کیا ہے کہ عرب میں محمّد نام کے اور لوگ بھی گذرے ہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علماے اسلام نے کبھی یہہ نہیں کہا کہ آنحضرت سے پہلے عرب میں اس نام کا اور کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ برخلاف اسکے اُنھوں نے اس قسم کی تمام روایتوں کو رد کردیا اور نہایت تدین و ایمانداری سے اس امر کے دریافت کرنیمیں کامیاب کوشش کی کہ اس نام کے عرب میں اور لوگ بھی گذرے تھے اور واقدی کو بھی ہم اُن ہی لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ مگر یہہ بات کہ ان ناموں کے اور لوگ بھی آنحضرت سے پہلے درحقیقت گذرے تھے *۔ یا یہہ کہ اس نام کا مادہ حمد ہے اور حمد کے مادہ سے اہلِ عرب ناموں کو مشتق کیا کرتے تھے یا یہہ بیان کہ یہہ نام اکثر والدین اپنے لڑکوں کا اس قوی اُمید پر رکھتے تھے کہ شاید ہمارے ہی لڑکے کی قسمت میں نبی موعود ہونا ہو کسی طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی بشارتوں پر نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی لڑکے کے والدین نے اسکے حق میں کچھ ہی تمنا کیوں نہ کی ہو اور نبی موعود کا نام اُس لڑکے کے نبی ہونیکی طمع پر کیوں نہ رکھا ہو مگر نبی وہی ہوا جسکو درحقیقت خدا تعالیٰ کو نبی آخرالزمان کرنا منظور تھا ہماری اس راے کی تائید اُس وقت اور بھی ہوتی ہے جبکہ ہم ان بڑے بڑے کاموں کی غور کرتے ہیں جو آنحضرت سے ظہور میں آئے تھے اور وہ ایسے کام ہیں جو تمام جہان کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور جبکہ ہم اُس رُوحانی سرور کو دیکھتے ہیں جو دین حق کا

* حضرت عیسیٰ کے نام کی نسبت بھی ہم یہی حال پاتے ہیں۔ رینن صاحب کی لیف آف کرایسٹ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ جو اُن کا نام رکھا گیا تھا لفظ یوشع کا تبدیل کیا ہوا ہے۔ یہہ نہایت مروّج نام تھا لیکن بعد کو اس نام میں اسرار و راست کی نجات دہندہ کا اشارہ اپنی طرف سے اُس میں لگا دیا گیا تھا*

طفیل ہے جسکو آنحضرت نے اپنی حیات میں شائع کیا تھا اور آیندہ نسلوں کے لیئے بطور ورثہ کے چھوڑ گئے اور جبکہ ہم اُس صدق و پاکبازی کی ترویج پر نظر ڈالتے ہیں جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رائج کیا اور جو زمانہ کی گردشوں کے بعد بھی غیر مبدّل اور بے نقص رہی ہیں اور ابدالآباد تک ایسی ہی رہینگی تو ہمکو کامل یقین ہوتا ہے کہ جس محمدؐ اور احمدؐ کی بشارت عہد عتیق اور عہد جدید میں دی گئی تھی وہ وہی تھے جو عبد اللہ کے بیٹے اور آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت آمنہ کا اگر رویا میں فرشتوں کی صورتوں کو دیکھکر ڈر جانا اور عرب جاہلیت کے دستور کے موافق لوہے کے ٹکڑوں کو گلے میں لٹکانا یا بازوؤں پر بطور عمل اور تعویذ کے باندھنا اگر صحیح بھی تسلیم کیا جاوے تو کسی طرح تعجب انگیز بات نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف اس امر کی تائید کرتا ہے کہ حضرت آمنہ نے درحقیقت اپنے رویا میں آسمانی فرشتوں کو دیکھا تھا۔ ہاں اسپرنگر صاحب کی عقل اور ایمانداری پر نہایت تعجب ہے کہ وہ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو ضعف دماغ اور صرع کی بیماری تھی اور حضرت سارا اور حضرت مریم نے جو فرشتوں کو دیکھا تھا اُس کو صرع کی بیماری نہیں قرار دیتے۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں کسی منشا سے اور بھی چند تعجب انگیز باتیں بیان کی ہیں کہ حضرت آمنہ کو خواب میں اطلاع ہوئی تھی کہ اس لڑکے کو قبیلہ ابو ذوئیب میں سے ایک عورت دودھ پلاے گی اور حلیمہ کو بڑا تعجب ہوا جب ملا دریافت اُس کے شوہر کا نام اُسکو تبلا دیا اور جب حلیمہ آنحضرت کو لے آئی تو دفعتاً اُس کا اور اُسکی اونٹنی کا دودھ بہت زیادہ ہو گیا اور جبکہ حلیمہ آنحضرت کو لیکر چلی تو اُس کا سفید گدھا

سب سے زیادہ تیز رفتار ہوگیا اور اُس کی مویشی نہایت فربہ ہوگئی اور کثرت سے دودھ دینے لگی - یہہ سب باتیں ایسی ہیں جنکی سند بجز حلیمہ کے بیان کے اور کوئی نہیں ہے اور اسی لیئے یہہ روایتیں مستند اور معتبر نہیں ہیں - لیکن اتفاقات سے ایسے امور کا واقع ہونا کچھ ناممکن بھی نہیں ہے - مگر عیسائی عالم جو ایسی باتوں کو بطور دور از قیاس باتوں کے بیان کرتے ہیں تو بلاشبہ ہمکو تعجب آتا ہے کیونکہ جب وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ لابان نے اُس سے کہا کہ میں التجا کرتا ہوں کہ اگر تجھکو میرا خیال ہے تو ٹھیر جا کیونکہ مجھکو تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری وجہہ سے مجھکو برکت دی ہے (کتاب پیدایش باب ۳۰ ورس ۲۷) اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یعقوب نے کہا کہ میرے آنے سے پیشتر تیرے پاس بہت تھوڑا تھا اور اب وہ کثیر التعداد ہوگیا ہے اور جب سے کہ میں آیا ہوں اللہ تعالیٰ نے تجھکو برکت دی ہے (کتاب پیدایش باب ۳۰ ورس ۳۰) اور اسی طرح کتاب پیدایش کے باب ۳۰ ورس ۳۶ سے ۴۳ تک کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لابان کی مویشی کو حضرت یعقوب کی مویشی سے کمزور پیدا کیا تھا تو کیا وجہہ ہے کہ اگر حلیمہ کی مویشی میں بھی برکت ہوئی ہو تو اُسکو دُور از قیاس اور تعجب انگیز پر بیان کیا جائے -

سر ولیم میور صاحب واقدی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شق صدر اور دل کے دھونے کا واقعہ چار برس کی عمر میں واقع ہوا تھا اور ہشامی کے حوالہ سے اس بات کا استنباط کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو صرع کا عارضہ تھا - ہمنے اپنے خطبہ "حقیقۃ شق الصدر و ماہیۃ المعراج" میں اس مضمون پر شرح و بسط سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ شق صدر آنحضرت صلعم کی

شب معراج کے خواب کا ایک جزو تھا نہ یہہ کہ درحقیقت جسمانی طور پر واقع ہوا تھا - مگر راویوں
نے اُن اسباب سے جو اکثر روایات کے بیان کرنے میں واقع ہوتے ہیں مختلف طور پر بیان
کیا ہے اور اُس کے وقوع کے زمانہ میں بھی اُنہی اسباب سے اختلاف ہوگیا ہے
بعض کا قول ہے کہ عہد طفولیت میں واقع ہوا تھا - بعض کا بیان ہے کہ اُسکا وقوع ایام
شباب میں ہوا تھا - اور بعض کے نزدیک شب معراج میں وقوع میں آیا تھا - ہمکو اس
واقع کی حقیقت کا دوبارہ اس مقام پر بیان کرنا ضرور نہیں ہے بلکہ اس مقام پر ہمکو یہہ بیان کرنا
منظور ہے کہ ہمارے ذی علم اور لائق مصنف سر ولیم میور صاحب نے جو ہشامی کی روایت
سے (اگر وہ بالکل صحیح بھی مان لی جاوے) یہہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم کو صرع کا عارضہ ہوگیا تھا وہ کیسا غلط اور بے اصل ہے -

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ ہشامی اور دیگر متاخرین بیان کرتے ہیں کہ
حلیمہ کے شوہر کو گمان ہوا کہ اس لڑکے کو "عارضہ ہوگیا ہے" - جس لفظ کا ہمنے عارضہ
ترجمہ کیا ہے وہ انگریزی لفظ "فٹ" ہے جو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں
استعمال کیا ہے - "فٹ" کے معنے لغت میں کسی مرض کے ایسے سخت اور یکبارگی
حملہ کے ہیں جس سے بدن کپکپانے لگے اور بعض اوقات غشی طاری ہوجاوے
جس سے غالبًا صاحب ممدوح نے صرع مراد لی ہے مگر ہشامی میں جو لفظ واقع ہے
اوس کا "فٹ" ترجمہ کرنا بالکل غلط ہے - سر ولیم میور صاحب کو اُس لفظ کی صحیح
پڑھنے میں بالکل غلطی ہوئی ہے جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے -

ہمارے پاس سیرت ہشامی موجود ہے جو ۱۸۵۸ء میں بمقام گاٹجن زیر
اہتمام و نگرانی ڈاکٹر فرڈیننڈ وسٹن فیلڈ کے چھپی ہے - اس کتاب سے ہم وہ عبارت

جو اس بحث سے متعلق ہے بلفظہ نقل کرتے ہیں۔

قالت وقال لی ابوہ یا حلیمۃ لقد خشیت ان یکون ھذا الغلام قد اصیب فالحقیہ باھلہ

یعنی حلیمہ نے کہا کہ اُس کے باپ (یعنی آنحضرت کے دودھ باپ یعنی شوہر حلیمہ) نے کہا کہ اے حلیمہ مجھکو اندیشہ ہی کہ اس لڑکے کو کچھہ ہوگیا ہے اس لیئے اُسکو اُس کے گھر والوں کے پاس پہونچادے۔

مگر جب حلیمہ آنحضرت کو حضرت آمنہ کے پاس لیکر آئیں تو حضرت آمنہ نے اُنکو نہیں لیا اور حلیمہ سے کہا کہ اُس کو واپس لیجاؤ۔ اُسوقت حضرت آمنہ نے حلیمہ سے کہا کہ کیا تجھکو یہہ اندیشہ ہوا تھا کہ اُسپر شیطان مسلط ہوگیا ہے یہہ کلام بطور استفہام انکاری کے تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حلیمہ کے شوہر کو جو یہہ گمان ہوا تھا کہ آنحضرت کو کچھہ ہوگیا ہے وہ صحیح نہیں تھا۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب لیف آف محمدؐ کے صفحہ ۲۱ کے حاشیہ پر بجاے لفظ اصیب کے اُمیب لکھا ہے یعنی صاد کی جگہہ میم لکھا ہی اور اُس کے معنی "فٹ" یعنی عارضہ ہونے کے لکھے ہیں۔ مگر یہ لفظ تاریخ ہشامی میں ہمکو نہیں ملتا ہے اور نہ اُس کے معنی عارضہ ہونے کے پائے جاتے ہیں۔ ہشامی میں اُصیب کا لفظ ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آگے ثابت ہوگا اور چونکہ اُن دونوں لفظوں کی شکل میں بہت ہی کم فرق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے کسی غلط قلمی نسخہ سے اُسکو نقل کیا ہوگا۔

تمام عیسائی مصنف سواے ایک دو کے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری لکھی ہے اس بات کو بطور ایک امر واقعی کے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت

عربی	اردو
من هذا قال الذی بعثك بالحق	پوچھا کون ہے جبریل نے کہا اسکی قسم جسنے تجھے نبی برحق
نبیا انی لاقرب الخلق مكانا وان	مبعوث کیا۔ میں خلق اللہ میں سب سے زیادہ مقرب بارگاہ
هذا الملك ما رأیته منذ خلقت	ہوں مگر اس فرشتہ کو سوقت سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا
قبل ساعتی هذه فقال الملك الله اكبر	جب سے میں پیدا ہوا۔ پس فرشتہ نے کہا اللہ اکبر
الله اكبر فقیل له من وراء الحجاب صدق	اللہ اکبر۔ پس پردہ کی اوٹ سے آواز آئی سچ کہا میرے
عبدی انا اكبر انا اكبر ثم قال الملك اشهد	بندہ نے۔ میں بڑا ہوں میں بڑا ہوں پھر فرشتہ نے
ان لا اله الا الله فقیل من وراء الحجاب	کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اللہ
صدق عبدی انا الله لا اله الا انا	پردہ سے آواز آئی کہ سچ کہا میرے بندہ نے میں خدا
وذكر مثل هذا فی بقیة الاذان	ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور ایسا ہی
الا انه لم یذكر جوابا من	ذکر کیا اذان کے بقیہ میں۔ مگر حی علی الصلوۃ حی علی
قوله حی علی الصلوۃ حی	الفلاح کا جواب نہیں ذکر کیا اور کہا پھر فرشتہ نے
علی الفلاح وقال ثم اخذ الملك	محمد صلعم کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھایا۔ پس آنحضرت
ید محمد صلعم فقدمه فام اهل السماء	نے آسمان والوں کی امامت کی جس میں آدم و نوح
فیهم ادم ونوح قال ابو جعفر محمد بن علی	تھے۔ ابو جعفر محمد بن علی الحسین جو راوی ہیں انہوں نے
الحسین راویه اكمل الله لمحمد صلعم الشرف علی	کہا کہ خدا نے آنحضرت کو اہل زمین اور آسمان دونو
اهل السموات والارض (شفاء)	پر بزرگی بخشی (شفاء)

یازدہم - واقعات فلک دوم

عربی	اردو
ثم صعد بی حتی اتی السماء الثانیة	پھر مجھکو لیکر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر آئے
(وساق مثل معناه) اذا بیحیی	(اور اوسی کے ہم مضمون بیان کیا) ناگاہ وہاں یحیی

عربی	اردو
وعیسیٰ وهما ابنا خالة (وساق	وعیسیٰ تھے اور وہ دونوں بھائی ہیں (اور اسی طرح
مثله) فقالا مرحبا بالاخ الصالح	بیان کیا) اُن دونوں نے کہا نیک بھائی اور
والنبی الصالح (قتادة)	نیک نبی کو مرحبا - (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء الثانیة (وساق	پھر مجھکو دوسرے آسمان پر لیکر چڑھے (اور اسی طرح
مثله) فاذا انا بابنی الخالة عیسی بن	بیان کیا) پس ناگاہ میں دو بھائیوں عیسیٰ بن مریم و
مریم ویحیی بن ذکریا صلعم فرحبا بی	یحییٰ بن ذکریا کے پاس تھا اُنہوں نے مجھکو مرحبا کہا او
ودعوا لی بخیر (ثابت)	دُعاے خیر دی (ثابت)
حتی عرج بی الی السماء الثانیة (وساق	یہانتک کہ مجھکو دوسرے آسمان تک چڑھا گئے (اور اسی طرح
مثله) قال الانس فذکر انه وجد فی	بیان کیا) انس نے کہا کہ پس ذکر کیا آنحضرت نے کہ پایا
السموات آدم وادریس وموسیٰ وعیسیٰ و	آسمانوں میں آدم و ادریس و موسیٰ و عیسیٰ و ابراہیم کو اور اُن
ابراهیم ولم یثبت کیف منازلهم غیر انه	کے مقامات نہیں متعین کیئے - ہاں اسقدر ذکر کیا کہ آدم
ذکر انه وجد آدم فی السماء الدنیا و	کو آسمان دنیا میں پایا اور ابراہیم کو چھٹے آسمان میں
ابراهیم فی السماء السادسة (ابن شهاب)	(ابن شہاب)
وفی روایة انه رای یوسف فی الثانیة و	ایک روایت میں ہی کہ یوسف کو دوسرے آسمان میں
یحیی وعیسی فی الثالثة (لمعات)	دیکھا اور یحییٰ و عیسیٰ کو تیسرے میں (لمعات)

دوازدہم - واقعات فلک دوم

عربی	اردو
ثم صعد بی الی السماء الثالثة	پھر مجکو لیکر تیسرے آسمان پر چڑھے (اور اسی
(وساق مثله) اذا بیوسف (وساق	طرح ذکر کیا) ناگاہ یوسف (اور اسی طرح
مثله) قال مرحبا بالاخ الصالح	ذکر کیا) اونہوں نے کہا نیک بھائی اور

والنبی الصالح (قتادہ)	نیک نبی کو مرحبا (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء الثالثة	پھر مجھکو لیکر تیسرے آسمان پر چڑھا (اور اوسی طرح
(وساق مثله) فاذا هو بیوسف صلعم	ذکر کیا) پس ناگاہ وہ یوسف صلعم تھے اور اُن کو
واذا هو قد اعطی شطر الحسن فرحب	حُسن کا ایک حصہ ملا ہے۔ مجھکو مرحبا کہا اور
لی ودعا لی بخیر (ثابت)	دُعاے خیر دی (ثابت)
وفی روایة رای ادریس	اور ایک روایت میں ہے ادریس کو تیسرے
فی الثالثة (لمعات)	آسمان میں دیکھا (لمعات)
وفی روایة رای یحیی وعیسی	اور ایک روایت میں ہے یحییٰ وعیسیٰ کو تیسرے
فی الثالثة (لمعات)	آسمان میں دیکھا- (لمعات)

سیزدہم- واقعات فلک چہارم

ثم صعد بی حتی اتی السماء الرابعة	پھر مجھکو لیکر چڑھے یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر آئے
(وساق مثله) فاذا ادریس (و	(اور اُسی طرح بیان کیا) ناگاہ ادریس نظر پڑے
ساق مثله) (قتادہ)	(اور اُسی طرح بیان کیا) (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء الرابعة و	پھر چوتھے آسمان پر لیکر چڑھے (اور اسیطرح ذکر کیا)
ذکر مثله فاذا انا بادریس فرحب	ناگاہ وہاں ادریس نظر پڑے سو مجھکو مرحبا کہا اور
لی ودعا لی بخیر قال الله ورفعناه مکانا	دُعاے خیر دی - خدا نے کہا ہے ہمنے اُنکا درجہ
علیا (ثابت)	اونچا کیا (ثابت)
وفی روایة رای ادریس فی الثالثة	ایک روایت میں ہے ادریس کو تیسرے آسمان میں دیکھا
وهارون فی الرابعة (لمعات)	اور ہارون کو چوتھے میں (لمعات)

چہاردہم - واقعات فلک پنجم

ثم صعد بی حتی اتی السماء الخامسة	پھر مجھکو لیکر چڑھے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر آئے
(فذکر مثله) فاذا هارون	(بس اسی طرح ذکر کیا) یکایک وہاں ہارون تھے وہیں
(فذکر مثله) (قتادة)	اسی طرح ذکر کیا) (قتادہ)
ثم عرج الی السماء الخامسة (فذکر	پھر پانچویں آسمان کی طرف چڑھے (بس اسی طرح
مثله) فاذا بهارون فرحب لی	ذکر کیا) یکایک وہاں ہارون تھے - انہوں نے
ودعالی بخیر (ثابت)	مجھکو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی (ثابت)
وفی روایة اخری رای ادریس	دوسری روایت میں ہے کہ ادریس کو پانچویں
فی الخامسة (لمعات)	آسمان میں دیکھا (لمعات)

پانزدہم - واقعات فلک ششم

ثم صعد بی حتی اتی السماء	پھر مجھکو چھٹے آسمان تک لیکر چڑھے (بس
السادسة (فذکر مثله) فاذا	اسیطرح بیان کیا) وہاں موسیٰ تھے وہیں
موسیٰ (فذکر مثله) (قتادة)	اسی طرح بیان کیا) (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء السادسة	پھر مجھکو چھٹے آسمان کی طرف لیکر چڑھے (بس
(فذکر مثله) فاذا انا بموسیٰ	اسی طرح بیان کیا) وہاں موسیٰ تھے سو مجھکو
فرحب لی ودعالی (ثابت)	مرحبا کہا اور دعا دی (ثابت)
فلما جاوزت بکی قیل له ما یبکیك	پس جب میں آگے بڑھ گیا تو وہ روئے - ان سے
قال ابکی لان غلاما بعث بعدی	پوچھا گیا کیوں روئے - کہا میں اسلئے روتا ہوں کہ ایک
یدخل من امته الجنة اکثر من	نو عمر میرے بعد مبعوث ہوا اور اوس کی امت کے لوگ

يدخلها من امتي (قتادة) — میری اُمت سے زیادہ جنت میں جائینگے (قتادہ)

انه وجد ...... ابراهيم — اُنھوں نے پایا ...... ابراہیم کو چھٹے آسمان میں

في السماء السادسة (ابن شهاب) — (ابن شہاب)

وفي حديث شريك انه رأى موسى — اور شریک کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان

في السابعة (شفاء قاضي عياض) — میں دیکھا (شفاء قاضی عیاض)

شانزدہم - واقعات فلک ہفتم

ثم صعد بي الى السماء السابعة — پھر مجھکو ساتویں آسمان پر لیکر چڑھے (پس اسی طرح

(فذكر مثله) فاذا ابراهيم قال — ذکر کیا) آگاہ وہاں ابراہیم تھے۔ جبرئیل نے کہا یہہ

هذا ابوك ابراهيم (فذكر مثله) — تمہارے باپ ابراہیم ہیں (پس اُسی طرح ذکر کیا)

قال مرحبا بالابن الصالح والنبي — اُنھوں نے کہا کہ اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو مرحبا

الصالح (قتادة) — (قتادہ)

ثم صعد بي الى السماء السابعة (فذكر مثله) — پھر مجھکو ساتویں آسمان پر لیکر چڑھے (پس اسیطرح ذکر کیا)

فاذا ابراهيم مسندا ظهره الى — وہاں ابراہیم تھے۔ بیت معمور کی طرف اپنی پیٹھ ٹیکے

البيت المعمور واذا هو يدخله كل يوم — تھے۔ اور وہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل

سبعون الف ملك لا يعودون اليه (ثابت) — ہوتے ہیں اور دوبارہ کر نہیں آتے (ثابت)

وفي حديث شريك انه رأى موسى في السابعة — شریک کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ کو ساتویں

(شفاء قاضي عياض) — آسمان میں دیکھا (شفاء قاضی عیاض)

ہفدہم - واقعات سدرۃ المنتہیٰ

ثم رفعت بي الى سدرة المنتهى فاذا نبقها — پھر میں سدرۃ المنتہیٰ پہونچا سو اُس کے پھل ہجر (ایک

مثل قلال هجر واذا ورقها
گانوں کا نام ہے) کی چھاگل کے برابر تھے اور اُس کے

مثل اذان الفیلة وقال هذا
پتے ہاتھی کے کان کے سے تھے۔ جبریل نے کہا کہ

سدرة المنتهی (قتادہ)
یہہ سدرۃ المنتہی ہے (قتادہ)

ثم ذهب بی الی سدرة المنتهی
پھر مجھکو سدرۃ المنتہی تک لے گئے سو اُس کے پتے

واذا ورقها کاذان الفیلة
ہاتھی کے کان کے سے تھے اور پھل چھاگل کے

واذا ثمرها کالقلال (ثابت)
برابر (ثابت)

فاذا اربعة انهار نهران باطنان و
وہاں چار نہریں تھیں دو باطن ہیں۔ دو ظاہر ہیں میں نے

نهران ظاهران قلت ما هذان یا جبرئیل
کہا اے جبریل یہہ دونوں کیا ہیں؟ کہا دونو

قال اما الباطنان فنهران فی الجنة واما
باطن کی تو جنت کی دو نہریں ہیں اور جو ظاہر ہیں

الظاهران فالنیل والفرات (قتادہ)
وہ نیل و فرات ہیں (قتادہ)

وفی روایة ابی هریرة من طریق الربیع
اور ابوہریرہ کی ایک روایت میں ہے پس مجھسے کہا گیا

ابن انس فقیل لی هذه السدرة المنتهی
یہہ سدرۃ المنتہی ہے۔ تیری امت میں سے ہر ایک کی

ینتهی الیها کل واحد من امتك خلا احد
پہونچ یہیں تک ہے سوائے ایک کے جو تیرے

علی سبیلك وهی السدرة المنتهی یخرج
رستے پر ہے اور یہی سدرۃ المنتہی ہے جسکی جڑ سے

من اصلها انهار من ماء غیر آسن وانهار
پانی کی نہریں نکلی ہیں جو بگڑتا نہیں اور دودھ کی

من لبن لم یتغیر طعمه وانهار من خمر لذة
نہریں جس کا مزہ بدلا نہیں۔ اور شراب کی نہریں جو

للشاربین وانهار من عسل مصفی
پینے والوں کے لئے لذت بخش ہیں اور صاف

وهی شجرة یسیر الراکب
شہد کی نہریں۔ اور وہ ایک درخت ہے کہ سوار

فی ظلها سبعین عاما
اوس کے سایہ میں ستر برس چلا جاتا ہے

وان ورقة منها مظلة للخلق	اور اس کا ایک پتا تمام خلق پر سایہ کر سکتا ہے پس
فغشیها نور وغشیها الملائکة	اوپر نور چھا رہا ہے اور فرشتے چھا رہے ہیں - خدا کے
قال فهو قوله تعالى اذ یغشی السدرة	اس قول سے اذ یغشی السدرة ما یغشی (یعنی جب
ما یغشی فقال الله تبارک وتعالى	سدرة المنتہی کو چھا لیا اُس چیز نے جس نے چھا لیا)
له سل فقال صلعم یارب انک	یہی مراد ہے - پس کہا خدا اے برتر و پاک نے
اتخذت ابراهیم خلیلا واعطیته	محمد صلعم سے مانگ پس کہا صلعم نے اے پروردگار
ملکا عظیما وکلمت موسى تکلیما	تو نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور اوسکو ایک بڑا ملک
واعطیت داؤد ملکا عظیما	عنایت کیا - اور موسیٰ سے کلام کیا اور داؤد کو
والنت له الحدید وسخرت له	ایک بڑی سلطنت عطا کی اور اون کے لیئے لوہے کو
واعطیت سلیمان ملکا	نرم کر دیا اور مسخر کر دیا - اور سلیمان کو ایک بڑا ملک
عظیما وسخرت له الجن والانس	عطا کیا اور اُن کے لیے جن اور آدمی اور ہوائیں
والریاح والشیاطین واعطیته	اور شیاطین مسخر کر دیئے اور ایسا ملک دیا کہ انکے
ملکا لا ینبغی لاحد من بعده و	بعد پھر کسیکو نہیں مل سکتا اور موسیٰ کو توریت
علمت موسى التوراة وعیسى الانجیل -	سکھائی اور عیسیٰ کو انجیل - اور اُن کو ایسا کر دیا کہ وہ
وجعلته یبرئ الاکمه والابرص واعذته	کوڑھی اور مبروص کو اچھا کر دیتے تھے اور اُن کو
من الشیطان الرجیم فلم یکن علیهما	مردود شیطان سے محفوظ رکھا سو شیطان
سبیل فقال له ربه تعالى اتخذتک	اُن دونوں پر قابو نہیں پا سکتا - پس کہا خدا نے
حبیبا فهو مکتوب فی التوراة	محمد صلعم سے میں نے تجھکو حبیب بنایا سو توریت میں
محمد حبیب الرحمن وارسلتک	لکھا ہے کہ محمد حبیب الرحمن ہیں اور میں نے تجھکو

الى الناس كافة وجعلت امتك	تمام خلق اللہ پر بھیجا اور میں نے تیری امت کو ایسا کیا
لا تجوز لهم خطبة حتى يشهدوا	کہ وہ اگلے بھی ہیں اور پچھلے بھی۔ اور تیری اُمت کی خطبہ
انك عبدي ورسولي وجعلتك اول	محسوب نہیں ہوتی جب تک وہ یہ گواہی دیتے رہیں کہ تو
النبيين خلقا واخرهم بعثا و	میرا بندہ اور پیغمبر ہے۔ اور میں نے تجھکو سب نبیوں سے
اعطيتك سبعا من المثاني و	پہلے پیدا کیا اور سب کے اخیر میں بھیجا اور میں نے تجھکو
لم اعطها نبيا قبلك وجعلتك	دوھرے لفظوں سات آیتوں والی دی اور تجھ سے
فاتحا وخاتما (شفاء قاضي	پہلے کسی نبی کو نہیں دی۔ اور میں نے تجھکو فاتح اور
عياض)	خاتم کیا (شفاء قاضی عیاض)
قال فلما غشيها من امر الله ما غشي	فرمایا کہ جب چھا گیا اُس پر خدا کے حکم سے جو چھا گیا
تغيرت فما احد من خلق الله يستطيع	تو وہ متغیر ہو گیا۔ سو خلق اللہ میں سے کوئی شخص
ان ينعتها من حسنها۔ (ثابت)	اُس کی خوبصورتی کی تعریف نہیں کر سکتا (ثابت)
وقال ابن شهاب حتى اتيت سدرة	اور ابن شہاب نے کہا۔ یہانتک کہ میں سدرۃ المنتہی
المنتهى فغشيها الوان لا ادري	پہونچا سو اُسکو ایسے رنگوں نے ڈھک لیا کہ میں
ما هي وقال ثم ادخلت الجنة	نہیں جانتا تھا وہ کیا ہیں۔ اور کہا پھر داخل کیا گیا
فاذا فيها جنابذ اللؤلؤ واذا	میں بہشت میں۔ سو وہاں موتی کے گنبد تھے
ترابها المسك (كما سيجيئ)	اور اُس کی مٹی مشک ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے)
وعن عبد الله قال لما اسري	اور عبد اللہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ
برسول الله صلى الله عليه وسلم انتهى	صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی۔ سدرۃ المنتہی
به الى سدرة المنتهى وهي في السماء السادسة	تک پہونچائے گئے اور وہ چھٹے آسمان پر ہے

الیھا ینتھی ما یھبط بہ من فوقھا	اُسی تک ختم ہوتا ہی جو اوسپر اوپر سے اوترتا ہے۔ سو وہ
فیقبض منھا قال اذ یغشی السدرۃ	اُسکو پکڑ لیتا ہی کہا اذ یغشی السدرۃ ما یغشی سے مراد سونے
ما یغشی قال فراش من ذھب (عبداللہ بن مسعود)	کا بچھونا ہے (عبداللہ بن مسعود)
وفی حدیث شریک انہ رای موسی فی	اور شریک کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان
السابعۃ قال بتفصیل کلام اللہ تعالے لہ	میں دیکھا۔ خدا کی باتونکی تفصیل اُسنے بیان کی کہا کہ پھر اُسکے
قال ثم علی بہ فوق ذلک بما لا یعلمہ	اوپر گئے کہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ بس کہا
الا اللہ تعالے فقال موسی لم اظن ان یرفع علی	موسیٰ نے مجھکو گمان نہیں تھا کہ مجھ سے اوپر بھی کوئی
احد (شفاء قاضی عیاض)	جائیگا۔ (شفاء قاضی عیاض)
ثم رفع لی البیت المعمور (قتادہ)	پھر میرے سامنے بیت المعمور لایا گیا۔ (قتادہ)
ثم اتیت باناء من خمر و اناء من لبن	پھر میرے سامنے شراب اور دودھ اور شہد کے ظرف
واناء من عسل فاخذت اللبن فقال ھی	لائے گئے پس مینے دودھ کو لیلیا پس کہا کہ یہی فطرت
الفطرۃ انت علیھا وامتک (قتادہ)	ہے تو اور تیری اُمت اُسپر ہے (قتادہ)
قال ابن شھاب فاخبرنی بن حزم	ابن شہاب نے کہا کہ مجھکو ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس
ان ابن عباس وابا حبۃ الانصاری کانا	وابو حبہ انصاری دونوں کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ
یقولان قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھکو اوپر لیگئے یہانتک کہ مین
ثم عرج بہ حتی ظھرت لمستوی اسمع فیہ	ایسی جگہ پر پہونچا جہاں قلم کے لکھنے میں چلنے کی آواز
صریف الاقلام (ابن شھاب)	مجھکو سنائی دیتی تھی (ابن شہاب)

ہشتدہم۔ احکام جو عنایت ہوئے

فاوحی اللہ الی ما اوحی (ثابت)	پس وحی کی خدانے میری طرف جو کی (ثابت)

ثم فرضت علی الصلوۃ خمسین صلوۃ	پھر مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض
کل یوم۔ (قتادہ)	ہوتیں۔ (قتادہ)
ففرض علی خمسین صلوۃ فی کل	پھر مجھ پر ہر دن رات میں پچاس نمازیں
یوم و لیلۃ۔ (ثابت)	فرض کیں (ثابت)
قال ابن حزم و انس قال النبی صلی اللہ	ابن حزم و انس نے کہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ و سلم ففرض اللہ علی امتی	علیہ وسلم نے پس فرض کیں خدا نے میری امت پر
خمسین صلوۃ ۔ (ابن شہاب)	پچاس نمازیں (ابن شہاب)
فرجعت فمررت علی موسی فقال	پھر میں لوٹا اور موسیٰ پر گذرا اُنھوں نے کہا تم پر کیا فرض ہوا
بما امرت قلت امرت بخمسین	میں نے کہا ہر روز پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا تمہاری
صلوۃ کل یوم قال ان امتک لا	اُمت ہر روز پچاس نمازیں نہیں ادا کرسکے گی۔
تستطیع خمسین صلوۃ کل یوم وانی	اور میں بخدا تم سے پہلے لوگوں کا تجربہ کرچکا ہوں اور
واللہ قد جربت الناس قبلک و	بنی اسرائیل کو خوب اچھی طرح آزما چکا ہوں۔ تم خدا
عالجت بنی اسرائیل اشد المعالجۃ فارجع	کی طرف واپس جاؤ۔ اور کم کراؤ اپنی امت کے لیے
الی ربک فسئلہ التخفیف لامتک فرجعت	پس میں واپس گیا۔ سو خدا نے دس نمازیں گھٹا دیں
فوضع عنی عشراً فرجعت الی موسیٰ فقال	پھر میں واپس آیا موسیٰ کی طرف۔ موسیٰ نے پھر
مثلہ فرجعت فوضع عشراً فرجعت	وہی کہا۔ میں پھر لوٹا۔ خدا نے دس اور بھی کم کر دیں
الی موسی فقال مثلہ فرجعت	پھر میں موسیٰ کے پاس آیا۔ موسیٰ نے پھر وہی کہا
فوضع عنی عشراً فامرت	میں پھر لوٹا۔ خدا نے دس اور بھی کم کر دیں۔ پس
بعشر صلوۃ کل یوم فرجعت الی	مجھکو ہر روز دس نمازوں کا حکم ہوا۔ پس پھر میں

موسیٰ فقال مثله فرجعت فامرت
بخمس صلوة کل یوم (قتادہ)
فنزلت موسیٰ فقال ما فرض ربك
علی امتك فقلت خمسین صلوة
فی کل یوم ولیلة قال ارجع الی
ربك فاسئله التخفیف فان امتك
لا تطیق ذالك فانی قد بلوت
بنی اسرائیل وخبرتهم قال فرجعت
الی ربی فقلت یا رب خفف عن
امتی فحط عنی خمسا فرجعت
الی موسیٰ فقلت حط عنی خمسا
قال ان امتك لا تطیق ذالك
فارجع الی ربك فاسئله التخفیف
قال فلم ازل ارجع بین ربی
تعالیٰ وبین موسیٰ حتی قال یا محمد انهن
خمس صلوة کل یوم ولیلة (ثابت)
فرجعت بذلك حتی مررت علی موسیٰ
فقال ما فرض الله لك علی امتك
قلت فرض خمسین صلوة قال فارجع

موسیٰ کے پاس آیا۔ موسیٰ نے پھر وہی کہا۔ میں پھر
لوٹا۔ پس مجکو ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا (قتادہ)
پس میں اترا موسیٰ کی طرف۔ اونہوں نے کہا
خدا نے تیری امت پر کیا فرض کیا۔ میں نے کہا ہر رات
دن میں پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا۔ پھر خدا کے
پاس جاؤ اور کہو کہ کم کر دے۔ کیونکہ تمہاری امت
اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے بنی اسرائیل کو
آزما لیا ہے اور دیکھ لیا ہے۔ فرمایا آنحضرتؐ نے
پس میں واپس گیا خدا کی طرف اور کہا کہ اے خدا میری
امت پر تخفیف کر۔ پس پانچ نمازیں گھٹا دیں۔ پھر
میں موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ پانچ کم ہوئیں۔ موسیٰ
نے کہا تمہاری امت اسکی طاقت نہیں رکھتی۔ تم پھر خدا
کے پاس جاؤ اور کمی کی درخواست کرو۔ فرمایا کہ میں برابر
خدا اور موسیٰ کے درمیان آیا اور گیا یہانتک کہ خدا نے
کہا اے محمد وہ پانچ نمازیں ہیں ہر دن رات میں
(ثابت)
میں اسکے ساتھ لوٹا۔ یہانتک کہ موسیٰ پر گذرا۔
موسیٰ نے کہا خدا نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا۔
میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا تم لوٹ جاؤ

الی ربک فان امتک لا تطیق ذلک فرجعنی
فوضع شطرها فرجعت الی موسی
فقلت وضع شطرها فقال راجع الی
ربک فان امتک لا تطیق ذلک
فرجعت فوضع شطرها فرجعت الیہ
فقال ارجع الی ربک فان امتک
لا تطیق ذلک فراجعتہ فقال
ھی خمس وھی خمسون لا یبدل
القول لدی فرجعت الی موسی
فقال راجع ربک فقلت
استحییت من ربی
(ابن شہاب)

اپنے خدا کی طرف - کیونکہ تمہاری اُمت سے یہ نہ ہو سکیگا
مَیں واپس گیا تو ایک حصہ معاف ہوا میں موسیٰ کے
پاس پھر آیا اور کہا کہ ایک حصہ معاف ہوا - موسیٰ نے کہا
پھر خدا سے گفتگو کرو - تمہاری امت سے اتنا نہ ہو سکیگا
مَیں واپس گیا اور دوبارہ سوال کیا - ایک حصہ اور
معاف ہوا - مَیں پھر موسیٰ کی طرف آیا - اُنہوں نے
کہا پھر جاؤ - تمہاری اُمت سے اتنا نہ ہو سکیگا - مَیں نے
دوبارہ سوال کیا - خدا نے کہا یہ پانچ ہیں اور وہ
(دراصل) پچاس ہیں - میری بات دوسری نہیں
ہوتی - پھر میں موسیٰ کے پاس آیا اُنہوں نے کہا تم
پھر خدا کی پاس جاؤ - مَیں نے کہا کہ اب میں تو خدا سے
شرما گیا (ابن شہاب)

لکل صلوۃ عشرۃ فتلک
خمسون صلوۃ (ثابت)

ہر نماز کے لیئے دس ہیں - پس وہ پچاس نمازیں
ہوئیں - (ثابت)

قال فاعطی رسول اللہ صلعم ثلثا اعطی الصلوۃ
الخمس واعطی خواتیم سورۃ البقرۃ وغفر لمن
لا یشرک باللہ من امتہ شیئا المقحمات
(عبد اللہ ابن مسعود)

کہا پس حضرت کو تین چیزیں عطا ہوئیں - پانچ
نمازیں - اور سورہ بقر کے خاتمہ کی آیتیں - اور بخشدیا
گیا اُسکو حضرت کی امت میں سے جو خدا کا کسی کو ساجھی
نہیں کرتا - (عبد اللہ ابن مسعود)

ومن ھم بحسنۃ فلم یعملھا کتبت لہ

اور جس شخص نے ایک نیکی کا قصد کیا اور کیا نہیں اُسکے لیئے

حسنة فان عملها كتبت له عشرا ومن هم بسيئة	ایک نیکی لکھی جائیگی اور اگر کرلے تو دس لکھی جاویں گی
فلم يعملها لم تكتب عليه شيئا فان عملها كتبت	اور جو شخص کسی برائی کا قصد کرے اور کرے نہیں تو کچھ نہ
له سيئة واحدة (ثابت)	لکھا جاویگا - اور اگر کرلے تو ایک برائی لکھی جاویگی (ثابت)
فرجعت الى موسى فقال بما امرت	پس میں موسیٰ کی طرف واپس آیا - اونہوں نے کہا
قلت امرت بخمس صلوات كل يوم	تمکو کیا حکم ہوا میں نے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا - موسیٰ
فقال ان امتك لا تستطيع خمس صلوات	نے کہا تمہاری امت ہر روز پانچ نمازیں نہ پڑھ سکیگی اور میں
كل يوم واني قد جربت الناس قبلك و	تمسے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب
عالجت بني اسرائيل اشد المعالجة فارجع	اچھی طرح ازمایا ہے - تم خدا کی طرف لوٹ جاؤ اور اپنی امت کے
الى ربك فسئله التخفيف لامتك قال	لیے تخفیف کی درخوست کرو - فرمایا میں خدا سے
سالت ربي حتى استحييت ولكني	سوال کرتے کرتے شرما گیا - اب میں اسی پر راضی ہو جاونگا
ارضى واسلم (قتادہ)	اور تسلیم کرلوں گا - (قتادہ)
قال فنزلت حتى انتهيت الى موسى	کہا پس میں اترا یہانتک کہ موسیٰ کے پاس پہونچا -
فاخبرته فقال ارجع الى ربك فاسئله	اور انکو خبر دی - موسیٰ نے کہا اپنے خدا کی طرف واپس
التخفيف فقال رسول الله صلى الله	جاؤ اور تخفیف کی درخوست کرو پس فرمایا رسول اللہ
عليه وسلم فقلت قد رجعت الى	صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نے کہا کہ میں خدا کیطرف پھر
ربي حتى استحييت منه	پھر کے گیا یہاں تک کہ اب میں اس سے شرما گیا
(ثابت)	(ثابت)
قال فلما جاوزت نادى مناد	کہا پس جب میں آگے بڑھا ایک پکارنے والے نے آواز
امضيت فريضتي وخففت عن	دی - میں نے اپنا فرض نافذ کیا اور اپنے بندوں سے

عبادی (قتادہ)	تخفیف کی (قتادہ)
ثم انطلق بی حتی انتہی الی سدرۃ المنتہیٰ	پھر مجھکو لیکے چلے (جبریل) یہانتک کہ سدرۃ المنتہیٰ پہنچے
وغشیہا الوان لا ادری ماھی	اور اسکو رنگوں نے ڈھک لیا کہ میں اُن کو نہیں جانتا
ثم ادخلت الجنۃ فاذا فیہا جنابذ	تھا پھر میں جنت میں داخل کیا گیا ناگاہ وہاں موتی کے
اللولو واذا ترابہا المسک (ابن شہاب)	گنبد تھے اور اُسکی مٹی مشک تھی - ابن شہاب)

یہ سب روایتیں ایک دوسری سے اس قدر مختلف و متناقض ہیں کہ اُن کے قواعد کے پیش کرنے کی جن سے انکا باطل اور موضوع ہونا ثابت ہو سکتا ہے غیر ضروری ہے - کیونکہ یہ خود روایتیں صراحتاً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت و اعتبار کو خود کھوتی ہیں

مصنف لمعات کا بیان ہے کہ یہ روایتیں ایک دوسرے سے اسقدر اختلاف رکھتی ہیں کہ اُن کا تطبیق کرنا بالکل غیر ممکن ہے تاوقتیکہ تعدد معراج کو تسلیم نہ کر لیا جاوے - یا ایک پر دوسرے کو ترجیح نہ دی جاوے - یعنی ان میں سے کسی کو مانا جاوے اور باقیوں کو غلط اور بے اصل قرار دیا جاوے -

وعلی تقدیر صحۃ الروایات یتعذر الجمع الا ان یقال بتعدد المعراج او یرجح بعض الروایات علی بعض (لمعات)

وہ عیسائی مصنف جنہوں نے پیغمبر خدا کی سوانح عمری لکھی ہے ایک درجہ اور بھی بڑہ گئے ہیں اور اُن تعریفوں اور منظوم نعتوں کو جو مسلمان شاعروں نے اپنے شاعرانہ طرز سے مختلف امور متعلق بہ معراج مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زینت اور شان - براق کی شکل - فرشتوں کے جلوس وغیرہ پر لکھی ہیں روایاتِ مستند شمار کر لیا ہے مگر اُنہوں نے اسلام کے حق میں یہہ بہت بڑی عمدہ بات کی ہے اور اسلام کو ہمیشہ اُن کی محنتوں اور جانفشانیوں کا

مشکور ہونا چاہیئے - کیونکہ جب کوئی منصف مزاج اور ذی فہم شخص ایسے تصنیفات کے مجموعہ پر نظر ڈالیگا تو ہمکو اُمید ہے کہ وہ اس نتیجہ کے استنباط سے باز نہ رہ سکیگا کہ یہہ تصنیفات امر حق کی تحقیق اور تدقیق کے سوا اور کسی غرض کے لئے کی گئی ہیں اور بیہودگی اور یاوہ گوئی میں گروشیس کے کبوتر کے قصے کے ساتھہ ہمسری کرتی ہیں -

شق صدر اور معراج اگر مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت سیدھا سادہ تعلق رکھتے ہیں - اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک میں یا اس واقعہ کے خواب میں ہونے سے انکار کرے اور یہ کہے کہ اس قسم کی کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی اور یہ تمام روایتیں جو اس واقعہ کے حقیقی یا خیالی وقوع کو بیان کرتی ہیں بلا استثناء بالکل غلط اور سراسر مہمل موضوع اور جعلی ہیں تو بھی اُس کے ایمان میں ذرہ برابر بھی خلل واقع نہو گا بلکہ وہ پورا پکا اور سچا مسلمان رہے گا -

معراج کا خواب اس قبیل سے ہے جیسا کہ حضرت یعقوبؑ نے دیکھا تھا اور جو معراج یعقوب کہا جاتا ہے - چنانچہ توریت میں لکھا ہے کہ "پس بہ خواب دید کہ اینک نردبانے بہ زمین برپا گشتہ سرش بآسمان میخورد و اینک فرشتگان خدا ازان بہ بالا و زیر مے رفتند و اینک خداوند برآں ایستادہ میگفت من خداوند خداے پدرت ابراہیم و ہم خداے اسحٰق ام این زمینی کہ برآں میخوابی بتو و بذریۃ تو میدہم و ذریۃ تو مانند خاک زمین گردیدہ بہ مغرب و مشرق و شمال و جنوب منتشر خواہند شد و اینک من باتوام و ہر جاے کہ می روی ترا نگاہداشتہ باین زمین باز پس خواہم آورد تا بوقتے کہ آنچہ بتو گفتہ ام بجا آورم ترا وانخواہم گزاشت و یعقوب از خواب خود بیدار شدہ گفت بدرستیکہ خداوند درین مکان ہست و من نہ دانستم - پس ترسیدہ گفت کہ این مکان چہ ترسناک ہست این نیست مگر خانۂ خدا و این ہست دروازہ آسمان (سفر تکوین باب ۲۸ درس ۱۲-۱۷)

معراج کی نسبت جس چیز پر کہ مسلمانوں کو ایمان لانا فرض ہے وہ اس قدر ہے کہ پیغمبر خدا نے اپنا مکہ سے بیت المقدس پہونچنا ایک خواب میں دیکھا اور اسی خواب میں اُنہوں نے درحقیقت اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں مشاہدہ کیں۔ خواہ وہ شخص اُن نشانیوں کو لامعلوم نشانیاں کہے خواہ اُن نشانیوں کے دیکھنے سے عمدہ ترین احکام کا وحی ہونا مراد لے۔ مگر اس بات پر یقین رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھہ خواب میں دیکھا یا جو وحی ہوئی یا انکشاف ہوا وہ بالکل سچ اور برحق ہے۔

اگر کوئی مسلمان مذکورہ بالا عقیدہ پر ایمان رکھکر اُن سب روایتوں کو جو معراج کی قصہ میں آئی ہیں نہ مانے اور سب کو موضوع اور نہایت قابل الزام خیال کرکے چھوڑ دے تو اُس کے دین وایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور وہ اُس شخص کے ہمپایہ ہوگا جو کسی چیز پر بلا تحقیق و تفتیش کے ایمان نہیں لاتا۔

روایات معراج میں اگر کوئی مسلمان کسی حکم کا تلاش کرنا چاہے تو اُسکو بعد از تلاش بسیار بجز دو حکموں کے اور کوئی حکم نہ ملیگا۔ ایک نماز پنجگانہ کا۔ اور دوسرا یہ کہ جو کوئی خدا تعالی کا مثل اور ہمتا گردانے وہ مشرک خیال کیا جاوے گا۔ مگر یہہ احکام نہ اُن روایتوں پر منحصر ہیں اور نہ اُن کے ذریعہ سے ہم تک پہونچے ہیں بلکہ خدا تعالی نے متعدد آیات قرآنی میں اُنکی نسبت صاف صاف اور بالتصریح حکم صادر فرمایا ہے پس اُن روایات کے نماننے سے کسی حکم شرعی کا انکار لازم نہیں آتا۔

اگر اُن روایتوں کی نسبت یہ خیال کیا جائے کہ نہ اُن سے ایک شان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پائی جاتی ہے تو اُسکی نسبت ہماری یہہ رائے ہے کہ اگرچہ سب باتیں جو اُن روایتوں میں مندرج ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی جاویں

تو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کچھ بڑھ نہیں جاویگی اور نہ اُس بے انتہا اعلیٰ درجہ کی شان میں کچھ زیادتی ہوگی اور اگر اُن کا عشرِ عشیر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ منسوب کیا جاوے تو بھی اُس جناب کی عظمت و شان میں کچھ فرق نہیں آویگا۔

ہم مسلمان اپنے نبی کو "ابن اللہ" بنانا نہیں چاہتے اور نہ اُن کو "اللہ تعالیٰ کے دست راست" پر بٹھانے کے مشتاق ہیں ہم اُن کی سب سی بڑی عزت اس میں خیال کرتے ہیں جو خود اونہوں نے اپنی نسبت فرمایا ہے کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

تمت

الخطبة الثانی عشر

فی

وِلَادَتِہٖ وَطُفُولِیَّتِہٖ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ

اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے آپ کی بارہ برس تک کی عمر کا حال ہے

عبد اللہ بن عبد المطلب والد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوبیس برس کی عمر تھی جبکہ اُنہوں نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی ۔ آمنہ بنت وہب قریش کے قبیلہ سے تھیں جو عرب کے قبیلوں میں نہایت معزز اور شریف قبیلہ تھا۔ حضرت آمنہ حمل سے ہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عبد اللہ نے بغرض تجارت یثرب یعنی مدینہ کی طرف سفر کیا اور قبل پیدا ہونے آنحضرت کے اُنہوں نے وفات پائی اور بنی نجار کے دار نبیغہ میں مدفون ہوئے۔

اُنکی وفات کے بعد محمد صلعم پیدا ہوئے۔ جمہور مورخین کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلعم بارہویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے برس یعنی ابرھہ کی چڑھائی سے پچپن روز بعد پیدا ہوئے مگر اس بات میں کہ عام الفیل سنہ عیسوی کے کون سے سال میں واقع ہوا تھا مورخوں کی رائے میں اختلاف ہے منقح امر جو قرار پایا ہے کہ عام الفیل ۵۷۰ء کے مطابق تھا کیونکہ سب مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶۲۲ء میں مکہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی یعنی
نزول وحی سے تیرھویں برس اور وحی چالیس برس کی عمر میں نازل ہوئی تھی - ان برسوں کو
اگر جمع کیا جاوے تو ترپن قمری سال ہوتے ہیں اور جبکہ ان میں سے ایک برس قمری
شمسی سال سے مطابق کرنے کیلئے منہا کیا جاوے تو باون برس باقی رہتے ہیں
اور جب ان باون برس کو چھ سو بائیس میں سے نکال ڈالا جائے تو پانسو ستر باقی
رہتے ہیں اور اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی تھی -

آنحضرت کی ولادت کی نسبت بہت سی عجیب روایتیں مشہور ہیں کہ ولادت
کی رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور اُس کے چودہ کنگرے گر پڑے - فارس کا
مقدس آتشکدہ جس میں سالہا سال سے برابر آگ جلتی چلی آتی تھی دفعۃً بجھ گیا وہاں
کے موبدوں نے عجیب عجیب خوابیں دیکھیں اور چشمہ ساوہ دفعۃً خشک ہوگیا - مگر ان روایتوں
کی معتبری کی قابل اعتماد سندیں نہیں ہیں اور نہ مذہبی روایتیں سمجھی جاسکتی ہیں -

آنحضرت کی ذات بابرکات کے سبب اسلام نے رونق پائی اور مسلمانوں کو فتوحات
نمایاں حاصل ہوتی گئیں اور تمام مملکت فارس مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوئی اور وہاں کے
قدیم آتشکدے برباد ہوئے اور کسریٰ کے محلوں میں زلزلہ ڈالدیا - ان واقعات کو
جو بعد کو وقوع میں آئے شاعروں نے اپنے شاعرانہ خیالات میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے منسوب کیا کہ گویا اُن کا پیدا ہونا ہی فارس کے آتشکدوں کا
بجھنا اور کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑنا تھا - رفتہ رفتہ یہہ شاعرانہ خیال بطور روایت کے
مروج ہونے لگے اور عین روز ولادت ہی سے منسوب کردیئے گئے - پس ان باتوں کو

مذہبی روایتیں تصور کرنا اُن لوگوں کی غلط فہمی ہے جو مسلمانوں کی مذہبی روایتوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔

علاوہ اِن کے اور بھی روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی نسبت کتب سیر میں مذکور ہیں۔ اگرچہ اُن کی صحت کے لیئے بھی کافی ثبوت موجود نہیں ہے مگر اُن کے غلط ہونے کے لیئے بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اُن روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ نے کسیکو عبدالمطلب کے پاس بھیجا اور آپ کے پیدا ہونے کی اطلاع کی۔ عبدالمطلب فی الفور وہاں آئے اور آنحضرت کو اپنے ہاتھوں پر اوٹھاکر کعبہ میں لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب کی دعا کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ صریح مسلمانی طرز کا ہے اور اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ کعبہ میں عبدالمطلب کا دعا مانگنا صرف مسلمانوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ مگر ہمکو اس بات سے کہ عبدالمطلب نے جو دعا مانگی تھی وہ مسلمانی طرز کی دعا تھی کچھ تعجب نہیں ہوتا کیونکہ ہمکو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگوں میں سے خدا پرستی بالکل معدوم نہیں ہوئی تھی اور اس بات کا بڑا قوی ثبوت یہہ ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا نام عبداللہ رکھا تھا جو خاص خدا پرستوں کا طریقہ ہے۔

چند روز تک ثوبیہ نے جو آنحضرت کے چچا ابولہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی تھیں آنحضرت کو دودہ پلایا۔ ثوبیہ نے آنحضرت کے چچا حمزہ کو بھی دودہ پلایا تھا اور اس سبب سے حمزہ اور مسروق ابن ثوبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دودہ بھائی تھے۔

عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمدؐ رکھا مگر حضرت آمنہ نے
خواب میں ایک فرشتہ کو دیکھا تھا جسنے کہا تھا کہ آپکا نام احمدؐ رکھنا۔ اسلئے اُنہوں نے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام احمدؐ رکھا اور اس طرح توریت وانجیل دونوں کی بشارتوں کی
تصدیق ہوگئی جن کا بیان ہمنے خطبہ بشارات میں کیا ہے

ولادت کے ساتویں روز عبد المطلب نے قربانی کی اور تمام ارکین قبیلۂ
قریش کو دعوت میں بُلایا۔

شرفاء مکہ کا دستور تھا کہ آب وہوا کے لحاظ سے اور اس غرض سے کہ بچوں کے
لہجہ اور زبان میں غیر زبان کا اثر نہونے پائے اپنے بچوں کو جبکہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے
تھے دودھ پلانے والیوں کے سپرد کرکے باہر بھیجدیا کرتے تھے۔ اسی رسم کے موافق آنحضرت
کو حلیمہ سعدیہ کے سپرد کردیا گیا اور وہ اپنے گھر لیگئیں۔ اور ہر چھٹے مہینے لاکر اُنکی والدہ
اور دیگر اقربا کو دکھلا جاتی تھیں۔ دو برس بعد آپ کا دودھ چھُٹایا گیا۔ اور حضرت
حلیمہ آپ کو لیکر حضرت آمنہ پاس آئیں مگر حضرت آمنہ نے اس خیال سے کہ مکہ کی آب
وہوا آپ کو موافق نہوگی پھر حضرت حلیمہ کے سپرد کردیا اور وہ اُن کو اپنے گھر لیگئیں۔
اور ہر چھٹے مہینے لاکر ملا جاتی تھیں۔ جب آنحضرت کی عمر چار برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ
نے آپ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ پس حضرت حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
دودھ پلائی ماں اور اُن کے خاوند حارث ابن عبد العزیٰ دودھ کے رشتہ کے باپ
اور اون کی اولاد عبد اللہ او انیسہ اور خذیمہ عرف شیماں دودھ بھائی اور دودھ بہن ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ کے رشتہ کو خون کے رشتہ کے برابر
سمجھتے تھے اور حضرت حلیمہ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور اُن کا ادب اور اونکی تعظیم

ماں کے برابر کرتے تھے - ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک
جسکو مسلمان سر پر رکھنے اور آنکھوں سے لگانے کے لائق سمجھتے ہیں حضرت حلیمہ کے لئے
بچھادی تاکہ وہ اُسپر بیٹھیں - دودھ کے رشتہ کا ایسا پاس و لحاظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کرتے تھے اور جو محبت اور الفت کہ حضرت حلیمہ اور اوسکی اولاد کے ساتھ برتتے تھے
اور جس احسانمندی کا اظہار دودھ کے رشتہ داروں کے ساتھ کیا کرتے تھے نہایت اعلیٰ
اور عمدہ مثالیں آنحضرتؐ کے اخلاق حمیدہ نیک خوئی اور نرم دلی کی ہیں جس کی نظیر
اس سے پہلے کبھی نہیں پائی گئی -

بنی قریش اور بالتخصیص اُس کی وہ شاخ جو بنی سعد کہلاتی تھی جن میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ طفولیت میں پرورش پائی تھی تمام ملک عرب میں زبان
کی شستگی اور فصاحت کے لیئے مشہور تھی اور اسی سبب سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم بھی نہایت زبردست اور پُراثر فصاحت و بلاغت رکھتے تھے - اہل عرب درحقیقت
فصاحت و بلاغت کی نہایت قدر کرتے تھے اور جو شخص فصیح و بلیغ ہوتا تھا اُسکو نظر حقارت
سے دیکھتے تھے اور ذلیل سمجھتے تھے گو وہ کیسی ہی نامور اور شریف خاندان کا کیوں نہو -

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اس سبب سے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو جزیرہ نما عرب کی خوشنما زبان کے خالص ترین نمونہ پر بنگئی تھی -
جبکہ اُن کی فصاحت و بلاغت اُن کی کامیابی میں بڑا کام دینے لگی تو ایک خالص زبان
اور ایک دلفریب گفتگو سے فائدہ عظیم مرتب ہوا - مگر ایک بات سر ولیم میور صاحب کی نگاہ
رہ گئی کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی متواتر یا مشہور حدیث کو پڑھتے
ہیں جس میں یقین کیا جاتا ہی کہ خاص لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محفوظ ہیں جیسی

دُعائیں وغیرہ تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا طرز کلام اور فصحاے عرب کے طرز کلام سے کچھ
غیر مشابہ نہیں ہے۔ لیکن جب ہم قرآن مجید کے مقدس صفحوں کو پڑھتے ہیں تو ہمکو
حیرت ہوتی ہے اور ہمارا تعجب بے انتہا بڑھ جاتا ہے کہ وہ دونوں کلام ایک شخص کے
نہیں معلوم ہوتے اور دونوں میں بہت بڑا فرق پاتے ہیں اور اس کی وجہ بجز اس کے
اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ اول کلام انسانی ہے اور دوسرا کلام ربانی۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھہ برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ آپ کو
اپنے عزیز واقربا سے ملانے کے لیئے مدینہ منورہ لیگئیں۔ کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہریں
اور پھر مکہ معظمہ کو مراجعت کی اور رستہ میں بمقام ابواء وفات پائی۔ جبکہ آنحضرت
مکہ میں پہونچے تو آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمہ
لی اور ہمیشہ آپ کے ساتھ شفقت پدری سے پیش آتے رہے۔

سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ طفولیت
یعنی بارہ برس کی عمر تک کے بعض واقعات تعریضاً بیان کیئے ہیں مثلاً مدینہ کی چھوٹی
چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ اُنکا کھیل کود میں مصروف رہنا اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے
ہوئے پرندوں کو اوڑا دینا اور رضاعی بہن کی پیٹھ میں کاٹ کھانا اور مدینہ سے حدیبیہ کو
جاتے وقت اپنی ماں کی قبر پر رونا۔ اگرچہ ان باتوں کی اور اسی قسم کی اَور باتوں کی تصدیق
کی جو اونہوں نے بیان کی ہیں کوئی معتبر سند نہیں ہے لیکن اگر سب باتیں تسلیم بھی
کرلی جاویں تب بھی یہہ ایسی باتیں ہیں جیسیکہ ایام طفولیت میں انسانی فطرت کی موافق
ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے۔ اونہوں نے
اپنے آپ کو صرف یہہ کہا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ۔ پس ایسی باتیں اگر ہوئی

بھی ہوں تو انسانی فطرت سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتیں۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آٹھواں برس شروع ہوا تو آپ کے دادا عبد المطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔

سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ جنازہ کے ہمراہ قبرستان حجر کو گئے تو لوگوں نے اُنکو روتے دیکھا۔ یہہ ایک ایسی بات ہے جس سے برخلاف منشاء سر ولیم میور صاحب کے کچھہ تعجب نہیں ہوتا بلکہ اگر نہ روتے تو نہایت تعجب ہوتا۔ آنحضرت اُس وقت کم عمر تھے اور ایسے موقعوں پر آنسوؤں کا نکلنا اور دل کا جوش مارنا۔ خداتعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ودلیعت کیا ہے۔ رنج وغم کے وقت دل کا ملایم ہونا اور محبت آمیز جوش کا اُٹھنا اور آنکھوں کی راہ سے آنسوؤں کا بہنا خدائے رحیم نے انسان کے دل کی تسلی اور اُس کے رنج کے تسکین کا ذریعہ بنایا ہے۔ پس آنحضرت نے بھی اُسی فطرت کی پیروی کی تھی جو خدا نے انسان میں بنائی ہے۔

عبد المطلب کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش ابوطالب آپ کے چچا نے جو آپ کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے اپنے ذمہ لی۔ یہہ بھی آنحضرت کے ساتھہ نہایت محبت سے پیش آتے رہے اور مثل پدر مہربان کے ہر طرح سے خبر گیری کی۔ جب آپ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو ابوطالب کو تجارت کے سبب سے شام کا سفر پیش آیا اور اُس کے سرانجام کے بعد پھر مکہ کو واپس آئے۔

سر ولیم میور صاحب نے جو یہہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم بھی ابوطالب کے ہمراہ شام کو گئے تھے اور ابوطالب نے اول تو اپنے ہمراہ لیجانے سے انکار کیا تھا مگر آنحضرت روانگی کے دن اتنی لمبی مفارقت کے خیال سے افسردہ دل ہو کر اپنے مربی سے لپٹ گئے

اور ابو طالب کو بھی جوش الفت آگیا اور اپنے ہمراہ لے گئے۔ اس روایت کی کوئی معتبر سند نہیں ہے آنحضرت کا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں جانا کسی طرح ثابت نہیں۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ برس کی عمر کو پہونچے تو زمانہ طفولیت کا منقضی ہو گیا تھا اور نوجوانی کا آغاز تھا اور جمیع اوصاف حمیدہ سے جنسے انسان ہر دلعزیز ہو جاتا ہے آراستہ تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا اخلاق اور صبر اور مردانگی جن کو اوضاع واطوار کی خوبی اور فصاحت وخوش بیانی سے دوبالا اجلا ہو گئی تھی آپ کی ذات بابرکات میں اسطرح جمع ہوئے تھے کہ عالم شباب ہی میں آپ نے امین عرب کا لقب حاصل کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ طفولیت کے صحیح حالات صرف اسی قدر ہیں جو ہمنے بیان کیئے اور اس کے سوا جو باتیں اُس زمانہ کی مشہور ہیں وہ سب بے سند اور نامعتبر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارہ برس کی عمر تک کے تاریخی واقعات جو ہمنے اوپر بیان کیئے اُنکے علاوہ سرولیم میور صاحب نے اپنی کتاب مسمیٰ لیف آف محمدؐ میں اور بھی کچھ واقعات بیان کیئے ہیں جو نہایت ضعیف اور نامعتبر روایتوں پر مبنی ہیں تعجب یہہ ہے کہ سرولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے متعلق معجزات حال کے مسلمانوں کے نزدیک بہت دل پسند مضامین ہیں"۔ مگر اس امر کی کچھ تحقیقات نہیں کی کہ کن معجزات کو حال کے زمانہ کے مسلمان بھی معتبر سمجھتے ہیں اور کون سے معجزات کو نامعتبر بطور قصہ اور کہانی کے اور یہہ بھی نہیں بتایا کہ حال کے مسلمانوں کی جو اونہوں نے قید لگائی ہے اُس سے اُن کا کیا مطلب ہے۔ غالباً یہہ مطلب ہوگا کہ متقدمین مسلمان اُن کو

قابل التفات نہیں سمجھتے تھے - اگر یہی مطلب ہو تو صاف اس بات کا اقرار ہے کہ وہ روایتیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے نا معتبر اور غیر صحیح ہیں - جس قدر کتب سیر یا کتب سوانح عمری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمائے اسلام نے لکھی ہیں اور جو روایتیں اُنہیں بیان کی ہیں تمام مسلمان اُن روایتوں کو ایسی روایتیں خیال کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ صحیح مانی جاویں روایتاً اور درایتاً کامل تحقیق و تدقیق کی محتاج ہیں - اس قسم کی روایتوں کو تا وقتیکہ اُن کی تصدیق کی کوئی کافی دلیل نہو مسلمان مطلقاً قابل اعتبار تصور نہیں کرتے بلکہ خود علمائے محققین نے اُن روایتوں کو نا معتبر قرار دیا ہے - علمائے محققین اسلام اور ذی علم مسلمانوں نے اُن روایات پر ذرا بھی اطمینان نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ اُنکی کوششیں اس بات کی تحقیق میں کہ کون سی اُن میں سے صحیح اور کون سی غیر صحیح ہیں مصروف رہے ہیں -

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں روایتوں کے درجۂ اعتبار کو بیان کیا ہے اُن تمام روایات کی نسبت جن میں صحیح روایتیں اور موضوع اور نا معتبر روایتیں بلا تمیز شامل ہیں صرف اتنی بات کہکر فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ سب بے اصل اور راویوں کی محض اختراعات ہیں - مگر ہم باوجود اس کے کہ سر ولیم میور صاحب کے علم اور مرتبہ کا بہت ادب کرتے ہیں اس کہنے پر مجبور ہیں کہ دعویٰ بلا دلیل قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا - اسلئے کہ اگر وہ بالعموم مان لیا جاوے تو اس سے لازم آتا ہے کہ استدلال محض بیکار چیز ہے اور اُسکی ایسی مثال ہوتی ہے جیسیکہ یونان کے مشہور کاشتکار مسمی گارڈیں کی گاڑی کے جوئے کی گرہ کو ایرانی کی بادشاہت کی طمع میں ہاتھ سے کھولنے کی عوض تلوار سے کاٹ دیا جائے جیسیکہ سکندر نے کیا تھا -

فرض کرو کہ اگر کوئی یہہ کہے (جیسا کہ لوگوں نے کہا ہی) کہ حضرت یحیی محض عوام الناس میں سے اور یہود کے فرقہ ایسینین میں سے تھے اور حضرت عیسی اُن کے ایک مرید تھے۔ اُن کے مصلوب ہونے کے بعد اُن کے مریدوں نے شان الوہیت اور قدرت اعجاز کو اُن پر لگا دیا ورنہ وہ محض ایک عام یہودی تھے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس کہنے میں اور مسلمانوں کی تمام روایتوں کی نسبت اس بات کے کہدینے میں کہ وہ سب بے اصل اور راویوں کی اختراعات ہیں کیا فرق ہے۔؟

زندگی کے عام معاملات میں بھی کسی شخص پر واجب نہیں ہے کہ کسی شخص کے محض زبانی بیان پر گو وہ کیسا ہی معزز اور ذی فہم کیوں نہو یقین لے آوے تو ایسے بڑے معاملات میں کسی مصنف کے بیان یا راے کو کیونکر قطعی مان لیا جا سکتا ہے اس لئے ہم قابل معافی ہیں اگر ہم سر ولیم میور صاحب کی اس رائے کو کہ "اُن روایات ہی کو غیر معتبر سمجھکر خارج کر لینا چاہئے" قابل تسلیم نہ خیال کریں جب تک کہ دلیل اور واقعات سے اُس راے کی صحت کا ثبوت نہ ملے۔

جاننا چاہئیے کہ مسلمانوں کے نزدیک روایتیں تین قسم کی ہیں اول تو وہ روایتیں ہیں کہ اُنکی صحت و اعتبار کی معقول دلیلیں موجود ہیں اور علی العموم مسلم ہیں۔ دوسری قسم میں وہ مشہور روایتیں شامل ہیں جن کا وقوع قوانین فطرت کے برخلاف نہیں ہے اور جن کی بے اصلی اور غیر معتبری کی نسبت کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ یہہ روایتیں نہ تو بلا تحقیق نامعتبر کرنے کے قابل ہیں اور نہ اس قابل ہیں کہ آنکھہ بند کر کے اُن پر اعتماد کر لیا جائے۔ تیسری قسم میں وہ روایتیں ہیں جو بظاہر بالکل محال معلوم ہوتی ہیں اور اُن کے ثبوت کی کوئی معتبر دلیل نہیں

✱ دیکھو کتاب موسوم بہ "اے رلیس فرام دی گنجز" ۱۲

ملی ہے اور اس لیئے غلط اور نامعتبر قرار دی گئی ہیں۔ پس اس سے زیادہ غلطی کی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ اہلِ اسلام کی نسبت یہہ کہا جاوے کہ وہ اُن سب قسم کی روایتوں کو برحق سمجھتے ہیں اور اُن سب پر بلا امتیاز ایمان رکھتے ہیں جیسیکہ ہمنے اپنے خطبہ "الروایات المرویات فی الاسلام" میں بیان کیا ہے۔

اب ہم اُن روایات کی نسبت بحث کرتے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں لغویت مذہبِ اسلام ثابت کرنے کی منشا سے بیان کیا ہے اور بتلاتے ہیں کہ وہ روایتیں اقسام روایات متذکرۂ بالا میں سے کونسی قسم کی روایتوں میں داخل ہیں۔ سر ولیم میور صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ولادت میں جو حضرت آمنہ کا ایک خوفناک اور نامعلوم آواز کو سُنکر ڈر جانا یا ایک سفید مُرغ کا دفعۃً نمودار ہونا اور حضرت آمنہ کے سینہ پر اپنے بازو کا پھیرنا اور اُس سے حضرت آمنہ کے اضطراب کو تسکین کا ہونا یا حضرت آمنہ کے لیئے ایک خوشگوار شربت کے پیالہ کا ایک نامعلوم ہاتھ سے ظاہر ہونا یا ملائکہ کی آوازیں آنی یا بغیر اس کے کہ کوئی شخص دکھائی دیتا ہو پاؤں سے پھرنے کی آہٹ کا محسوس ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آدمیوں کی نظر سے چھپا لینے کے لیئے آسمان سے ایک نور کی چادر کا اوترنا بہشت کے پرندوں کا چھپانا۔ بہشت کی خوشبوؤں کا مہکنا یہہ سب شاعرانہ مضمون ہیں جو غالباً سر ولیم میور صاحب نے کسی مولودنامہ سے اخذ کیئے ہیں اور ہر مسلمان جس کو ذرا سا بھی علم ہوگا سمجھتا ہے کہ یہہ تمام باتیں شاعروں کے گرمجوش شاعرانہ خیالات ہیں جو اُنھوں نے اپنے مضامین کی تزئین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ کی رونق کے لیئے بیان کی ہیں جیسیکہ

شاعروں کا اور خصوصاً مشرقی شاعروں کا شاعرانہ مضمون میں اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے کا دستور ہے۔ حضرت عیسیٰ کی نسبت بھی گرمجوش خیال کے عیسائی شاعروں نے اسی قسم کے خیالات نظم میں بیان کیئے ہیں جن کا نمونہ ہمنے اپنے خطبہ "فی حقیقۃ شق الصدر و ماہیۃ المعراج" میں دکھایا ہے اور ملٹن کی تمام پرڈیز لاسٹ انہیں خیالات سے بھری ہوئی ہے۔ پس نہایت افسوس کی بات ہے کہ ایک عیسائی عالم اپنے ہاں کے اس قسم کے خیالات کو تو شاعرانہ خیالات سمجھے اور مسلمانوں کی اس قسم کی باتوں کو بطور مذہبی روایتوں کے قرار دے اور اس کا فیصلہ یوں کردے کہ وہ سب راویوں کی اختراعات ہیں۔

اسی قسم کے وہ مضامین ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے بطور مذہبی روایتوں کے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی زمین پر سجدہ کیا اور اپنی امت کی بخشش کی دعا مانگی اور کلمہ پڑھا اور تین نورانی فرشتے آسمان پر سے اترے ایک کے ہاتھ میں چاندی کی چھاگل تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک زمرد کا لگن اور تیسرے کے پاس ایک ریشمی رومال اور آنحضرت کو سات مرتبہ غسل دیکر آپ کو خیر البشر کا خطاب دیا۔

ہمکو کس قدر تعجب آتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختون پیدا ہونیکو بھی انہی مخترع روایات میں شمار کیا ہے جن کو وہ عجیب و غریب بعید از قیاس اور خلاف قانون فطرت قرار دیتے ہیں مگر یہ بات نہ معجزہ سے علاقہ رکھتی ہے نہ عجائبات سے بلکہ محض تلونات فطرت سے متعلق ہے ایسے تلونات فطرت کی بہت سی نظیریں بتلائی جاسکتی ہیں مثلاً ایسے اشخاص کا پیدا ہونا

جن میں علامات تذکیر و تانیث دونوں موجود ہوں۔ ایسے واقعات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ قوانین فطرت کے مطابق قدرت کا اتفاقیہ انحراف کوئی عجیب بات نہیں ہے اس زمانہ میں بھی بعض اوقات مختون لڑکے پیدا ہوتے ہیں جن سے بلا توسل معجزہ اعجائبات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی مختون پیدا ہونا یقینا قرین قیاس ثابت ہوتا ہے اور اس کا ثبوت اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ابراہیم کی اولاد میں ختنہ کی رسم نہایت استحکام سے قرار پا گئی تھی اور عرب جاہلیت بھی اُس کا ترک کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختنہ کی رسم کا ہونا کسی ضعیف روایت میں بھی بیان نہیں کیا گیا ہے

مُہر نبوت کی نسبت سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ "صفیہ سے نقل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مُہر نبوت اُن کی پُشت پر نور کے حرفوں میں مرقوم تھی"۔ تمام مستند حدیثیں بالاتفاق بیان کرتی ہیں کہ وہ ایک سیاہ غدود سا تھا اور اُسپر بال تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ میری رسالت کی مُہر ہے اور نہ کبھی اُسکو اپنی رسالت کے برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جس طرح کہ حضرت موسیٰ نے اپنے ید بیضا کو نبوت کے ثبوت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر چیز کی حُرمت اور تعظیم کی جاتی تھی اور اسی خیال سے بعض لوگوں نے آنحضرتؐ کی پشت کے غدود کو عام نام سے بولنا ایک بے ادبی اور گستاخی خیال کر کے استعارتاً اُس کو مُہر نبوت کے معزز اور گرامی نام سے موسوم کیا ہوگا۔

بعض لوگوں کے اس خیال کو کہ اُسپر حرف لکھے ہوئے تھے جمیع علمای اسلام نے

نہایت صراحت کے ساتھ رد کیا ہے۔ پس کیا ایک عیسائی عالم کو یہہ بات نازیبا نہیں ہے۔ کہ مسلمانوں پر اُن کے نبی کی رسالت کے ثبوت میں ایسے امر کے اعتقاد رکہنے کا اتہام لگائے جس سے وہ خود انکار محض کرتے ہوں۔ شمائل ترمذی کے حاشیہ مسمّی باجوری میں لکہا ہے کہ "یہہ جو روایت ہے کہ اُسپر پچھنے کے سے نشان تھے یا عنز جانور کے گھٹنے کی مانند یا غدود سبز یا سیاہ رنگ کا تھا اور اُسپر محمد رسول اللہ لکہا ہوا تھا یا یہہ لکہا ہوا تھا "ایک منصور" ان میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے جیسے عسقلانی نے کہا ہے اور ابن حبان نے جو اُسکی تصحیح کی ہے وہ صرف اُسکا وہم ہے۔ اور بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہہ بیان کیا ہے کہ مہر نبوت پر یعنی اُس شے پر جو آنحضرت کی پُشت پر تھی الفاظ محمد رسول اللہ لکہے ہوئے تھے اُسکو دہوکا ہوگیا ہے ہاتھ کی مُہر میں اور اُس پُشت کے غدود میں جسکو خاتم نبوت کہتے تھے کیونکہ وہ عبارت ہاتہ کی مُہر میں کندہ تھی نہ پُشت کی چیز پر" پس جو محقق امر باجوری اور عسقلانی نے لکہا ہے اُس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ علماے اسلام نے اُن روایتوں کو جنکو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے خود رد کیا ہے اور مُہر نبوت سے وہ کیا مراد لیتے تھے

واما روایة کاثر المحجم او کرکبة عنز او کشامة خضراء او سوداء ومکتوب فیها محمد رسول الله او سطر فانك المنصود لم یثبت منها شیٔ کما قاله العسقلانی وتصحیح ابن حبان لذلك وهم وقال بعض الحفاظ من روی انه کان علی خاتم النبوة کتابة محمد رسول الله فقد اشتبه علیه خاتم النبوة بخاتم الید اذ الکتابة المذکورة انما کانت علی الثانی دون الاول (حاشیة الباجوری علی الشمایل)۔

شرح السنہ میں ابی رمثہ سے منقول ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئی اُنکے باپ نے اُس چیز کو دیکہا جو رسول خدا صلعم کی پیٹہ پر تہی۔ اُنکے باپ نے کہا کہ آپ مجہکو اجازت دیجیے

عن ابی رمثة ... قال دخلت مع ابی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرای ابی الذی بظہر رسول اللہ صلعم فقال دعنی اعالج الذی بظہرك فانی طبیب فقال انت رفیق واللہ الطبیب (رواہ فی شرح السنة)

کہ جو چیز آپ کی پیٹھ پر ہے میں اُسکا علاج کروں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم رفیق ہو اور اللہ طبیب ہے"۔ اس روایت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کو مُہر نبوت کہتے تھے وہ کیا چیز تھی اور صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس زمانہ کے مسلمان جو آنحضرت کے اصحاب تھے اُس کو کیا سمجھتے تھے۔ پس سر ولیم میور صاحب نے جو اُسکو بطور عجائبات اسلام کے بیان کیا ہے محض بیجا ہے۔

سر ولیم میور صاحب نے اور روایتیں لکھی ہیں جن میں بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ سے ایک نور پیدا ہوا جس نے کہ شام کی تمام گلیوں اور مکانوں کو روشن کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوتے ہی اپنے ہاتھوں کو ٹیک کر اٹھ بیٹھے اور ایک خاک کی مٹھی بھر کر آسمان کیطرف پھینکی۔ اور ایک روایت لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کو ایام حمل میں کچھ بوجھ یا تکلیف نہیں معلوم ہوتی تھی اور دوسری روایت اس کے برخلاف لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کہتی تھیں کہ میں نے کسی بچہ کو پیٹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بھاری نہیں پایا۔ یہہ روایتیں اور اسی قسم کی اور سب روایتیں بالکل سند سے معرا ہیں اور خود علماے اسلام اُن کو غیر صحیح اور نا معتبر قرار دیتے ہیں اور یہہ سب گرمجوش خیالات کے نتیجے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب اسلام کی مذہبی روایتوں کی طرز پر بیان کرتے ہیں اس منشا سے کہ اسلام کی ایک بے وقعتی ظاہر کریں

وہ روایت جس میں حضرت آمنہ سے نور کا ظاہر ہونا منقول ہے اور جو کتاب

شرح السنہ میں بیان کی گئی ہے اُس طرح پر نہیں ہے جس طرح کہ سر ولیم میور صاحب نے بیان کی ہے۔ اسلئے ہم اُس روایت کو بلفظہٖ نقل کرتے ہیں۔ شرح السنہ میں عرباص

عن العرباض ابن ساریۃ عن رسول اللہ صلعم انہ قال .... ساخبرکم باول امری انا دعوۃ ابراھیم و بشارۃ عیسٰے و رؤیا امی التی رات حین وضعتنی و قد خرج لھا نور اضاء بھا قصور الشام (رواہ فی شرح السنۃ)	ابن ساریہ سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمکو اپنے پہلے حال سے مطلع کروں میں دُعا ہوں ابراہیم کی اور بشارت ہوں عیسیٰ کی اور خواب ہوں اپنی ماں کا جس نے میرے پیدا ہونے کے زمانہ میں دیکھا تھا کہ اُس سے ایک نور پیدا ہوا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے"۔

پس جن روایتوں میں حضرت آمنہ سے نور کا پیدا ہونا منقول ہے اگرچہ اُن کی بھی کوئی کافی سند صحت کی موجود نہیں ہے لیکن اگر ہم اُن کو تسلیم کرلیں اور صحیح قرار دیں تو اُن سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ نے ایسا ایک خواب دیکھا تھا اور اس قسم کا خواب دیکھنا نہ تعجب انگیز ہے نہ خلاف قیاس ہے اور نہ بر خلاف فطرت۔

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ تمام راوی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تاریخ میں دوشنبہ کو ایک مشہور اور معروف دن خیال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُسی دن آپ کی زندگی کے سب سے بڑے واقعات ظہور میں آئے تھے۔ لیکن اس متبحر عالم نے اس جگہ کسی قدر غلطی کی ہے کیونکہ مسلمانوں کے ہاں دوشنبہ کے دن کو کوئی مذہبی شرف حاصل نہیں ہے۔ صرف یہ بات ہے کہ جب علمائے اُن مشہور و معروف واقعات پر غور کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ظہور میں آئے تھے

تو اکثر کو دوشنبہ کے دن واقع ہوتا پایا۔ اسلیئے اُنہوں نے ایک اتفاقی مطابقت کے خیال سے اپنی تصنیف میں دوشنبہ کا ذکر کیا۔ حالانکہ بعض علماء نے اس اتفاقی مطابقت سے بھی اختلاف کیا ہے۔ پس یہہ کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ جس کے سبب اسلام کی طرف کسی منشا سے کوئی اشارہ کیا جائے۔

سر ولیم میور صاحب نے تاریخ واقدی کے چند اختراعات بیان کرنے کے ساتھ یہہ لکھا ہے کہ "اس مصنف نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ نے عبدالمطلب سے فرشتہ کا یہہ حکم بیان کیا کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا" اسکے بعد صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ حمد کے مادہ سے جو نام مشتق ہوتے ہیں عرب میں مروّج تھے مگر احمد عرب میں بہت کم نام ہوتا تھا اور آنحضرت کے سوا پانچ مختلف اشخاص اَور بھی گذرے ہیں جن کا نام محمد تھا۔

واقدی کے حوالہ سے صاحب ممدوح یہہ بھی لکھتے ہیں کہ "یہہ نام عرب کے وہ لوگ رکھا کرتے تھے جنہوں نے یہود اور نصاریٰ اور کاہنوں کی زبانی سنا تھا کہ عرب میں ایک نبی اس نام کا عنقریب ہونے والا ہے اور اکثر اشخاص اپنے لڑکوں کے یہی نام رکھتے تھے اور ہر شخص یہہ اُمید کرتا تھا کہ میرا ہی بیٹا نبی آخر الزمان ہونے کی شرف و عزت حاصل کرے"۔

مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اگر حضرت آمنہ نے عبدالمطلب سے کہا ہو کہ ایک فرشتہ نے مجھسے کہا ہے کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا تو سر ولیم میور صاحب نے اس بات پر کیوں تعجب کیا ہے۔ اگر توریت مقدس کی یہہ آیت کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتہ نے اُس سے کہا کہ دیکھہ تو حمل سے ہے۔ اور تیرے ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اُسکا نام

اسمٰعیل رکھنا (کتاب پیدایش باب ۱۶ ورس ۱۱) اور نیز یہہ آیت کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سارا تیری بی بی کے بیشک ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اُس کا نام اسحاق رکھنا" (کتاب پیدایش باب ۱۷ ورس ۱۹) اور نیز انجیل کی یہہ آیت اور اُس کے (یعنی مریم کے) ایک بیٹا پیدا ہوگا اور تجھکو (یعنی یوسف کو) چاہیے کہ اُس کا نام عیسیٰ رکھے کیونکہ وہ اپنی امت کو گناہوں سے نجات دیگا" (متی باب ۱ ورس ۲۰) صحیح ہے اور عیسائی اُس کو تسلیم کرتے ہیں تو کس بنا پر وہ اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو بھی ایک فرشتہ نظر آیا تھا اور جو لڑکا پیدا ہونے والا تھا احمدؐ اسکا نام رکھنے کو کہا تھا

اس روایت کی صداقت کا ایک نہایت تسکین بخش ثبوت وہ ہے جو ہمنے اپنے خطبہ بشارات میں بیان کیا ہے یعنی عہد عتیق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت محمدؐ کے نام سے آئی ہے اور انجیل میں احمدؐ کے نام سے اور اسلیئے ان بشارات کے پورا کرنے کے لیئے ضرور تھا کہ حضرت آمنہ کو احمدؐ کا نام بتا دیا جاوے کیونکہ یہہ ایک ایسا نام تھا جسکو اہل عرب کبھی نہیں یا شاذ و نادر رکھتے تھے۔

مگر سر ولیم میور صاحب کا یہہ بیان نہایت عجیب ہے کہ "لفظ احمدؐ - انجیل یوحنا کے کسی قدیم عربی ترجمہ میں بجاے لفظ "تسلی دہندہ" کے براہ غلطی واقع ہوا ہوگا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں کسی جاہل یا مفتنی راہب کی جعلسازی سے بجاے یونانی لفظ پیریکلیٹوس کے لفظ پیریکلیوٹوس کردیا گیا" سر ولیم میور صاحب نے یہہ بات اسلیئے بیان کی ہے کہ پہلے یونانی لفظ پیریکلیٹوس کا ترجمہ تسلی دہندہ ہے اور دوسرے یونانی لفظ پیریکلیوٹوس کا ترجمہ احمدؐ ہے۔ مگر مسلمانوں نے ان یونانی لفظوں کو معرب کرکے فارقلیط بنا لیا ہے اور اس سبب سے کہ مسلمان فارقلیط کا

ترجمہ احمد کرتے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ اُنہوں نے یونانی لفظ پیریکلیوٹوس کو معرب کرکے فارقلیط کیا ہے۔

سر ولیم میور صاحب نے جو یہہ بیان کیا ہے کہ عرب میں محمد نام کے اَور لوگ بھی گذرے ہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علماے اسلام نے کبھی یہہ نہیں کہا کہ آنحضرت صلعم سے پہلے عرب میں اس نام کا اور کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ برخلاف اسکے اُنہوں نے اس قسم کی تمام روایتوں کو رد کردیا اور نہایت تدین وایمانداری سے اس امر کے دریافت کرنیمیں کامیاب کوشش کی کہ اس نام کے عرب میں اور لوگ بھی گذرے تھے اور واقدی کو بھی ہم اُن ہی لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ مگر یہہ بات کہ ان ناموں کے اور لوگ بھی آنحضرت سے پہلے درحقیقت گذرے تھے* یا یہہ کہ اس نام کا مادہ حمد ہے اور حمد کے مادہ سے اہل عرب ناموں کو مشتق کیا کرتے تھے یا یہہ بیان کہ یہہ نام اکثر والدین اپنے لڑکوں کا اس قوی اُمید پر رکھتے تھے کہ شاید ہمارے ہی لڑکے کی قسمت میں نبی موعود ہونا ہو کسی طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی بشارتوں پر نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی لڑکے کے والدین نے اسکے حق میں کچھ ہی تمنا کیوں نہ کی ہو اور نبی موعود کا نام اُس لڑکے کے نبی ہونیکی طمع پر کیوں نہ رکھا ہو مگر نبی وہی ہوا جسکو درحقیقت خدا تعالیٰ کو نبی آخرالزمان کرنا منظور تھا ہماری اس رائے کی تائید اُس وقت اَور بھی ہوتی ہے جبکہ ہم ان بڑے بڑے کاموں پر غور کرتے ہیں جو آنحضرت سے ظہور میں آئے تھے اور وہ ایسے کام ہیں جو تمام جہان کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور جبکہ ہم اُس رُوحانی سرور کو دیکھتے ہیں جو دین حق کا

حضرت عیسیٰ کے نام کی نسبت بھی ہم یہی حال پاتے ہیں۔ رینن صاحب کی لیف آف کرایست میں لکھا ہے کہ عیسیٰ جو اُن کا نام رکھا گیا تھا لفظ یوشع کا تبدیل کیا ہوا ہے۔ یہہ نہایت مروج نام تھا لیکن بعد کو اس نام میں اسرار درامت کی نجات دہندہ کا اشارہ اپنی طرف سے اُس میں لگا دیا گیا تھا

طفیل ہے جسکو آنحضرت نے اپنی حیات میں شائع کیا تھا اور آیندہ نسلوں کے لیئے بطور ورثہ کے چھوڑ گئے اور جبکہ ہم اُس صدق و پاکبازی کی ترویج پر نظر ڈالتے ہیں جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رائج کیا اور جو زمانہ کی گردشوں کے بعد بھی غیر مبدّل اور بے نقص رہی ہیں اور ابد الآباد تک ایسی ہی رہینگی تو ہمکو کامل یقین ہوتا ہے کہ جس محمدؐ اور احمدؐ کی بشارت عہد عتیق اور عہد جدید میں دی گئی تھی وہ وہی تھے جو عبد اللہ کے بیٹے اور آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت آمنہ کا اگر رویا میں فرشتوں کی صورتوں کو دیکھکر ڈر جانا اور عرب جاہلیت کے دستور کے موافق لوہے کے ٹکڑوں کو گلے میں لٹکانا یا بازؤوں پر بطور عمل اور تعویذ کے باندھنا اگر صحیح بھی تسلیم کیا جاوے تو کسی طرح تعجب انگیز بات نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف اس امر کی تائید کرتا ہے کہ حضرت آمنہ نے درحقیقت اپنے رویا میں آسمانی فرشتوں کو دیکھا تھا۔ ہاں اسپرنگر صاحب کی عقل اور ایمانداری پر نہایت تعجب ہے کہ وہ اس واقعہ سے یہہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو ضعف دماغ اور صرع کی بیماری تھی اور حضرت سارا اور حضرت مریم نے جو فرشتوں کو دیکھا تھا اُس کو صرع کی بیماری نہیں قرار دیتے۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں کسی منشا سے اور بھی چند تعجب انگیز باتیں بیان کی ہیں کہ حضرت آمنہ کو خواب میں اطلاع ہوئی تھی کہ اس لڑکے کو قبیلہ ابوذئیب میں سے ایک عورت دودہ پلاوے گی اور حلیمہ کو بڑا تعجب ہوا جب بلا دریافت اُس کے شوہر کا نام اُسکو تبلا دیا اور جب حلیمہ آنحضرت کو لے آئی تو دفعتاً اُس کا اور اُسکی اونٹنی کا دودہ بہت زیادہ ہو گیا اور جبکہ حلیمہ آنحضرت کو لیکر چلی تو اُس کا سفید گدھا

سب سے ز... یز رفتار ہوگیا اور اُس کی مویشی نہایت فربہ ہوگئی اور کثرت سے دودہ دینے لگی۔ یہہ سب باتیں ایسی ہیں جنکی سند بجز حلیمہ کے بیان کے اور کوئی نہیں ہے اور اسی لیئے یہہ روائتیں مستند اور معتبر نہیں ہیں۔ لیکن اتفاقات سے ایسے امور کا واقع ہونا کچھ ناممکن بھی نہیں ہے۔ مگر عیسائی عالم جو ایسی باتوں کو بطور دور از قیاس باتوں کے بیان کرتے ہیں تو بلاشبہ ہمکو تعجب آتا ہے کیونکہ جب وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ لابان نے اُس سے کہا کہ میں التجا کرتا ہوں کہ اگر تجھکو میرا خیال ہے تو ٹھیر جا کیونکہ مجھکو تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالی نے تیری وجہہ سے مجھکو برکت دی ہے" (کتاب پیدایش باب ۳۰ ورس ۲۷) اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یعقوب نے کہا کہ "میرے آنے سے پیشتر تیرے پاس بہت تھوڑا تھا اور اب وہ کثیر التعداد ہوگیا ہے اور جب سے کہ میں آیا ہوں اللہ تعالی نے تجھکو برکت دی ہے (کتاب پیدایش باب ۳۰ ورس ۳۰) اور اسی طرح کتاب پیدایش کے باب ۳۰ ورس ۳۷ سے ۴۳ تک کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے لابان کی مویشی کو حضرت یعقوب کی مویشی سے کمزور پیدا کیا تھا تو کیا وجہہ ہے کہ اگر حلیمہ کی مویشی میں بھی برکت ہوئی ہو تو اسکو دور از قیاس اور تعجب انگیز بیان کیا جائے۔

سر ولیم میور صاحب واقدی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شق صدر اور دل کے دھونے کا واقعہ چار برس کی عمر میں واقع ہوا تھا اور ہشامی کے حوالے سے اس بات کا استنباط کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرع کا عارضہ تھا۔ ہمنے اپنے خطبہ "حقیقہ شق الصدر و ماہیۃ المعراج" میں اس مضمون پر شرح و بسط سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ شق صدر آنحضرت صلعم کی

شب معراج کے خواب کا ایک جزو تھا نہ یہ کہ درحقیقت جسمانی طور پر واقع ہوا تھا ۔ مگر راویوں نے ان اسباب سے جو اکثر روایات کے بیان کرنے میں واقع ہوتے ہیں مختلف طور پر بیان کیا ہے اور اس کے وقوع کے زمانہ میں بھی انہی اسباب سے اختلاف ہوگیا ہے بعض کا قول ہے کہ عہد طفولیت میں واقع ہوا تھا ۔ بعض کا بیان ہے کہ اسکا وقوع ایام شباب میں ہوا تھا ۔ اور بعض کے نزدیک شب معراج میں وقوع میں آیا تھا ۔ ہمکو اس واقع کی حقیقت کا دوبارہ اس مقام پر بیان کرنا ضرور نہیں ہے بلکہ اس مقام پر ہمکو یہہ بیان کرنا منظور ہے کہ ہمارے ذی علم اور لائق مصنف سر ولیم میور صاحب نے جو ہشامی کی روایت سے (اگر وہ بالکل صحیح بھی مان لی جاوے) یہہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو صرع کا عارضہ ہوگیا تھا وہ کیسا غلط اور بے اصل ہے ۔

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ ہشامی اور دیگر متاخرین بیان کرتے ہیں کہ حلیمہ کے شوہر کو گمان ہوا کہ اس لڑکے کو "عارضہ ہوگیا ہے" جس لفظ کا ہمنے عارضہ ترجمہ کیا ہے وہ انگریزی لفظ "فٹ" ہے جو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں استعمال کیا ہے ۔ "فٹ" کے معنے لغت میں کسی مرض کے ایسے سخت اور یکبارگی حملہ کے ہیں جس سے بدن کپکپانے لگے اور بعض اوقات غشی طاری ہوجاوے جس سے غالبًا صاحب ممدوح نے صرع مراد لی ہے مگر ہشامی میں جو لفظ واقع ہے اوس کا "فٹ" ترجمہ کرنا بالکل غلط ہے ۔ سر ولیم میور صاحب کو اوس لفظ کی صحیح پڑھنے میں بالکل غلطی ہوئی ہے جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے ۔

ہمارے پاس سیرت شامی موجود ہے جو ۱۸۵۸ع میں بمقام گاٹجن زیر اہتمام و نگرانی ڈاکٹر فرڈیننڈ رسٹن فیلڈ کے چھپی ہے ۔ اس کتاب سے ہم وہ عبارت

جو اس بحث سے متعلق ہے بلفظہ نقل کرتے ہیں۔

قالت وقال لی ابوہ یا حلیمۃ لقد خشیت ان یکون ھذا الغلام قد اصیب فالحقیہ باھلہ

یعنی حلیمہ نے کہا کہ اُس کے باپ (یعنی آنحضرت کے دودہ باپ یعنی شوہر حلیمہ) نے کہا کہ اے حلیمہ مجھکو اندیشہ ہی کہ اس لڑکے کو کچھہ ہوگیا ہے اس لیئے اُسکو اُس کے گھر والوں کے پاس پہونچا دے۔

مگر جب حلیمہ آنحضرت کو حضرت آمنہ کے پاس لیکر آئیں تو حضرت آمنہ نے اُنکو نہیں لیا اور حلیمہ سے کہا کہ اُس کو واپس لیجاؤ۔ اُسوقت حضرت آمنہ نے حلیمہ سے کہا کہ کیا تجھکو یہہ اندیشہ ہوا تھا کہ اُسپر شیطان مسلط ہوگیا ہے یہہ کلام بطور استفہام انکاری کے تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حلیمہ کے شوہر کو جو یہہ گمان ہوا تھا کہ آنحضرت کو کچھہ ہوگیا ہے وہ صحیح نہیں تھا۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب لیف آف محمدؐ کے صفحہ ۲۱ کے حاشیہ پر بجاے لفظ اصیب کے اُمیب لکھا ہے یعنی صاد کی جگہہ میم لکھا ہی اور اُس کے معنی ”فٹ“ یعنی عارضہ ہونے کے لکھے ہیں۔ مگر یہ لفظ تاریخ ہشامی میں ہمکو نہیں ملتا ہے اور نہ اُس کے معنی عارضہ ہونے کے پاتے جاتے ہیں۔ ہشامی میں اُصیب کا لفظ ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آگے ثابت ہوگا اور چونکہ اُن دونوں لفظوں کی شکل میں بہت ہی کم فرق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے کسی غلط قلمی نسخہ سے اُسکو نقل کیا ہوگا۔

تمام عیسائی مصنفین سواے ایک دو کے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری لکھی ہے اس بات کو بطور ایک امر واقعی کے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق ہوا تھا۔ اولاً ہم متحیر تھے کہ یہہ خیال گرد شیس کے
کبوتر کے قصہ کی طرح عیسائیوں کے دماغوں میں کیونکر سمایا کسی تاریخ سے نہیں پایا جاتا
کہ کوئی ڈاکٹر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جسمانی حالت کا امتحان کرنے کو عرب میں
گیا ہو اور نہ ایشیائی مصنفوں نے اس امر کی نسبت کچھ تذکرہ کیا ہے۔ پھر اس خیال کی
ابتدا کہاں سے ہوئی اور کس نے اُسکو پھیلایا۔ آخرکار بہت سی تلاش کے بعد ہمکو متحقق
ہوا کہ یہہ خیالِ خام عیسائیوں میں دو وجہ سے پیدا ہوا۔ اول عیسائیوں کے توہمات
مذہبی کے سبب سے اور دوسرے عربی عبارت کے زبان لیٹن میں غلط ترجمہ ہونے سے۔
کتاب لیف آف محمد مصنفہ پریڈو مطبوعہ لندن ۱۷۲۳ع کے صفحہ ۲۰ کے دیکھنے
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال کی ابتدا وہاں سے ہوئی ہے اور تاریخ ابوالفدا کے بعض
مقامات کے غلط ترجمہ سے بھی جو ڈاکٹر پوکاک نے لیٹن زبان میں کیا ہے اُس کی
بنا معلوم ہوتی ہے۔ یہہ ترجمہ مع اصل عبارت عربی کے پوکاک کے مسودہ سے ۱۷۲۳ع
میں بمقام اکسفورڈ چھپا تھا۔ اول ہم اُس چھاپہ سے اُس عبارت کو نقل کرتے ہیں اور
پھر اُس کی عبارت کی اور نیز اُس کے ترجمہ کی متعدد غلطیاں بتاتے ہیں۔

اُس چھاپہ میں عبارت مذکورہ اس طرح پر لکھی ہے۔

فَقَالَ زَوْجُ حَلِيمَةَ لَهَا قَدْ خَشِيتُ اَنَّ هٰذَا الْغُلَامُ قَدْ اُصِيبَ
بِالْحَقِيبَةِ بِاَهْلِهِ فَاحْتَمَلَتْهُ حَلِيمَةُ وَقَدَّمَتْ بِهِ اِلَى اُمِّهِ

اس عبارت کا جو لیٹن میں ترجمہ کیا ہے اُس کا ترجمہ اُردو میں اس طرح پر ہوتا ہے۔"
تب حلیمہ کے شوہر نے کہا کہ مجھکو بہت خوف ہے کہ اس لڑکے نے کسی اپنے
ساتھی سے دماغی بیماری کو اخذ کر لیا ہے اس واسطے اُسکو حلیمہ سے لیکر اُسکی ماں

آمنہ پاس لیگیا - اس مترجم نے دماغی بیماری سے غالباً صرع کا عارضہ یا بیہوش کرنے والی بیماری مراد لی ہے -

اول تو ہم یہہ بیان کرتے ہیں کہ اس کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہی کہ سر ولیم میور صاحب نے جس لفظ کو اُمیب پڑھا ہے وہ اُصیب ہے اور پھر ہم بتاتے ہیں کہ کتاب مذکورہ بالا کے مصنف نے جس لفظ کو بِالحَقِیقَۃِ پڑھا ہے وہ بھی غلط پڑھا ہے - وہ لفظ فَالحَقِیقَۃِ ہے اور ترجمہ میں یہہ غلطی کی کہ جب مترجم نے دیکھا کہ لفظ بِالحَقِیقَۃِ کے معنی عبارت کے مناسب نہیں ہوسکتے تو اُس کا ترجمہ بالکل چھوڑ دیا اور جب لفظ اُصیب پر پہونچا تو اُسکا ترجمہ اخذ کیا اور جبکہ عبارت میں کسی شے ماخوذ کا ذکر تھا اور نہ اُسکا ذکر تھا جس سے اخذ کیا اور بلحاظ قواعد نحوی اور ربط عبارت کے اُن دونوں کا ہونا ضرور تھا اسلیئے مترجم نے اٹکل پچو لفظ باہلہ سے الفاظ "کسی اپنے ساتھی سے" اور الفاظ "دماغی بیماری" گویا "بیہوش کرنے والی بیماری" کو بڑہا دیا حالانکہ وہ اصل عبارت میں نہیں ہیں -

اگر عبارت مذکورہ کو صحیح طور پر پڑھا جاوے تو صحیح ترجمہ اُس کا یوں ہوتا ہے "تب حلیمہ کے شوہر نے اُس سے کہا کہ مجکو اندیشہ ہی کہ یہ لڑکا مبتلا ہوگیا ہی پس اوس کو اوس کے لوگوں پاس پہونچادے پس اُٹھا لیا اُسکو حلیمہ نے اور لے آئی اُسکو اُس کی ماں کے پاس -

اہل عرب ایسے مبہم کلمات کو ایسی بیماریوں کی نسبت استعمال کیا کرتے تھے جنکا سبب اُن کو معلوم نہیں ہوتا تھا اور غالباً اُن کا خیال تھا کہ کسی مخفی قوی یا ارواح کا اثر ہی اور جن بیماریوں کا سبب اُنکو نہ معلوم ہوتا تھا اُنکو شیطان کے اثر کیطرف بھی منسوب کرتے تھے

قدیم اہل یونان اپنے توہمات مذہبی سے صرع کی بیماری کو جو ایک عجیب و غریب قسم کی بیماری ہے یقین کرتے تھے کہ دیوتاؤں یا خبیث ارواحوں کے اثر سے ہوتی ہے۔ اسی بنا پر عیسائی مصنفوں نے لفظ اُصیب سے بالتخصیص صرع کی بیماری سمجھ لی حالانکہ ایسا سمجھنا عرب کے محاورہ کے برخلاف ہے کیونکہ عرب صرف صرع ہی کی بیماری کو لامعلوم اثر کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک چیز کو جس کا سبب اُن کو نہ معلوم ہوتا تھا مخفی قوی یا شیطان یا جن کی اثر کی طرف منسوب کرتے تھے پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ لفظ اصیب سے صرع کا عارضہ مراد لیا جاوے۔

اس بیان کی تائید میں ہم ایک نہایت ذی علم اور ذی فہم غیر متعصب مصنف کی رائے کو نقل کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ یہہ متواتر بیان کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق تھا یونانیوں کی ایک ذلیل اختراع ہے جنہوں نے اس عارضہ کے لحوق کو ایک نئے مذہب کے بانی کی طرف اس غرض سے منسوب کیا ہوگا کہ اُن کے اخلاقی چال چلن پر ایک دھبہ ہو جو عیسائیوں کی طعنہ زنی اور تنفر کا متوجب ہو۔

نہایت مشہور اور لائق مورخ یعنی گبن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان صرعی حملوں کی نسبت یہہ لکھا ہے کہ "یونانیوں کا ایک نامعقول اتہام ہے" اور ایک اور مقام پر اسی مورخ نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عارضہ صرع یا بیہوش کر دینے والی بیماری کو تھیوفینیز زوناس اور اور یونانیوں نے بیان کیا ہے اور ہاٹنجر اور پریڈو اور ماراکشی نے اپنے سخت تعصب کے سبب اُس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھکر نگل لیا ہے قرآن میں جو دو سورتیں ہیں جن میں سے ایک کا نام مزمّل اور ایک کا نام مدثر ہے اُن سے صرع کی بیماری کی تاویل کرنی مشکل ہے۔ مسلمان مفسروں کا سکوت اور

صرع کی بیماری سے ناواقفیت اُن کے قطعی انکار کی نسبت زیادہ تر قاطع اور مرجح ہے۔
اور آزادانہ رستہ اگلی گگینیز اور سیل نے اختیار کیا ہے"۔

اَب ہم اس غلط اور بے اصل اتہام پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق تھا بلحاظ طب کے غور کرتے ہیں چیمبرز سائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ صرع اُس بیماری کو کہتے ہیں کہ جس میں دفعتًہ بیہوشی طاری ہو اور اعصاب تنفس کے تشنج اور سانس لینے کے منفذ کے بند ہونے سے اعصاب اختیاری بے اختیار شدت سے پھڑکنے لگیں اور کبھی کبھی سانس بالکل بند ہو جائے اس بیماری کا مریض اکثر پاگل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اوس کا حافظہ جاتا رہتا ہے اور اُس میں تیزی اور چستی نہیں رہتی اور ایسی پژمردہ دلی آ سپر چھا جاتی ہے جو اُسکو دنیا کے باقاعدہ کاروبار سے معذور کر دیتی ہے۔ بدہضمی بھی اکثر ہوتی ہی اور تمام قوائے جسمانی میں ضعف اور ناطاقتی گھر کر جاتی ہے جسکی وجہ سے مصروع کے چہرہ سے دائمی نقاہت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ یہہ بات کچھ بعید نہیں ہے کہ اس کے ساتھ مصروع کے ذہن میں اپنی ضعف و نقاہت کا یقین بخوبی جم جاتا ہے اور مشقت طلب اشتغال سے نفرت ہو جاتی ہے۔ بالخصوص ایسے اشتغال سے جن میں اوس پر عام اندازہ سے زیادہ نظر پڑیں"۔

اَب ہمارا یہہ کام ہے کہ اس امر کی تنقیح کریں کہ آیا یہہ سب آثار یا ان میں سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے کسی حصہ میں طفولیت سے لیکر وفات تک پائے گئے تھے یا نہیں۔

کوئی مؤرخ مسلمان یا عیسائی یہہ نہیں بیان کرتا کہ منجملہ آثار مرقومہ بالا کے ایک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پایا گیا تھا بلکہ برخلاف اسکے سب کے سب متفق اللفظ بیان

کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بچپن اور جوانی میں نہایت تندرست اور قوی تھے۔ خود سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ دو برس کے سن میں حلیمہ نے اُنکا دودھ چھڑایا اور اُنکے گھر لیگئیں اور آمنہ اپنے لڑکے کی تندرست اور قوی ہیئت کو دیکھکر جو آپ نے دوچند عمر والے لڑکے کی برابر معلوم ہوتا تھا اسقدر خوش ہوئیں کہ حلیمہ سے کہا کہ اسکو پھر صحرا کو لیجا۔" لڑکپن اور نوجوانی کے زمانہ میں آنحضرت مضبوط و تندرست اور قوی الجثہ تھے وہ بہت تیز چلا کرتے تھے اور زمین پر مضبوطی سے قدم رکھتے تھے۔ تمام عمر بھر اُنکو بڑے بڑے خطرے اور تکلیفیں پیش آئیں اور اُن سب کو اُنہوں نے کمال صبر واستقلال کے ساتھ برداشت کیا۔ اُنہوں نے خدائے واحد کی پرستش وعبادت کی تجدید ایسے طور پر کی جس کی کوئی نظیر ومثال نہیں پائی جاتی اور علم الہیات کو ایسے پختہ اور معقول اُصول پر قائم کیا جن کا ہمسر جہان سے معدوم ہے اُنہوں نے قوانین تمدن واخلاق کو ایسے کمال پر پہونچا دیا جو اُس سے پیشتر کبھی نہیں ہوا تھا۔ انہی کی وساطت سے انسانوں کی بہبودی اور رفاہ کے واسطے وہ ملکی ومالی ودینی ودنیوی قوانین کا مجموعہ حاصل ہوا جو اپنی نوع میں یکتا و بےنظیر ہے آنحضرت ہی وہ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں تمام جزیرہ عرب کو فتح کیا اور مختلف قبیلوں کو مجتمع کر کے ایک مضبوط اور طاقت اور عظیم الشان قوم بنا دیا جسنے اُس زمانہ کی مہذب دُنیا کے ایک جزو اعظم کو عرصہ قلیل میں مفتوح ومسخر کر لیا۔ کیا اسبات کا خیال کرنا قرین عقل وانصاف ہے کہ ایسے کارہائے نمایاں ایک لاچار اور ناتوان مصروع شخص سے عمل میں آئے ہوں گے؟ ایسے کارہائے نمایاں کا عمل میں آنا بجز اُس شخص کے جس کے قوائے رُوحانی وجسمانی کامل صحیح وسالم ہوں اور کسی شخص سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے اور اُسکی ماہیت تائید ربانی پر دلالت کرتی ہے۔

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ حلیمہ پھر ایک بادل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

سر پر سایہ افگن دیکھکر متوحش ہوئی اور انجام کار اُن کو اُن کی ماں کے پاس پہنچانے کیلئے روانہ ہوئی۔ اس فقرہ پر صاحب موصوف یہہ رائے دیتے ہیں کہ اگر اس روایت میں کچھ صدق ہو تو غالباً عارضۂ سابق کے یعنی صرع کے آثار کے عود سے مراد ہوگی۔ تعجب ہے کہ بادل کو سایہ کرتے ہوئے تو دیکھا حلیمہ نے اور سر ولیم میور صاحب نے اُس سے آنحضرت کے عارضۂ صرع کی آثار کا عود خیال کیا۔ اگر حلیمہ کی نسبت آثار صرع کا خیال فرماتے تو شاید زیادہ بہتا ہوتا۔ پھر دوسرے مقام پر صاحب موصوف بیان فرماتے ہیں کہ اُن دَوروں سے جنکو حلیمہ صرع کی قسم کے حملے سمجھکر ڈر گئی تھیں محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں اُن مضطر حالتوں اور بیہوش کنندہ غشی کے صریح آثار نمودار تھے جو نزول وحی کے وقت ہوتے تھے اور شاید جن کے سبب اُن کے دل میں نزول وحی کا خیال پیدا ہو گیا تھا اور اُن کے متبعین نے اُن اضطرابوں اور غشوں کو نزول وحی کا شاہد قرار دیا تھا۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی تمام کتاب میں ایسی روایتوں کو اپنی کتاب کی بنیاد ٹھہرایا ہے جنکی صحت خود اہل اسلام کے نزدیک مشتبہہ اور غیر ثابت ہے۔ یہہ روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بادل کا سایہ رہتا تھا محض باطل ہے۔ اگر ایسا امر فی الحقیقت واقع ہوا کرتا تو آنحضرت کے اکثر صحابہ رُفقا اُسکا تذکرہ کرتے اور احادیث مستندہ میں اُس کا ذکر ہوتا حالانکہ یہہ بات نہیں ہے۔ تمام معتبر حدیثوں میں اُس کا ذکر کچھ نہیں ہے بلکہ برخلاف اس کے بعض حدیثوں میں جو نماز کے بارہ میں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر پر مثل دیگر اشخاص کے دھوپ کا پڑنا ثابت ہوتا ہے۔ غلط روایت کی اشاعت کے بیشمار اسباب میں سے ایک یہہ سبب بھی ہے کہ شے مرویہ کا اتفاقی وقوع ہونا لہذا یہ امر از قبیل ممکنات ہے

کہ کسی شخص نے پیغمبر صاحب کو اتفاقیہ ایک بادل کے ٹکڑے کے سایہ میں دیکھا ہو اور یہہ ماجرا دوسرے شخص سے بیان کیا ہو اور دوسرے نے تیسرے سے کہا ہو اور اس طرح رفتہ رفتہ عام شہرت ہو گئی ہو اور آخر الامر عام اعتقاد ہو گیا ہو کہ بادل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر ہمیشہ سایہ ڈالے رہتا تھا۔ اس قسم کی روایتیں جن کی صحت کی کوئی سند نہیں ہے محققین علماے اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کی ہیں۔

نزول وحی کے وقت اضطرار اور غشی کی روایتیں ویسی ہی نامعتبر اور بے سند ہیں۔ اُن روایتوں میں خود راویوں کے خیالات اور توہمات میں ہمنے بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ عیسائیوں کا اتہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیماری صرع کے ہونے کا صدق سے محض معرا ہے تاہم سر ولیم میور صاحب کی اس راے کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرعی غشوں نے اُن کے ذہن میں اپنی رسالت کا خیال پیدا کر دیا تھا اور اون کے متبعین کا بھی یہی اعتقاد تھا تمام منصف مزاج اور غیر متعصب لوگوں کے روبرو پیش کرنا چاہتے ہیں اور پھر یہہ سوال کرتے ہیں کہ آیا یہہ بات قرین قیاس ہے کہ ایسا آدمی جسکو ہر شخص مصروع جانتا ہو اپنے صرعی غشوں کو اپنے رسول برحق ہونے کی ثبوت میں پیش کرے جو اپنی قوم کی بُت پرستی کے استیصال کے واسطے بھیجا گیا ہو اور تمام لوگ جو اُسکی اُس بیماری سے واقف ہیں اُسکے عزیز و اقارب اور جمیع اکابر عرب اُسکی رسالت کو دل سے تسلیم کریں اور ہر شخص اپنے دین آبائی سے منحرف ہو کر اُسکے قول و فعل پر ایمان کامل لے آوے جن نامعتبر روایتوں پر عیسائیوں نے اتہام عارضۂ صرع آنحضرت کی نسبت قایم کیا ہے وہ روایتیں زیادہ تر شق صدر کی روایتوں سے علاقہ رکھتی ہیں۔ ہمنے حقیقت شق صدر کو اپنے ایک خطبہ میں بیان کیا ہے اور جو غلطیاں واقعات کے بیان کرنیمیں راویوں کو واقع

ہوئی ہیں اُن سب کو دکھایا ہے پس اُن کے جاننے کے بعد عیسائیوں کا یہہ اہتمام سر کے بل گر پڑتا ہے۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنے کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لیجانے کا حال لکھکر اپنی والدہ کے لیئے بخشش کی دُعا نہ مانگنے کا ذکر کیا ہے اور یہہ فرمایا ہے کہ "یہہ بات یعنی اُن لوگوں کی مغفرت کی دُعا مانگنے کی ممانعت کرنا جو حالت کفر میں مرے ہوں پیغمبر صاحب کی احکامات کی سختی اور شدت کی اُن لوگوں کے حق میں جو دین سے جہالت کی حالت میں مرے ہوں ایک عجیب مثال ہے" ہم اس روایت کی صحت اور غیر صحت کی بحث کو چھوڑ کر یہہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تو اُن لوگوں کے حق میں دُعاے مغفرت نہ کرنے میں جو خداے واحد پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور انبیاء سابقین کے دین کو بھی نہ مانتے ہوں بلکہ محض بے ایمانی کی حالت میں مر گئے ہوں کسیطرح کی سختی اور شدت نہیں ہے بلکہ زندہ آدمیوں کو بُت پرستی کے چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کی ترغیب دینے کے لیئے ایک نہایت کارآمد اور عمدہ ذریعہ ہے۔ پس جو شخص کہ ایسا کرے اُسپر سختی کا الزام نہیں ہو سکتا مگر ہم یہہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اگر مذکورہ بالا امر کے سبب آنحضرت صلعم کے احکامات پر سختی اور شدت کا الزام لگایا گیا ہے تو رحیم عیسائی مذہب میں اُن لوگوں کیواسطے جو کو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہوں مگر حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونیسے انکار کرتے ہوں کونسا نرم فیاضانہ اور ترحم آمیز سلوک کیا گیا ہے مگر افسوس ہے کہ ہماری یہ اُمید پوری نہیں ہوئی۔ ہماری خلاف توقع رحیم مذہب عیسائی میں غیر معتقدین کے لیئے اس سے بھی زیادہ سخت احکام معلوم ہوئے۔ اُسکا ایک نمونہ یہہ ہے کہ اتھینیسین خطبہ جو انگلستان کے تمام پروٹسٹنٹ گرجاؤں میں بروز ہاے معین پڑھا جاتا ہے

اور تمام اہل کلیسا کی منظوری سے منظور ہوا ہے اُن سب عقائد کے بیان کرنے کے بعد جنکا ماننا ہر شخص پر خواہ نخواہ فرض ہے بالتصریح یہ لکھا گیا ہے کہ یہہ عیسوی عقیدہ ہے جسپر بدون اعتقاد رکھنے کے کوئی آدمی نجات پا نہیں سکتا" پس جبکہ رحیم مذہب عیسوی کے بموجب ایسا شخص نجات کا مستحق نہیں ہے اور اسلیئے کسی کی دُعاے مغفرت بھی اُس کے حق میں مفید نہیں ہے تو عیسوی مذہب کو اس باب میں مذہب اسلام پر کیا فوقیت ہے؟

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں کسی منشا سے اس روایت کو بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھانے پر موجود ہوتے تھے تو تمام خاندان اپنے کفایت شدہ کھانے سے تھوڑا اودھتا تھا لیکن جب پیغمبر صاحب بھی کھانیمیں شریک ہوتے تھے تو سب کا پیٹ بھر جاتا تھا اور یہہ فرماتے ہیں کہ اس سے عروج پذیری کی بڑائی مظنون ہوتی تھی مگر اہل اسلام تو ایسی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے اور نہ اُن کے معتبر ہونے کی کوئی کافی سند موجود رکھتے ہیں لیکن ہمکو تعجب آتا ہے جبکہ عیسائی ایسی روایتوں کو کسی اشارہ آمیز ارادہ سے نقل کرتے ہیں کیونکہ اُن کو ایسے واقعہ کے امکان پر اعتقاد نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جبکہ وہ متی کے باب ۱۴ ورس ۱۹ و ۲۰ کے اس بیان پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُسنے (یعنی حضرت مسیح نے) جماعت کو (جنکی تعداد پانچ ہزار تھی) گھاس پر بیٹھنے کا حکم دیا اور پانچوں روٹیاں اور دونوں مچھلیاں نکالیں اور آسمان کی جانب نظر اوٹھا کر دُعا کی اور اُنکو توڑا اور روٹیاں اپنے حواریوں کو دیں اور حواریوں نے جماعت کو تقسیم کیں اور اُن سب نے پیٹ بھر کر کھائیں اور بچے ہوئے ٹکڑوں کو جن سے بارہ ٹوکرے بھر گئے اوٹھا لیا۔

اسکے بعد سر ولیم میور صاحب ایک اور روایت لکھتے ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

ملک شام کو گئے تو بحیرہ راہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جماعت میں سے
اس نشان سے پہچان لیا تھا کہ اُن کے سر پر ایک بادل سایہ ڈالے ہوئے چلتا تھا اور درختوں
کی شاخیں اُنکی دھوپ روکنے کے واسطے جھک جاتی تھیں اور بحیرہ نے محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کئے اور تلاش مُہر نبوت اُنکے جسم کا معاینہ کیا۔

جس اشارہ سے کہ سر ولیم میور صاحب نے اس روایت کو لکھا ہے اُسکی نسبت ہم
بیان کرتے ہیں کہ اگر یہہ یقین کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الواقع اپنے چچا
ابوطالب کے ہمراہ ملک شام کو بغرض تجارت گئے تھے تو یہہ بات ہرگز قابل تعجب نہیں
کہ بحیرہ نے ایسا خیال کیا ہو کیونکہ اُس وقت یہود اور نصاریٰ ایک مسیحا اور ایک [illegible]
کے منتظر تھے۔ مگر افسوس ہے کہ محققین علماے اسلام اس روایت کو معتبر روایتوں میں
نہیں سمجھتے۔ وہ روایت جس میں بحیرہ کا حال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوطالب
کے ساتھ شام کے سفر میں جانے کا ذکر ہے اُس میں یہہ بیان بھی ہے کہ ابوطالب نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بمعیت و نگرانی حضرت ابوبکر اور بلال کے شام سے
واپس بھیجدیا تھا۔ بخاری اور مسلم میں جو سب سے زیادہ معتبر حدیث کی کتابیں ہیں
یہہ روایت مذکور نہیں ہے مگر ترمذی اور دیگر کم محتاط محدثوں نے بشوق تمام [illegible]
کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ منجملہ اُن بہت سی وجہوں کے جنسے اس روایت کی [illegible]
کا کافی ثبوت ملتا ہے ہماری راے میں ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کے قول کا جسکو حضرت ولیم میور
صاحب نے بیان کیا ہے اور جس سے اس روایت کی نامعتبری بخوبی ثابت ہوتی ہے بجنسہ
بجنسہ نقل کرنا کافی ہوگا اور وہ یہہ ہے کہ ترمذی کی یہہ روایت کہ ابوطالب نے محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو ابوبکر اور بلال کے ہمراہ شام سے واپس بھیجدیا تھا [illegible]

ہوتی ہے کہ ابو بکر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سال چھوٹے تھے اور بلال اُس وقت پیدا بھی
نہیں ہوئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر شام کا حال ابوطالب کے ہمراہ بیان کرنے کے بعد
جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ برس کی تھی اور جسکی نسبت ہمنے ابھی بیان کیا کہ وہ صحیح
نہیں ہے سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ زمانہ سابق کے منہدم اور اُجڑے ہوئے مقاموں
نے جن کو خیالی قصوں اور عجیب و غریب بیانوں اور دل انگیز روایتوں نے اور بھی پر اثر کر دیا
تھا اور گرجاؤں کو صلیبوں اور مورتوں اور دینی علامتوں سے آراستہ کرنے اور گھنٹوں کے
بجنے کی قومی رسموں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوض کنندہ دل و دماغ پر ایک گہرا
نقش اور پائیدار اثر کر دیا تھا۔

ہم نہایت ادب سے سر ولیم میور صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا ایک مصروع شخص کا
دل و دماغ ایسا اثر قبول کر سکتا ہے؟ اور کیا ایک مصروع شخص خوض کنندہ دل و دماغ رکھتا ہے؟
اگرچہ یہہ بیان سر ولیم میور صاحب کا نہایت دلچسپ ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اُس بیان سے اتفاق
نہیں کر سکتے کیونکہ اسی لڑکے نے جسکا دماغ صلیبوں اور مورتوں اور علامات دین عیسوی کو
دیکھکر اس قدر اثر پذیر ہوا تھا بعد کو انہی چیزوں سے مخالفت اختیار کی صلیب کو توڑا مورتوں کو
چھوڑا اُنکی پرستش سے منع کیا اور یہہ بتایا کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے تثلیث کے عقیدہ کو
جھٹلایا خدا کو وحدہ لاشریک بتلایا اور اُسکی عبادت کا وعظ کیا اور تمام دنیا میں اُسیکو رواج دیا

لیکن اس بات کو تسلیم کرکے کہ مذکورہ بالا چیزوں نے اس لڑکے کے دل پر حقیقت اثر
پیدا کیا تھا۔ ایک اور خیال خودبخود دل میں آتا ہے اور وہ یہہ ہے کہ ایسا لڑکا جسکے ابتدائی چار
برس ایک صحرا میں کٹے تھے اور پھر آٹھ برس تک مشرک اور بت پرست لوگوں میں گذرا ہو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نسبت خود حضرت عیسیٰ نے یہ بشارت دی تھی کہ آنحضرت ﷺ ... کہ میرا چلا جانا تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط یعنی احمد مصطفیٰ ﷺ تمہارے پاس نہیں آویگا اور اگر میں چلا جاؤنگا تو اس کو تمہارے پاس بھیج دونگا۔

خاتمہ

الحمد للہ کہ کتاب خطبات احمدیہ اردو زبان میں مرتب ہو کر چھپ گئی۔ انگریزی پڑھنے والے جب اس اردو کتاب کو انگریزی کتاب سے جو [illegible] چھپی ہے مقابلہ کرکے پڑھیں تو علاوہ اس اختلاف کے جو انگریزی زبان کی طرز تحریر اور اردو زبان کی طرز تحریر میں ہے اردو زبان کی کتاب میں ہر ایک مضمون کو زیادہ مشرح پاویں گے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ انگریزی کتاب حقیقت میں بطور خلاصہ ان مضامین کے جو یادداشت اول اردو زبان میں لکھی گئی تھی بنظر تسہیل ترجمہ انگریزی مرتب ہوئی تھی اور اس اردو کتاب کو ہم نے انہی اردو یادداشتوں سے مرتب کیا ہے اور ان مضامین کو اسی وسعت سے لکھا ہے جس وسعت سے کہ یادداشتوں میں تھے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مختصر فہرست کتب موجودہ انجمن الغرض مدرسۃ العلوم علی گڈھ

نام کتاب	نام مصنف یا مترجم	مختصر کیفیت	قیمت
آیات اللہ الکاملہ	مولوی خلیل احمد صاحب پروفیسر عربی مدرسۃ العلوم مترجم	کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا (جو عربی زبان میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی مشہور کتاب ہے) اردو ترجمہ لائتی سفید کاغذ پر	عہ ۱۲/
اعجاز التنزیل	خلیفہ سید محمد حسن مرحوم وزیر ریاست پٹیالہ	اسمیں قرآن مجید کو لفظاً و معناً کلام اللہ اور معجزہ ہونیکا ثبوت اور مخالفین کی نکتہ چینیوں کا جواب نہایت متانت سے دیا گیا ہے	ہے/
رسائل شبلی	شمس العلما مولوی شبلی نعمانی	مولانا شبلی کے وہ مضامین جو انہوں نے وقتاً فوقتاً کسی علمی یا تاریخی مسئلہ پر لکھے اور جنمیں سے اکثر آجتک کتاب یا رسالہ کی صورت میں چھپکر شائع نہیں ہوئے تھے یہ مضامین تعداد میں (۱۱) اور انکے صفحات کی مجموعی تعداد ۲۰۰ ہے باوجود اس جامعیت کے قیمت صرف	عہ ۸/
الفاروق	ایضاً	مولانا صاحب نے برسوں کی جانکاہی اور محنت سے حضرت عمر فاروق کے حالات پر ایک ضخیم کتاب تیار کی ہے اور اسکے لیے ممالک عثمانیہ اور مصر کا سفر کیا اور بیشمار تاریخوں کی ورق گردانی کی قیمت ہر دو حصہ	ہے/
دربار اکبری	شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد مرحوم	اکبر کے عہد حکومت کے دلچسپ واقعات اور ارکان سلطنت کے عجیب حالات	ہے/
آب حیات	شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد مرحوم	اس کتاب میں اردو زبان کے شاعروں کے مفصل حالات بیان کیے گئے ہیں اور ہر ایک شاعر کے کلام کا نمونہ دیا گیا ہے	سہ ۴/
یادگار غالب	مولوی الطاف حسین حالی	اسمیں مرزا غالب مرحوم کے واقعات زندگی اور مرزا کے اردو و فارسی نظم و نثر کا انتخاب ہے اور اسکے ساتھ مرزا کی تصویر بھی شامل ہے	عہ
حیات سعدی	ایضاً	اس بےنظیر کتاب میں شیخ سعدی شیرازی کی زندگی کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں	عمہ/
دعوت اسلام	منشی عنایت اللہ صاحب بی اے مترجم	ٹی ڈبلیو آرنلڈ سابق پروفیسر محمڈن کالج علی گڈھ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کا اردو ترجمہ اس کتاب میں تیرہ باب لکھے گئے ہیں	ہے/
البرامکہ	مولوی عبد الرزاق صاحب	خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے وزیر یحیی و فضل و جعفر برمکی کے حالات مجلد	عہ ۱۲/